الجنۃ تحت ظلال السیوف

جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے (الحدیث)

مجاہد اعظم حضرت محمد بن قاسم کے رفقاء یعنی شامی مجاہدین

کے حالات پر مشتمل

تاریخ آرائیاں

علی اصغر چودھری

ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سنجھورو، سانگھڑ (سندھ)

علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

الجنۃ تحت ظلال السیوف

جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے (الحدیث)

مجاہد اعظم حضرت محمدؐ بن قاسمؒ کے رفقا یعنی شامی مجاہدین

کے حالات پر مشتمل

تاریخ ارائیاں

علی اصغر چوہدری

ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول، سنجھورو، سانگھڑ (سندھ)

علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: ۵۳۵۱۰

بار اوّل ۱۹۶۳ء تعداد ۱۰۰۰

بار دوم ۱۹۶۶ء تعداد ۱۰۰۰

بار سوم ۱۹۷۳ء تعداد ۱۰۰۰

مطبع : مکتبہ جدید پریس، شارع فاطمہ جناح، لاہور

ناشر : علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور

کتابت : محمد اکرم انجم ۔ خالد محمود صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُحادیثِ جہاد

ذیل میں تین احادیث درج کی جاتی ہیں۔ پہلی دو حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے اُن گروہوں کو دوزخ سے نجات کی خوشخبری دی ہے جو ہندوستان کے خلاف یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر (قیامت کے قریب) یہودیوں سے جنگ کریں گے۔ ہندوستان کے ساتھ جہاد کرنے والے ہمارے وہ آباؤ اجداد تھے جنہوں نے محمد بن قاسمؒ کے لشکر میں آ کر سندھ میں راجہ داہر سے جنگ کی اور فتح پائی اور تیسری حدیثؐ میں جہاد کا فریضہ ترک کرنے والوں کے لیئے وعید ہے کہ وہ لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہو جائیں گے اور یہ ذلت دُور نہ ہو گی جب تک دوبارہ جہاد نہ کریں گے۔ (سردار محمد)

۱: عن ثوبان مولی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قال قال رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عصابتان من اُمّتی حرزھما اللّٰہُ من النّار عصابۃٌ تغزُو الھِندَ وعصابۃٌ مع عیسَی بن مریمَ علیھما السلام (نسائی جلد ۲ ص ۵۲ غزوۃ الھند)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمّت کے دو گروہوں کو اللہ نے آگ سے بچا لیا ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو ہند کے خلاف جہاد کرے گا اور ایک گروہ جو حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ دے کر یہود پر جہاد کرے گا۔

(نسائی جلد ۲ ص ۵۲ غزوۃ الہند

۲: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال وعدنا رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفقُ فیھا نفسی ومالی فان اُقتلُ کنتُ مِنْ افضلِ الشھداءِ فان اَرجعُ فانا ابوھریرۃُ المحرّرُ۔ (نسائی جلد ۲ ص ۵۲ غزوۃ الھند)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (مسلمانوں) سے وعدہ فرمایا کہ جہاد ہند میں (بخشش کا) اگر میں (ابوہریرہ) نے اس جہاد کا وقت پایا تو میں اس میں اپنی جان و مال صرف کروں گا۔ اگر میں شہید ہو گیا تو افضل الشہدا میں ہوں گا اور اگر زندہ لوٹ آیا تو میں ایسا ابوہریرہ ہوں گا جو سزائے آخرت سے آزاد ہوں گا۔

(نسائی جلد ۲ ص ۵۲ غزوۃ الہند

۳: اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّیْنَارِ وَ الدِّرْھَمِ وَ تَبَایَعُوْا بِالْعَیْنِ وَ اتَّبَعُوْا اَذْنَابَ بَقَرٍ وَّ تَرَکُوا الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَنْزَلَ اللہُ بِھِمْ بَلَآءً فَلَنْ یَّرْفَعَہٗ حَتّٰی یُرَاجِعُوْا۔ (سُنن ابی داؤد)

جب تم مال و دولت میں بُخل کرنے لگو گے اور عین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دُمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ تم پر ذلّت ڈال دیگا، تو یہ ذلّت دُور نہ ہو گی جب تک کہ تم اپنے دین (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف لوٹ نہ آؤ۔

باسمہٖ سُبحانہٗ

دیباچہ

(تیسرا ایڈیشن)

الحمدللہ! برادری نے ناچیز کی اس علمی خدمت کو بے حد پسند کیا ہے اور پاکستان کے کونے کونے سے آنے والے لاتعداد خطوط بلاشُبہ سرمایۂ افتخار ہیں۔ اس تاریخ کے مطالعہ کے بعد برادری کی بے شمار انجمنیں وجود میں آگئی ہیں۔ جن کی بدولت جمود اور احساس کمتری دُور ہُوا اور "بہبود اراٹیاں" کی راہ ہموار ہو چکی ہے، برادری کی بہبود درحقیقت قوم اور ملک کی بہبود کا زینہ ہے کیونکہ باصلاحیت افراد، متموّل اشخاص اور اہلِ سیرت و کردار ہی ملک کی فلاح کے ضامن ہوتے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن ملک بھر کے اہلِ علم سے داد حاصل کر چکا ہے۔ کراچی اور سندھ یونیورسٹی میں یہ حوالہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن نئی معلومات کا حامل ہے۔ مزید ریسرچ کے بعد کئی نئے گوشے اُبھرے ہیں اور میرے قلمی معاونین نے ملک کے مختلف علاقوں سے نہایت بیش قیمت معلومات فراہم کی ہیں۔ بعض دوستوں نے چند اعتراضات کر کے میرے لئے غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تیسرا ایڈیشن بہت زیادہ مفید اور مقبول ہوگا۔

مالی مشکلات کو دُور کرنے کے لئے جناب چودھری ظفر عالم صاحب ۳، کالول روڈ سپارک برک، برمنگھم، چودھری محمد عاشق اصغر صاحب ۶۸ بی۔ بلیک اسٹاک روڈ لنڈن بلرنم

اور سیٹھ محمد اسحاق صاحب سانگھڑ نے بھرپور تعاون کیا ہے۔ ان حضرات کے مالی تعاون سے اس ناچیز نے "تاریخ سندھ کا گم شدہ باب یعنی قوم ارائیں کا تاریخی پس منظر" لکھ کر اہل سندھ کو ارائیں برادری کی اہمیت سے روشناس کرایا اور ہندوستان کے مختلف اضلاع بالخصوص یُوپی سے آنے والی برادری کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لئے لائحۂ عمل پیش کیا تھا جسے بے حد سراہا گیا ہے۔

اس ایڈیشن کی تدوین اور اشاعت کے سلسلے میں محترم جناب الحاج مولوی سردار محمد صاحب مالک علمی کتاب خانہ کی محنت شاقہ، ذاتی دلچسپی اور برادری سے حد درجہ کی ہمدردی کا مصنف کو نہ صرف احساس بلکہ اعتراف ہے اور یہ محض ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ برادری کے لئے اس تاریخی دستاویز کا حصول ممکن ہُوا۔

علی اصغر چودھری

ارائیں ہاؤس محلہ اللہ یار، ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ

۲۱ر جولائی ۱۹۷۳ء

تعارف

(پہلا ایڈیشن)

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (۲۶/۴۹ الحجرات)

ترجمہ :- اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ) سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم میں ذاتیں اور گوتیں (SUB CASTES) شناخت کے لئے بنائی ہیں۔ بے شک بہت بزرگ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

یہ تاریخ صرف قوم ارائیں کا تعارف کرانے کے لئے لکھی جا رہی ہے تاکہ وہ خود کو پہچان سکے اور اس کے متعلق دوسروں کی غلط فہمیاں دور ہوں۔ ہمارا مقصد کسی قوم کی برتری ثابت کرنا یا دوسرے کی تذلیل کرنا نہیں، بلکہ تاریخی حقائق پیش کر کے اپنی قوم کو دینی و دنیاوی سربلندی کی طرف دعوتِ عمل دینا ہے تاکہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ملک و قوم کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکیں اور جس طرح قرونِ اولیٰ میں انہوں نے دین کی سربلندی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا۔ اس گئے گزرے دور میں بھی اسی جانفروشی کے ساتھ اسلام کی خدمت کرتے رہیں کیونکہ اسی میں دنیوی اور اُخروی سعادتوں کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو کامیاب کرے۔ آمین۔

جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے حوالے درج کرنے کی بجائے اقتباسات اس طرح شامل کر دیئے گئے ہیں کہ ربط اور تسلسل قائم رہے اور قاری بار بار حوالہ جات کو دیکھ کر کراہت محسوس نہ کرے۔ میری یہ کوشش حرفِ آخر نہیں ہے۔ تحقیق کا میدان بہرحال بہت وسیع ہے تاہم کافی عرق ریزی سے کام لے کر معلومات کو اپنی قوم تک پہنچایا ہے اور میں ہر دردمند قاری، اہلِ قلم اور صاحبِ ثروت سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے لئے مفید مشورے، تاریخی مواد اور مزید معلومات

بہم پہنچا کر شکر گذاری کا موقع دیتے رہیں گے۔

میں اپنے عزیز دوست چودھری محمد صدیق صاحب بی۔ اے منشی فاضل اسٹینو گرافر سنٹرل انٹیلیجنس بیورو لاہور کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے اس کتاب کی طباعت و اشاعت پایۂ تکمیل تک پہنچی ہے۔

نو آباد ضلع سانگھڑ
۷ر اپریل ۱۹۶۳ء

علی اصغر چودہری

حرف اوّل

(دوسرا ایڈیشن)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری ناچیز کوشش کو کامیابی کا شرف عطاء کیا اور پہلا ایڈیشن قلیل مُدّت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں زیادہ محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اور مواد بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

ناموران قوم میں سے محترم جناب سردار محمد شفیع صاحب صدر آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۷ء جلال آباد (بجنور) اور محترم جناب میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر بیرون یکی دروازہ لاہور خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ممکن راہنمائی کی ہے۔ نیز جناب محمد ابراہیم صاحب معرفت رحمت میڈیکل سٹور ۱۲۔ ریلوے روڈ لاہور کی مساعی جمیلہ کا تہ دل سے شکرگزار ہوں۔ جنہوں نے بہت سے اکابر قوم کے سوانح حیات بہم پہنچائے ہیں۔

پہلے ایڈیشن میں تبصروں، مشوروں اور تنقیدوں کی روشنی میں ضروری ترامیم کر دی گئی ہیں۔ چند نئے ابواب بھی شامل ہیں اور ماضی بعید کے اندھیروں میں ڈگمگانے کی بجائے ماضی قریب کو زیادہ اجاگر کیا گیا ہے۔ کیونکہ انیسویں اور بیسویں صدی میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں کہیں زیادہ رنگین اور حیرت انگیز ہیں۔ اس لئے ماضی کے ان اوراق میں اپنی برادری کے روشن ستاروں کی نشاندہی کر کے قوم کو ان کی تقلید پر آمادہ کرنا میرے خیال میں بہترین قومی خدمت ہے۔

آزادی تقسیم ملک اور دینی تحریکیں ایسے عنوان ہیں، جن کی تفصیل ہماری برادری کے معزز ارکان کی زبانی سن کر آپ ماضی بعید پر فخر کر کے "پدرم سلطان بود" کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے دور حاضر میں اپنی خدمات پر بجا طور پر نہ صرف فخر کر سکتے ہیں بلکہ ان ستاروں کی ضوفشانی میں اپنی منزل کا تعین بھی کر سکتے ہیں۔

نو آباد ضلع سانگھڑ
۳۱ مارچ ۱۹۶۶ء

علی اصغر چودھری

گذارشِ ازناشر

کتاب کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت میں قوم کے نامور افراد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ دوسرے ایڈیشن کی طباعت میں جو بے ترتیبی ہو گئی تھی وہ اس ایڈیشن میں کسی حد تک رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی بعض کوائف جو بعد میں ضمیموں میں دیے گئے ہیں اُن میں ترتیب برقرار نہیں رہ سکی۔ اُن میں سے بعض بہت اہم شخصیتوں کے اسماء گرامی ہیں، مثلاً ڈاکٹر سر محمد شفیع (مرحوم)۔ مصنف صاحب کو اُن کے متعلق معلومات میسر نہ آسکیں۔ یہ خلاء بہت کھٹکتا تھا۔ میں بڑا متفکر تھا کہ کوائف مستند مل جائیں۔ چنانچہ میرے ایک دوست پروفیسر احسان الحق صاحب نے مجھے محترمہ بیگم شاہنواز صاحبہ کی تصنیف 'Father & Daughter' عنایت کی۔ میں نے تمام حالات اُسی کتاب سے لے کر درج کئے ہیں لیکن نہایت اختصار کے ساتھ۔ مجھے اعتراف ہے کہ قوم کے اس نامور فرزند کی شخصیت کو اس کا صحیح مقام دلانے میں شاید الفاظ نے پُورا ساتھ نہ دیا ہو کیونکہ مجھے تصنیف یا ایڈیٹری سے کبھی واسطہ نہیں پڑا، دیگر مصروفیات کی وجہ سے وقت بھی بہت کم تھا، تاہم اپنی طرف سے کوشش کی گئی ہے کہ واقعات کی صحیح تصویر کھینچی جائے اور مبالغہ آرائی یا تنقیص سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

دُوسرا بڑا خلاء یہ تھا کہ قوم کے عظیم محسن جناب صوفی اکبر علی اور اس کے خاندان کے افراد کے متعلق بہت کم معلومات کا اندراج تھا۔ یہ کمی صوفی صاحب کے خلف الرشید ونگ کمانڈر میاں حمید علی صوفی نے میری درخواست پر پُوری کر دی، جس کے لیئے میں اُن کا تشکر گذار ہوں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی نامور ہستیوں کے کوائف مل گئے۔

بعض کو! مجھے خود ہی مرتب کرنا پڑا، مثلاً جناب چوہدری عبدالعزیز خالد انکم ٹیکس کمشنر لاہور۔ ان سے جب میں نے کچھ اپنے متعلق لکھنے کو کہا تو فرمانے لگے کہ رسالہ 'سیارہ' کراچی کے عبدالعزیز خالد نمبر سے نکال لو۔ چنانچہ میں نے رسالہ مذکور میں سے ہی کچھ اقتباسات لے کر اپنا گذارہ کیا۔

بعض نام جو بعد میں ملے اُن میں حضرت مولینا صوفی کرم الٰہی صاحب اور اُن کا ۱۹۳۵ء کی ارائیں کانفرنس کا خطبہ، سردار محمد شفیع اور اُن کے خاندان کے حالات، میاں محمد شفیع (م۔ش)، ڈاکٹر انوار الحق، بعض بزرگوں کے تذکرے اور بعض خاندانوں کے کوائف جو طبع دوم میں نہ تھے، ضمیمہ نمبر۱ میں درج کر دیے ہیں۔ انجمن ارائیاں میرپور آزاد کشمیر کے کوائف مل نہیں سکے۔ سردار محمد عالم صاحب پریذیڈنٹ انجمن کو پیغام بھیجا تھا لیکن وہ کچھ ایسے مصروف تھے کہ ہماری فرمائش پوری نہ کر سکے آئندہ ایڈیشن میں انشاءاللہ درج ہو جائیگا۔

ضمیمہ نمبر۲ مختصر فہرست ناموران قوم پر مشتمل ہے جن میں نئے ناموں کا خاصا بڑا اضافہ ہُوا ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ ذکر 'اوج پاکستان' کی نئی تنظیم ہے جو سیاسیات سے علیحدہ رہ کر مسلمانوں کی عموماً اور برادری کی خصوصاً تعلیمی، سماجی اور اقتصادی خدمت کا جذبہ لے کر میدان میں آئی ہے۔ ان میں اچھے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ان میں سے اس وقت پانصد کے قریب ناموں کا اندراج کیا گیا ہے۔ لاہور کے وکلاء صاحبان کی فہرست اگرچہ نامکمل ہے تاہم اُن کے ۱۰۳ نام دیے گئے ہیں۔ قصور کے وکلاء علیحدہ ہیں۔ ان کے علاوہ بعض نئی انجمنوں کا تذکرہ بھی ہے۔ حزب ارائیاں راولپنڈی کے چیدہ چیدہ نام بھی دیے گئے ہیں۔ ملتان کے نام 'اوج' میں شامل ہیں۔ لائل پور کے الگ ہیں۔

چودھری علی اصغر صاحب نے سندھ اور کراچی سے بھی ایک خاصی بڑی فہرست بھیجی ہے جو ضمیمہ نمبر۲ میں شامل ہے۔

مُصنف اور مجھے اعتراف ہے کہ ہمارا کام ابھی نامکمل ہے۔ کرنے کے لیے بہت کام باقی ہے۔ مستند حوالہ جات کی ابھی بہت ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ یہ کمی پوری کرنے کے لیے ایسے اصحابِ علم میدان میں آجائیں گے جو پُرانی لائبریریوں سے چھان پھٹک

کر کے ایسی مستند تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو شک و شبہ سے بالا ہو۔

پچھلے ایڈیشن میں جناب ذوالفقار علی بھٹو (وزیر اعظم پاکستان) کا نام اور کوائف درج کیے گئے تھے لیکن میاں محمد شفیع (م ش) صاحب نے بتایا کہ انھوں نے براہ راست جناب بھٹو صاحب سے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ آرائیں برادری کے فرد ہیں؟ تو انھوں فرمایا تھا کہ وہ بھٹو راجپوت ہیں۔ اس لیے اس ایڈیشن میں اُن کا نام حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ غیر برادری کے افراد کے اندراج پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اگرچہ وسیع اسلامی برادری کے ہر قابل فرد پر ہمیں بھی فخر ہے۔ حقیقتاً آرائیں بھٹو بھی سندھ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اُن میں کئی ایک کے نام اس کتاب میں درج ہیں۔

دیباچہ سے پہلے تین احادیث رسولؐ درج کی گئی ہیں جو جہاد سے متعلق ہیں۔ جہاد کا فریضہ ترک کرنے سے ہی مسلمان عموماً اور برادری کے افراد خصوصاً ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ ہم ایک مجاہد کی حیثیت سے حضرت محمد بن قاسمؒ کے ساتھ اس ملک میں آئے تھے ہمیں دوبارہ ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کو ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں تنبیہہ کی گئی ہے۔

آخر میں میں تمام بزرگوں اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے تعاون سے کتاب کا تیسرا ایڈیشن مکمل ہوا۔ کتاب میں کہیں کسی قسم کی اغلاط ملیں، اُن کی نشاندہی کر کے مطلع فرمائیں، مصنف اور میں بے حد ممنون ہوں گے۔ نیز نئے خاندانوں کے تذکرے، شخصی حالات، جو قابلِ ذکر ہوں، شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے۔

بعض لوگ ارائیں ڈائرکٹری کے نام پر رقوم اکٹھی کر رہے ہیں اور اپنا اعتبار جمانے کے لیے میرا نام یا 'اوج پاکستان' کے بعض عہدیداروں کا نام بھی لیتے ہیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ اُن کا ذاتی کاروبار ہے اور ہم ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

سردار محمد

۱۷ اگست ۱۹۷۳ء

جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

۱۔ چچ نامہ — مطبوعہ: سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد

۲۔ تحفۃ الکرام 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ قدیم سندھ 〃 〃 〃 〃 〃

۴۔ سندھ جي دربار 〃 〃 〃 〃 〃

۵۔ سندھ جي اقتصادي تاريخ 〃 〃 〃 〃 〃

۶۔ تاریخ معصومی 〃 〃 〃 〃 〃

۷۔ جنت السندھ 〃 〃 〃 〃 〃

۸۔ تاریخ ریگستان 〃 〃 〃 〃 〃

۹۔ تاریخ کلہوڑہ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۰۔ لب تاریخ سندھ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۱۔ آئینۂ قدیم سندھ 〃 آر۔ ایچ۔ احمد برادرس 〃

۱۲۔ خطہ پاک اوچ 〃 اردو اکیڈمی بہاولپور

۱۳۔ تاریخ اسلام اکبر شاہ خاں 〃 نفیس اکیڈمی کراچی

۱۴۔ آئینہ حقیقت نما 〃 〃 〃 〃

۱۵۔ خلافت بنو امیہ حصہ دوم 〃 〃 〃

۱۶۔ سلیم التواریخ 〃 صوفی محمد اکبر علی جالندھری

۱۷۔ تاریخ آل ذو رعین 〃 منشی محمد ابراہیم محشر انبالوی

۱۸۔ عجائب الاسفار 〃 نفیس اکیڈمی کراچی

۱۹۔ تذکرہ صوفیائے سندھ 〃 اعجاز الحق قدوسی

۲۰۔ ہسٹری آف سیریا بمعہ لبنان اور فلسطین — پروفیسر فلپ کے ہٹی

۲۱۔ تاریخ فیروز شاہی — شمس سراج عفیف، نفیس اکیڈمی کراچی

۲۲۔ فتوح البلدان بلاذری — " " "

۲۳۔ عبرت کدہ سندھ — " " "

۲۴۔ تاریخ فرشتہ — محمد قاسم فرشتہ

۲۵۔ اقبال نامہ جہانگیری — مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

۲۶۔ ماہنامہ الرّاعی لاہور کے مختلف شمارے

۲۷۔ مذاہب اسلامیہ — " ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

۲۸۔ حقیقتِ قوم کمبوہ — محمود عباسی

۲۹۔ شارٹ ہسٹری آف سراسنز — جسٹس امیر علی

۳۰۔ الہارون — عمر ابو نصر

۳۱۔ المامون — شبلی نعمانی

۳۲۔ دس بڑے مسلمان — شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

۳۳۔ امیر معاویہ — انیس زکریا

۳۴۔ سرگزشت مجاہدین — غلام رسول مہر

۳۵۔ ابوبکر صدیقؓ — محمد حسین ہیکل

۳۶۔ عمر فاروقِ اعظمؓ — "

۳۷۔ آبِ کوثر — شیخ محمد اکرام

۳۸۔ موج کوثر — "

۳۹۔ رود کوثر — "

۴۰۔ کالا پانی — مولانا محمد جعفر تھانیسری

۴۱۔ آزادیٔ ہند	مولانا ابوالکلام آزاد
۴۲۔ الفاروق	شبلی نعمانی
۴۳۔ ۱۸۵۷ء	میاں محمد شفیع
۴۴۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ	ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری
۴۵۔ تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
۴۶۔ اُردو صحافت (پاک و ہند میں)	ڈاکٹر عبدالسلام خورشید
۴۷۔ عہد لارڈ مونٹ بیٹن	ایلن کیمبل جانسن
۴۸۔ نقوش شخصیات نمبر	
۴۹۔ نقوش آپ بیتی نمبر	
۵۰۔ خطۂ پاک اوچ	سعود حسن شہاب
۵۱۔ برہانپور کے سندھی اولیا	سندھی ادبی بورڈ
۵۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی
۵۳۔ الزبیر آزادی نمبر	بہاولپور اکیڈمی
۵۴۔ سیارہ کراچی	عبدالعزیز خالد نمبر
۵۵۔ باپ اور بیٹی (انگریزی)	بیگم شاہنواز

پہلے ایڈیشن پر چند تبصرے

۱۔ روزنامہ انجام کراچی۔ مورخہ ۳ فروری ۱۹۶۴ء
اس کتاب میں ہندو پاکستان کی مشہور قوم "ارائیں" کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ مصنف نے تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ قوم محض سبزی فروش نہیں ہے بلکہ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس قوم نے بڑے بڑے مجاہد، مبلغ علماء اور نجار پیدا کئے ہیں جنہوں نے اپنی نسلی برتری اور ذاتی صلاحیت کی بناء پر قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے ارائیں قوم کی جو خوبیاں گنوائی ہیں وہ بہت قابل قدر ہیں۔ کتاب کا وہ حصہ جس میں اس قوم کے علماء، حکماء اور اولیاء کا مختصر تذکرہ ہے خاص توجہ کا مستحق ہے۔ اس میں تقریباً چالیس مشاہیر کے حالات دیئے گئے ہیں۔

۲:۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ مورخہ ۳ جنوری ۱۹۶۴ء
کتاب خاصی معلومات افزا ہے لیکن ضخامت کے پیش نظر قیمت زیادہ ہے۔

۳:۔ جناب صفدر سلیمی صاحب سابق پبلسٹی انچارج خاکسار تحریک اور حال ایڈیٹر ماہنامہ "طلوع اسلام"، لاہور اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"آپ کی سعی و کاوش قابل داد ہے۔ میں اس کے لئے ہدیہ سپاس پیش کرتا ہوں۔"

۴:۔ ماہنامہ "الراعی" لاہور۔ ماہ مئی ۱۹۶۴ء (ایڈیٹر عبدالرشید تبسم ایم۔ اے)
ارائیوں کے اولین جدِ امجد کون بزرگ تھے۔ مختلف زمانوں میں ان کی نسل کس پیمانے پر اور کن حالات میں پھلی پھولی۔ اس نسل نے کہاں کہاں اور کیوں نقل و حرکت کی —— اس قسم کے بے شمار سوال اہل فکر ارائیوں کے ذہن میں اکثر پیدا ہو رہے ہیں۔ پھر ارائیوں نے اپنی خداداد غیر معمولی قابلیت، محنت شاقہ، خلوص اور استقلال سے گزشتہ کئی صدیوں پر برصغیر ہند و پاکستان کے ہر شعبہ حیات جیسے تعلیم، علم و ادب، سیاست، صنعت، زراعت سپہ گری، مذہب، روحانیت، وقتاً فوقتاً ایسے کارنامے سرانجام دیئے اور ملک و ملت

کے وقار میں کچھ اس انداز سے اضافہ کیا کہ غیر ارائیں مسلمان بلکہ اس برصغیر کے بعض غیر مسلم اہل فکر بھی حیران ہو کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے رہے ہیں کہ اتنا زرخیز دماغ رکھنے والے اس ارائیں قبیلے کی صحیح تاریخ کیا ہے۔ لیکن اس جذبہ تجسس کی بنیاد محض حیرانی پر ہوتی رہی۔ اس لئے تحقیق کا یہ ذہنی خلجان ہمیشہ عارضی اور محض وقتی ثابت ہوتا رہا۔ اس کا اظہار مجلسی گفتگوؤں اور تاریخ کی بعض دوسری کتابوں میں چند اشاروں تک محدود رہا اور بس۔ ارائیں قبیلے کی تاریخ پر کوئی معتبر کتاب یا جامع مضمون کبھی نہ لکھا گیا اور نہ اس باب میں کوئی "ریسرچ" ہوئی۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنے مورخانہ انداز میں کچھ ضرور نشاندہی کی۔ مگر نشاندہی بہر حال نشاندہی ہے۔ اسے مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔

گزشتہ چالیس سال میں ارائیں قوم کی تاریخ کے متعلق کچھ خیال پیدا ہوتا رہا۔ چنانچہ صوفی اکبر علی جالندھری مرحوم نے سلیم التواریخ اور منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی نے آلِ ذورعین لکھ کر ارائیں قبیلے کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی جو بہر حال غنیمت تھا۔

اس مضمون پر اب ایک تیسری کتاب معرض وجود میں آئی ہے۔ یہ کتاب "تاریخ قوم ارائیں" کے نام سے جناب علی اصغر چودھری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کے تحت چند عنوان موجود ہیں۔ مصنف نے پہلے باب میں جو گیارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان تمام نظریات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ارائیں قبیلے کے آغاز سے متعلق وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے ہیں۔

آپ کا پیش کردہ خیال یہ ہے کہ ارائیوں کے مورثِ اعلیٰ ملک شام کے علاقہ اریحا کے باشندے تھے۔ یہ علاقہ دمشق کے متصل ہے۔ اریحا سے ہندوستان آنے والے لوگوں کو "اریحائی" کہا جانے لگا۔ بعد میں یہ لفظ "اریحائی" "صوتی" تبدیلی سے "ارائیں" بن گیا۔ جو آج تک مروج ہے۔

مصنف نے یہ کتاب عربی، فارسی اور اردو کی اکتیس معتبر کتبِ تاریخ مطالعہ کرنے کے بعد تصنیف کی ہے جن کی فہرست کتاب کے شروع میں دی گئی ہے۔

تاریخ قوم ارائیں کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مصنف نے اس پر

بڑے خلوص کے ساتھ محنت کی ہے۔ اور بہت سے ماخذوں سے اہم مواد اکٹھا کر کے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب کی عبارت میں تسلسل ہے اور مضامین باہم مربوط ہیں۔ مصنف نے یہ کتاب مرتب کرتے وقت مختلف ادوار کی معاشرتی حالت بھی بیان کر دی ہے جس سے قاری کے علم میں خاصا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے مضامین "اریحائی گروہ" "اریحا سے سندھ تک" اور "ارائیوں کی چند خصوصیات" خاص طور پر اہم اور بہت دلچسپ ہیں۔ تاہم جیسا کہ مصنف نے خود کتاب کے اخیر میں "اپیل" کے زیر عنوان اعتراف کیا ہے، اس کتاب کو ارائیں قوم کی مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ کتاب ہماری تاریخ کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے لیکن اس میں وہ مواد ضرور موجود ہے جس پر قبیلے کی تاریخ استوار ہو سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ فاضل مصنّف اپنی مساعی جاری رکھیں گے۔ اور دوسرے ایڈیشن میں زیادہ جامعیت پیدا کر سکیں گے۔

کتاب کے گرد پوش پر نیزہ، ہل، تابناک پتّوں والے پودے کی تصویر دی گئی ہے جو ارائیں قبیلے کے جذبۂ سپہ گری، ذوق زراعت و باغبانی کی مظہر ہے۔ مصوّری کے اس شاہکار نے کتاب کو بہت دیدہ زیب اور معنی خیز بنا دیا ہے۔ اس سے کتاب کی قدر و قیمت یقیناً بڑھ گئی ہے۔ اس تصویر میں اگر ایک کھلی ہوئی کتاب بھی شامل ہوتی تو ہماری رائے میں ارائیں قبیلے کا پورا کردار اس تصویر سے نمایاں ہو جاتا۔ اس لئے کہ تعلیم اور علم و مذہب کے میدان میں بھی اس قبیلے کی فتوحات بہت ہیں۔

ان فروگزاشتوں کے باوجود جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ہماری رائے میں "تاریخ قوم ارائیں" ایک بہت قابل قدر کتاب ہے اور اس کا ہر پڑھے لکھے ارائیں گھر میں موجود ہونا ضروری ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مصنف نے جس خلوص، عرق ریزی، قابلیت اور مالی ایثار سے یہ کتاب پیش کی ہے ارائیں قبیلہ اس کی قدر کرے گا۔ اس کتاب کی تسوید سے پہلے مصنّف کو ریسرچ پر جتنی محنت کرنی پڑی ہوگی اس کے مقابلے میں کتاب کی قیمت نہایت واجبی ہے۔

۵:۔ سردار قوم جناب سردار محمد شفیع صاحب صدر آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس منعقدہ ۵-۶-۷، مارچ ۱۹۴۷ء بمقام جلال آباد (بجنور) اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۹، نومبر ۱۹۶۳ء (نواب شاہ) میں لکھتے ہیں:

اخوی ۔محترمی جناب چودھری صاحب۔ السلام علیکم۔ گرامی نامہ کے ساتھ کتاب مل گئی۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ نے کافی محنت فرمائی ہے۔ علم تاریخ سے نابلد لوگوں کی طرف سے بعض غیر معتبر جاہلانہ تحریروں کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہماری برادری مدتِ مدید اور عرصہ ہائے دراز سے ایک عالمگیر احساس کہتری کا شکار ہے۔ پولیٹیکل حالات سے مجبور ہو کر ہماری برادری عام طور پر صدیوں کاشتکاری میں ایسی مبتلا ہوئی کہ اس سے وہ حکمرانی سے کنارہ کش رہ کر عافیت اور گمنامی کی زندگی تو گزار سکے لیکن اس شغل سے جو خرابی لازمی طور پر مسلط ہونی چاہیئے تھی رہ ہو کر رہی۔ اس لئے فطرت انسانی کے نباض حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشتکاری اور آلات کشاورزی کو دیکھ کر ہمت افزا الفاظ نہیں فرمائے تھے۔ اس کا نتیجہ احساس کہتری کی صورت میں آپ برادری میں ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔ پھر صدیوں ایسی شخصی حکومتوں کے ماتحت کاشت کاری میں مبتلا ہونے سے جن کے ظلم کا تختہ مشق کاشت کار ہی رہے ہیں، احساس کہتری کے سوا ان کے دل و دماغ پر اور کیا مسلط ہو سکتا ہے۔ اس احساس کہتری کو دور کرنا آج برادری کی اصل خدمت ہے۔

اگر ہم صرف ان واقعات اور ان بہادرانہ کارناموں کو جمع کر کے کتابوں کی صورت میں شائع کر دیں گے جو گزشتہ پچاس سال سے عوام کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں اور جن کی صدا آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے، تو نہ صرف برادری احساس کہتری سے شفا پا جائے گی۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی جو آج بہادری کے غلط اور من گھڑت دعویدار بنتے ہیں اور چوپالوں میں بیٹھ کر ڈینگ ہانکتے ہیں سرنگوں ہو جائیں گے۔ جس کو اشارۃً اختصار سے بتانا چاہتا ہوں:۔

(۱) مشترکہ ہند میں جتنی آزادی کی تحریکیں اٹھی ہیں، ان کا آپ جائزہ لیں تو حیران رہ جائیں گے۔ پہلی تحریک سید احمد شہیدؒ کی تھی جو مجاہدین کی صورت میں اس صدی عیسوی کے وسط تک زندہ رہی۔ اس میں شمالی ہند سے جا جا کر جہاد کرنے والے ساٹھ فیصدی سے زیادہ ارائیں تھے۔ امیر جماعت مجاہدین ہند مولوی فضل الہی صاحب جو پاکستان بننے کے بعد یاغستان سے پاکستان تشریف لے آئے اور ۱۹۵۰ء میں فوت ہوئے۔ ان کا سب سے زیادہ قابل اعتماد قاصد اور سیکرٹری میں تھا۔ ۱۹۲۰ء میں جب خلافت کمیٹیاں قائم ہوئیں اور خفیہ تحریک سے بلند ہو کر علانیہ تحریک حکومتِ انگریز کے خلاف اُٹھی،

ہیں خلافت کمیٹی میں شامل ہوا اور ۱۹۴۷ء یعنی پاکستان بننے تک آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش رہا۔ خلافت کمیٹی ۱۹۲۹ء میں ٹوٹی تو جن لوگوں میں دم خم بدستور موجود تھا انہوں نے مل کر مجلس احرار قائم کی۔ ہیں اس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کا ممبر اور مشترکہ ہندوستان بھر کے جیوش احرار کا سالار اعظم بھی تھا۔ چڑیوں کو بازوؤں سے لڑانے کا فرض میرے ہی ذمہ تھا۔ یہ نہ صرف آنکھوں دیکھا حال ہے بلکہ خود بیتی داستان ہے۔

۲:۔ تحریک پنجاب میں پنجاب سے اکثر جو لوگ یاغستان کو ہجرت کر جاتے اور جہاد کرتے ان میں ساٹھ فیصدی سے زائد ارائیں تھے۔ مولوی ولی محمد اور مولانا فضل الٰہی وغیرہ کی کوششیں زیادہ تر ارائیوں ہی کے علاقوں میں ہوتی رہیں۔

۳:۔ تحریک خلافت میں پنجاب سے قید ہونے والوں میں زیادہ تعداد ارائیوں کی ہی تھی اور خلافت کمیٹیوں میں زیادہ تر پُرجوش ممبر بھی ارائیں ہی تھے۔

۴:۔ خلافت کمیٹیوں کے ٹوٹ جانے اور سرد ہو جانے پر ارائیں ہی آگے بڑھے اور انہوں نے مجلس احرار کے نام سے خلافت کمیٹیوں کے ان ورکروں کو جو مایوس ہو کر گھر میں بیٹھ گئے تھے، جمع کر کے اینٹی انگریز پارٹی احرار کے نام سے بنائی جس کے آل انڈیا صدر مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی (ارائیں) اور میں سالارِ اعظم ہند اور میرے علاوہ اور بھی ممبران ورکنگ کمیٹی زیادہ تر ارائیں ہی تھے۔ اسی بناء پر ہمارے دوست چودھری افضل حق مرحوم جو راجپوت تھے، کہا کرتے تھے کہ یہ مجلسِ احرار ہے یا ارائیں جماعت ہے۔

۵:۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں تحریکِ کشمیر مجلس احرار نے شروع کی۔ پچاس ہزار آدمی قید ہوئے۔ ان میں چالیس فیصد وہ کشمیری تھے جو اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ لاہور، امرتسر اور سیالکوٹ وغیرہ میں رہتے تھے۔ چالیس فیصد پنجاب کے ارائیں تھے اور بیس فیصد باقی دوسری مسلمان قوموں میں سے تھے۔

۶:۔ احرار نے اس کے بعد آزادی کے لئے کئی دفعہ اقدام کیا۔ ہر دفعہ میں جیل جانے والوں میں اکثریت ارائیوں کی رہی۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ مسلمان جاٹ آزادی کی کسی تحریک

میں نمایاں ہو کر سامنے نہیں آئے تحریک مجاہدین میں تو یہ بالکل شامل نہیں ہوئے بلکہ اکثر ان کے لیڈر خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہوں، سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کی تحریک کو بدنام کرتے رہے اور آج تک بدنام کر رہے ہیں۔

ارائیں جو حقیقی بہادر ہیں اپنے ہزاروں فرزندوں کے کارہائے نمایاں دیکھ کر اور عظیم قربانیاں دے کر بھی کم ہمت بنے بیٹھے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ احساسِ کہتری نے ان کے دل و دماغ پر قبضہ کر رکھا ہے جو شعور پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ ارائیوں نے اپنے لیڈر وہ بنائے جو کم ہمت تھے یا خوشامدی اور بزدل تھے۔ وہ آزادی کی تحریکوں میں ارائیوں کی شمولیت کا حال اور اہمیت بتا ہی نہ سکتے تھے کیونکہ اس طرح تو ان کی نمبرداری اور سرداری ختم ہوتی تھی۔ قوم خواہ کتنی ہی بہادر کیوں نہ ہو اس کے کارنامے لیڈر کے کردار سے ہی نمایاں ہوں گے۔ اگر لیڈر کسی قوم کا بزدل ہوگا تو پوری قوم ہی بزدل اور کم ہمت تسلیم کر لی جائے گی۔ مجھے اور میری برادری کے ان لوگوں کو جو آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش تھے، اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ برادری کی طرف متوجہ ہوں۔ مجھے ارائیوں نے کئی دفعہ کہا کہ آپ ارائیوں کی صدارت قبول کر لیں مگر میں نے ہر بار انکار کیا۔ آخر ۱۹۴۷ء میں ان کے انتہائی اصرار پر ہی میں نے صدارت قبول کر لی۔ یہ اجلاس مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا اور یہ آخری آل انڈیا ارائیوں کا اجلاس تھا۔

مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے جذبات کی بجائے صحیح واقعات کو اہمیت دی اور تحریک مجاہدین اور اس کے ایک دو درگروں کا ذکر فرمایا۔ آپ نے تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے، بہت خوب لکھا ہے اور ابھی اس میں کافی اضافے کی گنجائش ہے۔ بہرحال آپ نے یہ تاریخ لکھ کر قوم پر احسان کیا ہے۔

(سردار) محمد شفیع

فہرست مضامین

پانچویں باب میں آگئے بے شمار اولیاء کرام علماء، دانشور، ادباء، تاجر اور صنعت کاروں کے مختصر تذکرے درج ہیں اور یہ سلسلہ آخر کتاب تک چلا گیا ہے۔

ضمیمہ: ضمیمہ میں بعد میں وصول ہونے والا ناموران قوم کے کوائف درج کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ناموران قوم کی مختصر فہرست شامل ہے جس میں پرانے ناموں کے ساتھ بہت سے نئے نام درج ہیں جو مختلف ملازمتوں میں بھی شامل ہیں۔ لاہور کے ارائیں وکلاء کی الگ فہرست بھی مل گئی ہے جو درج کتاب کی جا رہی ہے۔

پہلا باب

ہے کہ قدیم فارس (موجودہ) ایران) میں رائین اور پریزیری وادیاں اپنے تاکستانوں اور کثرت شراب کی وجہ سے مشہور تھیں۔ وہاں کے لوگ اٹھ کر ہندوستان میں آ گئے اور رائیں یا ارائیں کہلانے لگے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایرانی کا لفظ بگڑ کر اور پنجابی لہجے کے مطابق ارائیں ہو گیا ہو گا۔

مگر یہ دونوں دلیلیں بودی ہیں کیونکہ رائین وادی سے اٹھ کر آنے والے لوگ اہل رائین اور رائینی تو کہلا سکتے ہیں۔ جیسے ایران سے ایرانی، تاتار سے تاتاری وغیرہ مگر ارائیں نہیں کہلا سکتے۔

ایرانی کا لفظ بگڑ کر ارائیں ہو جانا اگرچہ قرین قیاس ہے مگر ایران میں لوگ عموماً پیشہ بھی لکھتے ہیں اور ارائیں کوئی پیشہ نہیں ہے۔ راعی تو بے شک حاکم یا چرواہوں کے معنی میں آتا ہے مگر یہ عربی لفظ ہے اور اس کا استعمال فارسی زبان میں کسی قوم کی نمائندگی کرنے کے لئے کبھی نہیں ہوا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ آج سے تقریباً دس سال پیشتر ایک شخص فخر الراعی نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا تھا جس کے نام کے ساتھ راعی کا لفظ مستعمل تھا مگر وہ ذات کا ارائیں نہ تھا بلکہ کسی کام کی خصوصیت کی وجہ سے راعی کہلاتا تھا۔ چنانچہ بحرین کے علاقہ میں راعی کے معنی صاحب یعنی والا کے ہیں۔ جیسے راعی البوسط یعنی پوسٹ ماسٹر۔

نیز ارائیوں اور ایرانیوں کے رسم و رواج اور مسلک میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے — ایرانی سہل انگار، تعیش پسند اور شیعہ مسلک کے لوگ ہیں مگر ارائیں سخت محنتی، جفاکش، سادگی پسند اور اہل سنت والجماعت ہیں۔ یعنی ایرانیوں سے بالکل متضاد۔

ایرانیوں کا ورود ہندوستان میں شمال مغرب کی جانب سے ہوا ہے اور وہ جنوب مشرق کی طرف بڑھتے گئے ہیں۔ مگر ارائیوں کی نقل مکانی مغرب سے شمال مشرق کی طرف ہوئی ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم کسی دوسرے باب میں کریں گے۔ فی الحال ہم ڈینیئل البسٹن مہتمم مردم شماری کی رپورٹ "مردم شماری ۱۸۸۱ء" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

"قصہ کوتاہ، اغلب ہے کہ ارائیں اصل میں جنوبی انڈس (سندھ) سے آئے اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں پر پھیل گئے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ارائیں شمال مغرب یعنی ایران کی طرف سے نہیں آئے۔ لہٰذا ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ارائیں ایرانی النسل نہیں ہیں۔

کیا ارائیں ہندی نژاد ہیں ؟

نظریۂ نمبر ۴ کے مطابق ارائیں ہندی نژاد ہیں اور اس کے ثبوت میں کافی دلیلیں پیش کی گئی ہیں ہم پہلے وہ ثبوت فراہم کرتے ہیں جو انہیں ہندی نژاد کہنے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر ان کا تاریخی جائزہ لیں گے

۱:۔ تاریخ قوم ارائیں کی تدوین کے سلسلہ میں جناب پروفیسر محمود عباسی صاحب سابق ہسٹری ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ یونیورسٹی اور مصنف "حقیقت قوم کمبوہ" راقم کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۶۳ء میں لکھتے ہیں:

" جناب من۔ مجھے کسی ایسی کتاب کا نہ کوئی علم ہے جس میں الزّاعی قوم کا حال یا نسب درج ہو اور نہ قبائل عرب میں کوئی قوم یا قبیلہ قوم الزّاعی نام کا تھا اور نہ محمد بن قاسم ثقفی کے ساتھی عرب مجاہدین میں کسی الزاعی قبیلہ کا کوئی شخص شامل تھا۔ رائیں یا ارائیں ہندی قوم ہے شریف اور کثیر التعداد۔ ان میں اہل علم اور صاحبان وجاہت اشخاص ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب اور یوپی میں متعدد مقامات پر ان کی آبادی ہے۔ سابق میں کاشتکار پیشہ ہی ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہے "

اس مراسلہ میں جب راقم نے ارائیوں کے ہندو ہونے کا پڑھا تو فرط استعجاب سے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ ساری عمر نہ کبھی کسی ہندو ارائیں کو دیکھا تھا نہ کبھی کسی سے یہ بات سُنی تھی اس لئے مزید وضاحت کی خاطر جناب پروفیسر محمود عباسی صاحب کو لکھا گیا تو انہوں نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۶۳ء کو لکھا:

"جناب چودھری صاحب۔ بجواب استفسار عرض ہے کہ یوپی کے مختلف اضلاع بریلی ، پیلی بھیت ، رام پور اور مراد آباد میں رائیں یا ارائیں قوم کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ بعض لوگ کمبوہ قوم سے ان کا نکاس بتاتے ہیں۔ ان میں بہت سی شاخیں ہیں ، شاید پچاس سے زائد۔ کمبوؤں میں بھی ہندو ، مسلمان اور سکھ مذہب کے لوگ شامل ہیں۔

" ارائیوں کی بڑی تعداد تو پنجاب میں ہے۔ روایتوں میں اوچ کے علاقہ سے ان کا نکاس بتایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت میں کوئی راجہ ہوتا تھا ؛

اس کی اولاد بہوٹا رائیں کہلائی۔ بلکہ ایک کبت بھی مشہور ہے کہ محمود غزنوی سے لڑ کر اور بیٹی بسنتی نہ دے کر اوچھ سے نکلے۔ کبت کے الفاظ یہ ہیں:

اوچھ نہ دینا بہوٹیاں چنا بسنتی نار

دانہ پانی چک گیا چابن موتی ھار

"بعض کہتے ہیں کہ ارائیں راجپوتوں ہی کی ایک شاخ ہے جو کاشت کاری پیشہ کی وجہ سے راجپوتوں سے الگ ہو گئے۔ عربی قبائل سے اس قوم کا کوئی تعلق نہیں اور نہ سلیم الراعی کسی قبیلہ عرب کے سردار کا کہیں کھوج لگتا ہے۔ ہندوستان میں صدہا قومیں باہر سے آئیں اور مرور زمانہ سے یہاں کی قوموں میں گھل مل گئیں۔ ہندوستانی قوموں کی اصلیت معلوم کرنے کیلئے آپ کو ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے جن میں مختلف اضلاع کی مقامی روایتوں اور کہاوتوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

۲:- ہر ضلع کے گزٹیر دیکھنے سے اس نظریہ کی تائید میں کئی شہادتیں ملتی ہیں۔ ہم بہت سے گزٹیروں کے اقتباسات درج کرتے ہیں:-

ہوشیار پور گزٹیر:- "ارائیوں اور سینیوں کی ظاہراً ایک اصل ہے۔ ارائیں مسلمان ہیں اور سینی ہندو۔"

لاہور گزٹیر:- "وہ قوم جو قدرت نے زمینداری اور کاشت کاری کے لائق بنائی ہے، وہ ارائیوں کی قوم ہے۔ وہ قریباً سب مسلمان ہیں۔ اگرچہ تحصیل چونیاں میں ایک یا دو ہندوانی گاؤں ہیں۔ کہتے ہیں وہ اور کمبوہ (جو قریباً سب ہندو ہیں) ایک ہی قوم کی نسل ہیں۔"

ڈینیل البسٹن سابق لیفٹیننٹ گورنر پنجاب و مہتمم مردم شماری نے اپنی "رپورٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء" میں لکھا ہے:

"ارائیں قوم پنجابی ہے اور سینی قوم ہندوستانی۔ ارائیں سوائے چند قبیلوں کے باقی سب مسلمان ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل پنجابی قوم ہے جو ملتان کے علاقہ سے آئی ہے۔"

۳:- جناب منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی اپنی کتاب "آل ذو رعین"، مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ

"شاہانِ حمیری جو قحطانی النسل تھے۔ ان میں زید الجمہور کا پوتا پریم ذو رعین بہت مشہور و معروف ہوا ہے۔ وہ ارائیوں کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ اس کے چچا زاد بھائیوں میں حارث الرائش نامی ایک شخص گزرا ہے جس کا زمانہ حیات اسلام سے قبل تقریباً دو ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس کے زمانہ میں آل ذو رعین (یعنی ارائیں) ہندوستان میں حملہ آور ہوتی رہی اور پھر یہیں آباد بھی ہو گئی جو لوگ ہندو رہے یا ہندو ہو گئے وہ ہندو ارائیں ہو گئے اور جو ظہور اسلام کے بعد اسلامی عساکر کے ہمراہ آتے رہے وہ مسلمان تھے اور وہی لوگ مسلمان ارائیں ہیں۔"

اس پر ہم تفصیل سے پھر بحث کریں گے۔ اس وقت فقط یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر محشر صاحب کے اس نظریہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی ارائیں ہندی نژاد نہیں ہوتے بلکہ عربی النسل ہوتے ہیں اور چونکہ ہمارا مبحث ہندی النسل ہونا ہے لہذا اس نظریہ پر عربی النسل کے عنوان میں بحث کی جائیگی۔

اب مندرجہ بالا نظریات کے خلاف ہم تاریخی ثبوت پیش کرتے ہیں اور سب سے پہلے سلیم التواریخ (صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۹) کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

تحصیل چونیاں میں چند گاؤں بھاگی وال، ڈھینگ شاہ، ڈھولن اور نین وال کے باشندے ہندو ارائیں کہلاتے تھے۔ انہوں نے اپنی غلطی سے واقف ہو کر بندوبست ۱۸۸۵ء کے وقت سرکار انگریزی میں درخواست کی کہ ہم دراصل ہندو جاٹ ہیں جو دہلی کے نواح سے اجڑ کر یہاں آئے ہیں اور ارائیں قوم کے دیہات میں آباد ہو گئے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ ارائیں اور زمیندار کے ایک ہی معنی ہیں ہم کو بھی لوگ ارائیں کہنے لگے اور ہم نے بھی بہ سبب جہالت کے کچھ اعتراض نہ کیا۔ اب ہم کو تحقیق ہو گیا ہے۔ ہمارے بھاٹ اور میراسی اب تک پتہ نشان ہمارے پچھلے گاؤں کا دیتے ہیں جہاں ہماری برادری اب تک جاٹ کہلاتی ہے۔ اس لئے ہمارا نام کاغذاتِ مال میں جاٹ لکھا جائے۔

بعد ثبوت کامل کے مہتمم بندوبست نے کاغذات مال میں ان کو جاٹ لکھنا منظور کر لیا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ جاٹ کہلاتے اور لکھتے رہے بلکہ ان میں سے جو لوگ علاقہ ملتان کنارہ نہر سدھنائی تحصیل کبیر والا میں آباد ہوئے قوم جٹ تحریر ہوئے۔ اب اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں کہ پانی پت، تھانیسر اور پٹیالہ و جنید کی طرف جو کچھ لوگ ارائیں کہلاتے تھے، اس کی وجہ بھی ایسی غلط فہمی ہے۔ علاوہ اس کے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رائے کوٹ جنید کی طرف ہندو جاٹوں کی ایک شاخ یا گوت (SUBCASTE)

رائی یا رائے بھی کہلاتی ہے جس کو پنجابی لہجہ کے مطابق رائیں بھی بول دیتے ہیں۔ ممکن ہے بعض کو اس اشتراک لفظ کی وجہ سے غلطی ہوئی ہو۔

اگر وہ چونیاں والا جتھہ اپنی اصلیت ثابت کرکے تصحیح نہ کراتا تو ہم کو زیادہ تحقیق کی تشویش ہوتی۔ اب ہم کو زیادہ تگ ودو کی ضرورت نہیں رہی۔ چونیاں والوں کی یہ دلیل قرین قیاس اور صحیح ہے کہ ہم سکونتی وہم پیشہ ہونے کے سبب ہمارا یہ نام پڑ گیا تھا۔ دیکھو حجام، نجار، بزاز، بقال، آہن گر، زرگر وغیرہ مسلمان ہیں مگر ان کے ہم پیشہ ہندوؤں کو بھی محض پیشے کی وجہ سے انہی الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

غور کرنا چاہیئے کہ مردم شماری ۱۸۹۱ء سے مردم شماری ۱۹۰۱ء تک دس سال کے عرصہ میں مسلمان ارائیں دس لاکھ سے بارہ لاکھ ہو گئے۔ اس دس سال کے عرصہ میں ہندو رائیں چار ہزار سے گھٹ کر ڈیڑھ ہزار رہ گئے۔ اب بجائے ترقی کے اتنا تنزل محض اتفاقی تو نہیں ہو سکتا۔ یہ کمی صرف اس غلطی کی تصحیح سے ہوئی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر تحصیل چونیاں کے باشندگان کے حال میں کیا ہے۔ اس طرح اگر یہ باقی لوگ بھی اپنی غلطی سے واقف ہو گئے تو بجائے ڈیڑھ ہزار کے صفر رہ جائے گا۔

ہندو کاشت کاروں کا ارائیں کاشت کاروں کی آبادیوں میں رہ کر ارائیں مشہور ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تاریخوں میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک قوم کے آدمی غیر قوم میں دیر تک آباد رہنے سے اسی قوم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ غلجی ایک ترک قوم تھے مگر وہ مدت سے ان افغانوں میں آکر آباد ہو گئے تھے جو سیوستان اور ہند کے درمیان رہتے تھے اور اس سبب سے افغان یا پٹھان شمار کئے جاتے تھے۔

رسالہ خلاصۂ انساب میں ایک خاص فصل لکھی گئی ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

"احوال بعض سادات کہ مشہور بہ افغان شدند" اس فصل میں سیّد محمد گیسو دراز اور سیّد محمد اسحاق کا ذکر کرکے ان کی اولاد سے کاکر، کرلانی، شیرانی وغیرہ قوموں کا نام لے کر لکھا ہے کہ

"پس ایں جمیع اقوام عظام مذکورہ دراصل سادات شریف النّسب ہستند۔ اما بسبب دوستی مع اہل افغاناں وسکونت درایشاں، داخل ایشاں شدہ مشہور بہ افغاناں گردیدند۔"

ترجمہ:۔ یہ سب قومیں دراصل شریف نسب سادات ہیں مگر افغانوں میں رہنے اور ان سے میل ملاقات رکھنے کی وجہ سے افغان مشہور ہو گئیں۔

تاریخ فرشتہ میں خضر خان بن ملک خان کو صرف اس وجہ سے سیّد لکھ دیا ہے کہ اس کے عادات و اخلاص سادات کے سے تھے اور وہ سیّدوں میں رہتے تھے۔

قوم ارائیں میں دو بڑی شاخیں ملتانی اور سرسروال ہیں۔ ہندو رائیوں میں یہ دو شاخیں ہرگز نہیں ہیں۔ وہ اور ان کے بھاٹ یا میراسی صرف سرسہ کی طرف سے آنا بیان کرتے ہیں مگر سرسہ کیطرف سے تو اور بھی بہت سی قومیں نکلی ہیں۔ اوچہ اور سندھ کا نہ وہ نام لیتے ہیں اور نہ ان کے بھاٹ۔

۱۹۱۱ء کے محکمہ مردم شماری کی رپورٹوں سے ایک کتاب پنجاب اور سرحدی صوبہ کی قوموں کے متعلق انگریزی زبان میں سرکاری طور پر تیار ہوئی تھی جس کا نام ہے۔

A GLOSSARY OF THE TRIEES AND CASTES OE THE PUNJAB AND N-W-F-P VOL III-Z

اس کے صفحہ ۲۷۱ پر ہندو رائیوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا ترجمہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں جس سے رہا سہا شک و شبہ بالکل دور ہو جاتا ہے۔

"رائیں کے دو معنی ہیں۔ اوّل ارائیں۔ دوم، جاٹوں کی ایک قوم جو ریاست جیند میں پائی جاتی ہے، منسا رام ان کا سدھ ہے۔ اس کی سمادھ بڑیا میں ہے اور وہ چار روٹیاں اور کچھ میٹھی کھیر شادی کے موقع پر نذرانہ چڑھاتے ہیں اور ہر ماہ کی دوسری، دسویں اور پندرھویں شدی کو گائے کا پہلا دودھ چڑھاتے ہیں۔ لدھیانہ ضلع میں بھی یہ لوگ ملتے ہیں جہاں وہ شادی کے موقع پر جنڈی کے درخت کو کاٹتے ہیں۔ اور اس کی شاخوں سے کھیلتے ہیں۔ اسے چھٹیاں کہتے ہیں۔"

۴:- ارائیوں کے راجپوت نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ارائیوں نے خود کبھی راجپوت ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ حالانکہ اس برصغیر میں راجپوتوں کو مافوق البشر بھی سمجھا گیا ہے (یعنی اگنی کنڈ سے نکالے ہوئے) یہی وجہ ہے کہ جب نائی، تیلی، موچی، جُلاہے، کمہار، میراسی اور بھرائی وغیرہ موقع دیکھتے ہیں فوراً راجپوت کہلانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء کے بعد جو ہمہ گیر ہجرت ہوئی ہے اس نے نقل مکانی کرنے والوں کو اپنی ذات بدلنے کے تمام مواقع فراہم کر دیئے ہیں کیونکہ سابق برادریاں یا گاؤں نہیں رہے جہاں لوگ ان کی اصلیت سے واقف تھے لہذا انہیں راجپوت کہلانے کا موقع مل گیا اور ان گنت لوگوں نے اپنی ذات بدل کر دوسری ذات کا لبادہ فخریہ اوڑھ

بیا مگر ارائیں وہ واحد قوم ہے جس کے کسی فرد نے اپنی ذات نہیں بدلی اور نہ اس قوم میں کسی دوسری قوم کا کوئی فرد چور دروازے سے داخل ہوا ہے۔ اس قوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے نجیب الطرفین اور PURE BLOOD ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

غرض جب ارائیں خود بھی ان حالات کے باوجود راجپوت کہلانا پسند نہیں کرتے تو انہیں خواہ مخواہ راجپوت کیوں کہا جائے۔

۳: یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جہاں قومیں اپنا مذہب قبول کرتی ہیں وہاں کچھ نہ کچھ جراثیم پچھلے مذہب کے بھی اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ جب ایرانی اور رومی بکثرت مسلمان ہوئے تو انہوں نے نت نئی بدعتیں اسلام میں پھیلائیں۔ ان گنت فرقے بنائے اور سیدھے سادے مذہب اسلام کو کچھ ایسا گورکھ دھندا بنا دیا کہ اس وقت سے لے کر آج تک مسلمان ایک مرکز پر متحد نہ ہو سکے بلکہ ہزاروں فرقے بنتے رہے۔

ایرانیوں اور رومیوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد پروہت ازم، قیصریت، پاپائیت، الوہیت اور امامت وغیرہ کے نظریوں نے کسی نہ کسی طرح اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اختلافات کو وہ ہوا دی کہ آج تک مسلمان ایک دوسرے کا خون بہانا ثواب سمجھتے ہیں۔ خلق قرآن کا فتنہ جس نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسی بزرگ ہستی کو کوڑوں سے پٹوایا، خالص عجمی پیداوار تھا۔

خیر یہ تو تھیں دور کی باتیں، مگر جب ہم اپنی ہمسایہ قوموں کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی مذہب اور خاندانی خصائص کا کچھ نہ کچھ پر تو اب تک محفوظ رکھتی ہیں۔ مثلاً راجپوتوں کے بہت سے فرقے بیوہ کے نکاح ثانی سے کتراتے ہیں حالانکہ بیوہ سے نکاح ثانی کی ترغیب خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے دی ہے اور قرآن حکیم میں سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

"تم اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو"۔

صحابہ کرامؓ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں مگر ان سب باتوں کے باوجود مسلمان راجپوتوں میں بیوہ کے نکاح ثانی کا رواج بہت کم ہے، اور یہی چیز انہیں دوسری قوموں سے ممیز کرتی ہے۔ اگر ارائیں بھی راجپوت یا ہندی النسل ہوتے تو ان کے ہاں بھی کہیں نہ کہیں ایسی مثالیں ضرور ملتیں کیونکہ عصبیت

اور نسلی امتیاز کے جراثیم کسی نہ کسی کونے کھدرے میں پرورش پاتے ہی رہتے ہیں۔ اور ہر شخص مولانا عبید اللہ سندھیؒ یا مولانا احمد علی لاہوریؒ تو نہیں ہو سکتا جو سکھوں سے مسلمان ہونے کے باوجود خود پشتینی مسلمانوں کے رہنما بنے اور شرک و بدعت کے قاطع اور وحدانیت کے مبلغ ہوئے۔

ہم نے اس ضمن میں صرف نکاحِ ثانی بیوگان کی مثال پیش کی ہے ورنہ ہندی نژاد قوموں میں مسلمان ہونے کے باوجود کئی رسمیں اکثر ایسی ملتی ہیں جن پر شرک اور بدعت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جو عربی النسل مسلمانوں میں مفقود ہیں۔ اس ساری بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ارائیں ہندی نژاد نہیں ہیں۔

میرا اپنا خیال اور میری تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں جو لوگ رائیں کہلاتے ہیں وہ دراصل رائی ہیں اور سب راجپوت ہیں اور راجپوتوں میں رائے کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ سندھ میں باغبانی کرنے والی ہندوؤں کی ایک قوم مالی کہلاتی ہے جو راجپوت ہیں۔ چنانچہ انگریزوں کی طرف سے جن ہندوؤں کو اچھی کارکردگی پر کوئی خطاب ملتا تھا انہیں "رائے صاحب" یا رائے بہادر کہا جاتا تھا۔ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور رائے بہادر بدری ناتھ لاہور کی مشہور ہستیاں تھیں۔ رائے راجو وہ ناظم راجپوت تھا جو حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ کے ورودِ مسعود کے وقت لاہور کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت علی ہجویریؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور بعد میں رائے ہندی کے لقب سے مشہور ہوا۔ پرتھوی راج کو رائے پتھورا بھی کہتے ہیں۔ یہی لفظ مسلمان راجپوتوں میں "راؤ" کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ راؤ خورشید علی خاں مشہور شخص ہیں۔ یہی لفظ رائے کبھی کبھی رائی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور رائی پنجابی لہجہ میں بگڑ کر رائیں بن گیا ہے۔ حالانکہ ہندو رائیں دراصل رائی یا رائے ہیں اور راجپوت ہیں۔

مسلمان ارائیوں کی آبادی کا ایک مشہور خطہ سرسہ کے علاقہ میں "بارہ ارائیاں" کے نام سے مشہور تھا۔ اس طرح جہاں ہندو راجپوت زیادہ رہتے ہوں گے وہ موضع رائیاں مشہور ہو گیا ہوگا۔ جس طرح سندھ کے علاقہ میں گاؤں زیادہ تر کسی بڑے آدمی کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں یا اس ذات پر ان کا نام پڑ جاتا ہے جس ذات کے لوگ اس میں زیادہ آباد ہوں۔ جیسے طیب تھہیم یا دستان گوٹھ۔ اسی طرح راثیوں (رائے کی جمع) کے گاؤں مشہور ہیں۔ ان گاؤں میں بسنے والے یا وہاں سے نکل کر دوسری

جگہ آباد ہونے والے لوگ رائی اور پنجاب میں (لہجہ بدلنے کی وجہ سے) رائیں مشہور ہوئے کیونکہ پنجاب میں نون غنّہ کا استعمال زیادہ ہے۔ جیسے گائے سے گائیں اور دہی سے دہیں وغیرہ۔

راقم کا ایک ہم جماعت جگدیش چند رائی تھا جس نے مشن ہائی سکول پالم پور ضلع کانگڑہ سے راقم کے ساتھ ۱۹۳۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ وہ ریاست منڈی سُکیت کا رہنے والا تھا جو پالم پور سے غالباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے جب رائی اور رائیں کے لفظ پر بحث ہوئی تو اس نے بتایا کہ ہم لوگ راجپوت ہیں اور ڈوگرہ کٹوچ اور رانا راجپوتوں کی نسبت ہماری تعداد ضلع کانگڑہ میں کم اور منڈی سُکیت میں زیادہ ہے۔ اس نے نہایت وضاحت سے بتایا تھا کہ رائی ہماری گوت یا SUB CASTE ہے اور ہم رائیں یا ارائیں ہرگز نہیں ہیں۔ اور یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو رائی اور مسلمان ارائیں کے تمدّن اور معاشرت میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ انکشاف اس وقت ہوا جب راقم کو ۲۹ اپریل ۱۹۶۷ء کو سردار احمد علی صاحب انجمن راعیان پاکستان نے اپنے خاندان کا شجرہ نسب دکھایا۔ اس میں بارھویں پُشت میں ایک آدمی کے سامنے لکھا ہوا ہے کہ اس نے ریاست منڈی سُکیت سے آگے کُلّو کی رہنے والی کسی ہندو عورت سے شادی کی تھی جو مسلمان ہو گئی تھی۔ اس کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ جب یہ شخص فوت ہو گیا تو وہ عورت بچّوں سمیت واپس کُلّو چلی گئی اور گنگا جا کر دوبارہ ہندو بن گئی۔ اس کے بچّے بھی ہندو بن گئے۔ یہی لوگ اور ان کی نسلیں بعد میں رائی یا رائیں کہلائیں۔

اس شجرے اور جگدیش رائی کے بیان میں مطابقت بھی ہے۔ عورت راجپوت تھی۔ اس کے لڑکے ارائیں کے نُطفہ سے تھے، وہ رائیں کہلاتے تھے اور ننھیال کی طرف سے راجپوت ہونے کی وجہ سے راجپوت کہلائے کیونکہ اسی ماحول میں رہے اور دوبارہ پھر کبھی انہیں اپنی اصلیت کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ مگر یہ سب کچھ منڈی سُکیت اور کانگڑہ کے راجپوت رائیوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔

۴:۔ اب ہم جناب محمود عباسی صاحب کے مراسلہ میں مذکور بھوٹا رائیں اور اس کبت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں "آئینہ حقیقت نما"، سے مدد لیتے ہیں تاکہ اصل مسئلہ پر روشنی پڑے اور غلط فہمی دور ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا ملتان پر حملہ کر کے اسے مسخّر کر لینے کا ذکر بے شک تواریخ میں موجود ہے مگر اوچہ پر اس کے حملہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتّہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے

۱۱۷۵ء میں ملتان پر حملہ کیا۔ ملاحدہ (قرامطہ) جن کا سب سے زیادہ زور اس وقت ملتان میں تھا) نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور اکثر گرفتار و مقتول ہوئے۔ سلطان نے اپنے سپہ سالار علی کرباخ کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور جب ملتان کے مفرور قرامطہ نے اُچہ میں پناہ لی اور اُچہ کا راجہ ان کے ساتھ مل کر سلطان محمد غوری کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوا تو راجہ کی بیوی نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر میری بیٹی سے نکاح کرنے کا وعدہ کرو اور میرے مال، زیور اور جائیداد کو نقصان نہ پہنچاؤ تو میں راجہ کا کام تمام کئے دیتی ہوں۔ اس طرح تمہارا کام بہت ہلکا ہو جائے گا۔ سلطان نے جواباً راجکماری سے شادی کر لینے کا وعدہ کر لیا۔ رانی نے راجہ کو ہلاک کر دیا جو خود ہی مغلوب ہونے والا تھا۔ سلطان نے قلعہ اُچہ پر قابض ہو کر اپنے وعدہ کو پورا کیا اور راجکماری سے نکاح کر کے اس کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ جہاں دو برس بعد یہ لڑکی فوت ہو گئی۔

یہ اقتباس "آئینہ حقیقت نما" سے درج کرنے کے بعد جب ہم اس کبت پر غور کرتے ہیں تو اس کے معنوں میں ایک بات صاف نظر آتی ہے۔ یعنی بھوٹا نے اُوچہ نہ دیا بلکہ بسنتی دے دی۔ غالباً عباسی صاحب نے نار کے لفظ سے غلطی کھائی ہے۔ نار کا مطلب فارسی میں آگ اور پنجابی میں نوجوان لڑکی ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بسنتی کو جلا دیا مگر اُچہ کا شہر نہ دیا۔ لیکن اس تاریخی واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم اس کبت کا مطلب آسان الفاظ میں کرتے ہیں تو یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بھوٹوں نے اُچہ نہ دیا بلکہ بسنتی دے دی۔ وہ بیچاری جو موتی کھانے والی تھی یعنی خوش نصیب اور خوبصورت تھی۔ اس کا دانہ پانی اُچہ سے اٹھ گیا تھا۔ اور یہی بات سلطان محمد غوری کے حملہ سے ثابت ہوتی ہے کہ رانی نے اپنا شہر بچا لیا اور لڑکی فاتح کو دے دی جو اُچہ سے غزنی پہنچ گئی۔

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بتا چکے ہیں کہ رائی جاٹوں کی ایک گوت ہے اور جاٹ راجپوت ہیں۔ بھوٹا بھی رائی ہو گا جو پنجابی لہجہ کے مطابق رائیں بن گیا۔ اس کو ارائیوں سے کوئی نسبت نہیں یہ خواہ مخواہ کے مفروضات ہیں جو ارائیوں کی لاعلمی کی وجہ سے ان کے متعلق دوسروں میں مشہور ہو گئے ہیں۔

باقی اُچہ سے ارائیوں کے نکاس کے متعلق ہم "تدریجی نقل مکانی" کے تحت بحث کریں گے اُچہ بے شک ارائیوں کا ایک بہت بڑا مرکز رہا ہے مگر اس کی وجہ منصورہ کی تباہی تھی، جس

کے بعد وہ ملتان اور اُچہ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ ساری کیفیت آپ انشاءاللہ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔

سکھوں کی ایک مشہور گوت "بھنگی" تھی جس میں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب کا حکمران ہو گزرا ہے، جس کی یادگار میں زمزمہ کی توپ کو "بھنگیوں کی توپ" کہہ کر پکارا جاتا ہے جو آج بھی لاہور کے عجائب گھر کے قریب موجود ہے۔ مگر کیا یہ لوگ بھنگی یا چوہڑے یعنی خاکروب ہیں؟ — نہیں ہرگز نہیں۔ یہ لوگ جاٹ سکھ تھے۔ اور جاٹ راجپوت ہوتے ہیں مگر بھنگی تو راجپوت نہیں ہوتے۔ غرض بھنگی گوت اور بھنگی قوم بالکل مختلف ہیں اور کسی صورت میں بھی انہیں ایک نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح راجپوتوں کی گوت اور مسلمانوں میں ارائیں قوم ہرگز ایک نہیں ہو سکتیں۔

اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے ہم ایک مستقل عنوان "کیا گوتیں اور لقب مخصوص ہیں" کے تحت چند ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن سے کسی کو انکار کی ہمت نہ ہو گی۔ کیونکہ بعض الفاظ محض پیشے یا صنعت کی وجہ سے مختلف قوموں میں مشہور ہیں، حالانکہ قومیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مثلاً "شیخ" ایک ایسا لفظ ہے جو بطور لقب بڑے آدمی یا بزرگ کے لئے بولا جاتا ہے اور اس میں کسی ذات کی تخصیص نہیں ہے جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سیّد تھے مگر ولی اللہ اور غوث اعظم ہونے کی وجہ سے شیخ کہلاتے تھے۔ ارائیوں کا ایک خاندان جو موضع ڈانگ ضلع پیلی بھیت میں سب سے زیادہ مقتدر تھے ان کے مورث شیخ نذیر احمد تھے۔ اس خاندان کے ہر چھوٹے بڑے شیخ کہلاتے ہیں۔ اب غور فرمایئے۔ سیّد بھی شیخ، ہندو سے مسلمان ہونے والا بھی شیخ، ارائیں بھی شیخ، سعدی علیہ الرحمۃ بھی شیخ۔ اب اگر ہندو وہ رائیں اور مسلمان ارائیں محض اشتراک لفظی کی وجہ سے ایک قوم ہیں تو مذکورہ سیّد، ہندو، ارائیں اور ایرانی سب ایک قوم کے فرد ہونے چاہیئں۔ مگر سیّد کا ہندو ہونا تو ایسی انہونی بات ہے جسے قبول کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہو گا۔

ہندوؤں میں سُوری تھے جو کرتارپور ضلع جالندھر میں بڑے صاحب حیثیت تھے اور تاریخ ہند میں شیر شاہ کو سُوری کہا گیا ہے حالانکہ وہ افغان تھا۔ اب یا تو کرتارپور والے ہندو بھی افغان تھے یا شیر شاہ ہندو سُوری کیونکہ دونوں کی گوتیں سُوری تھیں حالانکہ دونوں کی ذاتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب شیر شاہ سوری اور کرتارپور کے لالہ سندر داس ایم۔ اے سوری ذات کے لحاظ سے

بالکل مختلف تھے۔ ہاں گوتوں کا نام مشترک تھا مگر ایک ہندو کھتری اور دوسرا مسلمان افغان تھا تو آخر ارائیوں نے کون سا ایسا قصور کیا ہے کہ جہاں ہندو راجپوت یا رائی کا نام سُنا اُسے ارائیں کہہ دیا۔ اور جہاں مسلمان ارائیں دیکھا اُسے راجپوت، جاٹ یا کمبوہ کہہ دیا۔

درحقیقت یہ سب مفروضات اور غلط فہمیاں ہیں جن کو دور کرنے کے لئے یہ تاریخ مرتّب کی جارہی ہے۔ اگر پھر بھی کسی کا شک دور نہ ہو تو صرف یہ کہہ کر خاموشی اختیار کی جائے گی کہ۔

مُورکھ نوں کی پند نصیحت پتھّر نوں کی پالا
لکھ صابون کمبل نوُں ملئے انت کالے دا کالا

کیا لقب اور گوتیں مخصوص ہیں؟

اگر لقب اور گوتیں محض قوموں کے ساتھ مخصوص ہوتیں تو ایک قوم کے القاب وغیرہ دوسری کے ساتھ استعمال نہ ہوتے مگر مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں آپ دیکھیں گے کہ ایسا نہیں ہوتا۔

شیخ: عربی لفظ ہے اور ہر بوڑھے، معزز یا دین دار شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔ یوں تو نومسلم اور خوجے سب شیخ کہلاتے ہیں مگر سادات میں حضرت پیرانِ پیر کو بھی شیخ عبدالقادرؒ کہتے ہیں اور ارائیوں میں لاہور کے مشہور خاندان کٹارہ بنداں کے بزرگ شیخ کے لقب سے پکارے جاتے تھے چنانچہ ان کے پاس جو شاہانِ مغلیہ کی سندات ہیں ان میں انہیں شیخ کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ خاندان شاہ عنایت قادری (جو حضرت بلھے شاہ کے مرشد اور ذات کے ارائیں تھے) کے معززین بھی شیخ کے نام سے مشہور ہیں اور اضلاع مظفر نگر، بریلی اور پیلی بھیت میں بھی ارائیں معززین ہمیشہ شیخ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ وہاں مہر یا چودھری کا لفظ مروّج ہی نہیں ہے۔

شاہ: عموماً سادات کے لئے مستعمل ہے مگر حضرت شاہ عنایت قادری ارائیں ہونے کے باوجود شاہ کہلاتے تھے۔

مُلّا: فارسی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنے "زیادہ املا کرنے والا" ہیں مگر مُرادی معنی ہیں بہت پڑھا لکھا آدمی۔ علماء کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہے اگرچہ اس مغرب زدہ دور میں یہ لفظ گالی بن کر رہ گیا ہے جو ہماری انتہائی بدنصیبی ہے۔ علاقہ ملتان میں مُلّا خاندان کبیر والا کا مقتدر ارائیں خاندان تھا۔

ملک: عربی لفظ ہے۔ امراء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مشرقی پنجاب میں تیلیوں کو بھی ملک کہتے ہیں۔ اعوان بھی ملک کہلاتے ہیں۔ دہلی میں ارائیوں کا ایک خاندان ملک کہلاتا تھا جس میں ملک رحیم بخش نمبردار اور جاگیردار تھے۔ لاہور کے علاقہ سانده میں ارائیں ملک کہلاتے ہیں۔ جن میں ملک تاج الدین سابق اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل پنجاب مشہور شخص ہوئے ہیں۔ بعض ہندو بھی اس لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ ملک گودھارام ہمارے دھاریوال میں ۱۹۴۲ء میں تھانیدار تھا۔

مہر: یہ فارسی لفظ مہتر کا مترادف ہے۔ یعنی سردار۔ انگریزی کا لفظ Mayor بھی اسی سے نکلا ہے ہندو بھی اس لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ مہر مٹھا ولد ڈفر (ہندو جاٹ دھاریوال) ساکن ڈھولا کا نگنہ ضلع دہلی میں ایک مشہور زمیندار تھا۔ جس کی بیٹی رانی بھونال اکبر بادشاہ کی بیوی تھی۔ اس کے متعلق یہ کبت بھی مشہور ہے۔

اکبر جیڈ نہ بادشاہ بیربل جیڈ نہ بھٹ
ڈلّے جیڈ نہ سورما مہر مٹھے جیڈ نہ جٹ

سری کشن جی نے جس آہیر کے گھر پرورش پائی وہ بھی مہر نند تھا۔ ناگ پور کے علاقہ میں ہندو زمیندار مہر کہلاتے تھے۔ کانگڑہ ضلع کی تحصیل ہمیر پور کے قصبہ دھمرول کے مشہور زمیندار مہر کشن دیال اور مہر ٹھاکر دیال ہندو برہمن تھے۔

ارائیوں میں یہ لقب خاص طور پر مروّج ہے اور سابق امرتسر، گورداسپور، جالندھر، ہوشیار پور اور لاہور کے علاقوں میں تمام ارائیں مہر ہی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ مغربی پاکستان میں ارائیوں کے لئے مہر بہت مستعمل ہے۔

میاں: یہ لفظ فارسی ہے۔ مہ یا مہا سے نکلا ہے۔ ہندی میں مہا کا مطلب بڑا ہے۔ جیسے مہاراجہ ہندو راجپوت خصوصاً کانگڑہ ضلع میں میاں کے لقب سے ہی پکارے جاتے تھے۔ ہندو لوگ مسلمانوں کو عموماً میاں کہہ کر پکارتے تھے۔ قریشی اور خصوصاً قاضی یا پیش امام بھی عموماً میاں ہی کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ ادب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ امرتسر کے ضلع میں کوٹلی قادر آباد کے میاں محمد وارث کا خاندان سکھوں کے زمانہ میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ باغبان پورہ (لاہور) کا میاں خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں، بلکہ ارائیں قوم کے لئے باعث فخر ہے۔

چودہری: ہندی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں چتر دھر۔ یعنی وہ سردار جس کے چتر ہو۔ یہ لقب سب قوموں میں مستعمل ہے اس لئے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

سردار: فارسی لفظ ہے۔ کابل کے علاقہ میں امراء کے لئے بولا جاتا ہے پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس لفظ کو سکھ امراء کے لئے استعمال کیا تھا اور پھر تو گویا سکھوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا جیسے صاحب کا لفظ صرف انگریزوں کے لئے بولا جاتا تھا۔ ارائیوں میں گنجہ کلاں ضلع لاہور کا سردار خاندان (سردار نور محمد صاحب کا خاندان) بہت مقتدر رہے۔ آجکل سردار محمد شفیع اور سردار احمد علی صاحب اس خاندان کے معزز افراد ہیں۔

خان: ارائیوں نے "خان بہادر" کے خطاب کے علاوہ اس لقب کو کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اس سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔

آج کل مغربی تعلیم کے تاثر سے اور کچھ تاریخی مقامات کی نسبت سے ارائیوں کے پڑھے لکھے خاندان القاب کے علاوہ اپنے نام کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

حجازی: اریحا میں آباد ہونے والے حجازی بزرگوں کی یاد میں حجازی بھی لکھتے ہیں۔ جیسے پاکستان کے مشہور ناول نگار جناب نسیم حجازی صاحب۔

سلیمی: اریحا کے قبیلہ بنو سلیم کی مناسبت سے سلیمی بھی لکھا جاتا ہے۔ جیسے پاکستان نیوی کے سابق کموڈور میاں اسلام باری سلیمی صاحب۔

شامی: ملک شام کی رعایت سے شامی بھی کہلاتے ہیں جیسے سندھ یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم کے پروفیسر جناب پرویز شامی۔

سندھ میں ارائیوں کی گوت (SUB CASTE) بھٹو اپنے نام کے ساتھ بھٹو لکھتی ہے۔ اور باقی لوگ ارائیں لکھتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ لقب ہمیشہ معنوی صفت کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے اور ادباً بھی بولا جاتا ہے۔ اس میں کسی قوم یا گروہ کی تخصیص نہیں ہوتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ درزی اور نائی وغیرہ کو بھی خلیفہ ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ شاہان بنو امیہ اور بنو عباس کے لئے استعمال ہوا ہے۔ بھنگی کو جمعدار اور مہتر کہہ دیتے ہیں۔ سقے کو بہشتی اور تیلی کو ملک کہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کا دل راضی رہے کیونکہ اگر کسی کو

نائی، تیلی، سقہ اور بھنگی کہا جائے تو اس سے اس کا دل رنجیدہ ہوگا۔ اس لئے ہر چھوٹے بڑے کو کسی نہ کسی لقب سے پکارا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں اس کی عزت برقرار رہے اور تذلیل و تحقیر نہ ہونے پائے ورنہ سوسائٹی میں سخت فساد رونما ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ جب کسی کا نام بگاڑ کر بولا جاتا ہے تو دنگا فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ کرو۔ کسی سے تمسخر نہ کرو۔ دوسروں کے گندے نام نہ رکھو۔ چڑانے کے لئے خراب لفظ استعمال نہ کرو کیونکہ ممکن ہے وہ تم سے اچھا ہو۔ اسلام نے معاشرے میں امن و سکون قائم رکھنے کے لئے یہ قیود لگا رکھی ہیں کہ کوئی بھی کسی دوسرے کو برے الفاظ سے نہ پکارے۔

اس ساری بحث کو مد نظر رکھیئے۔ مندرجہ ذیل حقائق پر بھی غور کیجئے۔ اور پھر فرمایئے کہ اگر ہندو رائیں ہیں اور مسلمان ارائیں ہیں تو یہ کہاں کی شرافت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک ہی قوم کے افراد قرار دے دیا جائے؟

۱: دکن میں برہمنی سلطنت بہت مشہور تھی۔ جس کا پایۂ تخت گلبرگہ گولکنڈہ کے قریب تھا۔ بھمنی یا برہمنی کے نام سے ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہمنوں کا خاندان ہوگا۔ مگر تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ خاندان افغان تھا اور اس نام کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ظفر خان افغان اصل میں گنگو نام ایک برہمن کا غلام تھا۔ گنگو اس پر بڑی مہربانی کرتا تھا اور اس نے پیش گوئی کی تھی کہ تو بڑا صاحب نصیب ہوگا۔ غرض جب ظفر خاں نے عروج پکڑا تو اس نے اپنے مہربان آقا کی یاد میں اپنا لقب سلطان علاؤالدین گنگو بھمنی رکھا اور اسی وجہ سے اس کا خاندان تاریخ کی کتابوں میں برہمنی یا بھمنی کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۵۲۶ء میں ڈیڑھ سو برس کی اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

۲: شیر شاہ افغان شاہ ہند سوری تھا مگر کرتار پور ضلع جالندھر میں کھتریوں کا ایک خاندان بھی سوری کہلاتا تھا۔ ماہوار رسالہ "جوگی" لاہور (پاکستان سے پہلے) کا ایڈیٹر صوفی لچھمن پرشاد تھا۔ اور سلیم التواریخ کے مصنف صوفی محمد اکبر جالندھری تھے۔

۳: پٹھان اکثر لودھی بھی ہیں اور گوجرانوالہ کے علاقہ میں بھاٹوں کی ایک گوت بھی لودھی ہے اور سی پی میں لودھی ہندو قوم بھی ہے۔

۴: ۱۸۸۱ء والی مردم شماری کی رپورٹ میں علاقہ راولپنڈی کے کئی مغلوں نے اپنی گوت سیبنی لکھوائی تھی اور سیبنی ضلع ہوشیارپور میں ایک ہندو زمیندار قوم بھی ہے۔ اکثر سکھ بھی سیبنی ہیں اور بقول لارڈ ڈینیل ابسٹن ان کا مغلوں سے کچھ بھی واسطہ نہیں۔

۵: باغ علی عرف بھاگو ساکن کھنڈہ ضلع گورداسپور کی اولاد ارائیں ہونے کے باوجود رانے کہلاتی ہے کیونکہ وہ تحصیل سرسہ میں واقعہ قصبہ رانیہ سے نقل مکانی کر کے رنجیت سنگھ کے زمانے میں یہاں آباد ہو گئے تھے اس لئے رانے مشہور تھے حالانکہ رانے راجپوت بھی ہیں۔

غرض اس بحث سے ہمارا مطلب اب واضح ہو گیا ہے کہ کسی گوت یا لقب یا پیشہ کے اشتراک کی وجہ سے ایسے لوگ ایک ہی قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہندو رائی یا رائیں دراصل مسلمان ارائیوں سے بالکل علیحدہ قوم ہیں اور انہیں قوم ارائیں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ غلطی گزٹیر لکھنے والوں اور معترضین نے صرف اس وجہ سے کی ہے کہ لفظ "رائیں" دونوں قوموں میں مشترک تھا۔ ہم اس مسئلہ پر آئندہ ابواب میں بھی انشاء اللہ مزید روشنی ڈالیں گے۔

ارائیوں کی چند مشہور گوتیں

گوت (SUB CASTE) ایک ایسا عرف ہے جو کسی وجہ سے مشہور ہو جاتا ہے اس میں ظرف زماں، ظرف مکاں اور حالات و واقعات کا گہرا دخل ہوتا ہے۔ یوں تو ارائیوں کی بہت سی گوتیں ہیں لیکن ہم صرف چند مشہور گوتوں کے نام لکھتے ہیں۔

رپورٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ارائیوں کی مندرجہ ذیل گوتیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں بعض غلط بھی ہیں۔

ملتانی، گھالہ۔ منڈا۔ ہانسی۔ بہمن (غلط ہے) بصرو۔ گوہیر۔ بلگوریا۔ گگرو۔ ملانے۔ نین۔ چنڈور۔ ڈھینگے۔ بھٹی (غلط ہے) جھٹہ۔ جنجوعہ (غلط ہے) ڈھڈے۔ رامے۔ گیلن۔ واہند قطب شاہی۔ جتالے۔ چاچڑ۔

لیکن ان کے علاوہ بھی چند اور گوتیں ہیں مثلاً۔

مولے، ڈولے، بھیلے۔ چھچھر۔ ریتے۔ کھتورہ۔ سگی۔ سپال۔ مدھ۔ سمانے۔ ساندہ۔ گنگو۔

دیہرہ ۔ ریہل ۔ جھونگے ۔ پوادھڑے وغیرہ وغیرہ ۔

دراصل اَلّ (پنجابی زبان کا لفظ ہے جو عرف کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے) جب زیادہ دیر تک کسی خاندان میں مشہور رہتی ہے تو وہ گوت بن جاتی ہے اور یہ خاندان پشت در پشت اسی گوت سے پکارا جاتا ہے اور اَلّیں (عرف) چونکہ بنتی، بدلتی، سنورتی اور بگڑتی رہتی ہیں ۔ اس لئے ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور یہ کوئی ضروری بات بھی نہیں ہے ۔ چند گوتوں کی وجہ تسمیہ البتہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ۔

نین : دریا کے کنارے کو عموماً اور دریائے بیاس کو خصوصاً نین کہتے ہیں ۔ ابتداء میں ان کی آبادی دریائے بیاس پر بالخصوص زیادہ ہوگی اور پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے ہوں گے اس لئے نین کہلائے ۔

منڈھے : دریا کے منڈ پر رہنے کی وجہ سے مشہور ہوئے ۔

جتالے : کسی معرکہ میں جیت جانے کی وجہ سے جتالے کہلائے ۔

ڈولے : مچھلی کی ایک قسم ہے ۔ قریش بھی ڈیل مچھلی کو کہتے ہیں ۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انکے مورثوں میں سے اعتماد الدولہ ۔ معین الدولہ، یمین الدولہ وغیرہ کے خطابات ملتے رہے ہوں اور دولے کہلاتے ہوں جو ان پڑھ لوگوں میں ڈولے مشہور ہو گئے ہوں ۔

بھٹہ : علاقہ سرسہ کے مشہور قصبہ "بھٹہ" میں رہنے کی وجہ سے "بھٹے" کہلائے ۔ اور جب یہ علاقہ دریائے سرسوتی کے خشک ہو جانے سے تباہ ہو گیا تو یہ لوگ وہاں سے اٹھ کر شمالی سندھ اور بہاولپور، ملتان کی طرف چلے گئے ۔ اور اپنے ظرف مکاں کی تسمیہ سے "بھٹے" مشہور ہو گئے ۔

پوادھڑے : ضلع کرنال کا شمالی علاقہ پوادھ کہلاتا ہے ۔ یہ وہاں رہنے کی وجہ سے پوادھڑے کہلائے ۔

کھتورہ : سرسہ کا ایک مشہور گاؤں ہے ۔

چاچڑ : ریاست بہاولپور کا ایک مشہور گاؤں ہے ۔

(گویا نین، بھٹہ، پوادھڑہ، کھتورہ اور چاچڑ سب گوتیں اپنے گاؤں یا علاقہ کی وجہ سے مشہور ہوئی ہیں)

رامے : نیزہ مارنے والا ۔ کسی کا مورث مشہور جنگجو ہوگا ۔ (اس کا صحیح املا رامح ہے)

سپال : کسی نے سانپ پکڑ یا پال لیا ہوگا۔
چونکہ گوتوں کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے لہذا ہم قارئین کی معلومات کے لئے مندرجہ بالا بیان ہی کافی سمجھتے ہیں۔

کیا ارائیں عربی النسل ہیں ؟

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ارائیں یہودی یا ایرانی یا ہندی نسل سے تعلق نہیں رکھتے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا یہ عربی النسل بھی ہیں یا نہیں۔ اس پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے ان کی طرز معاشرت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان میں عربوں کی خصوصیات موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ان میں کوئی بھی عربی خصوصیت نہیں تو پھر اس مسئلہ پر بحث کرنا ہی فضول ہے اور اگر کچھ سراغ عربیت کا مل جائے تو پھر البتہ تحقیق کا فائدہ ہے۔

اگرچہ یہ مثل تو عام مشہور ہے کہ شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے لیکن بقول ڈاکٹر گستاولی بان — (فرانسیسی مصنف) اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی فاتح قوم کی تعداد کم ہو تو وہ بالکل مفتوح قوم میں مل جایا کرتی ہے۔ ہندوستان کی آب وہوا اور دوسری قوموں کے میل جول سے ان عربوں کے جسمانی اور اخلاقی خصائص میں بہت کچھ تغیر و تبدل پیدا ہوگیا ہے۔ جو محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان میں مستقل آباد ہوگئے تھے۔ تاہم اگر کھوج لگایا جائے تو مندرجہ ذیل خصائص ارائیوں کو اپنی ہمسایہ اور نومسلم قوموں سے ممیز کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ کیونکہ یہ سب عربی نشانات ہیں

۱ : ان کے گاؤں کی مسجدیں آباد رہتی ہیں۔ ان کی اراضی میں نماز کے لئے چبوترہ ضرور ملتا ہے جس سے ان کی دینی محبت بالکل اظہر من الشمس ہے۔ ان میں حاجی، مولوی اور عالم زیادہ ہوتے ہیں۔ اس قوم کے تمام لوگ سُنی یعنی اہل سنت والجماعت ہوتے ہیں۔ اور شیعہ شاید ہی کوئی ہوگا۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم ضرور دلواتے ہیں۔

۲ : یہ لوگ دوسروں سے زیادہ متواضع اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ جو عربوں کا خاصا ہے۔

۳ : ان کا طرز معاشرت نہایت سادہ ہوتا ہے۔

۴ : دعوت ولیمہ سنت کے مطابق نکاح کے بعد دیتے ہیں۔ حالانکہ پٹھان اور راجپوت اکثر برادری

کو کھانا دے کر برات لے جاتے ہیں۔

۵: نکاح بیوگان میں کسی قسم کا جبر واکراہ نہیں ہوتا بلکہ عربوں کی مانند نکاح کرنے کی بیوہ کو مکمل آزادی ہوتی ہے حالانکہ ہماری ہمسایہ قومیں بیوہ کے نکاحِ ثانی کو معیوب سمجھتی ہیں۔

۶: طلاق دینے اور نکاحِ ثانی کرنے کا رواج اب بھی عربوں میں معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ان کا بکثرت رواج ہے۔ ارائیوں میں بھی کسی عورت کو ان بن ہونے کی صورت میں میکے بٹھا کر تباہ کرنے کی بجائے اُسے طلاق دے دینے کا رواج ہے۔ جبکہ ہماری ہمسایہ قومیں طلاق دینے کو بھی نکاحِ ثانی کی طرح معیوب سمجھتی ہیں۔

۷: نسب کی حفاظت ارائیوں سے بڑھ کر کسی دوسری قوم میں نہیں ہے اور عربوں کا یہی خاصہ اُسے دوسری تمام قوموں سے ممیز کرتا ہے۔ یہ لوگ غیر قوم میں شادیاں نہیں کرتے۔ نہ اپنی ذات بدلتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس میں گھسنے دیتے ہیں۔

۸: وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے سے دریغ نہیں کرتے حالانکہ سماٹ قومیں خصوصاً سندھ میں محض وراثت کی تقسیم کے خوف سے لڑکیوں کی شادی نہیں کرتیں۔ اور وہ بیچاری ادھیڑ عمر تک بن بیاہی بیٹھی رہتی ہیں۔

۹: ان کے نام بالکل عربی انداز کے ہوتے ہیں اور بعض تو عربوں کی طرح صرف مفرد نام ہوتے ہیں مثلاً ابراہیم، اسمٰعیل، اکبر، موسےٰ، عیسیٰ، بشیر، صدیق، آمنہ، رقیہ، عائشہ، زینب، ہاجرہ، سائرہ وغیرہ۔ آجکل مغرب کی تقلید میں لوگوں نے خدا اور رسول کے مقدس ناموں کو چھوڑ کر فیشن ایبل نام رکھنے شروع کر دیئے ہیں اور اکثر عورتوں اور مردوں کے ناموں میں کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی نام رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان سب حقائق سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ ارائیں عربی النسل ہیں، اور باوجودیکہ انہیں ہندوستان میں آباد ہوئے بارہ سو سال گذر چکے ہیں مگر اب تک بھی قومی اور آبائی خصوصیات کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور ان میں نظر آجاتی ہے۔

ان حقائق کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ارائیں عربی النسل ہیں اور آئندہ ابواب میں ہم اس نظریہ کا تاریخی پس منظر بیان کریں گے۔ شائد آپ کو گزشتہ ابواب میں مذکور یہ بات

یاد ہوگی کہ عربی النسل کے سلسلہ میں نجدی، شامی اور یمنی ہونا بھی بحث طلب ہے۔ اس لئے ہم ان تمام نظریات پر مکمل بحث کریں گے۔

تاریخی حقائق

قوم ارائیں کی پہلی مطبوعہ تاریخ جس میں ان کی ہندوستان میں آمد سے لے کر ۱۹۱۹ء تک کے حالات لکھے گئے ہیں، صوفی محمد اکبر علی جالندھری کی کتاب "سلیم التواریخ" ہے جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں ہم اس کے اقتباسات اس انداز سے درج کرتے ہیں کہ تسلسل اور ربط کے ساتھ ضروری واقعات قلمبند ہوجائیں۔

پہلے آپ اس شجرہ نسب کو ذہن میں رکھئے جو صوفی صاحب نے "تذکرۃ الاخوان فی ذکر عمدۃ البیان" مصنفہ مولانا محمد خان قندھاری سے اخذ کیا ہے تاکہ آپ کو آئندہ ابواب میں دیئے گئے شجروں کو سمجھنے اور ان سے تعلق رکھنے میں آسانی ہو۔ ہم اس شجرہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب بھی درج کرتے ہیں تاکہ قرابتی تعلق واضح ہوجائے۔

فہر یا قریش

غالب

لوی

قیس	کعب
عمر	مرّہ
مغیرہ	کلاب
عبدالدار	قصیٰ
حارث	عبد مناف
شیخ سلیم الرّاعی (ارائیوں کے مورثِ اعلیٰ)	ہاشم
حبیب الرّاعی	عبد المطلب
حلیم الرّاعی (جو محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے)	حضرت عبداللہ
	حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آل سلیم الراعی

قوم راعین ان عربوں کی نسل ہے جنہوں نے محمد بن قاسم کی ہمراہی میں سندھ کو فتح کیا تھا۔ جن کی پے درپے فتوحات کی سارے ملک میں دھاک بندھ گئی تھی۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ قوم راعین کا بزرگ شیخ سلیم الراعی یزیدی مظالم کی وجہ سے شام کی طرف چلا آیا تھا اور دریائے فرات کے کنارے قیام کر کے عربوں کا آبائی پیشہ گلہ بانی شروع کر رکھا تھا۔ اس گلہ بانی کے سبب یہ بزرگ سلیم الراعی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا بیٹا شیخ حبیب ایک باکمال بزرگ تھا کشف المحجوب (مصنفہ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری رح) میں لکھا ہے کہ شیخ حبیب ابن سلیم الراعی دریائے فرات کے کنارے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ شیخ حبیب نے حضرت سلمان رض فارسی سے فیض حاصل کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ شیخ حبیب اس نسبت سے تابعی بھی تھے۔

جب ملک سندھ پر چڑھائی کا چرچا شام میں پھیلا اور جنگی جوان منتخب ہوئے تو عربوں میں چونکہ غزوات کا ایک نشہ چڑھا رہتا تھا۔ بہت سے جوانوں نے اپنے تئیں پیش کیا۔ اس وقت شیخ حبیب کا باہمت بیٹا شیخ حلیم بھی مع اپنے ہمراہیوں اور قرابتی جوانوں کے آشامل ہوا۔ اور سندھ کی عظیم فتوحات میں شامل رہا۔

جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے محمد بن قاسم کو مروا دیا اور باقی عرب جو سندھ میں تھے، ان کے لئے فرمان بھیج دیا کہ عرب میں واپس نہ آئیں تو وہ مجبوراً سندھ میں رہ گئے تھے۔

اس وقت ان عربوں نے گزر اوقات کے لئے مختلف کام شروع کر دیئے۔ کسی نے زراعت کسی نے گلہ بانی۔ کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ۔ اس وقت یہ لوگ بھی مجبور ہوئے کہ اپنا آبائی پیشہ گلہ بانی اور زراعت شروع کریں اور تلوار کو میان میں کر لیں جو بالکل زنگ آلود نہ ہوتی تھی بلکہ بوقتِ ضرورت اپنی چمک دکھا جاتی تھی۔ یہ لوگ سندھ کی وادی میں گلہ بانی کرنے لگے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی بعد میں قبیلے کے دوسرے زن و مرد بھی آکر ملنے لگے۔ یہاں تک کہ خاصا جتھہ تیار ہو گیا۔ یہ آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنے عرب ساتھیوں میں یہ لوگ راعی یا الرّاعی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

یہی لفظ راعی ہے جو بعد میں تبدیلی لہجہ کی وجہ سے راعین بولا جانے لگا۔ اور الراعی سے بہ تخفیف تشدید راعیں ہو گیا۔ ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جو پنجاب میں نون غنہ کی زیادتی کے ساتھ بولے جاتے ہیں جیسے دہی کو دہیں، گائے کو گائیں، پانی کو پانیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ع کی بجائے الف بولنا تو اہل پنجاب کی عام عادت ہے۔

تاریخ فرشتہ میں یہ لفظ راعی ہی لکھا گیا ہے مگر سیر المتاخرین میں رائیں لکھا گیا ہے۔ آجکل رائیں یا ارائیں بھی لکھتے ہیں۔ نسب کے لحاظ سے ان کو آلِ سلیم یا بنی سلیم کہنا مناسب ہے یا فاروقی اور صدیقی کی طرح سلیمی کہنا بجا ہے۔ ارائیں لفظ سے نفرت کرنا اس کی اصلیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ راعی کے معنی گلہ بان اور حاکم دونوں کے ہیں اور گلہ بانی تو پیغمبروں کا پیشہ رہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسےٰ علیہ السلام اور خود ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی گلہ بانی کی ہے۔ عرب لوگ جہاں گلہ بانی کرتے ہیں وہاں ان اراضیات کے مالک اور ان پر قابض بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی اپنی چراگاہ نہ ہوگی تو گلہ بانی کہاں کریں گے۔

یہ سارا اقتباس آپ کے سامنے ہے اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہم آپ کی خدمت میں چند اعتراض پیش کرتے ہیں۔ آپ بھی ان پر غور فرمائیں اور پھر فیصلہ کریں۔

۱: پہلی قابل اعتراض بات تو یہ ہے کہ صوفی صاحب نے جو شجرہ پیش کیا ہے وہ مجروح ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوی کی نویں پشت میں سے ہیں اور سلیم الراعی چھٹی پشت میں۔ ان دونوں کے زمانہ میں تین پشتوں کا فرق ہے اس لئے عمر اور زمانہ کا حساب لگایا جائے تو ایک دادا کی چھٹی پشت میں سے کسی کا مسلمان ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔ جبکہ اسلام پھیلانے والے اسی دادا کی نویں پشت میں سے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ شجرہ اس تاریخی اہمیت کا حامل نہیں ہے جس پر صوفی صاحب نے تکیہ کیا ہے۔

۲: صوفی صاحب نے شیخ سلیم الراعی کی مدینہ سے شام کو ہجرت کا سبب یزیدی مظالم لکھا ہے اگر اس کو درست مان لیا جائے تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ شام میں نہیں جا سکتے تھے، کیونکہ بنو امیہ کا پایۂ تخت ہی شام میں تھا اور وہاں کسی ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی جو بنو امیہ کا دشمن ہو۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بنو امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر

مدینہ جیسی مقدس جگہ چھوڑ کر چلا جائے اور عراق میں جہاں بنو امیہ کے مخالفین کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ نہ جائے بلکہ کسی دوسری جگہ میں جانے کی بجائے شام میں ہی چلا جائے۔ اس سے دو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

(ا) یا تو انہوں نے ہجرت ہی نہیں کی تھی۔

(ب) اور اگر ہجرت کر کے ملک شام میں چلے گئے تھے تو پھر یزیدی مظالم سے تنگ آکر نہیں گئے ہوں گے بلکہ دوسرے حامیان بنو امیہ کی مانند گئے ہوں گے جو ملک شام میں اس لئے جمع ہو رہے تھے کہ وہاں ان کو جاگیریں مل جاتی تھیں اور نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر یزیدی مظالم سے تنگ آکر گئے ہوتے تو ان کا پوتا بنو امیہ کے حکمرانوں کے لشکر میں شامل ہو کر ملک سندھ میں نہ آتا۔ کیونکہ محمد بن قاسم کے ساتھی تمام حامیان بنو امیہ تھے۔ نیز اس مہم کی اہمیت کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو حجاج نے عبدالملک کو لکھا تھا اور عبدالملک نے جواباً تحریر کیا تھا کہ اس لشکر میں کوئی بھی ایسا فرد نہ جانے پائے جس کی وفاداری کسی درجہ میں بھی مشکوک ہو۔ پھر اس شخص کے پوتے کو کیسے شامل کر لیا گیا جو یزیدی مظالم کے ہاتھوں تنگ آکر مدینہ سے ہجرت کر گیا تھا۔

۳: یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حلیم الراعی کی شخصیت واقعی تاریخی اہمیت کی حامل تھی یا صرف صوفی صاحب کی خوش فہمی تھی۔ کیا اس نام کا کوئی شخص محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں بطور سپاہی آیا تھا؟

یہ سوال جہاں بڑا اہم ہے وہاں اس کا جواب تلاش کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صوفی صاحب نے کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا۔ جس سے ہم ان کے بیان کی صداقت کو جانچ سکتے اور اگر وہاں حلیم الراعی کا نام ملتا تو ہرگز اعتراض نہ کرتے۔

حلیم الراعی کی شخصیت کے خلاف ہمارا یہ کہنا ہے کہ فتوحاتِ سندھ کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس نام کا تذکرہ کہیں نہیں ہے۔ فتوحاتِ سندھ پہ البلاذری میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت مستند بھی سمجھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابوں میں محمد بن قاسم والی مہم کا ذکر آیا ہے مگر ان سب کا مجموعہ جس میں سب کتابوں کے حوالے دے کر صرف فتوحاتِ سندھ کو قلمبند کیا گیا

ہے وہ فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ ہے۔ یہ کتاب پہلے عربی میں لکھی گئی تھی، پھر فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا اور اب سندھی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ مترجم نے اس پر جا بجا حاشیے بھی لکھے ہیں مگر سندھ یونیورسٹی کے ہیڈ آف دی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے جو محققانہ تبصرے کتاب کے آخر میں لکھے ہیں وہ بہت بیش قیمت اور مفید ہیں۔ ان سے کتاب کی قدر و قیمت کہیں بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے مختلف جگہوں ناموں اور مجاہدوں کی تفصیلات لکھی ہیں اور بعض کے شجرۂ نسب بھی دیئے ہیں۔ نیز فتح نامہ سندھ کو خود اسکے مصنّف نے ایک سو تین کتابوں کے حوالوں سے لکھا ہے۔ اور ہمارے خیال میں اس سے قدیم اور مستند کتاب فتوحات سندھ پر کوئی دوسری نہیں ہے۔ اس میں خوبی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کے نام، ان کا شجرہ نسب اور ان کے کمانڈروں کے حالات کافی تحقیقات اور وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس میں حلیم الراعی کو تلاش کریں۔ تاکہ ہمارے سوال کا جواب مل جائے۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اُن دنوں (یعنی محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت)، ہر قبیلہ اپنا اپنا لشکر لے کر اپنے سردار کی ماتحتی میں شریک جنگ ہوتا تھا اور میمنہ، میسرہ، ہراول یا قلب پر سالار اعظم مختلف قبیلوں کی خصوصیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں مقرر کرتا تھا۔ مثلاً جب تیر اندازوں کی ضرورت ہوتی تو بنو ازد کے لوگوں کو وہاں متعین کیا جاتا کیونکہ وہ لوگ بہترین تیر انداز ہوتے تھے۔ اگر الراعی کوئی قبیلہ تھا یا شیخ سلیم الراعی کسی قبیلے کے سردار تھے تو ان کا قبیلہ اب انکے پوتے حلیم الراعی کی سرکردگی میں شریک جنگ ہوتا اور ظاہر ہے کہ محمد بن قاسم جیسا مردم شناس کمانڈر کسی قبیلے کے سردار اور کسی جمعیت کے کمانڈر کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ اس نے جہاں دوسرے سرداروں پر کچھ ذمہ داریاں عاید کی تھیں وہاں حلیم الراعی کے سپرد بھی کوئی کام کیا ہوگا۔ نیز محمد بن قاسم چار سال تک سندھ میں رہا تھا۔ اس دوران میں کبھی نہ کبھی حلیم الراعی کا نام اس کے ہمراہیوں میں آنا چاہیئے۔ مگر جب ہم فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ پڑھتے ہیں ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے کیونکہ حلیم الراعی یا کسی دوسرے الراعی کا نام نظر نہیں آتا۔ ہاں بنو سلیم قبیلہ کا نام ملتا ہے۔ ان کے مجاہدوں کے نام بھی نظر آتے ہیں مگر الراعی کا نام کہیں دکھائی نہیں دیا۔

اب اگر آپ کہہ دیں کہ کشف المحجوب میں شیخ حبیب الراعی کا نام ملتا ہے تو ہم کہیں گے یہ ممکن ہے

مگر حلیم الراعی کے سندھ میں آنے کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا۔ ہمیں حبیب الراعی کی شخصیت سے کوئی واسطہ نہیں ہمیں تو حلیم الراعی کو محمد بن قاسم کے لشکر میں تلاش کرنا ہے مگر کیا کریں ان صاحب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہم نے بہت تلاش کرنے کے بعد ایک شخص کا نام پایا ہے جس کے نام کے ساتھ الرائی ہے۔ مگر اس کی تفصیل سنیئے۔

چچ نامہ مطبوعہ و مترجمہ سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۲۷۹ پر لکھا ہے کہ کعب بن مخارق الراستی راجہ داہر کا سر، مال غنیمت اور لونڈیاں لے کر کوفہ پہنچا تاکہ محمد بن قاسم کی طرف سے ارسال کردہ یہ تحائف حجاج بن یوسف ثقفی ناظم عراق کی خدمت میں پیش کر سکے۔ فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ فتح نامہ سندھ کا جو قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی تحویل میں ہے اور جو ۴ شوال ۱۰۶۱ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں کعب بن مخارق الرائی لکھا ہے۔ باقی جتنے نسخے فتح نامہ سندھ کے دستیاب ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر الراستی یا الراسبی لکھا ہوا ہے۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ ہم اسے حلیم الراعی کیسے تسلیم کر لیں۔ ہم نے کتابوں کی بہت چھان بین کی ہے تاکہ صوفی صاحب کے بیان کی تصدیق ہو سکے مگر افسوس ہم کو ہمیشہ ناکامی ہوئی ہے۔ لہذا ہم ارائیوں کو شیخ سلیم الراعی کی نسل میں سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ نہ تو یہ قبیلہ انساب عرب میں کہیں موجود ہے اور نہ ہی شیخ حلیم الراعی کا نام کہیں تاریخی کتب میں ملتا ہے۔ پس اس پر مزید بحث کرنے کی بجائے دوسرا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

نوٹ: فتح نامہ سندھ کے متعلق اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہندو پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر مسلمانوں کے حملوں کے متعلق معلومات رکھنے والی سب سے قدیم اور مستند کتاب یہی فتح نامہ سندھ ہے جس میں ۱۰ھ سے ۹۶ھ تک یعنی ۶۳۷ء سے ۷۱۴ء تک کے حالات مفصل لکھے گئے ہیں اور قدامت اور سند کے لحاظ سے یہ کتاب بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

یہاں میں ۳۰ اپریل ۱۹۶۷ء کو راعی بلڈنگ، موہنی روڈ لاہور میں منعقد ہونے والی میٹنگ کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جس میں تاریخ قوم ارائیں کے سلسلہ میں بحث ہوئی تھی۔ اس میں مندرجہ ذیل برادران قوم نے شرکت کی تھی۔

۱: ونگ کمانڈر صوفی حمید علی صاحب خلف الرشید صوفی اکبر علی صاحب (مصنف سلیم التواریخ)
۲: سردار احمد علی صاحب صدر انجمن ارائیاں پاکستان، لاہور۔
۳: سردار محمد شفیع صاحب کنوینر انجمن ارائیاں سندھ۔
۴: ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی صاحب (مرحوم) شیخوپورہ۔
۵: چودھری عبدالرشید تبسم ایڈیٹر رسالہ الراعی لاہور۔
۶: پروفیسر میاں منظور احمد صاحب ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) اسلامیہ کالج لاہور۔
۷: حاجی سردار محمد صاحب پبلشر تاریخ قوم ارائیں (مالک علمی کتاب خانہ۔ کبیر سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور)
۸: ماسٹر محمد یوسف صاحب لالہ موسے۔

صدارت کے فرائض صوفی حمید علی صاحب انجام دے رہے تھے۔

ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی صاحب نے پرزور الفاظ میں اریحا والے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ۔

۱: اریحا یہودیوں کی آبادی تھی جنہیں حضرت عمرؓ نے عرب سے نکلوا دیا۔
۲: اریحا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور کسی تاریخی اہمیت کا حامل نہیں۔
۳: اکبر شاہ خاں مورخ نہ تھے اور آئینہ حقیقت نما کوئی مستند کتاب نہیں۔
۴: سلیم الراعی والا نظریہ ہی صحیح ہے اور اریحا والا غلط وغیرہ وغیرہ۔

مجھے جواب دینے کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا۔

۱: اریحا بنو امیہ کے زمانے میں مسلمانوں کا گڑھ تھا اور تاریخ سے ثابت ہے۔
۲: اریحا اب بھی پچاس ہزار نفوس کی آبادی رکھتا ہے اور اس کی تاریخی اہمیت فلپ ہٹی کی تاریخ شام و لبنان میں دیکھ لیں میں نے اپنی کتاب میں ایک الگ باب اریحا پر لکھا ہے۔
۳: اکبر شاہ خان تو مورخ تھے اور ان کی کتابیں تاریخ اسلام اور آئینہ حقیقت نما بے شک مستند کتابیں ہیں کیونکہ یہ بے شمار پرانی تاریخی کتابوں کے حوالوں سے لکھی گئی ہیں۔ البتہ صوفی صاحب (مرحوم) مورخ نہ تھے مگر قوم کے نہایت دردمند اور مخلص انسان تھے جنہوں نے محنت شاقہ سے

برادری کے حالات کو جمع کر کے کتابی صورت دی ۔ ان کی خدمات کا انکار نہیں اور نہ انہوں نے اُسے حرفِ آخر قرار دیا ہے ۔

پروفیسر میاں منظور احمد صاحب اور چوہدری عبدالرشید تبسم ایڈیٹر الراعی اور ماسٹر محمد یوسف صاحب نے میری تائید کی آخر میں صوفی حمید علی صاحب نے بھی فرمایا کہ اباجی مرحوم نے واقعی قوم کی بے لوث خدمت کی ہے ۔ لیکن ان کی کتاب کو حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا اور اپنی قوم کی تاریخ کو صحیح طور پر مرتب کرنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے ۔

آلِ ذورعین

جناب منشی محمد ابراہیم صاحب محشرؔ انبالوی اپنی کتاب آل ذورعین مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ ارائیں دراصل قحطانی عرب ہیں اور یریم ذورعین کی اولاد میں سے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان کا شجرۂ نسب اس طرح درج کرتے ہیں کہ بہت سے غیر معروف افراد کا نام حذف کر دیا گیا ہے ۔

یہ کتاب ہمیں جناب میاں محمد بخش سکندر علی مرچنٹس اینڈ کمیشن ایجنٹس غلہ منڈی حاصل پور ضلع بہاول پور کی نوازش سے دستیاب ہوئی تھی جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں ۔

زید الجمہور یمن کا بادشاہ تھا ۔ اس کا پوتا یریم ذورعین ارائیوں کا مورث اعلیٰ ہے ۔ اس نے یمن میں رعین پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کیا ہے ۔ اس لئے ذورعین سے ملقبّ ہوا ۔ ہندوستان میں یہ لفظ رعین سے راعین ہوا اور پھر راعین سے ارائیں ہوا ۔

یریم ذورعین وہ شخص تھا جو ۱۳۵۷ء قبل مسیح پیدا ہوا تھا ۔ اس کے چچا کی اولاد میں سے حارث الرائش نامی ایک شخص ہوا جس کے زمانہ سے قوم راعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر آباد ہوتی رہی یعنی اسلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے ہندوستان میں آنا شروع ہوئی تھی ۔ پھر زمانہ اسلام میں بھی اسلامی لشکر کے ہمراہ آتی رہی ہے ۔ یہی لوگ رعین سے راعین اور راعین سے ارائیں کہلانے لگے ۔

مصنّف نے لکھا ہے کہ رعین کی پہاڑی اب بھی وہاں اسی نام سے پکاری جاتی ہے بلکہ وہاں کا علاقہ ہی رعین کہلاتا ہے ۔

آدم ثانی
حضرت نوح علیہ السلام
حضرت سام
عابد یا ہود علیہ السلام
حمیر
سہل

- کعب الظلم
  - حارث الرائشی
  - زرعہ
    - عوف
      - زید
      - غوث
        - حضرت امام مالک
- زید الجمہور (یمن کا بادشاہ)
  - حرث
    - یریم ذورعین (ارائیوں کا مورثِ اعلیٰ)
      - عبد کلال الاکبر
        - مدثر
          - عبد کلال الاصغر
            - سفیان ذہ تیجان
              - نعمان ذورعین (۶۳۳ء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر اسلام لایا)
        - شیبہ
          - ابرہہ (جس نے مکہ پر حملہ کیا تھا)
- مالک
  - عدای
    - حضور (مورث بنی حضور قبیلہ)

نعمان ذورعین ۶۳۳ء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو پڑھ کر اسلام لایا۔ وہ اس وقت یمن کے ایک حصہ کا فرمانروا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک ایلچی کے ذریعے اس نے اپنے قبول اسلام کا حال سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اس وقت شاہان حمیر کا ایلچی حاضر ہوا اور حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان ذورعین، معافر اور ہمدان کے نامے خدمت اقدس میں پیش کئے اور زرعہ ذویزن، مالک بن مرۃ رہاوی کا نامہ بھی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ جس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کا حال لکھا تھا۔

واضح رہے کہ نعیم بن عبد کلال ذورعین، حرث بن عبد کلال ذورعین اور نعمان بن عبد کلال ذورعین تینوں بھائی تھے اور شاہان حمیر کے خاندان سے تھے جو قحطانی النسل تھے اور نعمان ذورعین کے ساتھ ہی باقی دونوں بھائی بھی اسلام لائے تھے۔ اس ذورعین کے لقب کا ثبوت ذیل میں درج ہے۔

علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم المعروف بہ منظور الافریقی المصری الانصاری کی تصنیف "لسان العرب" مطبوعہ مصر موجودہ کتب خانہ بانکی پور (انڈیا) کی سترھویں جلد کے صفحہ ۴۲ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

"ورعین جبل بالیمن فیہ حصن، وذورعین ملک ینسب الی ذالک الجبل قال الجوہری ذورعین ملک من ملوک حمیر ورعین حصن لہ وھومن والدالحراث بن عمرو بن سبا وھم آل ذورعین وشعب ذی رعین قال الراجنی جاریہ من شعب ذی رعین حیاکۃ تمشی لعلطین۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذورعین کے خطوط کے جواب میں جو نامہ تحریر فرمایا تھا اس کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور نعمان ذورعین اور معافر و ہمدان شاہان حمیر کو معلوم ہو کہ میں اس خدا کی حمد و ثناء کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ تمہارا ایلچی ہمارے پاس اس وقت پہنچا جب

ہم رومیوں کی جنگ سے واپس آئے اور مدینہ میں تمہارے ایلچی سے ملاقات ہوئی اور تمہارے ناموں کو ہم نے ملاحظہ کیا اور تمہارے اسلام قبول کرنے اور مشرکین کو قتل کرنے کی خبر ہوئی۔ بے شک خدا نے اپنی ہدایت تمہارے شاملِ حال فرمائی۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ جو مالِ غنیمت تم کو حاصل ہو۔ اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول کا نکالو اور نہری و بارانی زمینوں میں عشر اور چاہی میں سے نصف عشر ادا کرو۔ چالیس اونٹوں میں سے ایک بنت لبون (تین سال کی اونٹنی) اور تیس میں ایک ابن لبون (تین سال کا اونٹ) اور پھر پانچ اونٹوں میں سے ایک بکری زکوٰۃ دیا کرو۔ چالیس گائیوں میں سے ایک گائے اور تیس گائیوں میں سے ایک جزعہ (بچھڑا) زکوٰۃ دیا کرو۔ چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ادا کرو بشرطیکہ یہ سب جنگل میں چرتے ہوں۔ یہ خدا کا فریضہ ہے جو اس نے مسلمانوں پر قائم کیا ہے۔

جیسا کہ ہم گزشتہ کسی فصل میں یہ بتا چکے ہیں، مصنف کا خیال ہے کہ حارث الرائش کے ساتھ اور اس کے بعد جو رعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں آباد ہوتے رہے، وہ مشرک تھے لہذا یہاں بھی مشرک ہی رہے اور جو اسلام کے بعد یہاں وارد ہوئے وہ مسلمان تھے۔

مصنف کو یہ بھی خدشہ ہے کہ اگر ظہور اسلام سے قبل قوم راعین کا ہندوستان میں آنا نہ ثابت کیا جائے تو ہندو ورائیوں کی توجیہہ ناممکن ہے۔ اور پھر آج ارائیوں کی اس کثیر آبادی کا جواز نہیں نکل سکتا کیونکہ اگر چند عربی مسلمان آل ذورعین سے محمد بن قاسم کے ساتھ آئے ہوں تو ان کی نسلیں کس طرح اتنی پھیل سکتی ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں بلکہ صوفی اکبر علی صاحب تو محض حلیم الراعی اور ان کے چند ساتھیوں کی بدولت ہی ارائیوں کے اس قدر بڑھ جانے کے قائل ہیں۔ جناب میاں سکندر علی صاحب کمیشن ایجنٹ غلہ منڈی حاصل پور ضلع بہاول پور جن کی وساطت سے یہ تاریخی مواد میسّر ہوا تھا، خود بھی ارائیوں کی اتنی بڑی آبادی کو محض چند عربوں کی اولاد تسلیم کرنے میں متردّد تھے۔

اس سارے اقتباس سے دو باتیں ایسی ظاہر ہوتی ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ظہور اسلام سے قبل آلِ ذورعین کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا اور یہاں مستقل طور پر آباد ہو جانا۔

۲۔ آلِ ذورعین کا لشکر اسلام کے ساتھ آنا۔

پہلی بات کے متعلق تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ زمانہ قدیم میں عربوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ کسی ایسی ہمہ گیر مہم کا سراغ ملتا ہے کہ آلِ ذورعین وقتاً فوقتاً ہندوستان پر حملہ کرتے اور یہاں آباد ہوتے رہے۔ تجارتی قافلوں کا نشان تو ملتا ہے مگر ان کی سرگرمیاں ساحلی علاقوں تک ہی محدود تھیں اور اندرون ملک میں ان کی کوئی رسائی نہ تھی۔

البتہ دوسری بات بہت حد تک قرین قیاس ہے اور ہم یہ بھی اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قدیم زمانہ میں عربوں کا ایک قبیلہ مصر پر حملہ آور ہوا اور وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کی جو شاہان راعیہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ "تاریخ تمدن عرب" کے صفحہ ۸۸، ۸۹ پر لکھا ہے کہ عربوں کے قبیلہ نے دو ہزار سال قبل از مسیح مصر میں سلطنت قائم کی جو سلاطین راعیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ مذکور نہیں کہ وہ یمنی تھے یا نجدی۔ مگر راعیہ کے لفظ سے ذہن خود بخود ذورعین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور بریم ذورعین ۱۳۵۴ سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے اس قبیلہ کے لوگوں نے مصر میں سلطنت راعیہ قائم کی ہو۔

چونکہ ہمارا مقصد مصر کی سلطنت راعیہ پر بحث کرنا نہیں لہٰذا ہم اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔ محمد بن قاسم کے ساتھ جن سرداروں کا نام آتا ہے۔ ان میں ایک سردار مروان بن اشحم یمنی بھی ہے جس کے متعلق فتح نامہ سندھ میں لکھا ہے کہ راجہ داہر کے ساتھ جنگ کے چوتھے اور آخری روز جبکہ لڑائی بہت نازک صورت اختیار کر گئی تھی اور خود راجہ داہر جنگی ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں موجود تھا۔ اسوقت محمد بن قاسم نے سخت پریشانی کے عالم میں کعب بن مخارق الراسبی (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) سے بے اختیار پانی مانگا تھا اور اس کے گلے میں باہیں ڈال کر لڑائی کے متعلق اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ اس نے محمد بن قاسم کی اس حالت اور الفاظ کا اظہار حجاج بن یوسف کے پاس اس وقت کیا تھا جب وہ تحائف لے کر اس کی خدمت میں پہنچا تھا۔ اس نازک مرحلے پر محمد بن قاسم نے مروان بن اشحم کو بلا کر کہا کہ اب تم اپنے ہمراہیوں سمیت راجہ داہر پر حملہ کرو چنانچہ سالار اعظم کا یہ حکم سن کر وہ اپنے رفیقوں کے ساتھ راجہ داہر کی طرف بڑھا، پھر تو دوسرے لوگ بھی ادھر جھپٹے اور لڑائی کا زور باقی اطراف سے گھٹ کر اسی محاذ پر رہ گیا۔ یہ معرکہ ایسا شدید تھا کہ ظہر سے مغرب تک تلواریں چلتی رہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ داہر قتل ہوا اور اس کی فوج تباہ و برباد

ہو کر تتر بتر ہو گئی۔ اس گھمسان کے معرکے میں چھ شامی سرداروں اور ایک یمنی سردار کا نام فتح نامہ سندھ میں موجود ہے۔

چونکہ اس یمنی سردار یعنی مروان بن اشجم کا شجرہ نسب اس کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ آل ذورعین کا سردار ہوگا۔ ہاں اس کے خلاف تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ آل ذورعین کا فرد ہوتا تو اس قدر بہادر سردار کے نام کے ساتھ ذورعین کا لفظ ضرور ہوتا، کیونکہ آل ذورعین ہی تو اس وقت تک مقتدر تھے۔

نیز ذورعین کو صفت نسبتی کی وجہ سے رعینی حسب قاعدہ شامی، عراقی اور یمنی کہلانا ضروری تھا۔ مگر اس صورت حال میں رعینی سے ارائیں بن جانا قابل قبول ہی نہیں ہو سکتا۔

اغلب ہے کہ یہ یمنی سردار بھی ملک شام کے علاقہ اریحا کا ایک جاگیردار ہو کیونکہ عرب کے بڑے بڑے نامی سردار اور حامیان بنو امیہ کو اریحا کی چھاؤنی میں ہی جاگیریں دی جاتی تھیں اور فتح سندھ والی مہم میں تو خاص طور پر چیدہ چیدہ بہادر اور وفادار جوانمرد ہی منتخب کئے گئے تھے۔ اور اگر اس پر یقین کر لیا جائے تو مروان بن اشجم یمنی کی بجائے اریحائی ہو سکتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ رعین سے رائیں بن جانا تو قابل قبول ہے مگر ارائیں کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ الفاظ جب بگڑتے ہیں تو مخفف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر رائیں کی بجائے ارائیں کہلانے میں ا کی ایزادی کا کوئی جواز نہیں ملتا اور یہ سب جانتے ہیں کہ ہماری قوم رائیں نہیں بلکہ ارائیں ہے۔

پس چونکہ اس نظریہ کی تائید میں بھی مضبوط شہادتوں کی کمی ہے لہذا ہم تیسرا نظریہ اریحائی گروہ کا پیش کرتے ہیں۔

اریحائی گروہ

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی کتاب "آئینہ حقیقت نما" کے صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۷ پر "مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان" کے عنوان کے تحت سندھیوں کے رہن سہن، مہمان نوازی جو کہ عربوں کا خاصا ہے اور سندھی رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے سندھ کی بہت سی قوموں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور انہیں خالص عربی گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض قومیں بہت سے لوگوں کے خیال میں ہندی

قومیں سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ خالص عربی قومیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل تذکرہ آرائیں قوم ہے۔ اب آپ پورا اقتباس پڑھیئے۔

" اوپر کئی جگہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کا ذکر آچکا ہے کہ وہ شامی اور عراقی دو گروہوں پر مشتمل تھے۔ شامی لوگ سب سے زیادہ با اعتماد اور خلافت بنو امیہؓ کے حامی و ہمدرد تھے۔ ان ہی لوگوں کو شاہی فوج اور شاہی قوم سمجھا گیا تھا۔ یہ عموماً بنی امیہؓ اور حجازی تھے جو حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں حجاز سے شام میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد ملکِ شام کے مقام "اریحا" میں آباد تھی۔ اور حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو چھ ہزار شامی فوج بھیجی تھی اس میں ایک معقول تعداد اریحا کے باشندوں کی تھی۔ ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ملک شام میں واپس جانا نصیب نہ ہوا اور ان کو مجبوراً یہیں اقامت اختیار کرنا پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ منصورہ کی خود مختار ریاست کا قیام پھر ان کے لئے راحت و اطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی پھر ان کے لئے مصائب و نوائب کا نزول تھا کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہو گئے، کچھ ملتان میں آکر آباد ہوئے اور جہاں جس کے سینگ سمائے چلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا اور اسی طوفان میں ملتان کا مشہور مرکزی مندر بھی قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہوا لیکن محمود غزنوی نے جلد ہی اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اور اس طرح ان عربی باقیات یعنی شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ تر ملتان ہی میں جمع ہونا پڑا۔ چند ہی روز کے بعد پنجاب کا تمام ملک سلطنتِ غزنی کا صوبہ بن گیا اور مستقل طور پر پنجاب میں محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔

ارائیں انہی قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا اور اریحائی کہلاتا تھا۔ پنجابی لہجے اور پنجابی تلفظ نے اس کو ارائیں بنا دیا۔ ان تمام مذکورہ حوادث و تغیرات کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ یہ لوگ پنجاب کے سرسبز و شاداب علاقے میں آکر افغانی فاتحوں اور ہندو مفتوحوں سے بے تعلق رہ کر زراعت و کاشتکاری میں مصروف ہو جائیں۔ اور اپنے ان تجربات کو کام میں لائیں جو ریاست منصورہ کی سرسبزی و شادابی کے لئے وہ کام میں لا چکے تھے عرب کا ملک زرعی ملک نہیں ہے لیکن عربی قومیں جہاں بھی زرعی ملک میں گئیں، وہ سب سے بہتر

کاشت کار اور نہایت قابل کسان ثابت ہوئیں۔ یہی عربی قومیں جب اندلس پہنچیں تو انہوں نے اندلس کو گلزار بنا کر رکھ دیا۔ اور ایک چپہ بھر زمین ایسی نہ چھوڑی جہاں کھیتی اور سبزی موجود نہ ہو۔ جب اندلس سے بے دخل ہوئے تو وہ ملک پھر بنجر اور ویران نظر آنے لگا۔ آج تک بھی اندلس میں وہ سر سبزی واپس نہیں آئی جو عربوں نے وہاں پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح منصورہ کو عربوں نے گلزار بنا دیا تھا مگر ان کے جاتے ہی وہ پھر سے ویران اور بنجر نظر آنے لگا۔"

اس اقتباس سے جو نظریہ اخذ کیا جاتا ہے اس کی حمایت میں چار باتیں نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہیں:

۱: چونکہ ارائیوں میں شیعہ نہ ہونے کے برابر ہیں لہذا یہ ضرور اریحائی ہیں جو بنو امیہ میں سے تھے یا ان کے حامی تھے۔

شامی سرداروں کا ذکر فتح نامہ سندھ میں نہایت تفصیل سے دیا گیا ہے لہذا اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ نیز آئینہ حقیقت نما" نہایت مستند کتاب ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ معتبر اور مستند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اور نہایت تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس نظریہ سے اختلاف کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔

اریحا اب تک ملک شام میں موجود ہے۔ اور اریحا سے آنے والے اپنے ساتھی عربوں میں اریحائی کے نام سے مشہور ہوں گے۔ جیسے یمنی، شامی، عراقی وغیرہ۔ یہی لفظ اریحائی بگڑ کر ارائیں بن گیا ہے۔ تمام قدیم نسخوں اور موجودہ تحریروں میں ارا عین یا الراعی کی بجائے رائیں یا ارائیں ہی زیادہ مرقوم ہے اور ظاہر ہے کہ اریحائی کہلانے کے وقت سے لے کر آج تک ارائیں سب ان پڑھ ہی نہ تھے کہ انہیں درست املا کی تمیز نہ ہوتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ارائیں درست املا ہے اسی لئے تو تمام سرکاری سندات میں اور مشہور تاریخی کتب حتےٰ کہ سیر المتاخرین میں بھی ارائیں ہی لکھا گیا ہے۔

اب تک بھی ارائیوں میں شامی کہلانے والوں کی معقول تعداد موجود ہے۔ چنانچہ سندھ یونیورسٹی کے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر پرویز شامی نہایت لائق اور مشہور ارائیں ہیں نیز بڑے بڑے خاندانوں کی پرانی یادداشتیں اور تحریریں یہی ثابت کرتی ہیں کہ ارائیوں کا نکاس ملک

شام سے ہوا ہے۔ سلیم التواریخ کے صفحہ ۵۰ پر بھی یہی نظریہ پیش کیا گیا ہے اور چند ارائیں معززین کی خاندانی یادداشتوں کا حوالہ دے کر بتایا گیا ہے کہ یہ قوم دراصل خاک پاک شام سے ہے۔

پس متذکرہ بالا حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات بلا کسی تردید اور خوف کے کہی جا سکتی ہے کہ ارائیں شامی ہیں اور اریحائی کا لفظ بگڑ کر ارائیں بن گیا ہے۔ نیز اس کی املاء اراعین، راعین یا الراعی کی بجائے ارائیں درست ہے اور بلا وجہ اس سے گریز کرنا یا اس پہ اعتراض کرنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں ہے۔

علاقہ سندھ میں تو اس قوم کے تمام لوگ اپنے نام کے ساتھ ارائیں لکھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر دین محمد ارائیں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز نواب شاہ، مسٹر محمد دین ارائیں ڈپٹی چیف انجنیئر، مسٹر غلام مصطفےٰ ارائیں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز حیدر آباد ریجن۔ مسٹر دین محمد ارائیں ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف ریونیو لاہور (حال پنشنر) وغیرہ مشہور ہستیاں ہیں۔ اور ان کے نام کے ساتھ ہمیشہ ارائیں کا لفظ ہوتا ہے بلکہ لوگوں کو ان کے نام کم یاد ہیں اور انہیں مسٹر ارائیں ہی کہتے ہیں۔

چونکہ اس مسئلے میں کسی مزید تحقیق یا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا خواہ مخواہ سلیم الراعی یا یریئہ ذورعین کو ارائیوں کا مورث اعلیٰ قرار دینے کے لئے دور کی کوڑی لانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ہم آئندہ ابواب میں اریحائی قوم کی تاریخ بیان کریں گے اور لفظ ارائیں لکھیں گے جو درست املاء ہے۔ نیز ہماری یہ بھی گذارش ہے کہ قارئین اپنے نام کے ساتھ ارائیں ضرور لکھیں اور اس لفظ کو زیادہ سے زیادہ رواج دیں تاکہ ہم اس لفظ کو دیکھ کر یکجا ہو سکیں اور ایک دوسرے سے یگانگت کا رشتہ استوار ہو۔

دوسرا باب

قبیلہ قریش

اللہ اللہ کس قدر روح فرسا تھا وہ نظارہ جب عرب کے ریگزاروں میں بنو جرہم کا قبیلہ پانی کی تلاش میں سرگرداں تھا پیاس کے مارے ان کی زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو چکی تھیں۔ بیم و یاس کی کش مکش میں مبتلا یہ قافلہ اپنے لامتناہی سفر پر رواں دواں تھا۔ اگرچہ چلچلاتی ہوئی دھوپ کی وجہ سے قافلہ کی رفتار سست پڑ چکی تھی تاہم زندہ رہنے کی آرزو میں ان کے قدم بڑھتے ہی جاتے تھے ان کا جواں ہمت سردار شمال کی طرف ٹکٹکی باندھے نہایت خاموشی سے کچھ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں عقب سے کسی نے پکار کر کہا "وہ دیکھو کوہ بوقبیس پر پرندوں کا ایک غول منڈلا رہا ہے۔" یہ سنتے ہی ہر مرد و زن کی نگاہ بے اختیار اس طرف اٹھ گئی۔ کچھ دیر تک لوگ انہیں دیکھتے رہے اور جب وہ درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا تو سردار نے باآواز بلند کہا — "پانی" — یہ صدا گویا صور اسرافیل تھی جس نے اس منتشر قافلہ کو یکایک ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ پانی کے تصور نے ان کی ڈوبتی ہوئی نبضوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ سردار نے ان کی طرف نگاہ غلط انداز سے دیکھا اور اپنی ناقہ کا رخ اس طرف پھیر دیا۔ جہاں اس کے خیال میں پرندوں نے پانی کی نشان دہی کی تھی۔

قافلہ جب کوہ بوقبیس کے دامن میں پہنچا تو دیکھا کہ اس سنسان وادی میں ایک عورت اپنے ننھے بچے کو گود میں لئے جھونپڑی میں بیٹھی ہے اور اس کے دروازہ پر ایک چشمہ ابل رہا ہے۔ قافلہ رک گیا۔ سردار نے آگے بڑھ کر اس کی خدمت میں آداب عرض کیا اور نہایت لجاجت سے کہا۔

"محترمہ! کیا یہ پانی پینے کی اجازت ہے۔"

"بے شک" اس خاتون نے جواب دیا۔

قافلہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اونٹوں سے سامان اتارا گیا اور لوگ پانی پینے لگے۔ جب لوگ پانی پی چکے تو اونٹوں کو پلایا گیا۔ پھر قافلہ درختوں کے سائے میں سستانے لگا۔ لوگ سنسان جنگل میں اس محترم خاتون کو یوں یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار دیکھ کر حیران ہو رہے تھے سردار نے پانی پینے کے بعد پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا۔

"محترمہ! آپ کون ہیں؟"

اس پر وہ خاتون بولیں۔ "میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہاجرہ ہوں اور یہ اُنکے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ وہ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ گئے ہیں اور اللہ نے ہماری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔"

پھر سردار کو زمزم کے وجود میں آنے کا واقعہ سُنایا جس پر سردار نے فرطِ عقیدت سے سر جُھکا لیا اور نہایت عاجزی سے بولا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس جگہ مستقل طور پر آباد ہو جائیں۔"

خاتون نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔ "تم اس شرط پر آباد ہو سکتے ہو کہ یہ چشمہ میری ملکیت میں رہے گا اور میرا بچہ اس بستی کا سردار ہوگا۔"

"ہمیں منظور ہے۔" سردار نے ان کا شکریہ ادا کیا اور واپس قافلہ میں آگیا۔

عرب کے ریگزاروں میں پانی سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔ جب قافلہ والوں کو یوں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ مل گیا تو انہوں نے جنگل سے لکڑیاں اور کھجور کے پتے اکٹھے کر کے جھونپڑیاں بنالیں اور اس ویرانے میں آبادی بڑھنے لگی۔ یہی آبادی آج مکہ معظمہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر پندرہ برس تھی کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ اداس ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ مکہ چھوڑ دیں ملک شام کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں ان کے والد محترم اور دوسرے اعزّہ آباد تھے۔ جب بنو جرہم کو یہ معلوم ہوا کہ بستی کا نوجوان سردار ہجرت کر جانے کا ارادہ کر رہا ہے تو انہوں نے سوچا کہ ایسے نیک اور سعادت مند نوجوان کا چلے جانا ہماری بدبختی ہے، ان کو روک لو۔ یہ اکیلے ہیں، ان کی شادی کر دو تاکہ انہیں ایک سہارا مل جائے۔ ان کی اس تجویز کو حضرت اسمٰعیل نے بھی قبول کر لیا اور عمارہ بنت سعید قوم عمالقہ (وہ عمالقہ نہیں جن پر عذاب آیا تھا) سے ان کا نکاح کر دیا۔

ایک روز حضرت اسمٰعیل کہیں باہر گئے ہوتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ اسلام تشریف لائے۔ جب بیٹے کو موجود نہ پایا تو عمارہ سے کہہ گئے۔ "تمہارے

شوہر جب گھر آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ گھر کی چوکھٹ بدل دو۔"

شام کو جب حضرت ابراہیم گھر آئے تو بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے کا ذکر کیا اور جب یہ کہا کہ وہ جاتے ہوئے کہہ گئے تھے "گھر کی چوکھٹ بدل دینا" تو آپ نے سمجھ لیا کہ عمارہ پھوہڑ ہے اس لئے والد محترم کو ناپسند ہے۔ پس انہوں نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اور گھر کی چوکھٹ بدل دی یعنی عمارہ کو طلاق دے دی اور اس کے بعد قبیلہ جرہم میں سیدہ بنت مضاض سے شادی کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی غیر حاضری میں تشریف لائے تو سیدہ نے ان کی خوب خاطر تواضع کی اور نہایت سلیقہ شعاری کا ثبوت دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے۔ "اسمٰعیل (علیہ السلام) سے کہنا کہ گھر کی چوکھٹ کی حفاظت کرے۔" جب شام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام واپس آئے تو سیدہ نے سارا واقعہ سنایا۔ اس پر آپ بہت خوش ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر میں ہی موجود تھے۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کو مل کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ ارشادِ الٰہی کے مطابق اب خانہ کعبہ کی تعمیر ضروری ہے چنانچہ دوسرے دن ان بنیادوں کی تلاش ہوئی جن پر حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر اٹھائی تھی مگر طوفانِ نوح اور امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں ان کا وجود تک نہ رہا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے ان بنیادوں کی نشاندہی کر دی اور باپ بیٹا اس کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔

اللہ اللہ کس قدر رشک کا مقام ہے۔ اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر وں کو ایک دوسرے پر رکھ کر چنائی میں مشغول ہیں۔ ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اور گارا لانے میں مشغول ہیں۔ دونوں اللہ کی حمد کے ترانے گاتے اور اس گھر کی تعمیر کرتے ہیں اور باآواز بلند یہ دعا بھی کرتے جاتے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

جب دیوار کسی قدر بلند ہوئی اور تعمیر کے کام میں دقت پیش آئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کام کرنے لگے۔ یہی وہ مقام ہے جسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ جب بنا رہو نیچے قریب ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہا کہ کسی اچھے پتھر کا ٹکڑا لاؤ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی رہبری میں جبل بوقبیس سے حجرِ اسود اٹھا لائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقامِ رکن پر رکھ دیا۔ یہی حجرِ اسود ہے جسے طوافِ کعبہ کے وقت بوسہ دیتے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست کی محبت کو آزمانا چاہا اور انہیں اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے کا اشارہ کیا۔ جب باپ نے بیٹے سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "آپ اپنا کام کریں۔ مجھے انشاء اللہ آپ فرمانبردار پائیں گے"۔ چنانچہ ایک دن سورج نے دیکھا کہ جبلِ بوقبیس کی اوٹ میں اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر لٹا رکھا ہے اور چھری ان کے گلے پر چلا رہے ہیں — شیطان ایسی فرمانبرداری کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ عرش پر خلیل اللہ کی محبت کے تذکرے ہونے لگے اور ذبیح اللہ کی فرمانبرداری کے چرچے حور و ملائک میں پھیل گئے۔ حضرت جبرئیل امین مینڈھا لے کر حاضر ہوئے اور ارشادِ الٰہی کے مطابق اسے اللہ کی راہ میں قربان کر دیا گیا۔


اللہ اپنے دوستوں کے تذکرے قیامت تک زندہ رکھتا ہے چنانچہ حضرت خلیل اللہ کی محبت اور ذبیح اللہ کی فرمانبرداری کو قربانی کی صورت میں سُنتِ ابراہیمی بنا دیا گیا۔

حضرت بی بی ہاجرہ کی اس سعی کو جو انہوں نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر کی تھی، حج کا رُکن قرار دیا اور باپ، ماں اور بیٹے کی مستقل یاد کو ہر سال حج کے موقع پر تازہ کرنے کی حکم دے کر اللہ نے اپنے دوستوں کی وہ قدر افزائی کی کہ شیطان اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حج اور قربانی کے بعد ملکِ شام واپس چلے گئے اور جب تک زندہ رہے ہر سال خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کو آتے رہے مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مستقل طور پر مکہ معظمہ میں ہی مقیم رہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی ذریت کو وہ برکت دی کہ مکہ میں ان کا سمانا محال ہو گیا اور وہ سارے حجاز میں پھیل گئے۔ خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ معظمہ کی سرداری بھی ان کی نسل میں قائم رہی۔ ان کے بیٹے قیدار کی نسل میں ایک شخص عدنان ہوا ہے جس کی اولاد

بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے۔ انہی کی نسل میں سے فہر بن مالک تھے جن کو قریش بھی کہتے ہیں۔

اگلے صفحہ پر ہم قریش کی اولاد کا شجرہ نسب لکھتے ہیں تاکہ ہمیں اپنی قومی تاریخ کو جاننے میں آسانی ہو اور کبھی غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے کیونکہ تاریخی پس منظر کو جاننے کے لئے یہ شجرہ نہایت ضروری ہے۔


فہر یا قریش
غالب
لوی
کعب
مرّہ
کلاب
قصیٰ
عبد مناف
عبد شمس
نوفل
مطّلب
ہاشم
اُمیّہ
عبد المطّلب
حرب
ابو العاص
ابو سفیان
عفان
حکم
حضرت امیر معاویہ رض
حضرت عثمان رض
خلیفہ سوم
مروان
یزید
(اسکے بعد
حکومتِ بنو امیّہ
مروان کے پاس چلی گئی)
عبد الملک
ولید
(اس کے زمانہ میں
محمد بن قاسم نے
سندھ پر حملہ کیا)
حضرت عبد اللہ
ابو طالب
حضرت علی رض
خلیفہ چہارم
حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت عباس رض
(جن کی تیسری پشت میں عبد اللہ السفاح خلافت بنو عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہوا)
حضرت حمزہ رض

نوٹ: عبد شمس کے سپرد حاجیوں کی آب رسانی، چندہ یا ٹیکس کی وصولی اور حاجیوں کی میزبانی کا کام تھا مگر اس نے کچھ عرصہ بعد یہ عہدے اور حقوق اپنے بھائی ہاشم کو دے دیئے جو بہت بڑے تاجر تھے۔ عبد شمس کا بیٹا امیہ اپنے چچا کے اقتدار اور شہرت کو خود حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ نیز اپنے باپ کے دیئے ہوئے عہدے بھی واپس لینے کا خواہاں تھا۔ اسی وجہ سے دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی جو کئی انقلابات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

تلخ حقیقتیں

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا۔ اگرچہ قریش میں بھی کئی چھوٹے چھوٹے حصے ہو گئے تھے تاہم برابر کے حریف صرف بنو ہاشم اور بنو امیہ تھے۔ اور جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے کہ جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنو امیہ کا پلہ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر و اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر حضرت صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہو گیا تھا۔ مگر بنو ہاشم دیر تک اپنے دعوے پر قائم رہے اور ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی باضابطہ ولی عہدی نے بنو ہاشم کو ایک دفعہ پھر مایوس کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسی مساویانہ تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ بھی ان منتخب لوگوں میں شامل تھے۔ اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اس نزاع کو طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوتے تھے، حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؓ نے صبر جمیل کیا۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی، اس لئے ان کے عہد خلافت تک بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں ہی خاندانِ خلافت میں کچھ حصہ نہ رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنو امیہ کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ تو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے ہی شام کے گورنر تھے لیکن اس

عہد میں ان کا اقتدار اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ شام کے مستقل فرمانروا سمجھے جانے لگے۔ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے دوران بنی امیہ ملکی اور مالی دونوں حیثیت سے بہت طاقت ور تھے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن اہل شام نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جن کی وجوہات پر ہم آئندہ ابواب میں بحث کریں گے۔ صرف اہل شام نے ہی نہیں بلکہ کئی جلیل القدر صحابہ نے بھی آپ کے خلاف علم اختلاف بلند کیا۔ اور اس طرح تمام عالم اسلامی میں ایک انتشار پیدا ہو گیا۔ آخر کار حضرت علیؓ کو بھی جام شہادت نوش کرنا پڑا اور ان کی شہادت کے بعد تمام مملکت اسلامیہ پر حضرت امیر معاویہ رضؓ کا تسلط ہو گیا اور وہ بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انہوں نے بڑی مضبوطی اور عمدگی سے حکومت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ ہی میں حضرت معاویہؓ شام کے معرکوں میں ہمیشہ آگے آگے رہے تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی جہاد کیا۔ قیساریہ کا عظیم الشان معرکہ انہوں نے ہی سر کیا تھا۔ اس ہولناک جنگ میں دشمن کے اسی ہزار آدمی مارے گئے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کا رعب و دبدبہ اس علاقے کے تمام رومیوں پر ہمیشہ کے لئے طاری ہو گیا تھا۔ دمشق فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے یزیدؓ بن ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی) کو شام کا گورنر مقرر کر دیا اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ حضرت امیر معاویہؓ کو شام کا گورنر بنا دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کو ان کی بیدار مغزی، دور اندیشی، معاملہ فہمی اور ملکی انتظام کی مہارت کی وجہ سے "کسریٰ عرب" کہا جاتا تھا۔ اور عاقلان عرب میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تو بہت امن و عافیت اور آرام و سکون سے گزرا۔ مگر بعد میں مفسدوں اور فتنہ پردازوں نے ایسے جھگڑے بکھیڑے نکال کر کھڑے کر دیئے جو برابر بڑھتے ہی رہے اور ملک کا امن غارت ہو گیا۔ چونکہ حضرت امیر معاویہؓ نہایت صاحب الرائے اور دور اندیش تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو مشورہ کے لئے بلایا۔ حضرت معاویہؓ بڑی احتیاط سے دمشق میں بیٹھے پوری مملکت اسلامیہ کی سیاست کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے، خلیفہ وقت کے بلانے پر فوراً حاضر ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو یہ مشورہ دیا کہ جہاں تک میں نے غور کیا ہے حالات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ موجودہ واقعات کو دیکھ کر میرا یہ اندازہ ہے کہ حالات

سدھرنے کی بجائے اور بگڑ جائیں گے۔ اس صورت میں مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہے لہٰذا آپ میرے ساتھ دمشق تشریف لے چلیں۔ جب حالات سدھر جائیں گے تو آپ بے شک مدینہ واپس تشریف لے آئیں۔ مگر جواب میں حضرت عثمان رضؓ نے کہا۔ "میں دیارِ نبی صلعم چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔"

اس جواب کو سن کر حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ مدینۃ النبی صلعم چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تو کم از کم یہ ضرور کریں کہ فوج کا ایک مضبوط دستہ اپنی حفاظت کے لئے مقرر فرمائیں تاکہ وقت آنے پر آپ کی جان محفوظ رہے۔ اور آپ کو دشمن گزند نہ پہنچا سکیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا "معاویہؓ! میں اپنی ذات کے لئے بیت المال پر ایک فوجی دستے کی تنخواہ کا بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لئے مجھے تمہاری یہ تجویز منظور نہیں۔"

اس پر حضرت امیر معاویہؓ آبدیدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ پر فضل کرے۔ جب آپ میری کوئی بات مانتے ہی نہیں تو پھر مجھے آپ کے خون کا قصاص لینا ہی پڑے گا۔" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اس وقت کا مسئلہ اس وقت دیکھا جائے گا۔" اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ دمشق چلے گئے اور فتنہ پردازوں کی کارروائیاں جاری رہیں حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں نے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے گناہ شہید کر دیا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس بیعت کا سب سے بڑا محرک عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جو بظاہر مسلمان بن گیا تھا مگر باطن میں اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بھی اسی کا اٹھایا ہوا تھا۔ اس نے مدینہ کے بعض اکابر سے حضرت علیؓ کے لئے جبراً بیعت لی اور کہا اگر بیعت نہ کرو گے تو تمہاری گردنیں تلوار سے اڑا دی جائیں گی۔ اس موقع پر خاص طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل شام میں سے (جن میں حضرت امیر معاویہؓ بھی شامل تھے) کسی نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی اور وہ آخر وقت تک آپ کے خلاف رہے۔

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو امارتِ شام سے معزول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب شام کی گورنری پر

حضرت علیؓ نے مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے کہا: "معاویہؓ کے قدم شام میں اس مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں کہ ان کو وہاں سے اکھاڑنا بظاہر ناممکن ہے اور کوئی شخص بھی جو وہاں امیر بنا کر بھیجا جائے گا، معاویہؓ کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مجھے اس خدمت سے باز رکھیں۔"

اس پر حضرت علیؓ نے سہلؓ بن حنیف کو شام کی گورنری اور حضرت معاویہؓ کی معزولی کا پروانہ دے کر روانہ کیا مگر شام کی سرحد پر چند سواروں نے انہیں دھمکا کر واپس کر دیا۔ اس عرصہ میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں حضرت امیر معاویہؓ بالکل الگ تھلگ رہے۔ اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو بیعت کرنے کے لئے خط بھیجا، جس کا جواب حضرت معاویہؓ نے یہ دیا کہ میری بیعت اس امر پر منحصر ہے کہ آپ قاتلان عثمانؓ کو سخت سزا دیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا قصاص کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس لئے تمام اسلامی ممالک میں نہایت شدت سے اس کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ بدقسمتی سے قاتلان عثمانؓ کا بہت بڑا گروہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھا اور باغیوں کا لیڈر محمد بن ابوبکر حضرت علیؓ کا زیادہ منظور نظر تھا۔ اسے حضرت علیؓ نے مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی چپقلش کو دیکھ کر بعض صحابہؓ کو بڑا دکھ ہوا۔ حضرت ابو دردا‌ؓ اور حضرت ابو اُمامہ باہلیؓ دو معزز صحابی حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ جب حضرت علیؓ آپ سے ہر بات میں افضل ہیں، وہ آپ سے پہلے اسلام لائے۔ آپ سے زیادہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت کی۔ پھر آپ ان سے کیوں جھگڑا کرتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی تمام تقریر کا یہ جواب دیا۔

"ہمارا اور علیؓ کا جھگڑا صرف عثمانؓ کے قصاص پر ہے۔ اگر علیؓ ان قاتلوں اور فتنہ پردازوں کو قرار واقعی سزا دیں جنہوں نے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے گناہ شہید کیا ہے تو اس کے بعد میرا اور ان کا کوئی جھگڑا نہ رہے گا میں فوراً ان کی بیعت کر لوں گا۔ لیکن جب تک قاتلان عثمانؓ لشکر علیؓ میں موجود ہیں اس وقت تک میں ان کی بیعت کس طرح کر سکتا ہوں جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قاتلوں کی پُشت پناہ بنے ہوئے ہیں۔ نہ انہوں نے قتلِ عثمانؓ کی تحقیق کی اور نہ کسی مجرم کو سزا دی۔ قاتلان عثمانؓ تو علیؓ کے لشکر میں ہیں۔ اگر وہ ان کو گرفتار کر کے عثمانؓ کے قصاص میں قتل کر ڈالیں یا میرے حوالے کر دیں تو میں

سب سے پہلے ان کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے ان کی فضیلت سے ہرگز انکار نہیں۔"

حضرت معاویہؓ کی یہ گفتگو سُن کر دونوں بزرگ صحابی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے صورت واقعہ بیان کی۔ جب حضرت علیؓ کے لشکریوں کو معلوم ہوا کہ دمشق سے دو صحابی آئے ہیں اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کی یہ گفتگو حضرت علیؓ سے دہرائی ہے تو یہ سنتے ہی حضرت علیؓ کی فوج میں سے پورے بیس ہزار آدمی باہر نکل آئے اور نعرے لگانے شروع کر دیئے؛

"ہم ہیں قاتلانِ عثمانؓ۔ ہم سب نے مل کر عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ چڑھا دو ہم سب کو پھانسی پر اور قتل کر دو ہم میں سے ہر ایک کو۔"

اس پر حضرت علیؓ نے دونوں صحابیوں سے فرمایا؛

"دیکھا تم نے۔ بتاؤ میں ایسی حالت میں کیا کر سکتا ہوں۔"

بغاوت اور سرکشی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو امامہؓ حیران رہ گئے۔

"کاش! قاتلانِ عثمان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تاکہ بعد میں قتل و خون کا بازار گرم نہ ہوتا"

غرض حضرت معاویہؓ کی طرف سے قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ اور حضرت علیؓ کی طرف سے ان کی معزولی یا بیعت کرنے کا مطالبہ آخر کار جنگ صفین پر منتج ہوا اور ثالثی تک نوبت پہنچی مگر یہ مشن بھی ناکام رہا۔ چنانچہ آخر میں بقول طبری حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ بہت ہو چکی۔ آؤ اب صلح کر لیں۔ میرے پاس شام اور مصر رہے اور آپ کے پاس حجاز، یمن، الجزیرہ اور عراق، فارس و کرمان رہیں۔ نہ آپ میرے ملک پر حملہ کریں نہ میں آپ کے مقبوضات پر چڑھائی کروں۔ حضرت علیؓ نے ملک میں عام بدنظمی اور بے چینی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے خوشی سے منظور کر لیا اور صلح کا معاہدہ لکھا گیا۔ اگرچہ دونوں فریق آرام سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے مگر ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کا خون ناحق بہانے کے بعد۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے بڑے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ عراقیوں کے خلیفہ بنے مگر ان کو بھی ان کے والد محترم کی طرح چین نہ ملا اور ان کے ساتھ بھی ان کے مریدوں نے نہایت ناشائستہ سلوک کیا۔ ان کے نیچے سے ان کا مصلےٰ کھینچ لیا۔ ان کے جسم پر سے ان کی چادر اتار لی ان کے خیمے سے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ ران پر کاری زخم لگایا۔ غرض آپ کو بے حد

پریشان کیا گیا۔ اپنے ساتھیوں کی یہ بے وفائی اور کوفہ والوں کی دغابازی دیکھ کر آپ پچاس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کے عوض حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اور باقی عمر امن و عافیت سے گزار دی۔

اب حضرت امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے ساری اسلامی سلطنت کے حکمران تھے۔ ان کی توجہ اب فتوحات کی جانب مبذول ہو گئی اور انہوں نے عین درمیان میں بیٹھ کر ایک طرف بحر اوقیانوس تک اور دوسری طرف افغانستان تک اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ مشرق میں بلخ ہرات، خراسان، کابل، قلات اور افغانستان وغیرہ کو فتح کیا۔ مغرب میں بحیرہ روم کے قیمتی جزیرے روڈس اور سسلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انطاکیہ اور قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا۔

آج جو لوگ حضرت امیر معاویہؓ کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے اور نام لیتے بھی ہیں تو لعن طعن کرتے ہیں، ان کیلئے شاید یہ بات بہت عجیب ہو گی کہ جو اصحاب رسول اللہ صلعم حضرت علی کے نہایت ہمدرد، معاون اور مددگار تھے اور جن سے زیادہ دشمن اور مخالف امیر معاویہؓ کا اور کوئی نہیں ہو سکتا وہ حضرت معاویہؓ کی قسطنطنیہ پر بھیجی ہوئی اس فوج میں نہایت خوشی سے شامل ہوئے تھے مثلاً حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی اور ان کے سچے خیر خواہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ کے عقیدت مند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت علیؓ کے فرزندِ دلبند حضرت امام حسینؓ۔

اس جنگ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ وفات پا گئے تو ان کی وصیت کے مطابق سالار لشکر یزید بن معاویہؓ نے ان کا جنازہ آگے رکھ کر کوچ کا حکم دیا اور لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ آگے راستہ نہ تھا اس لئے میزبان رسول اللہ صلعم کو یزید نے وہیں دفن کر دیا لیکن قیصر سے یہ بات کہہ دی کہ ہم نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقدس صحابی کو یہاں دفن کیا ہے اور اگر تم نے قبر کی ذرا بھی بے حرمتی کی تو یاد رکھنا کہ شام میں عیسائیوں کے جتنے گرجے ہیں سب مسمار کر کے برابر کر دوں گا۔

یہ قہری نوٹس سن کر قیصر روم حیران رہ گیا۔ اور اس وقت سے لے کر کسی بھی عیسائی بادشاہ کو مجال نہ ہوتی کہ قبر ابی ایوب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتا۔ قبر آج تک موجود ہے اور مرجع

خاص و عام ہے۔ خاندانِ عثمانیہ کے ہر سلطان کی تاجپوشی کی رسم اس پُرنور قبر پر ادا ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی یاد رہنی چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہے۔" (بخاری) اسی لئے نامور صحابہ نے اس میں شرکت کی تھی۔

عمر ابو نصر مشہور عربی مورخ لکھتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی بلند شخصیت گوناگوں صفات کی حامل تھی۔ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاستدان، زبردست مدبّر، بے انتہا حلیم، نہایت بردبار اور بے نظیر عقل و دانش کے مالک تھے۔ یہ صفات ایسی ہیں جو شاذ و نادر ہی کسی آدمی میں جمع ہوتی ہیں ہم یہاں حضرت معاویہؓ کو خراجِ عقیدت پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ ضروری باتیں درج کر رہے ہیں تاکہ آپ کو حالات سے پوری پوری واقفیت ہو جائے۔ لیکن ہم دوسرے تمام امور کو چھوڑ حضرت معاویہؓ کی مہمان نوازی، سخاوت اور آبادکاری کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تاکہ آپ آئندہ ابواب کی اہمیت سمجھ سکیں۔

حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں میں جہازرانی اور جنگی بحری بیڑہ بنانے کے موجد ہیں۔ ان کا جنگی بیڑا اتنا مضبوط تھا کہ اس میں سترہ سو جنگی جہاز تھے جن کے بل بوتے پر انہوں نے قیصر روم کی بحری افواج کو شکست دے کر بحیرہ روم پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں کے علاوہ بہت سی نئی بستیاں بھی آباد کیں اور انہیں عموماً ایسی جگہوں پر بسایا جہاں دشمن کی سرحدیں قریب پڑتی تھیں تاکہ اپنے ملک کی حفاظت ہوتی رہے۔

حکومتِ بنو اُمیہ

خاندانِ بنو اُمیہ میں حضرت امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خود اپنے زور بازو سے شام میں مستقل حکومت قائم کی اور آخر میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا پھر تمام عرب سے اس کے لئے بیعت لی۔

خاندان بنو امیہ کی سیاسی تاریخ درحقیقت حضرت امیر معاویہؓ کے عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے جو حکومت قائم کی تھی۔ اس نے بہت تھوڑی عمر پائی۔ اگرچہ

یزید ان کا جانشین تھا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد ہی حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے مستقل طور پر دعوئ خلافت کیا اور شام کے سوا تمام دنیائے اسلام ان کے قبضہ اقتدار میں آگئی۔ شام اور مصر کے لوگوں نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن چند ہی دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنی نیک نفسی سے کسی کو جانشین نہ بنایا۔ اب یہ دونوں ملک بھی گویا حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ اور بنو امیہ کا نام بظاہر صفحہ ہستی سے مٹ گیا مگر دفعتہً بنو امیہ کی سیاسی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جو پہلے سے زیادہ پر عظمت، زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار تھا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے زمانہ میں خاندان بنوامیہ میں مروان بن الحکم نے بغاوت کر کے شام و مصر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس نے اس قدر کم زمانہ پایا کہ اس کے زمانہ میں اس خاندان کو سیاسی استقلال حاصل نہ ہو سکا۔

مروان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا۔ جس نے حکومت کا اصل ڈھانچہ قائم کیا۔ اس نے مستقل طور پر اکیس سال تک حکومت کی۔ جس میں سات آٹھ سال اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خانہ جنگی میں صرف ہو گئے لیکن چودہ سال تک اس نے نہایت اطمینان سے دنیائے اسلام پر تنہا حکومت کی۔ تاریخ اسلام میں بنوامیہ اور بنو عباس باہم حریف مقابل ہیں۔ لیکن بنوامیہ کو نہ صرف بنو عباس بلکہ تمام فرمانروایان اسلام پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے اسلامی حکومت کے حدود کو اپنے زور بازو سے اس قدر وسیع کر دیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلفائے راشدین کے زمانہ تک صرف عرب، شام، مصر اور ایران اسلام کی حدود سلطنت میں داخل تھے۔ لیکن خلفائے بنوامیہ نے اپنے دور حکومت میں اس نقطہ کو دائرہ اور اس حباب کو دریا بنا دیا تھا۔ انہوں نے ایک طرف تو افریقہ اور مغرب کے تمام شہروں کو فتح کر کے اندلس کو اسلامی یادگاروں کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا تھا اور دوسری طرف مشرق میں سندھ، کابل اور فرغانہ کو فتح کر کے سرزمین چین میں اپنا جھنڈا نصب کیا۔ روم کی طرف بڑھے تو قسطنطنیہ کی چاردیواری تک پہنچ کر دم لیا۔ جزائر میں قبرص، روڈس وغیرہ کو فتح کر لیا۔ غرض مشرق مغرب اور شمال جنوب، عرب عجم، تاتار، ترک، چینی اور ہندی تمام قوموں نے ان کے آگے

سر جھکا دیا اور تمام ممالک ان کے زیرنگیں ہو گئے۔

حکومت بنو امیہ کا رقبہ اندلس کے آخری گوشوں سے لے کر سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور ادھر بلادِ روم سے شروع ہو کر چین کی دیواروں تک ختم ہوتا تھا۔ اس طرح گویا اس وقت دمشق کا پایۂ خلافت افریقہ اور ایشیا کے بر ہائے اعظم کا مرکز تھا۔ بنو امیہ کے بعد کسی دوسری مسلمان حکومت کو اتنی وسیع سلطنت نصیب نہیں ہوئی۔

خطۂ پاک سندھ

برصغیر ہند و پاک میں بلاشبہ یہ فخر خطۂ پاک سندھ کو حاصل ہے کہ اسلام کی روشنی اسی راستے سے اس ملک میں پھیلی۔ باب الاسلام کی یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس نے بقول بعض مورخین صحابہ کرامؓ کے قدم چومے اور مجاہد اعظم حضرت محمد بن قاسم کے لشکر میں تو بہت سے تابعین اور تبع تابعین بھی موجود تھے۔ جن کے مقدس جسم اس خاک میں مدفون ہیں۔ یہاں لشکر اسلام کے مبارک قدموں کے نقوش قدیم کھنڈرات کی صورت میں اب بھی موجود ہیں۔ نخل عرب — کھجور — ان مجاہدوں کی نہایت شیریں یادگار اس سرزمین کے اکثر و بیشتر حصوں میں جلوہ فگن ہے۔

صوفی شعراء حضرت شاہ عبدالطیف، حضرت سچل سرمست اور حضرت لال شہباز قلندر کے نغموں سے گونجنے والی یہ سرزمین ہمیشہ امن و آشتی کا گہوارہ رہی ہے۔ حضرت شیخ عبدالرحیم گھوڑی کی پیش گوئیاں آج بھی اس سرزمین میں زبان زد عام ہیں۔ اپنی قدامت اور تہذیب و ثقافت کے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اپنی موجودہ معیشت و معاشرت اور زراعت و کاشت کی بوقلمونیوں سے حد درجہ جاذب نظر ہے اور یہ اسی جذب کا لازمی کرشمہ ہے کہ بے شمار قومیں باہر سے یہاں وارد ہوئیں اور اسی خطۂ پاک کا ایک ناقابل تقسیم جزو بن کر رہ گئیں لیکن اس کے جذب و دعوت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

ارائیں برادری کے بیشتر خاندان حضرت محمد بن قاسم کے زمانے سے یہیں آباد ہیں۔ کچھ نقل مکانی کر کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے اور امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں وقتاً فوقتاً پھر اسی خاک پاک کا مرکب بنتے رہے۔ بالائی سندھ میں خصوصاً لاڑکانہ قدیم ارائیوں کا گڑھ ہے جس میں ابھی ماضی

قریب تک نہروں کے نام ارائیں واہ اور قصبوں کے ارائیں دیہہ ہوا کرتے تھے۔
سنہ ۱۹۰۰ء کے قریب پنجاب سے ارائیوں کے کئی خاندان تھرپارکر اور سانگھڑ کے اضلاع میں آکر آباد ہوئے۔ اور سنہ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد تو سندھ کا کوئی علاقہ ایسا نہیں رہا جس میں ارائیں کم یا زیادہ آباد نہ ہوں۔ یہ اپنی امن پسندی، دینداری اور محنت کی بدولت نہایت عزت سے وقت گزار رہے ہیں۔ یوپی کی طرف سے آنے والے ارائیں زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں اور کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں آباد ہیں۔ یہ قوم اس خطۂ پاک میں آکر سکون محسوس کرتی ہے کیونکہ یہاں کے ہر گل و گلزار سے انہیں اپنے آباؤ اجداد کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

سرزمین سندھ اور عرب مجاہدین

عبدالملک بن مروان کے عہد میں، جو بنو امیہ کا ایک جلیل القدر خلیفہ ہو گزرا ہے۔ راجہ داہر والئے سندھ نے سلطنت اسلامیہ کے دو باغیوں، محمد اور معاویہ علافی کو اپنی پناہ دے کر لڑائی کا سبب پیدا کیا تھا اور حجاج بن یوسف ثقفی جو عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا، چاہتا تھا کہ اس کا بدلہ لے مگر خلیفہ نے اس کی اجازت نہ دی۔ تاہم ان ہی دنوں میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ بدل کے رکھ دیا۔ تفصیل اس کی مندرجہ ذیل ہے۔

اس زمانہ میں جزیرہ سراندیپ اور علاقہ مالابار میں مسلمان بکثرت آباد تھے جن میں عرب تاجروں کی غالب اکثریت تھی۔ لکادیپ اور مالدیپ کے جزیروں میں بھی مسلمانوں کی کافی تعداد تھی۔ سراندیپ کا راجہ مسلمان ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا سلوک عمدہ تھا۔

سلطنت اسلامیہ اب چونکہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ لہذا سراندیپ کا راجہ اپنی حفاظت اور عافیت کے لئے بھی اس بات کی ضرورت محسوس کرتا تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ سے باقاعدہ تعلق پیدا کرے۔ چنانچہ راجہ نے حجاج بن یوسف ثقفی گورنر کی عنایات کو اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے آٹھ جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا۔ ان جہازوں میں سراندیپ کے قیمتی تحائف دے گئے اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں اور سوداگروں میں سے بعض اشخاص بھی جو اپنے وطن جانے اور حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہونے کے لئے بے چین تھے۔ ان جہازوں میں سوار ہو گئے نیز بعض عرب سوداگروں کی بیوائیں اور ان کے یتیم بچے جو واپس اپنے وطن جانے

کے خواہاں تھے، ان کو بھی ان جہازوں میں سوار کرا دیا گیا۔ حجاج کے لئے یہ بیڑہ جو قیمتی تحائف کے علاوہ عازمین حج، یتیموں اور بیواؤں کو بھی وطن واپس لا رہا تھا نہایت بیش قیمت تھا۔

یہ جہاز جب بحیرہ عمان میں داخل ہوئے تو باد مخالف نے ان کو سمندر میں آوارہ اور بے قابو کر کے ساحل دیبل پر پہنچا دیا۔ دیبل سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ اور راجہ داہر کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ جہاں راجہ کا گورنر اور سپہ سالار رہتا تھا۔

آگے بڑھنے سے پیشتر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کو دیبل کا کچھ حال بتائیں تاکہ آئندہ واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

دیبل زمانہ قدیم میں

یہ شہر قدیم زمانہ میں سندھ کی سب سے زیادہ مشہور بندرگاہ تھی اور خاصا بڑا شہر تھا جس میں راجہ داہر کا گورنر اور سپہ سالار رہتا تھا۔ اس کے وسط میں ایک مندر تھا جس کے کلس پر ایک چھوٹا سا بت تھا اور اس کے اوپر ایک پھریرا لہراتا رہتا تھا۔ بلاذری کی روایت کے مطابق مسلمان فاتحین میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانے میں عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے اپنے بھائیوں مغیرہ اور حکم کو ایک لشکر دے کر ہندوستان پر حملہ کی غرض سے بھیجا تھا جنہوں نے دیبل پر حملہ کیا تھا۔ ان کے بعد محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء یعنی ۹۱ھ میں اسے مکمل طور پر فتح کر کے اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بنا دیا تھا جب عربوں کی حکومت کو زوال آیا تو دیبل کی عظمت بھی گہنا گئی اور اس کی اہمیت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ آج اس کا نام بھی مٹ گیا ہے حالانکہ چھ سو سال تک اس کی عظمت کا ڈنکہ بجتا رہا اور سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ اس سے وابستہ رہی تھی۔

دیبل موجودہ ایام میں

آجکل کی تحقیقات اور محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹوں کے مطابق موجودہ بھنبھور ہی دیبل تھا۔ ۱۹۵۱ء میں بھنبھور کی کھدائی کی گئی اور اس میں سے جو چیزیں دستیاب ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر عربی دور کی یادگار ہیں۔ عربی خط نسخ اور خط کوفی میں لکھی ہوئی پتھر کی تختیاں اور منصور بن جمہور الکلبی کے عہد حکومت کے سکے ملے ہیں واضح رہے کہ منصور نے بنی امیہ کے زوال کے وقت تقریباً ۷۴۷ء یعنی ۱۳۰ھ میں عراق سے آ کر یہاں اپنی خود مختار سلطنت قائم کی اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ اس کا دارالخلافہ منصورہ تھا اور دوسرا بڑا مرکز

دیبل تھا۔ جس پر اس کے بھائی منظور بن جمہور نے قبضہ کیا تھا۔ یہ جگہ دھابے جی ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ایک میل جنوب مشرق میں واقع ہے اور اس کے متصل وسیع سمندر ہے۔ شمال مغرب کیطرف ٹیلے ہیں جن میں یہ شہر مدفون ہے۔ اس وقت تک قلعہ، مندر اور مسجد کھدائی سے برآمد ہو چکے ہیں۔ نیز جو چیزیں دستیاب ہوئیں، ان کو ایک عجائب گھر میں رکھا گیا ہے تاکہ تاریخی نوعیت کے یہ نوادر ضائع نہ ہونے پائیں۔ یہ عجائب گھر وہیں موجود ہے۔ ان نادرات میں عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی تختیاں سکے، ہتھیار اور مورتیاں شامل ہیں۔ کچھ ظروف بھی ہیں۔ جن سے قدیم ترین معاشرت پر روشنی پڑتی ہے یہاں تہذیب کے کئی دور دفن ہیں۔

ان کھنڈرات میں سے کسی اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو پورے شہر اور اس کی جغرافیائی حدود کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بندرگاہ کی اہمیت اور مسلم فاتحین کی جانثاریوں کا نقشہ بھی تصور میں آ جاتا ہے اس بندرگاہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا گیا ہے اور مسلم فاتحین کا اس پر قبضہ کر لینا ان کی بہادری کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ ابھی تک اس شہر کی مکمل کھدائی نہیں ہو سکی اور نہ اسکی مکمل تباہی کے اسباب کا پتہ چل سکا ہے۔ امید ہے جب کھدائی ہو جائے گی تو کئی حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔

مذکورہ جہازوں پر بحری قزاقوں کا حملہ

جب یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ میں داخل ہوئے تو بحری قزاقوں نے جو راجہ داہر کے نمک خوار تھے، انہیں لوٹ لیا۔ عورتوں بچوں اور مردوں کو لونڈی غلام بنا لیا اور جہازوں کو بحری بیڑے میں شامل کر لیا۔ ان مظلوموں میں سے ایک یا دو آدمی بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے عراق میں جا کر اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی اور یہ بھی کہا کہ ایک عورت نے گرفتاری کے وقت پکار کر کہا تھا "اغثنی یا حجاج" (اے حجاج میری مدد کر)۔ یہ سن کر حجاج بے اختیار لبیک کہہ اٹھا۔

ان جہازوں میں سراندیپ کے راجہ کے جو ملازم تھے، انہوں نے ان ظالم قزاقوں کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ جہاز ہمارے راجہ کے ہیں اور اس نے ہمیں سفیر بنا کر بھیجا تھا مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور سب کو گرفتار کر لیا۔

یہ واقعہ سن کر حجاج کو بہت ملال ہوا اور اس نے راجہ داہر کو لکھا کہ تمہارے آدمی بے گناہ

مردوں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور جہازوں پر مع مال و اسباب کے قبضہ کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں لہذا جہاز، ان کا مال و اسباب اور سب قیدی ہمارے پاس واپس بھجوا دیئے جائیں اور ظالموں کو سزا دی جائے۔ مگر راجہ داہر نے حجاج کا یہ نامہ پڑھ کر بڑی بے پروائی سے جواب لکھا کہ ان قزاقوں پر ہمارا کچھ زور نہیں چلتا۔ تم خود آکر اپنے قیدی چھڑا لو اور اپنا مال و اسباب لے جاؤ۔ حالانکہ راجہ کی یہ بات بالکل غلط تھی کیونکہ یہ تمام قیدی الور کے قلعہ میں موجود تھے اور وہاں سے ہی مسلمانوں نے ان کو لڑائی کے بعد چھڑایا تھا۔

حجّاج کی طرف سے کاروائی

حجاج کے پاس جب راجہ داہر کا یہ نامعقول جواب پہنچا تو اس نے عبداللہ بن نبہان اسلمی کو فوج دیکر روانہ کیا تاکہ دیبل پر قبضہ کر لے مگر عبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد بدیل بن طہفۃ البجلی کو بھیجا مگر اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ اب حجاج کی آنکھیں کھلیں کہ سندھ کا راجہ داہر جنگ کی کافی تیاری کر چکا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے خاص بندوبست کی ضرورت ہے اسی اثناء میں عبدالملک فوت ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ حجاج نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ پہلے تو خلیفہ نے انکار کر دیا۔ تاکہ مسلم مجاہدین کا بلا وجہ جانی نقصان نہ ہو اور خزانہ پر مالی بوجھ بھی نہ پڑے۔ لیکن جب حجاج نے یقینی طور پر فتح حاصل کرنے کے لئے اپنی ذات پر بہت سی پابندیاں عاید کر لیں تو خلیفہ نے بمشکل راضی ہو کر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔

اب حجّاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو فوجی کمک کے لئے ان الفاظ میں درخواست لکھی جو فتح نامہ سندھ کے صفحہ ۱۳۳ پر موجود ہے۔ لکھا تھا۔

"آپ کی طرف سے حملہ کرنے کی اجازت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ شام کے سرداروں میں سے چھ ہزار کو حکم دیا جائے کہ وہ پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں اور یہ مجاہدین ایسے نامور ہوں جن میں سے ہر ایک کا نام مجھے معلوم ہو اور میرے معاون و مددگار بن کر رہیں اور لڑائی سے ہرگز منہ نہ موڑیں۔"

ان الفاظ پر غور کریں اور اندازہ لگائیں کہ خود حجاج کو بھی اس مہم کی سنگین نوعیت کا کس قدر احساس تھا اور اسے یقین تھا کہ جب تک شجاع ترین مجاہدین اس مہم میں شامل نہ ہوں گے، کامیابی ہرگز نہ ہوگی۔ ابوالحسن مدائنی کی روائیت ہے کہ حجاج کے اس خط کے پہنچنے پر دربار خلافت کے حکم سے شام کے بہادروں میں سے ایسے چھ ہزار مجاہد منتخب کئے گئے جو نامور تھے اور اپنی بہادری، جوانمردی اور وفاداری میں ضرب المثل تھے کیونکہ ایسے ہی مجاہدین فی الحقیقت اس قسم کی مہم کے لئے موزوں ہو سکتے تھے۔ جنت السندھ میں لکھا ہے۔

"سندھ پر جس عربی لشکر یعنی (محمد بن قاسم کے ساتھیوں) نے حملہ کیا تھا، اس میں عراقی، شامی، یمانی اور حجازی افسر تھے ان میں سے کئی ایسے بزرگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کی مبارک صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا اور بعض ایسے تھے جنہوں نے تابعین سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس لئے ان کی حکومت میں اسلامی روح تھی۔ اس لشکر میں قریش، بنو امیہ، بنو کلب، بنو قیس، بنو اسد، بنو تمیم، بنو سلیم، ربیع، شیبانی، عمانی، ازدی اور یمن اور حجاز کے شریف مجاہد شامل تھے جنہوں نے یرموک اور مدائن جیسے خونریز معرکوں میں قیصر و کسریٰ کی عظمت کو خاک میں ملا دیا تھا۔"

ان منتخب ہونے والے سرداروں اور جوانمردوں میں ایک معقول تعداد اریحا کے رہنے والوں کی تھی، یہاں آگے بڑھنے سے پیشتر ہم آپ کی خدمت میں اریحا کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی اہمیت اور ان مجاہدوں کی عظمت کا کچھ حال آپ کو معلوم ہو سکے۔

اریحا اس عنوان کے تحت مفصل لکھنے سے پیشتر ہم آپ کو ماہنامہ اردو ڈائجسٹ بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں "اردن" کے چند اقتباسات کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں جس میں مضمون کے مصنف جناب امین اللہ وثیر نے اریحا کے متعلق لکھا ہے:۔

"اردن وہ مقدس سرزمین ہے جہاں مسلمانوں کا قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ واقع ہے (واضح رہے کہ ۱۹۶۷ء کے بعد اس پر اسرائیل کا قبضہ ہے)، جہاں بیت اللحم ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مرقد ہے۔ اس سرزمین سے دنیا بھر کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدت مندانہ جذبات

وابستہ ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے اردن شام ہی کا حصہ ہے اور شام، لبنان فلسطین اور اردن دراصل ایک ہی طبعی وحدت کے مختلف اجزا ہیں۔ عظیم شام شمال میں ترکی سے لے کر جنوب میں مصر کی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور برگزیدہ پیغمبروں کی جائے پیدائش اور گہوارہ رہ چکا ہے، یہاں سے انوارِ الٰہی کی شعاعیں انسانیت کو پیغامِ نور و ہدایت دیتی رہی ہیں۔

آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ اردن انسان کا قدیم ترین مسکن ہے کہا جاتا ہے کہ اریحا کا شہر جو اب بھی بحرِ مردار کے قریب پچاس ہزار انسانوں کی بستی ہے، دنیا میں سب سے پُرانا مسکن انسان ہے۔ اس شہر کے آثار سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کی بنیاد تقریباً آٹھ ہزار سال پیشتر رکھی گئی تھی۔ پانچ سو سال قبل مسیح میں بھی اس علاقہ کے باشندے تانبے کا استعمال جانتے تھے اور مختلف علوم و فنون اور صنعتوں سے واقف تھے ان کی تہذیب بڑے اونچے درجے کی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے عظیم الشان شہر بسائے تھے۔

۱۹۱۸ء میں عربوں اور انگریزوں نے مل کر ترکوں کا مقابلہ کیا اور سارے شام سے انہیں نکال دیا جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے عربوں سے غداری کی اور سارے عرب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کچھ دیر بعد اردن کی حیثیت سے ایک ملک نقشۂ عالم پر نمودار ہوا۔

اریحا انسانی آبادی کا قدیم ترین شہر بحرِ مردار کے قریب واقع ہے۔ یہاں سیاحوں کے لئے بڑے بڑے ہوٹل تعمیر کئے گئے۔ یہاں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے تعمیر کردہ قلعے کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اس شہر کے قدیم ترین زمانہ کے آثار بھی سیاحوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہیں۔ اریحا کی آبادی تقریباً پچاس ہزار ہے۔"

(نوٹ) اریحا پر ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا اور اب بیت المقدس، بیت اللحم اور اریحا سب اسرائیل کے شہر ہیں۔

اریحا کے قدیم نام اور معنی

اریحا کو جریکو (JERICHO) یا یریحو بھی کہتے ہیں۔ یہ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر فلسطین میں سب سے پہلے اسی شہر پر حملہ کیا تھا اور بائبل کے بیان کے مطابق حملے کے ساتھ ہی اس کی فصیل گر گئی تھی۔

اریح کے لفظی معنی خوشبو کے ہیں۔ اور اریحا کا ترجمہ بوستان ہونا چاہیئے یہ نام اسی علاقہ کی سرسبزی، زرخیزی اور گل و گلزار کی بہتات کا ثبوت ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ نہایت سرسبز و شاداب رہا ہے اور میلوں تک خوبصورت پھولوں کی وجہ سے جاذب نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے بنو امیہ نے اس کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔

۱۔ پروفیسر فلپ کے ہٹی اپنی مشہور کتاب تاریخ شام، لبنان اور فلسطین (HISTORY OF SYRIA) دوسرا ایڈیشن مطبوعہ لنڈن میں اریحا کے متعلق رقمطراز ہیں

اریحا۔ یریحو (JERICHO) اور ریحو سب اریحا ہی کے نام ہیں۔ جو مختلف ادوار میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے صفحہ نمبر ۸ اور صفحہ نمبر ۱۲۸ پر جو نقشے دیئے ہیں۔ ان میں اس شہر کی جغرافیائی پوزیشن بالکل واضح ہے — یہ یروشلم (بیت المقدس) سے دمشق جانے والی سڑک پر واقع ہے (اسرائیل اور عرب کی گذشتہ جنگ کے دوران روزنامہ جنگ کراچی میں ایک تصویر شائع ہوئی تھی جس میں ایک سڑک پر ٹینک کھڑا ہے۔ ایک سپاہی اس ٹینک کے سامنے ہے سڑک پر میل اور شہر بتانے والا کھمبا جھکا ہوا ہے۔ اس کے اوپر انگریزی میں (JERICHO) اور عربی رسم الخط میں اریحا لکھا ہوا ہے اور اس تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے۔

(بیت المقدس کے پرانے شہر کے قریب جبل الزیتون اور اریحا کو جانے والے دوراہے پر ٹینک کے ساتھ پہرہ دیا جا رہا ہے۔)

یہ شہر دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے۔ صفحہ ۱۸

یریحو (چاند کا شہر) موجودہ نام اریحا صفحہ ۱۸ فٹ نوٹ۔

یریجو سے قبل از تاریخ کے زمانہ کے آثار قدیمہ اور نادر نقوش برآمد ہوتے ہیں۔ صفحہ ۱۵
اریحو کی دیواریں زلزلہ سے گر گئیں۔ صفحہ ۴۰
اریحو کی زرخیزی نے ملکہ قلوپطرہ کو اپنی جانب متوجہ کیا اور ملکہ اسے دیکھ کر اسقدر مسحور ہوئی کہ اس نے وہاں باغات لگائے۔ صفحہ ۱۰۷
وہاں کے قدیم لوگ اپنے مردہ بچوں کو مرتبانوں میں بند کر کے فرش کے نیچے دفن کر دیتے تھے۔ صفحہ ۱۲۳

۲:۔ گذشتہ صفحات میں آپ نے سراج نظامی صاحب کے مضمون "صلیبی جنگیں" جو سیارہ ڈائجسٹ ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، میں پڑھا ہے کہ صلاح الدین کے ان جنگی منصوبوں پر عمل کیا گیا اور مندرجہ ذیل مشہور مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آگئے (ان شہروں کی فہرست میں اریعین اور اریحا دونوں کے نام آتے ہیں۔)

۳:۔ روزنامہ جنگ مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۶۷ء میں بزمی انصاری صاحب کا ایک مضمون "اسلام کا قبلہ اوّل" شائع ہوا تھا جس کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین ہے۔

"علامہ جلال الدین سیوطی مسجد کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا اتفاق ہے کہ محراب ذکریا علیہ السلام مسجد اقصیٰ کے شرقی رواق کے اندر ہے۔ اس محراب میں حضرت ذکریا علیہ السلام ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل رات دن عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ حضرت ذکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے قریبی عزیز تھے اور اسی نسبت سے انہوں نے حضرت مریمؑ پر بہتان لگانے والوں کے خلاف ان کی زبردست حمایت کی تھی اور افترا پردازوں کے منہ بند کر دیئے تھے۔ اریحا کے قدیم تاریخی شہر کے قریب دریائے اردن میں حضرت ذکریا علیہ السلام کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جن کا مزار اقدس دمشق کی جامع مسجد کے اندر واقع ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بپتسمہ دیا تھا۔

۴:۔ تفہیم القرآن جلد اول از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۴۶۰ پر ایک نقشہ "بنی اسرائیل کی صحرا نوردی" کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ اس کے فٹ نوٹ کا ایک اقتباس

اقتباس پڑھیئے۔

"کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اوّل حضرت یوشع بن نون نے مشرق کے دریائے اردن کو پار کر کے شہر اریحو (اریحا) کو فتح کیا۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔"

۵: ہفت روزہ ایشیا لاہور ۹ جولائی ۱۹۶۷ء میں مولانا مودودی کے سفرنامہ ارض القرآن کا ایک چھوٹا سا اقتباس تھا جس میں بیت المقدس کی طرف سے اس سفر کرنے کا ذکر تھا جو انہوں نے جنوری ۱۹۶۰ء میں کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ پڑھیئے۔

"دریائے اردن کو پار کرنے کے بعد ہم فلسطین میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلا شہر جو اس کے بعد ہمارے راستے میں آیا اریحا تھا۔ یہ ایک بہت ہی قدیم شہر ہے۔ کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ شہر اسی طرح آباد تھا۔ غور کے علاقے میں ہونے کی وجہ سے یہ نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ اس میں ہر طرف پھلوں کے باغات نظر آتے ہیں۔ اریحا کے قریب ہی فلسطینی مہاجرین کا وسیع کیمپ ہے۔

اریحا خلفائے بنو امیہ کے دور میں

اس علاقہ پر سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ کی توجہ مبذول ہوئی۔ کیونکہ آپ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے زمانے سے ہی شام کے گورنر تھے اور دمشق آپ کا دار الخلافہ تھا۔ اریحا کا علاقہ دمشق سے متصل بیت المقدس تک پھیلا ہوا تھا اور اس کا صدر مقام اریحا اپنی جغرافیائی حدود کی وجہ سے نہایت اہم تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ رومیوں کے مقابلہ پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ نے بلاد روم میں آگے بڑھ کر بہت سی شاندار فتوحات حاصل کیں اور بحری جنگوں کی داغ بیل ڈالی۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے زمانہ میں باہمی نزاع کی وجہ سے اگرچہ فتوحات تو نہ ہو سکیں مگر ان کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد فتوحات کا یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں میں جہاز رانی اور جنگی بحری بیڑہ بنانے کے موجد ہیں۔ ان کا یہ جنگی بحری بیڑہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں سترہ سو جنگی جہاز تھے۔ جن کے بل بوتے پر انہوں نے قیصر روم کی بحری افواج کو شکست دے کر بحر روم پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں کے علاوہ بہت سے نئے شہر بھی آباد کئے۔ اور انہیں عموماً ایسی جگہ بسایا جہاں دشمن کی سرحد یں قریب پڑتی تھیں تاکہ اس طرح اپنے ملک کی حفاظت ہوتی رہے۔

آپ کا دارالخلافہ دمشق تھا جو ارضِ شام میں دل کی حیثیت رکھتا تھا اور دمشق کا ایک دروازہ اس وقت سے آج تک باب اریحا کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ اس کا رُخ اریحا کی طرف ہے اس سے اریحا کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس وقت چونکہ گھوڑ سوار اور ناقہ سوار فوجیں ہوتی تھیں اور فوج جب شہر میں داخل ہوتے تھے تو بے تحاشا بھاگتے آتے جس سے اکثر لوگ کچل کر مر جاتے تھے اس لئے بھی فوجیوں کا دمشق جیسے شہر سے دور رکھنا ضروری تھا۔ نیز چھاؤنیاں ہمیشہ بڑے شہروں سے دور کھلی آب و ہوا میں ہوتی تھیں تاکہ شہروں کے مفاسد سے محفوظ رہیں۔ البتہ چھاونی بناتے وقت اس جگہ کی جغرافیائی پوزیشن اور دشمن کی حدود کو ہمیشہ مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ مختلف چھاؤنیوں میں فوج کے مختلف یونٹوں کا قیام بھی ان ہی حالات پر غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پہاڑی اور میدانی علاقوں میں فوج کو رکھتے وقت سپاہیوں میں سردی اور گرمی کی برداشت اور مناسب اسلحہ کی فراہمی پر غور کرنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ نیز دارالخلافہ کے پاس والی چھاؤنی میں صرف ایسی فوج رکھی جاتی ہے جو بہادر، تجربہ کار اور وفادار ہو۔

ملک شام میں رومی حکمرانوں کی بنیادیں بہت مضبوط تھیں مگر حضرت خالدؓ کے ہاتھوں پے درپے شکستیں کھانے کے بعد ہرقل کی افواج بڑی حسرت و یاس سے شام کا ملک چھوڑنے لگیں۔ تاہم ان کا مکمل اخراج اور استیصال حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ہوا۔ اسی لئے تو انہوں نے اریحا کے علاقہ کو پسند کر کے یہاں عظیم الشان چھاؤنی کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی جغرافیائی حدود کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ دمشق کے متصل واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں بلادِ روم اور کُھلا سمندر ہے۔ جہاں سے رومی حملہ آوروں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ قریب ہی بیت المقدس ہے جس پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے نہ صرف قیصر روم بلکہ پورا یورپ ہر وقت بے چین رہتا تھا۔ شمال مشرق اور

جنوب مغرب میں ایران، عراق اور عرب کی حکومتیں تھیں جن میں بنو امیہ کے مخالفین کا زور تھا اور آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے شاہی فوجی چھاؤنیوں کو مضبوط رکھنے میں ہی بنو امیہ کی بقا کا راز مضمر تھا اور اریحا چونکہ دمشق کی قریب ترین چھاؤنی تھی لہذا اس کے استحکام کی زیادہ ضرورت تھی۔ غرض اریحا کا استحکام نہ صرف بلاد روم کے حملہ آوروں کو شام سے دور رکھنے کے لئے ضروری تھا بلکہ خود دمشق کے خلاف ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی خطرے کے سدِ باب کا کام بھی دیتا تھا۔

اریحا کی اس اہمیت کے پیش نظر وہاں ایسے لوگوں کو آباد کیا گیا جو بنو امیہ کے اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے یا جن کی بنو امیہ سے وفاداری ہمیشہ سے مسلّم تھی۔ ان میں بنو امیہ اور ان کے ہمدرد قبائل شامل تھے۔ جیسے بنو کلب جو حضرت امیر معاویہ کے سسرال تھے اور انہوں نے یزید کی شادی بھی اسی قبیلہ میں کی تھی۔ تاکہ ایک زبردست قبیلہ کی حمایت انہیں ہر وقت حاصل رہے اس کے علاوہ بنی سلیم، بنو اسد، بنو قیس، اور حجازی قریشی وغیرہ بھی شامل تھے لیکن غالب اکثریت بنو کلب بنو سلیم اور بنو امیہ کی تھی۔

ان لوگوں کو سارے علاقے میں جاگیریں عطا کی گئیں جس کی وجہ سے اس کی سرسبزی قابل رشک تھی۔ ان دنوں ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے ماتحت منظم ہوتا تھا۔ اور سپہ سالار اعظم ان سرداروں کے نام احکام صادر کرتا تھا جن کی تعمیل میں یہ سردار اپنے جوانوں کو دشمن سے لڑاتے تھے سرکاری اور شاہی فوج کے سرداروں اور افسروں کو جاگیریں اور زمینیں عطا کی جاتی تھیں تاکہ وہ ان پر محنت کر کے اپنا گذارہ کریں۔ کیونکہ جنگ کے ایام کے بعد زیادہ عرصہ ان کو اپنی جاگیروں پر ہی رہنا پڑتا تھا اور مالِ غنیمت کے علاوہ ان جاگیروں سے زرعی پیداوار حاصل کرنا ان کے لئے سامان معیشت کا مستقل ذریعہ تھا۔ یہ لوگ جہاں میدان جنگ میں حیرت انگیز کارناموں کا باعث تھے۔ وہاں زرعی اراضی میں بھی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ جوانمرد بڑی رئیسانہ زندگی گذارتے تھے۔ غرض اریحا میں چیدہ چیدہ، بہادر، نامی گرامی سردار، شجاع ترین شہسوار اور عالی خاندان کے چشم و چراغ جمع ہو گئے تھے۔

ایک تاریخی شہادت

اب آپ اندازہ کیجئے کہ اریحا والوں کو اس مہم پر بھیجنا کس قدر ضروری تھا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ شاہی معتمد اور بہترین جنگجو کی حیثیت سے معروف تھے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہند و پاک کے مشہور مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "آئینہ حقیقت نما" کے صفحہ ۱۶۶ پر "مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان" کے عنوان سے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

" اوپر کسی جگہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کا ذکر آ چکا ہے۔ کہ وہ شامی اور عراقی گروہوں پر مشتمل تھے۔ شامی لوگ سب سے زیادہ با اعتماد اور خلافت بنو امیہ کے حامی اور ہمدرد تھے۔ ان ہی لوگوں کو شاہی فوج اور شاہی قوم سمجھا گیا تھا۔ یہ عموماً بنی امیہ اور حجازی تھے۔ ان لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملک شام کے مقام اریحا میں آباد تھی اور حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو چھ ہزار فوج بھیجی تھی۔ اس میں ایک معقول تعداد اریحا کے باشندوں کی تھی۔

اسلامی لشکر کا سندھ پر حملہ

جب یہ چھ ہزار عالی خاندان، بہادر اور وفادار اور منتخب نوجوان حجاج کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے اپنے نوجوان عزیز محمد بن قاسم کو جو شیراز کا گورنر تھا، بلا کر اس کا سپہ سالار مقرر کیا اور کہا۔

" میں نے شجاع ترین مردوں کا لشکر اکٹھا کر کے تمہیں اس کا سالار مقرر کیا ہے تاکہ تم فتوحات حاصل کر کے خلیفہ کی نظروں میں اپنا وقار قائم کرو مگر دیکھنا ان مجاہدوں کی دل آزاری نہ کرنا بلکہ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لینا اور ان کی بات ماننا کیونکہ یہ سب صائب الرائے اور تجربہ کار ہیں۔ ،،

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو اس شامی لشکر اور چند شامی سرداروں کا مختصر سا تعارف کرائیں تاکہ آپ کو ان کی جوانمردی کا کچھ علم ہو سکے۔

عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی

نہایت تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس نے ۸۲ھ میں "دیر الجماجم" والی جنگ میں عبدالرحمٰن بن الاشعث کو شکست دی تھی اس وقت یہ میمنہ کا سپہ سالار تھا۔ وہ خود بہت بہادر تھا اور بہادروں کا قدردان

تھا۔ وہ بنوامیّہ کا نہایت وفادار افسر تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے عبدالرحمٰن کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ اس وقت اس نئے خلیفہ کے خلاف ہر جگہ عام شورش ہو رہی تھی۔ اس لئے عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے خراسان کی گورنری سے یہ بات زیادہ عزیز ہے کہ میں آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں۔ چنانچہ یزید بن ابی مہلب کی بغاوت اس نے فرد کی تو مسلمہ بن عبدالملک نے جو اس وقت عراق کا وائسرائے تھا، عبدالرحمٰن کو اس کے کارہائے نمایاں کے اعتراف کے طور پر بصرہ کا گورنر بنا دیا۔

سفیان بن الابرد الکلبی

یہ بہت تجربہ کار اور دلیر سپہ سالار تھا۔ اس نے خلیفہ عبدالملک کے دور میں خارجیوں کو پے در پے شکستیں دے کر ان کا خاتمہ کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے ۸۶ھ میں شبیب خارجی نے حجاج کو شکست دے کر بھگایا تھا۔ اس کے بعد ہی خلیفہ عبدالملک نے سفیان کو چار ہزار فوج دے کر روانہ کیا جس نے ابن الاشعث کو شکست فاش دی۔ اس واقعہ کے بعد سفیان حجاج کا منتخب اور چہیتا کمانڈر بن گیا۔ اس نے خارجیوں کے لیڈر قطری بن الفجاۃ اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کیا۔ پھر دماوند اور طبرستان پر قبضہ کر کے وہاں اپنے قدم مضبوط کئے "یوم دیر الجماجم" والی جنگ میں حجاج کی فوجوں کے دستوں کا کمانڈر ہو کر بہادری کے جوہر دکھائے۔ سفیان ۷۶ھ سے لے کر ۹۲ھ تک سپہ سالار رہا۔ اور جب حجاج نے اسے محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا تو اس وقت تک اسے عرب افواج کی سپہ سالاری اور مختلف محاذوں کی لڑائیوں کا سولہ سالہ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس سے اس کی اہمیت اور بہادری کا اندازہ ہو سکتا ہے

قطن بن برک الکلبی

حجاج کی طرف سے اس کا اپنا چچیرا بھائی حکم بن ایّوب بصرہ کا گورنر تھا لیکن جب عبدالرحمٰن بن الاشعث نے بغاوت کی تو اس نے اسے گورنری سے معزول کر دیا کیونکہ وہ اس بغاوت کو کچلنے میں ناکام رہا تھا قطن نے اس بغاوت کو فرد کرنے میں حجاج کی بہت مدد کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حجاج کہا کرتا تھا "قطن نے مشکلات میں ہماری مدد کی اور وہ عزت والا اور لائق ہے۔"

نباتہ بن حنظلہ کلبی

زبردست شہسوار، سپہ سالار اور جوانمرد ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز سیاسی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے سندھ کے مقامی امراء سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے نباتہ سے ہی زیادہ کام لیا تھا۔

زیاد اذدی

یہ بھی زبردست جنگجو اور بہادر سپاہی تھا۔

حکیم بن عوانہ کلبی

زبردست سیاسی سوجھ بوجھ کی وجہ سے سندھ کے راجے اس کی وساطت سے محمد بن قاسم سے رابطہ پیدا کرتے تھے۔ اپنی جوانمردی، تجربہ کاری کی بناء پر ۱۱۰ھ میں سندھ کا گورنر بنایا گیا۔ یہ ۱۲۱ھ تک سندھ کا گورنر بنا رہا اور ۱۲۲ھ میں سندھ میں ہی شہید ہو گیا۔

ان کے علاوہ کئی اور بھی کمانڈر تھے مگر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ ان سرداروں کے ساتھ ان قبیلوں کے لوگ بھی ایسے ہی بہادر تھے۔

دیبل کی فتح

آپ اندازہ کریں جب ایسے جری اور آزمودہ کار سردار اور جنگجو سپاہی کسی لشکر میں موجود ہوں تو اس کا نوعمر سپہ سالار ان کی رائے پر عمل کرنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھے گا۔ اسی لئے تو حجاج نے محمد بن قاسم کو تاکید کر دی تھی کہ تمہیں گھبرانے کی نہیں بلکہ ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کی بہادری اور وفاداری کو بارہا آزمایا جا چکا ہے۔

۹۲ھ میں حجاج نے اس لشکر کو کیل کانٹے سے لیس کر کے بھیجا اور اس کے بعد چھ ہزار عراقی لشکر کو بطور کمک بحری راستہ سے بھیجا۔ اس بحری لشکر کا کمانڈر حزم بن مغیرہ تھا۔ اس بحری بیڑے میں سامان رسد کے علاوہ قلعہ کشائی کے آلات اور منجنیقیں بھی موجود تھیں۔ ادھر محمد بن قاسم خشکی کی راہ سے دیبل پہنچا اور ادھر یہ بحری بیڑہ بھی آ گیا۔ اسلامی لشکر نے آتے ہی دیبل کا محاصرہ کر لیا آٹھ دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ راجہ داہر کے بیٹے کیشب نے جس کو جیسیہ یا جے سنگھ بھی کہا گیا ہے، بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔

ان دنوں بغداد سے سندھ تک اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سات دن میں پہنچا جا سکتا تھا۔ محمد بن قاسم نے حملہ کرتے ہی دیبل کا سارا نقشہ حجاج کو بھجوا دیا تھا جس نے لکھا کہ مندر پر جو جھنڈا

لہرا رہا ہے، اسے نشانہ بنا کر اڑا دیا جائے چنانچہ اس کی ہدایات کے مطابق منجنیق سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا جس نے شہر والوں کا حوصلہ پست کر دیا۔ مسلمانوں نے بزور شمشیر اس پر قبضہ کر لیا اور جیسیہ راتوں رات بھاگ گیا۔

مزید فتوحات دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے بہروچ کو فتح کیا جہاں راجہ داہر کا بھتیجہ قلعہ بند ہو کر سات دن تک مقابلہ کرتا رہا۔ مگر آخر میں شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اسلامی افواج نے اس کے بعد سیوستان کو فتح کیا۔ پھر نیرون کوٹ کو فتح کرنے کے بعد وہاں مسجد بنائی۔ اب لوگ مسلمان ہو رہے تھے اور ان نومسلموں میں جاٹوں اور میدوں کی زیادہ تعداد تھی۔

محمد بن قاسم کی فتوحات کا تفصیلی جائزہ لے کر ہم اپنے اصلی موضوع سے نہیں ہٹنا چاہتے لیکن یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ کہ مجاہدین کے اس لشکر نے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایسی شاندار فتوحات حاصل کیں کہ دنیا میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہاں تیمور اور چنگیز کی طرح تباہی کے علمبردار تو کئی ہوں گے یا انگریزوں کی طرح مکر و فریب سے حکومت ہتھیانے والے بھی مل جائیں گے لیکن امن و امان قائم کرنے اور مفتوحین کا دل موہ لینے میں محمد بن قاسم اور اس کے لشکریوں کا مقام بالکل منفرد ہے کیونکہ جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کفار و مشرکین اور مفتوح قوموں نے اس کی پوجا شروع کر دی تو ہمیں فاتحین کے صحیح اسلامی کردار کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور دل ان کی تعظیم سے لبریز ہو جاتا ہے۔

راجہ داہر سے جنگ داہر کی فوج میں پچیس ہزار زرہ پوش، دس ہزار نیزہ باز اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے مگر محمد بن قاسم کے پاس پندرہ ہزار کا لشکر تھا جس میں بیشتر تعداد نومسلموں کی تھی۔ اروڑ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا اور دس رمضان ۹۳ھ کو مغرب کے قریب راجہ داہر قتل ہو گیا اور اس کی فوج شکست کھا کر کچھ تو تہ تیغ ہوئی اور باقی ماندہ بھاگ گئی جنگ کے اختتام پر داہر کے وزیر سی ساگر نے وہ تمام قیدی مرد، عورتیں اور بچے جن کی آزادی کی خاطر اس جنگ کا آغاز ہوا تھا، اپنے قبضہ میں رکھ کر محمد بن قاسم کو پیغام بھجوایا اور جب جان کی امان مل گئی تو چپکے سے ان قیدیوں کو ساتھ لے کر برہمن آباد سے نکلا اور اس کے

پاس پہنچ گیا۔ جہاں اس سے نہایت شفقت اور عزت کا سلوک کیا گیا۔

اب اسلامی لشکر نے برہمن آباد پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور اس کا انتظام کرنے کے بعد الور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملتان کو فتح کر لیا اور دیبل سے ملتان تک سارے علاقہ یعنی موجودہ سندھ پر بنو امیہ کا جھنڈا لہرانے لگا۔

ہم اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پیشتر جن شہروں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا مختصر سا حال لکھتے ہیں۔

اروڑ یہ ایک قدیم شہر تھا اور بچ سے پہلے رائے خاندان کے عہد حکومت میں سندھ کا پایہ تخت تھا۔ یہ اپر سندھ میں موجودہ روہڑی شہر سے تقریباً آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف واقع تھا۔ اب تک اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت راجہ داہر کا دارالخلافہ یہی اروڑ شہر تھا۔

راوڑ یہ لوئر سندھ کا ایک شہر تھا۔ جس کے کھنڈرات ناپید ہیں غالباً ٹھٹھہ کے کہیں آس پاس تھا۔

برہمن آباد یہ شہر اردشیر شاہ ایران کے گورنر بہمن نے اپنے نام پر اس وقت آباد کیا تھا جب وہ سندھ کا گورنر تھا جسے ایرانیوں کے بعد برہمن خاندان نے اپنے عہد حکومت میں برہمن آباد کا نام دیا۔ اور اس نام سے مدتوں تک مشہور رہا۔ اس شہر سے دو میل کے فاصلے پر عرب فاتحین نے عمر بن محمد بن قاسم کے ایام نظامت میں ایک شہر منصورہ نام کا آباد کیا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے لوگ اور عرب مورخین اس نئے شہر کو برہمن آباد جدید اور اصلی برہمن آباد کو برہمن آباد قدیم کے نام سے پکارتے تھے۔

یہ شہر موجودہ شہداد پور سے آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف واقع تھا اور جمڑاؤ نہر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف دلور کے نام سے کھنڈرات کا جو مشہور اور وسیع سلسلہ موجود ہے وہ اس شہر برہمن آباد قدیم اور جدید کی یادگار ہے۔ ان کھنڈرات سے عرب حکمرانوں کے سکے اور عربی تہذیب کی کئی نادر اشیاء دستیاب ہوئی ہیں۔ اس جگہ کو مقامی لوگ باہمنیاں کہتے ہیں۔ اسی علاقہ میں جراری گاؤں موجود ہے جو قدیم جلوالی ندی کی مناسبت سے موسوم ہے۔ تعلقہ سنجھورو ضلع سانگھڑ میں گوٹھ پلیو لغاری

کے مشرق کی طرف اور جھول کے پاس جھانگڑی کے ٹھل کے مغرب کی طرف والا علاقہ سارا برہمن آباد کے قدیم شہر اور منصورہ کا رقبہ ہے۔ اس جلوالی ندی کی ایک شاخ کی گزرگاہ کا نشان اب بھی ٹنڈو آدم اور بیرانی کے درمیان موجود ہے۔ جہاں آج کل ٹیوب ویلوں پر زراعت ہوتی ہے۔ موجودہ ولود اس شہر کا مرکز تھا۔

اوچ

یہ شہر آریاؤں کے بالکل ابتدائی دور میں بھی موجود تھا۔ ماہرین آثار قدیمہ کی رائے ہے کہ اوچ کی موجودہ بنیاد اس قدیم تباہ شدہ بستی کے آثار پر قائم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ عام سطح سے کافی بلند ہے۔ اگر دریائے گھاگرا کی قدیم گزرگاہ میں کھڑے ہو کر دریا کی مشرقی جانب نظر ڈالی جائے تو کھنڈرات کے نشانات تہ بہ تہ دکھائی دیتے ہیں۔ بالخصوص پختہ اینٹوں کی دیواروں کا سلسلہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ کسی پرانے قلعہ یا قدیم کھنڈرات کی دیواریں ہیں۔ جو مٹی کے ڈھیروں میں سے صاف نظر آرہی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کا مصاحب خاص اور مشہور مورخ یمینی اوچ کو بہاطیہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے کہ ۵۷۱ھ میں محمد شہاب الدین غوری نے اوچ پر حملہ کیا تو بہاطیہ نے قلعہ میں بند ہو کر سلطان سے جنگ کی مگر سلطان نے اسے فتح کر کے اپنے سپہ سالار علی کرماخ کی تحویل میں دے دیا۔

ہندوستان میں ظہور اسلام کے بعد کی دو تین صدیوں تک اوچ کی حیثیت ایک عام شہر کی سی رہ گئی تھی۔ اور ملتان اور منصورہ کے دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اس کی امتیازی حیثیت ختم ہو چکی تھی چچ نامہ جو قاضی اسماعیل بن علی الثقفی کی عربی تصنیف ہے جو محمد بن قاسم کی فوجوں میں شامل تھا۔ اس کا مترجم علی بن حامد بن ابوبکر کوفی بھی اوچ ہی کا رہنے والا تھا جس نے ۶۱۳ھ میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ اسی شہر کا قدیم نام اسکلندہ ہے اور چچ نامہ میں اسے اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہ جگہ بہاول پور میں پنجند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ملتان سے اس کا فاصلہ ۷۰ میل اور بہاول پور شہر سے ۳۸ میل ہے اور یہ جگہ بہاول پور شہر کے جنوب مشرق میں ہے۔ دریاؤں کے اتصال پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ شہر بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ نیز اپنے محل وقوع اور جغرافیائی

اہمیت کی وجہ سے اور علاقہ کی سرسبزی اور شادابی کے باعث حملہ آوروں اور سیاحوں اور تاجروں کیلئے اس میں زبردست کشش تھی۔

ہشام بن عبدالملک اموی کے عہد حکومت ۱۰۵ھ—۱۲۵ھ میں جب حکیم بن عوانہ الکلبی سندھ کی گورنری پر مامور ہوا، تو اس کی معیت میں قبیلہ بنو امیہ کا ایک شخص منذر بھی تھا۔ جس نے اوچ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس منذر کے پوتے عمر بن عبدالعزیز بن منذر الاسدی نے ۲۴۰ھ میں منصورہ کے خود مختار والی ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور کچھ عرصہ حکومت اس نسل میں رہی۔ آجکل اوچ ایک ویران سا قصبہ ہے لیکن تاریخی نوعیت کے مقابر، مساجد اور مخطوطے اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

سندھ پر شامی سیاست کا اثر

شوال ۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا مگر ولید نے محمد بن قاسم کو سندھ کی حکومت کا فرمان ملتان میں ہی بھجوا دیا۔ اور ساتھ ہی یہ تاکید کر دی تھی کہ فی الحال مزید پیش قدمی روک دی جائے۔ اس لئے ہم ملک سندھ کو چھوڑ کر پہلے ملک شام کی سیاست کا کچھ حال بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں بساط سیاست پر کئی مہروں کا آمنا سامنا ہو رہا تھا اور ان کے سائے دور دور تک پھیل رہے تھے۔

حجاج کی وفات کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ممالک شرقیہ کے تمام گورنروں کے پاس احکام بھیج دیئے تھے کہ اب تم فتوحات اور پیش قدمی کو روک کر خود کو ہر نئے خطرے سے محفوظ رکھو۔ مشہور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی کے پاس بھی جو چین کی طرف فتوحات حاصل کرتا ہوا بڑھ رہا تھا، اسی قسم کا حکم پہنچا اور اس کے قدم رُک گئے۔

ایسے احکام صادر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ولید بن عبدالملک اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس کام میں حجاج اور اس کے گروہ کے تمام بڑے بڑے سردار ولید کے طرفدار تھے۔ اور سلیمان کی معزولی کے خواہاں۔ مگر سلیمان کے طرفدار بھی بہت سے سردار اور علماء تھے اس لئے ولید کو اپنا ارادہ پورا کرنے میں حجاج کی وفات کے سبب سے خطرات نظر آنے لگے تھے اور محمد بن قاسم اور قتیبہ وغیرہ کو ممالک محروسہ کے سرداروں سمیت ضرورت کے وقت کام میں لانے کے لئے فارغ رکھنا ضروری

سمجھتا تھا۔ اور جب تک کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہ بنائے۔ اس وقت تک محمد بن قاسم اور حجاج کے گروہ کے تمام سرداروں کو کسی لڑائی میں مصروف ہونے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر حجاج کی موت کے سات ماہ بعد ۹۶ھ میں ولید بھی فوت ہو گیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا کیونکہ ولید ابھی تک اپنے بیٹے کی ولی عہدی کا اعلان نہیں کر سکا تھا۔

سلیمان بن عبدالملک خوب جانتا تھا کہ حجاج میرا سب سے بڑا دشمن تھا کیونکہ وہ مجھے تخت سے محروم رکھنے میں ولید کا معاون تھا۔ لہذا سلیمان نے تخت نشین ہو کر تمام حجاجی سرداروں کو معزول کر دیا۔

قتیبہ بن مسلم بھی اسی سلسلہ میں قتل ہوا۔ محمد بن قاسم کو سندھ سے معزول کر کے واپس بلوا لیا اور عراق کے گورنر صالح بن عبدالرحمٰن نے اسے واسط کے جیل خانہ میں نہایت بے دردی سے مروا دیا۔

سلیمان بن عبدالملک نے صرف ذاتی پرخاش کی وجہ سے محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور اس کے غلام طارق بن زیاد جیسے نامور سپہ سالاروں کو تباہ کرا دیا جو مشرق سے مغرب تک اسلامی سلطنت کی وسعت کے لئے محیر العقول کارنامے سرانجام دے رہے تھے۔ جن پر آج بھی تاریخ اسلام کو ناز ہے۔

محمد بن قاسم کے ساتھ جو شامی اور عراقی مجاہدین آئے تھے ان میں سے کچھ شہید ہو چکے تھے جو باقی رہ گئے تھے انہیں وطن واپس جانے سے روک دیا گیا اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا امتناعی حکم آ گیا کہ تمہیں واپس شام میں آنے کی اجازت نہیں ہے اگر آؤ گے تو بلا تامل قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں سے خطرہ تھا مبادا شام میں واپس آ کر بغاوت کر دیں۔ غرض انہیں یہیں سندھ میں رہنا پڑا۔

یہ لوگ اپنے بال بچے لے کر نہیں آئے تھے۔ اس لئے کچھ لوگوں نے بڑی دقت کے بعد شام سے اپنے بیوی بچے اور لواحقین منگوا لئے اور دوسروں نے نو مسلم عورتوں سے شادی کر لی اور اس طرح ان نو مسلم سندھی گھرانوں سے تعلقات پیدا کر لئے تاکہ مستقل طور پر سکونت اختیار

کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ چونکہ وہ دربار خلافت کے مردم کش رویہ سے بددل ہو چکے تھے۔ اس لیئے انہوں نے ذریعہ معاش کے لیئے بھیڑ بکریاں پالنا اور زراعت کرنا شروع کر دیا۔ اریحا والوں کا ذوق کشت کاری اب ان کے کام آیا اور انہوں نے اپنے تجربات سے کھیتی باڑی کی نئی راہیں متعین کیں۔

محمد بن قاسم چونکہ ہر دلعزیز سپہ سالار تھا اس لیئے اس کی بے گناہ موت نے ان مجاہدین کے دل توڑ دیئے اور خلیفہ سلمان بن عبدالملک کے امتناعی حکم نے انہیں سلطنت اور کشور کشائی کے کاموں میں حصہ لینے سے روک دیا اور یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ اس قدر ظلم و جبر کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حکومت وقت سے بے تعلق کر لیں۔ ان حالات میں فاتحین کے قدم آگے بڑھنے سے رک گئے۔ اور مفتوحین نے پھر سے پر نے نکالنے شروع کر دیئے چنانچہ جب محمد بن قاسم کے بعد دوسرے گورنر یزید بن ابی کبشہ کا چارج لینے کے اٹھارویں دن بعد انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ پر نیا گورنر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ نے برہمن آباد پر یکایک حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور شامی و عراقی مسلمانوں نے جو اس ملک کے فاتح تھے محض دربار خلافت کے رویئے سے مایوس ہو جانے کی وجہ سے اس کی کوئی مزاحمت نہ کی اور انہیں اس نئی سلطنت کی فکر بھی لاحق نہ ہوئی کیونکہ ان نامساعد حالات کے علاوہ ان کا کوئی سردار بھی نہ تھا جس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔

ارائیوں کا تاریخی پس منظر

ہندو پاک کے مشہور مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "آئینہ حقیقت نما" کے صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷ پر "مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان" کے عنوان سے سندھیوں کے رہن سہن، مہمان نوازی جو کہ عربوں کا خاصہ ہے اور سندھی رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے بہت سی قوموں کا ذکر کرتے ہیں اور انہیں خالص عربی گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض قومیں بہت سے لوگوں کے خیال میں ہندی قومیں سمجھی جاتی ہیں حالانکہ وہ خالص عربی قومیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر ارائیں قوم ہے۔ ذیل میں ہم پورا اقتباس درج کرتے ہیں۔

"ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ملک شام میں واپس جانا نصیب نہ ہوا اور مجبوراً یہیں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ منصورہ کی خود مختار ریاست کا قیام پھر ان کے لئے راحت و اطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی پھر ان کے لئے مصائب و نوائب کا نزول تھا۔ کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ ملتان میں آ کر آباد ہو گئے اور جہاں کسی کے سینگ سمائے چلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا اور اس طوفان میں ملتان کا مرکزی مندر بھی قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ لیکن محمود غزنوی نے جلد ہی اس فتنہ کو فرو کر دیا اور اس طرح ان عربی باقیات میں شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ تر ملتان میں ہی جمع ہونا پڑا۔ چند ہی روز بعد پنجاب کا تمام ملک غزنی سلطنت کا صوبہ بن گیا اور مستقل طور پر محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔

ارائیں ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا اور اریحائی کہلاتا تھا۔ پنجابی لہجے اور تلفظ نے اس کو ارائیں بنا دیا۔ ان تمام مذکورہ حوادث اور تغیرات کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ یہ لوگ پنجاب کے سرسبز و شاداب علاقے میں آ کر افغانی فاتحوں اور ہندو مفتوحوں سے بے تعلق رہ کر زراعت و کاشتکاری میں مصروف ہو جائیں اور اپنے تجربات کو کام میں لائیں جو ریاست منصورہ کی سرسبزی و شادابی کے لئے وہ کام میں لا چکے تھے۔ عرب کا ملک زرعی ملک نہیں ہے۔ لیکن عربی قومیں جہاں بھی زرعی ملک میں گئیں وہ سب سے بہتر کاشتکار اور نہایت قابل کسان ثابت ہوئیں۔ یہی عربی قومیں جب اندلس پہنچیں تو انہوں نے اندلس کو گل و گلزار بنا دیا اور ایک چپہ بھر زمین ایسی نہ چھوڑی جہاں کھیتی اور سرسبزی نہ ہو۔ جب اندلس سے بیدخل ہوئے تو وہ ملک پھر بنجر اور ویران نظر آنے لگا۔ آج تک اس سرزمین اندلس میں وہ سرسبزی واپس نہیں آئی جو عربوں نے وہاں پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح عربوں نے منصورہ کو گلزار بنا دیا تھا۔"

۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور ان کے بعد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان کے عہد حکومت میں سندھ میں مکمل امن وامان رہا۔ لاکھوں سندھی مسلمان ہوئے لیکن ۱۰۱ھ میں ان کا بھی انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا جس نے تمیم بن زیاد کو سندھ کا گورنر بنایا۔ وہ بہت رحمدل اور فیاض تھا۔ اس نے سندھیوں کے دل موہ لئے مگر وہ بھی جلد ہی فوت ہوگیا اور اس کے بعد حکیم بن عوانہ کلبی سندھ کا گورنر ہوا۔ جب وہ یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ سندھ کے اکثر علاقوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ داہر کے خاندان کے باقی ماندہ شہزادے اپنا آبائی ملک حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہندوستان کے ہندو راجہ ان کی مدد پر کمربستہ ہیں۔ نیز نومسلم سندھی مرتد ہورہے ہیں اور اس تحریک ارتداد نے ان عراقی اور شامی عربوں کو جو یہاں سلیمان بن عبدالملک کے حکم امتناعی کے بعد مستقل طور پر آباد ہوگئے تھے، خطرے میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ بیچارے تھوڑی سی تعداد میں مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور اپنے سپہ سالار کے قتل ہو جانے کے بعد نہایت افسردہ خاطر ہوکر اور اپنے ہتھیار کھول کر اپنے بیوی بچوں کی پرورش کے لئے نومسلموں کے ساتھ کھیتی باڑی میں مشغول ہوگئے تھے۔ ان میں سے بیشتر لوگوں نے اپنے اہل وعیال بھی شام وعراق سے منگوا لئے تھے۔

حکم بن عوانہ کلبی نے گورنری کا چارج لیتے ہی ان تمام عربوں کو مختلف مقامات سے بلوا کر ایک جگہ جمع کیا تاکہ یہ منتشر مسلمان خطرہ سے بچ جائیں۔ نیز یہی لوگ چونکہ سندھ کے اوّلین فاتح تھے اس لئے ان کی بہادری اور تدبر پر اسے اعتماد تھا۔ اور وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ محمد بن قاسم کا بیٹا عمر بھی تھا۔ حکم بن عوانہ نے جلوالی ندی کے مشرقی کنارے پر شامی اور عراقی عربوں کو جنہیں اس نے مختلف مقامات سے اکٹھا کر لیا تھا، ایک جدید بستی میں آباد کرکے اس کا نام محفوظہ رکھا۔

بلاذری کی روایت ہے کہ حکم بن عوانہ نے اس بستی کی بنیاد رکھنے سے پہلے شام کے قبیلہ بنوکلب کے افراد سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا رکھا جائے۔ کسی نے کہا۔ دمشق کسی نے حمص اور ایک نے تدمر کہا۔ یہ سن کر حکم نے کہا۔ "اے احمق! تجھے موت آئے میں تو اس کا نام محفوظہ رکھنا ہوں"

اب حکم بن عوانہ اور عمر بن محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ان شامی اور عراقی عربوں نے پھر سے

اپنے ہتھیار سنبھال کر جا بجا فتوحات حاصل کیں اور تمام سرکشوں کو مطیع کیا۔ جب حکم بن عوانہ فوت ہوگیا تو دربار خلافت سے عمر بن محمد بن قاسم کے نام گورنری کا فرمان آگیا۔ اور اس نے اس جلوالی ندی کے مغربی کنارے پر ایک نیا شہر منصورہ آباد کیا جس سے محفوظہ کی رونق اجڑنے لگی اور منصورہ آباد ہوتا چلا گیا۔ یہاں شامی اور عراقی سردار اپنے بیشتر ہمراہیوں سمیت آباد تھے۔ اس طرح منصورہ گویا سندھ میں اہ یجائیوں کا پہلا اور مستقل مسکن بن گیا۔ ۱۲۶ھ میں عمر بن محمد بن قاسم کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کی جگہ منصور بن جمہور سندھ کا گورنر مقرر ہوا مگر ۱۳۲ھ میں خلافت بنوامیہ کا چراغ گل ہوگیا اور خلافت عباسیہ کے ہاتھ میں زمام اقتدار آگئی۔

اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر ہم منصورہ کا کچھ حال لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

منصورہ اس شہر کی بنیاد بنوامیہ کے فاتحین نے ڈالی تھی اور عربوں کے زوال تک یہ عربی حکومت کا دارالخلافہ رہا جس کے بعد اس پر زوال آگیا اور آج کوئی اس کا نام تک نہیں جانتا۔ یہ نہ صرف عربی سلطنت کا مرکز تھا بلکہ علم و ادب کا گہوارہ تھا اور سندھ کا دمشق ثانی تھا۔ اس میں بے شمار عالم، فاضل، ادیب، شاعر اور ماہرین فن رہتے تھے۔ حتیٰ کہ عراق اور شام کے کئی علاقوں کے نادر روزگار لوگ یہاں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بشاری مقدسی لکھتے ہیں:۔

"منصورہ کے رہنے والے لائق اور بامروت ہیں، اسلام کے شیدائی ہیں۔ اہل علم یہاں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ آدمی زکی اور ذہین ہیں۔ نیکی اور جرأت میں مشہور ہیں۔

اسے عمر بن محمد بن قاسم نے برہمن آباد سے پانچ کوس کے فاصلے پر ۱۱۰ھ میں آباد کیا۔ اور دمشق کے نمونے پر آباد کیا تھا۔ ابن حوقل کے بیان کے مطابق اس کی لمبائی اور چوڑائی ایک مربع میل تھی۔ اور بڑا بارونق شہر تھا۔ یہ شہر سلطان محمود غزنوی کے حملہ کے وقت یعنی ۴۱۶ھ تک برابر سلطنت عربی کا دارالخلافہ رہا تھا۔ شہر کی عمارتیں لکڑی کی تھیں البتہ جامع مسجد پتھروں سے بنائی گئی تھی جس کی شکل عمان کی جامع مسجد جیسی تھی شہر کے چار دروازے تھے۔

(۱) باب البحر (۲) باب توران (۳) باب سندان (۴) باب ملتان

علماء کی وجہ سے یہ شہر سندھ کا دمشق تھا۔ شہر کے چاروں طرف باغات اور سبزی تھی جو اہ یجادالوں کے ذوق زراعت کی مرہون منت تھی۔ یہاں پھل اور سبزیاں اور اناج بہت سستا تھا۔

اس ریاست کی حدیں دیبل سے الور تک تھیں، اس میں اندازاً تین لاکھ گاؤں تھے۔ مسعودی کے بیان کے مطابق منصورہ کے سرداروں کی فوجی نفری تقریباً چالیس ہزار تھی۔ جن میں پیادے، سوار اور فیل بان بھی تھے۔

اس شہر کے محل وقوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ دریا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے کشتی رانی، تجارت اور زراعت خوب ہوتی ہوگی اور شامی مجاہدین بالخصوص اہل اریحا کے لئے یہ زرخیز زمین اور پانی کی بہتات یقیناً زراعت کے لئے کشش رکھتی ہوگی اور انہوں نے اپنی مشاقی اور محنت سے اسے سندھ کا اریحا بنا دیا ہوگا۔ جس کا ثبوت مسعودی کی رپورٹ سے ملتا ہے۔ جو ان علاقوں کی رونق لٹ جانے کے بہت عرصہ بعد یہاں آیا تھا لیکن پھر بھی باغات اور سبزیوں کا ذکر کرتا ہے۔

سرزمین سندھ پر بنوامیہؓ کے گورنر

سرزمین سندھ کا فاتح اور پہلا گورنر محمد بن قاسم الثقفی تھا جو ۹۱ھ میں سندھ میں وارد ہوا اور ۹۶ھ میں واسط کے جیل خانہ میں جو عراق میں ہے، بے دردی سے مروا دیا گیا۔ اس کے بعد کے گورنروں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱: یزید بن ابی کبشہ (سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ۹۶ھ سے ۹۶ھ تک) صرف اٹھارہ دن کے لئے۔

۲: حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ　(۹۶ھ تا ۹۸ھ)

۳: عمرو بن مسلم الباہلی (حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں)　(۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

۴: ہلال بن احوز تمیمی (یزید بن عبدالملک کے عہد میں) ۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ)

۵: جنید بن عبدالرحمٰن المرّی) (ہشام بن عبدالملک کے عہد میں)

۶: تمیم بن زید العتبی (ہشام بن عبدالملک دور میں)

۷: حکم بن عوانہ الکلبی　(ہشام بن عبدالملک کے عہد میں)

۸: عمرو بن محمد بن قاسم الثقفی　ایضاً

۹: یزید بن عرار　(ولید بن ہشام کے عہد میں ۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

۱۰ : منصور بن جمہور الکلبی (بنو امیہ کے آخری خلیفہ سے مروان بن الحمار کے عہد میں)
(۱۲۷ھ سے ۱۳۲ھ تک)

اس کے بعد بنی عباس کا زمانہ آیا۔

اس طرح بنو امیہ کی حکومت سندھ پر ۹۲ھ سے لے کر ۱۳۲ھ تک یعنی تقریباً ۴۰ سال تک رہی۔ بنو عباس کا پہلا گورنر عبدالرحمٰن بن ابی مسلم تھا۔ جو سندھ میں آکر منصور بن جمہور سے لڑا اور مارا گیا۔ یہ ابو العباس، سفاح عباسی کا زمانہ تھا جو بنو عباس کا خلیفہ ہوا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی نے آکر گورنری کا چارج سنبھالا اور آخری گورنر عمر بن عبدالعزیز ہباری تھا جو خلیفہ متوکل کے عہد (تقریباً ۲۴۰ھ) میں تھا۔ اس کے بعد بنو عباس کی حکومت کو بھی زوال آگیا۔ سندھ میں بنو عباس کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۲۵۵ھ تک رہی۔

تیسرا باب

دَورِ ابتلاء

ارائیوں پر سندھ میں جو مصیبتیں نازل ہوئیں اور جس پامردی سے انہوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ اسے سمجھنے کے لئے ہم پھر دورِ خلافت راشدہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ تاریخی پس منظر قارئین کی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ کی خلافت کا اعلان ہوا خلیفہ سوم کی کی شہادت کی خبر عرب، شام اور مصر میں شائع ہوئی تو ایک آگ بھڑک اٹھی اور تمام عرب بالخصوص قبائل قریش میں ایک جوش پیدا ہوگیا۔ یہ سازش غیر عرب مصریوں، عراقیوں اور ایرانیوں کی دماغی کاوش کا نتیجہ تھی۔ جن کا لیڈر عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ سازشی چاہتے تھے کہ عربی حکومت کا جوا اتار کر پہلی سی شان و شوکت بحال کرلیں۔ بنو ہاشم ان کا آلۂ کار بن کر رہ گئے تھے۔ اب تو حضرت علی رضؓ نے بھی محسوس کیا کہ مدینہ میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے انہوں نے دارالحکومت کوفہ میں منتقل کرلیا۔ کوفہ ارض حجاز سے اتنا ہی دور تھا جتنا ایران سے نزدیک تھا، یہی خفیہ سازشوں کا مرکز تھا اور بعد میں بھی ہمیشہ مرکز رہا۔

بنو ہاشم عرب کا اعتماد کھو بیٹھے تھے۔ ان کے ہوا خواہ زیادہ نو مسلم مجوسی وغیرہ تھے جب اس کے خلاف ردِّ عمل شروع ہوا تو عرب بنو امیہ کے گرد جمع ہو گئے۔ اصل میں یہ جنگ، ایک صدی تک جاری رہی یہاں تک کہ بنو امیہؓ کی حکومت کے خاتمہ پر خلافت عباسیہ قائم ہو گئی۔ یہ عربی حکومت نہ تھی۔ ایرانیوں اور ترکوں کی خلافت تھی۔ جس میں عربی خلیفہ کی وہی حیثیت تھی جو کسی خانقاہ کے پیر کی ہوتی ہے۔ اگرچہ غیر عرب خلافت کے سرپرست تھے مگر سلطنت کی سند اور خرقہ خلفائے عباسیہ ہی صدیوں تک عطا فرماتے رہے۔ تمام خلفائے عباسیہ عجمی لونڈیوں کے بطن سے تھے۔ عرب ملازم کی موجودگی حریم خلافت میں قطعاً ممنوع تھی۔ غرض بساط سیاست پر دو کھلاڑی عرب اور عجم یعنی غیر عرب بالخصوص ایرانی تھے۔ عرب کے مہرے بنو امیہؓ تھے اور عجمیوں کے بنو ہاشم۔ انگریز مورخین نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اموی خلافت خالص عربی تھی اور اس کا نصب العین اشاعت اسلام

اور عربی زبان کی ترویج تھا۔ جب ان کا تختہ اُلٹ گیا۔ تو دونوں باتیں نہ رہیں۔

عجمیوں کی سازشیں جاری رہیں اور انہوں نے شیعان علیؓ کی دعوت پر عباسیوں کی مدد کر کے ان کی حکومت کو کامیاب بنا دیا۔ (کیونکہ عام طور پر یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا کہ عباسی بنو امیہؓ سے حکومت چھین کر بنو ہاشم کے حوالے کر دیں گے مگر حکومت حاصل ہوتے ہی انہوں نے بنو ہاشم اور سادات کا بے دریغ خون بہایا۔) عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح (خون بہانے والا) تھا جس نے چُن چُن کر امویوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنو امیہؓ کا ایک بچہ بھی دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اس پر بھی عباسیوں کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا بلکہ خلفائے بنو امیہ کی قبریں اُکھڑوائی گئیں اور اگر ایک ہڈی بھی سالم مل گئی تو اسے آگ میں جلا دیا گیا۔ اس ہنگامے میں بنو امیہؓ کا ایک نوجوان عبدالرحمٰن اندلس بھاگ گیا۔ جہاں اس نے اپنے زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کر لی جس نے اندلس پر پانچ صدیوں تک نہایت شان و شوکت سے اپنا ڈنکا بجایا اور سارے یورپ میں علم و ہنر کی روشنی پھیلائی۔ عباسی حکومت اس کو ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کئے مگر کچھ نہ کر سکے۔

تاریخ اسلام حصہ دوم از اکبر شاہ خاں کے صفحہ ۲۸۰ کا ایک اقتباس پیش ہے جس سے آپ کو اریجائیوں کے آباؤ اجداد کی مشکلات کا کچھ علم ہو سکے گا:

"عبداللہ سفاح نے تمام ممالک محروسہ میں حکم عام جاری کر دیا کہ جہاں کوئی بنو امیہ میں سے نظر آئے اسے بلا دریغ قتل کر دیا جائے۔ ولایتوں کے والی اور شہروں کے حاکم جو عموماً عباسی تھے اپنی اپنی جگہ اس تجسس میں مصروف رہنے لگے کہ کہیں کسی بنو امیہؓ کا پتہ چلے اور اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ جس طرح کسی درندہ کا شکار کرنے کے لئے لوگ گھر سے نکلتے ہیں اسی طرح بنو امیہؓ کا شکار کرنے کے لئے روزانہ لوگ گھروں سے نکلتے تھے۔ بنو امیہؓ کے لئے کوئی مکان، کوئی گاؤں، کوئی قصبہ اور کوئی شہر جائے امن نہ رہا اور برسوں ان کو تلاش کر کر کے عباسی لوگ قتل کرتے رہے۔ خراسان کے ابو مسلم نے یہ کام اور بھی زیادہ اہتمام اور ہمت کے ساتھ انجام دیا تھا

اس نے نہ صرف بنو امیہؓ بلکہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے کبھی نہ کبھی بنو امیہؓ کی حمایت یا کوئی خدمت انجام دی تھی، قتل کرا دیا۔ اس قتل عام میں جو لوگ بچ بچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ کر جا سکے۔ انہوں نے اپنا بھیس بدل بدل کر نام اور قوم دوسری بتا بتا کر سرحدوں کی طرف رُخ کیا۔ خراسان کے صوبوں اور ولائتوں میں یہ قتل عام چونکہ بہت زیادہ شدید تھا۔ لہذا یہاں جو بنو امیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے وہ سندھ، کوہ سلیمان اور کشمیر کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ جن لوگوں نے اپنے قبیلوں کے نام بدل دیتے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل آئے کیونکہ ان کو سلطنت عباسیہ کی حدود میں اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا تھا یہ مفرور عربی قبائل جو سندھ، کشمیر اور پنجاب وغیرہ کی طرف بھاگ آئے تھے۔ ان کی نسلیں آج تک ہندوستان میں موجود ہیں مگر اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئی ہیں۔''

کشمیر کے بمبہ قبائل ان ہی باقیات بنو امیہؓ کی یادگار ہیں۔

ظاہر ہے اسلامی دارالحکومت کی پالیسیوں کا اثر تمام ممالک محروسہ پر ہونا لازمی تھا۔ اس لئے بے گناہ سپاہی اور سندھ کے اولین فاتح بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور ان پر ظلم و تشدد کا دور شروع ہو گیا۔ چونکہ عباسی خلفاء ہر حالت میں بنو امیہؓ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لہذا سندھ کے اموی گورنر منصور نے عباسی خلیفہ کی بیعت کرنے سے انکار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور تمام شامی، عراقی اور اریحائی جنگجو سردار اس کے طرفدار ہو گئے تاکہ اپنی بقاء کے لئے جدوجہد کریں۔ ادھر عباسیوں کے مشہور گورنر ابو مسلم خراسانی (جو عجمی تھا) نے منصور کو معزول کر کے سندھ پر عبدالرحمٰن نامی ایک سردار کو حاکم بنا کر بھیجا۔ منصور نے اس کا مقابلہ کیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد عبدالرحمٰن مارا گیا۔ ابو مسلم نے عبدالرحمٰن کے مقتول ہونے کی خبر سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو زبردست فوج دے کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ منصور نے سندھ کی مغربی سرحد سے آگے بڑھ کر موسیٰ کو روکا اور معرکہ آراء ہو کر قتل ہو گیا۔ اس لڑائی میں منصور کا بھائی منظور بن جمہور بھی مارا گیا۔ منصور نے جس شخص کو اپنا نائب بنا کر منصورہ میں چھوڑا تھا، اس نے منصور کے قتل ہونے کی خبر سن

کر تمام شامیوں، عراقیوں اور اریحائیوں کو منصورہ سے نکال کر شہر کو ویران کر دیا اور ان کے ساتھ سندھ و بلوچستان کے پہاڑی دریاؤں میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ جہاں منصور کے ہمراہی جو عباسی لشکر کی تباہی سے بچ گئے تھے ان سے آکر مل گئے۔ اب انہیں ہر وقت عباسی حکومت کی طرف سے خطرہ رہتا تھا تاہم انہوں نے بالائی سندھ اور بلوچستان کے کچھ حصوں میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی جس کے آثار اب بھی قدیم ارائیں واہ کے نام سے ملتے ہیں۔

مرحوم میاں عبدالحق صاحب سابق ایم۔ پی۔ اے نے نومبر ۱۹۶۸ء کو ساہیوال میں ایک ملاقات کے درمیان راقم کو بتایا تھا کہ نواب امیر محمد خاں مرحوم سابق گورنر مغربی پاکستان نے اپنے دورہ بلوچستان کے دوران ارائیوں کی ان قدیم نہروں کے نشانات دیکھے تھے جو انہوں نے اپنے زمانہ عروج میں تیار کرائی تھیں اور جن کے آثار آج تک موجود ہیں۔ نواب صاحب مرحوم نے نہایت تفصیل سے میاں صاحب کو سب کچھ بتایا تھا۔ اسی طرح لاڑکانہ میں ۱۹۲۰ء سے پہلے تک گاؤں کا نام عام طور پر دیہہ نمبر۔ ارائیں ہوتا تھا اور اپنے نمبروں کی وجہ سے شمار ہوتے تھے جیسے آج کل دیہہ ۴۸ جمڑاؤ، ۴۹ جمڑاؤ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں بلوچستان اور بالائی سندھ میں خاص طور پر مقتدر رہے ہیں۔

اب سندھ کے مختلف علاقوں میں گوٹھ ارائیں یا دیہہ ارائیں کے نام سے قدیم آبادیاں موجود ہیں۔

قرامطہ کا فتنہ

ان ہی دنوں ایک ایسا فتنہ رونما ہوا جس نے ان بدنصیبوں کو کچلنے کی پوری پوری کوشش کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ لوگ جوانمرد اور جواں ہمت نہ ہوتے اور ان کی اولادیں ان کے نقش قدم پر نہ چلتیں تو ایسے تباہ کن حالات میں ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاتے بلکہ ان کا نام و نشان تک نہ رہتا مگر انہوں نے اپنی تلواروں اور نیزوں کو زنگ آلود نہ ہونے دیا اور وقتاً فوقتاً اپنی شجاعت سے دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے اس فتنہ کے ہاتھوں جو مصائب ہمارے آباؤ اجداد کو برداشت کرنا پڑے، ان کا تذکرہ پیش کرنے سے پہلے ہم قرامطہ کا مذہبی اور تاریخی پس منظر پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو حالات کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق رض کی وفات کے بعد شیعان علی رض دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو اسمٰعیلی کہلاتے ہیں جو محمد بن اسمٰعیل بن جعفر رض کو امام تسلیم کرتا ہے اور دوسرا امام جعفر رض کے بیٹے موسیٰ کاظم کو۔ یہ گروہ امامیہ اثنا عشریہ کہلاتا ہے۔

اسمٰعیلی یہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل امام صاحب کی زندگی میں فوت نہیں ہوا تھا بلکہ دشمنوں کے خوف سے امام صاحب نے اسے چھپائے رکھا اور اس کی موت کو مشتہر کر دیا۔ امامیہ اثنا عشریہ یہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل فوت ہو چکا تھا اور امام صاحب نے اپنا جانشین موسیٰ کاظم کو نامزد کیا تھا۔ یہ اسمٰعیلی بھی بعد میں دو فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ ایک تو خالص اسماعیلیہ کہلایا، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اسمٰعیل فوت نہیں ہوا بلکہ غائب ہے اور وہ قائم منتظر ہے اور کسی وقت اس کا ظہور ہو گا۔

دوسرا فرقہ محمد بن اسماعیل کو امام تسلیم کرتا ہے اور اسماعیل کی موت کا قائل ہے۔ اس فرقہ کو مبارکیہ کہتے ہیں۔ مبارک نامی ایک شخص اسماعیل کا مولیٰ تھا۔ فرقہ خطابیہ بھی اس سے ملحق ہو گیا۔ پھر یہ فرقہ بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان میں سے ایک قرامطہ ہے جو قرمط نام کے ایک شخص سے منسوب ہے قرامطہ کا زور عباسی خلفاء المکتفی اور المقتدر (۲۸۹ھ تا ۳۲۰ھ) کے عہد میں بہت زیادہ رہا اور اس کے بعد ۳۹۰ھ تک ان کی شورشیں ممالکِ اسلامیہ کے مختلف حصوں خصوصاً سندھ میں زیادہ رہیں۔

الاحساء سے ایک شخص قرمطی سلیمان بن الحسین نے خروج کیا۔ اس نے مکہ کے حاجیوں پر حملہ کر دیا اور عین اس وقت جبکہ وہ طواف کعبہ میں مشغول تھے، انہیں قتل کر کے ان کی نعشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ اس کا مقابلہ کئی دفعہ عباسی سپاہ سے بھی ہوا اور وہ اکثر کامیاب رہا۔ آخر ایک لڑائی میں شکست کھا کر بحرین کی طرف بھاگا جہاں ایک عورت نے اسے پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔

قرامطی شمالی افریقہ، عرب اور عراق کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوتے تھے۔ چونکہ وہ حجر اسود بھی اکھاڑ کر لے گئے تھے اور حجاج کا راستہ بھی بند کر رکھا تھا اس لئے دنیائے اسلام میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اسمٰعیل عبیداللہ المہدی شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کر چکا تھا۔ جب اسے اطلاع ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا۔ قرمطی اس کے داعی تھے اور بنو فاطمہ کے نام پر شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کر چکے تھے۔ عبیداللہ کے حکم کے مطابق قرمطیوں نے حجر اسود قاضی نیشاپوری کے حوالے کر دیا۔ جس نے اسے پھر سے کعبہ میں نصب کر دیا۔ یہ ۳۲۹ھ کا واقعہ ہے۔ بحرین میں قرامطہ کا بہت زور تھا

یمن میں بھی ان کا اثر بڑھ گیا تھا اور عراق میں عرصہ تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ خوارزم اور غزنی میں بھی قرامطہ اور باطنیہ کا طوطی کچھ عرصہ تک بولتا رہا۔ ملتان تو ان کا گڑھ تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے عہد حکومت میں ان کا قلع قمع کرنے کے لئے خاص جد و جہد کی اور ہزاروں قرمطی تہ تیغ کئے۔

قرامطہ کا مذہب درحقیقت اسلام نہ تھا بلکہ یہ تو ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد دنیائے اسلام کو مٹانا اور عربوں کی فوقیت و برتری کو نیچا دکھانا تھا۔ اس تحریک کو چالاک عجمیوں اور ایرانیوں نے مذہبی جامہ پہنا دیا تھا اور لوگوں کو نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر تکالیفِ شرعیہ سے آزادی دے کر بتایا جاتا تھا کہ یہ سب باتیں فضول ہیں۔ خدا کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ محمد بن حنفیہ کو خدا کا رسول منوایا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ کی عزت اس لئے کی جاتی تھی کہ علویوں کے طرفدار اور تمام شیعہ ہمدرد بن جائیں اور مخالفت نہ کریں۔ عام مسلمانوں کا قتل کرنا موجبِ ثواب بتایا جاتا تھا۔ قتل و غارت اور اپنے ہم مشربوں کے سوا دوسروں کو اذیت پہنچانا کوئی جرم نہ تھا بلکہ عین ثواب سمجھا جاتا تھا۔ حلال اور حرام کی قید کو بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ غرضیکہ اچھی خاصی لامذہبی اور عیاشی کا نام مذہب رکھ دیا گیا تھا۔ چونکہ جاہل اور غارت گر لوگوں کے مزاج اور خواہشات سے اس مذہب کو خصوصی مناسبت تھی، لہٰذا ہر ملک و قوم کے جاہل اور بد وضع لوگ اس مذہب کو بڑی آسانی سے قبول کر لیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ فارس، خراسان اور بحرین میں ان کا زور بڑھ گیا تھا۔ شیعوں نے قرامطہ کو عباسیوں اور بنو امیہ کا دشمن دیکھ کر ان کی کوئی مخالفت نہ کی۔ غرض علویوں کی سازشوں اور عباسیوں کی اس پکڑ دھکڑ نے جو انہوں نے بنو امیہؓ اور سادات کے مقابلہ میں کی تھی، مذہب قرامطہ کے لئے خوب مواقع فراہم کر دیئے تھے اور چاروں طرف ان لوگوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

اب اس مذہبی اور تاریخی پس منظر کو بیان کرنے کے بعد ہم ان تاریخی حالات کا تذکرہ کرتے ہیں جو سندھ کی سرزمین پر رونما ہوئے اور جن سے اریحائیوں، شامیوں، عراقیوں کو اس لئے دوچار ہونا پڑا کہ وہ خلافت عباسیہ کے معتوب تھے اور قرامطیوں کی لامذہبی کے سامنے جھکنے کی بجائے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

ملک سندھ پر پورے چالیس برس تک خلفائے بنو امیہؓ کی حکومت رہی۔ ان کے بعد نوّے سال تک خلفائے عباسیہ کی شہنشاہی کا دور رہا اور ان کے مقرر کردہ گورنر حکومت کرتے رہے۔ ۲۲۵ھ سے

۲۵۸ھ تک سندھ میں چھوٹے چھوٹے رئیس خودمختار مگر خلیفہ بغداد کو اپنا آقا تسلیم کرتے رہے ــــ ۲۵۸ھ سے ۲۶۵ھ تک بجائے عباسی خلفاء کے یعقوب بن لیث صفار کی حکومت رہی اور اس نے غیر مقررشرح سے کچھ لگان اور خراج بھی وصول کیا اور اس کے بعد ملکِ سندھ خلفائے عباسیہ یا کسی کی شہنشاہی سے بالکل آزاد ہو گیا۔ جس میں ملتان اور منصورہ کی دو وسیع اور طاقت ور خودمختار اسلامی ریاستیں قائم ہوگئیں۔

یہی وہ زمانہ تھا جس میں علویوں اور شیعوں کے طرفداروں نے عجیب عجیب چالاکیوں اور نئی نئی ترکیبوں سے تمام عالم اسلام میں ایک ہلچل مچا رکھی تھی۔ مصر، افریقہ، شام، عراق، خراسان غرض ہر ملک میں عباسیوں کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان آزاد و خودمختار اسلامی ریاستوں یعنی منصورہ اور ملتان میں ارائیوں کی کافی تعداد پھر سے آباد ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب خلافت عباسیہ کا ڈر باقی نہ رہا تھا۔ اور یہ لوگ مجموعی طور پر مفسدوں کے مقابلہ میں غالب تھے۔ انہوں نے اب کاشت کاری اور زراعت کا کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان دونوں ریاستوں اور خصوصاً منصورہ کی شادابی کو قابل رشک بنا دیا۔

محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا تھا جسے اس وقت تک (یعنی ۳۰۰ھ تک) تقریباً دو سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ارائیوں کی تیسری نسل بڑھ رہی تھی۔ ان کی تعداد کافی ہو چکی تھی۔ اور دوسرے لوگوں میں وہ ارائیوں کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے۔

اسی دوران میں ملتان اور منصورہ کے علاوہ کئی اور چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں سندھ میں معرضِ وجود میں آ چکی تھیں۔ کیونکہ یہ زمانہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ ان نئی ریاستوں کو ان ارائیوں، شامیوں اور عراقیوں کی اولاد نے قائم کیا تھا جو محمد قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ لیکن خلافت بنوامیہ کے ختم ہو جانے پر پُرآشوب حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے پہاڑوں جنگلوں اور ریگستانوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے مگر جب سندھ خلافت عباسیہ کے اقتدار سے آزاد ہو گیا تو ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی حالت سدھارنے کے لئے نہایت اولوالعزمی سے کام لیتے رہے۔ مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ ان دونوں ریاستوں یعنی منصورہ اور ملتان میں عربوں کی وجہ سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ باغات کی کثرت تھی

اور ہر جگہ سبزی اور شادابی نظر آتی تھی۔
سنہ ۳۰۰ھ کے قریب شیعوں اور قرامطیوں کا زور سندھ میں یکایک بڑھ گیا اور ملتان میں ان کا طوطی بولنے لگا مگر منصورہ کی ریاست نے اس اثر کو مطلق قبول نہ کیا، کیونکہ اس میں محمد بن قاسم کی باقیات الصالحات کی نسلیں زوروں پر تھیں۔ بدقسمتی سے ملتان اور منصورہ اور دوسری تمام سندھی ریاستوں کے درمیان مفسدوں کی درپردہ کوششوں سے نا اتفاقی کا طوفان امنڈ آیا اور یہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوگئیں۔ یہ موقع غنیمت جان کر قرامطہ کی ایک زبردست جماعت مکران اور نوشکی کی ریاستوں میں داخل ہوگئی۔ اور وہاں کے بلوچوں اور غارت گر قبائل کو ابھار کر ریاست منصورہ کے مغربی حدود پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے ملتان کی ریاست (جو اب قرامطی ریاست تھی) حملہ آور ہوئی۔ اس طرح منصورہ کے خلاف دوسری اردگرد کی ریاستیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور سب نے مل کر ۳۸۴ھ میں منصورہ کی ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ جس کے بعد سندھ میں اسلامی رعب اور طاقت کا زوال شروع ہوگیا۔ قرامطہ نے منصورہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مسلمان خستہ و خوار ہو کر رہ گئے۔ اس سانحہ عظیم کی وجہ سے اریجائیوں کو پھر سے روپوش ہونا پڑا۔ اور جو اس معرکۂ دل گداز سے بچ رہے وہ ہجرت کر کے دور دراز علاقوں میں پناہ گزین ہوئے۔

یہ سانحہ اس قدر عظیم اور تباہ کن تھا اور اس کے اثرات اتنے دور رس تھے کہ آج تک سندھ میں ان تحریکوں کی یادگاریں مختلف رنگوں کے جھنڈوں کی صورت میں مکانوں قبرستانوں اور استھانوں پر دکھائی دیتی ہیں۔ آپ سندھ کے دیہات کا دورہ کریں تو آپ کو سفید، سیاہ، سرخ، سبز اور دوسرے رنگوں کے جھنڈے مختلف قبرستانوں، امام باڑوں، درختوں اور مکانوں پر لہراتے نظر آئیں گے۔ جن کی چھاؤں میں اکثر حشیشین (بھنگ پینے والے) کے گروہ خرافات بکتے ہوئے ملیں گے۔ ان سے آپ اگر ان جھنڈوں یا بھنگ نوشی کے متعلق دریافت کریں تو وہ سوائے آباؤ اجداد کی تقلید کے کوئی معقول جواب نہیں دیتے۔
اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں پر عرصہ حیات کس طرح تنگ کر دیا گیا ہوگا اور اریجائیوں کو زندگی قائم رکھنے کے لئے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا

چنانچہ اس زمانے کے ارائیں جو سندھ سے ہجرت کر کے کہیں بھی نہیں گئے بلکہ اندرونِ سندھ میں ہی چھپتے چھپاتے رہے تھے، اب تک موجود ہیں مگر ان میں احساس کمتری زیادہ ہے۔ تعلیم کا تقریباً فقدان ہے اور معاشی طور پر بھی پست ہیں۔ لاڑکانہ ضلع کے ایک قدیمی ارائیں مسٹر غلام حیدر ایگریکلچر انسپکٹر ہو کر نو آباد میں آئے تھے۔ جب ان سے اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو ہوئی تو سوائے لاعلمی کے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ یہی حال تھر پارکر ضلع کے ایک قدیمی ارائیں ٹیچر مسٹر گل حسن کا تھا۔

اس ساری تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ارائیوں پر پے در پے مصائب نے انہیں ایک جگہ مستقل طور پر آباد نہ ہونے دیا اور منصورہ وغیرہ کی تباہی کے ساتھ ان کے کارنامے بھی مٹ گئے۔ یہ بالکل فطری امر ہے کہ جس گروپ پر متواتر دو سو سال تک ابتلاء کا دور رہے ان کے کارنامے بھی اسی ابتلاء کی نذر ہو جاتے ہیں اور جب ان کی ریاستیں اور مسکن تک تباہ ہو جائیں تو سرکاری ریکارڈ اور کارناموں کے تذکرے (تحریری ہوں یا زبانی) خود بخود مٹ جائیں گے۔ تاہم ایسے تباہ کن حالات سے دوچار ہونے کے باوجود جو قوم زندہ رہے، بڑھے اور پھولے پھلے وہ یقیناً تحسین کے قابل ہے۔ اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی خاندانی خصوصیات یقیناً ایسی نادر ہوں گی جن کی بدولت وہ صفحہ ہستی پر نہ صرف زندہ رہی بلکہ اس نے دوسری قوموں میں امتیاز بھی قائم رکھا۔

اس دورِ ابتلاء میں اور اس کے بعد ہمارے آباؤ اجداد نے جو شاندار کارنامے سرانجام دیئے ہیں اگرچہ تاریخ کے صفحات ان سے خالی ہیں کیونکہ محمد بن قاسم کے بعد سے لے کر محمد غوری تک کے زمانہ کے متعلق مفصل اور مستند حالات کسی ایک کتاب کی صورت میں نہیں ہیں جس کی نشاندہی کی جائے بلکہ اس مقصد کے لئے مختلف کتابوں، قلمی نسخوں، مخطوطات اور مقامی روایات کے ساتھ ساتھ آثار قدیمہ کا مطالعہ بھی لازمی ہے۔ چونکہ سندھ ہی ہمارا اولین مرکز تھا، یہیں سے ہم لوگ دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً سندھ ہی میں واپس آ کر سکونت بھی اختیار کرتے رہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ مستند اور مکمل معلومات سندھ کے علاقہ سے ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اگر صوفی صاحب نے سندھی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہوتا یا یہاں کے مقامی اور قدیمی

ارائیوں سے معلومات حاصل کی ہوتیں تو اغلب ہے کہ وہ سلیم التواریخ کی بجائے کوئی دوسری تاریخ لکھتے۔ افسوس ہے کہ ہماری برادری کے کسی فرد نے باب الاسلام میں آکر ریسرچ کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس علاقہ اور یہاں کی برادری کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا۔ اور اس پر مزید افسوس یہ ہے کہ یہاں کی برادری نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی ہے۔ ہاں انہوں نے یہ قابل فخر کارنامہ ضرور سرانجام دیا ہے کہ سندھ میں ورود کے بعد سے آج تک اپنے نام کے ساتھ ارائیں لکھا ہے اور خود کو ارائیں کہلوایا ہے۔ گویا اس طرح لفظ ارائیں کی تاریخ انہوں نے محفوظ رکھی ہے اور یہ وہی شرف ہے جو کسی دوسرے علاقہ کے ارائیوں کے حصہ میں نہیں آیا ہے۔ وہ سلیم التواریخ والی تھیوری (THEORY) کے قائل نہیں ہیں بلکہ شام کے علاقہ اریحا سے آنے پر متفق ہیں۔

علاقہ سندھ میں انہوں نے محفوظہ اور منصورہ جیسی سرسبز و شاداب ریاستیں قائم کیں جن کی کھدائی سانگھڑ کے موجودہ ڈپٹی کمشنر نے شروع کرائی ہے اور آثار قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے جب یہ کھدائی مکمل ہو جائے گی تو دیبل کی طرح یہاں کے آثار سے بھی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور نادر معلومات حاصل ہوں گی۔

ضلع لاڑکانہ کے متعلق چوہدری نور محمد ارائیں ریٹائرڈ تحصیلدار ساکنہ چک نمبر ۲۲۔ الف جمڑاؤ ضلع سانگھڑ نے مجھے بتایا تھا کہ ۱۹۲۰ء سے پہلے کے سرکاری کاغذات میں وہاں دیہات کا نام ارائیں ہوتا تھا۔ جیسے دیہہ ۲۲ ارائیں، دیہہ ۲۴ ارائیں وغیرہ وغیرہ پھر جب سکھر بند والی نہریں نکالی گئیں اور ان کے ذریعے آبپاشی شروع ہوئی تو دیہات کے نام بھی نہروں کے نام پر رکھے گئے اور اب تک سارے سندھ میں عموماً نہروں کے نام پر ہی دیہات کا نام رکھا جاتا ہے۔ جیسے جمڑاؤ نہر سے سیراب ہونے والے تمام گاؤں ۲۲ جمڑاؤ، ۲۴ جمڑاؤ وغیرہ کہلاتے ہیں۔ البتہ سکھر سے کوئٹہ جاتے ہوئے راستہ میں ارائیں روڈ کا اسٹیشن ابھی تک اپنا اصلی نام لئے ہوئے موجود ہے۔ واضح رہے کہ چوہدری نور محمد صاحب لاڑکانہ ضلع کے محکمہ مال میں کافی عرصہ تک ملازم رہے ہیں اور مذکورہ کاغذات انہوں نے خود ملاحظہ کئے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ ضلع لاڑکانہ میں ارائیں کس قدر صاحب جاہ تھے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ساہیوال میں میاں عبدالحق صاحب مرحوم ممبر قومی اسمبلی اور رئیس

اور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل ساہیوال نے مجھے بتایا تھا۔ ایک دفعہ سابق گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خاں نے بلوچستان کی ان کاریزوں (وہ زمین دوز ندیاں جن سے پہاڑی علاقوں میں آبپاشی کی جاتی ہے) کا ذکر کیا تھا جو مقامی لوگوں کی روایات اور کتبوں کے مطابق ارائیوں نے بنوائی تھیں کیونکہ ارائیں زمانہ قدیم میں وہاں حکمران تھے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ ارائیں ایک قوم تھی جو یہاں حکومت کرتی رہی ہے اور یہ کاریزیں ان کی بنوائی ہوئی ہیں۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں ان کا اقتدار چھن گیا اور وہ دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔

ادھر ارائیوں کی تیسری بڑی ریاست تھی جو منصورہ اور محفوظہ کی تباہی کے بعد قائم ہوئی اور یہیں سے اٹھ کر انہوں نے محمود غزنوی اور محمد غوری کی افواج کے شانہ بشانہ مختلف تاریخی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔

خدا کی قدرت دیکھئے ارائیوں نے بنجر اور ویران علاقوں کو سرسبز و شاداب بنایا اور جب وہاں سے ہجرت کر گئے تو نہ وہ ریاستیں رہیں اور نہ وہ شادابی باقی رہی بلکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی لاڑکانہ بلوچستان اور منصورہ اور محفوظہ کا علاقہ اس قدر شاداب نہیں ہو سکا، جتنا ارائیوں نے کیا تھا۔ کیا یہ ان کے فن زراعت سے لگن اور محنت و مشقت کا بیّن ثبوت نہیں ہے؟

اس باب کو مکمل کرنے سے پہلے ہم چند الفاظ میں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں تاکہ واقعات کی کڑی گم نہ ہونے پائے۔

سندھ کے اوّلین فاتحین پر کس قدر بلائیں نازل ہوئیں۔ پہلے تو راجہ داہر سے ٹکر لے کر اسلامی حکومت قائم کی، جس کے صلہ میں انہیں وطن واپس جانے سے روک دیا گیا۔ پھر خلافت عباسیہ کے زمانہ میں ان پر مصائب کے طوفان آئے اور انہیں پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ ان کی آئندہ نسلوں نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں آنکھ کھولی تھی کہ الامان۔ منصورہ کی خود مختار ریاست کا قیام پھر ان کے لئے راحت کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی ان کے لئے دوبارہ لامتناہی مصائب کا پیغام لائی۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا اور بنو امیہ کے زمانہ کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز پڑھنا بند کر دیا گیا اور اس کے مینار گرا دیئے گئے۔ مگر محمود غزنوی نے اس فتنہ کو کچل دیا۔ ارائیوں نے اس مہم کو سر کرنے میں محمود غزنوی کی بہت مدد کی اور قرامطہ کے خلاف نہایت جانبازی سے لڑے۔ جب

محمود نے پنجاب کو فتح کر کے اسے غزنی کا صوبہ بنا لیا تو ان اریحائیوں نے دریائے سرسوتی، بیاس اور ستلج کے کنارے کنارے پنجاب کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ کیونکہ اب انہیں مسلسل جنگوں سے نجات مل چکی تھی (یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ لوگ ارائیوں کو غیر لڑاکا قوم کہتے ہیں حالانکہ انہوں نے متواتر دو سو سال تک جنگیں لڑی ہیں اور اس دوران میں انہیں ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا۔ اس قدر طویل جنگوں کے باوجود جن میں دشمن کی تعداد کا شمار ہی نہ تھا، ارائیوں کا وجود آج تک قائم ہے۔ پھر کیا یہ غیر لڑاکا قوم کہلا سکتی ہے) وہ تلاش معاش کے سلسلہ میں زرخیز زمینوں کی تلاش کرتے پھرتے تھے۔ ان میں بیشتر لوگوں کو محمود غزنوی اور محمد غوری کی طرف سے وسیع جاگیریں بھی عطا ہو چکی تھیں۔

اریحائیوں کے قبائل جن کے آباؤ اجداد کو سندھ میں مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے تقریباً سو سال گزر چکے تھے، امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں عرب کم اور ہندی زیادہ ہو چکے تھے۔ اس طویل عرصہ میں انہوں نے ہندی لباس، زبان اور طرز معاشرت کو اپنا لیا تھا اور اب پنجابی لہجہ کے مطابق اریحائی کے بجائے ارائیں کہلاتے تھے۔

پنجاب میں آکر بھی ارائیوں نے اپنی زرعی قابلیت کا اظہار اس طرح کیا کہ دوسری قومیں جو صدیوں سے اس ملک میں رہائش پذیر تھیں۔ انہیں دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ مگر ان کے اس جذبہ اور ذوق کی کسی نے قدر نہ کی حالانکہ زرعی ملک میں زراعت پیشہ لوگوں کو اہمیت دینا ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے لابدی ہے۔ محمد بن قاسم کے ان ساتھیوں کی آئندہ نسلوں نے سیاسی زندگی سے بے تعلق رہنے اور کاشت کاری میں ہمہ تن مصروف ہو جانے کی وجہ سے اپنی سیاسی اور تاریخی حیثیت کو بہت کچھ گھٹا اور مٹا دیا، جس کے نتیجہ میں آج وہ اپنی انفرادیت تو قائم رکھے ہوئے ہیں اور تفوق سے کسی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔

فن زراعت میں ہماری برادری مشترکہ ہندوستان میں عموماً اور شمالی ہند میں خصوصیت سے بڑی محنتی اور ماہر زراعت سمجھی گئی ہے پنجاب کے ہر بڑے شہر کے میل ہا میل گرداگرد زمین کی سرسبزی ہماری برادری کی صدیوں تک رہین منت رہی۔ مغل شہنشاہوں نے بھی ملک کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ ارائیوں سے کام لیا۔ شہنشاہ شاہجہان نے جب نئی دلّی کی

بنیاد رکھی تو سب سے پہلے پنجاب سے ارائیوں کو بلا کر دہلی کے ان اطراف میں آباد کیا جہاں زراعت ہو سکتی تھی۔ دہلی شہر کے گرد و نواح کی سبزی انہی کی بدولت حیرت انگیز مناظر دکھاتی رہی۔ عظیم الشان دہلی شہر مرکزی فوج اور قلعہ میں شہنشاہ کے بے شمار آدمیوں کے لئے موسم بے موسم پھل اور عمدہ اناج انہی کی زراعت کی بدولت میسر آتا رہا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جسے غیر ملکی لوگ غدر کہتے ہیں، دہلی کی برادری کے بہت سے دیہات ضبط ہوئے اور ان پر انگریز کا خصوصیت سے عتاب نازل ہوا لیکن اس ہنگامے کے بعد دہلی میں انہوں نے پھر اپنے قدم جما لیے۔ وہاں کی باہمت برادری اپنی زراعت کو پھر اسی معیار پر لے آئی۔ تقریباً نوے سال بعد یعنی ۱۹۴۷ء میں سب سے پہلے دہلی کی سبزی منڈی اور ہماری برادری کے محلوں پر حملے ہوئے۔ دہلی کی بہادر ارائیں برادری نے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ پھر فوج مدّمقابل ہوئی اور ان پر بے تحاشا گولیوں کی بارش کی گئی۔ جب جا کر یہ وہاں سے بے سر و سامان نکلے اور پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔

مغل دور میں تمام شاہی باغات حتیٰ کہ لاہور میں مغلوں کا مشہور شالامار باغ ہماری برادری نے لگائے یہی ان کی غور و پرداخت صدیوں کرتے رہے جو آج تک باغبان پورہ برادری کے ایک سرکردہ گھرانے کی تحویل میں نسلاً بعد نسلاً چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح لاہور شہر کے اردگرد خصوصیت سے دریائے راوی کے کنارے میلوں میل تک برادری کی مسلسل آبادیاں آج بھی اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ یہاں کی سرسبزی مدتِ مدید سے انہی کی رہین منت چلی آ رہی ہے۔

انگریزی دور میں بھی ارائیں بہترین کاشت کار اور زراعت کے ماہر تسلیم کئے گئے۔ اسی لئے ہر نئی آبادی مثلاً ضلع لائل پور، ضلع منٹگمری وغیرہ کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ عام طور پر ارائیوں کو آباد کرنا ضروری سمجھا گیا۔ جنہوں نے بنجر علاقوں کو گل و گلزار بنا دیا۔ پاکستان بننے پر زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ میں کوئی تمیز نہ رہی۔ جنہیں زراعت کے پیشہ سے بحیثیت پیشہ براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ انہیں شہروں کے گرد غیر مسلم زمینوں پر آباد کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے شہروں میں سبزی نایاب اور گراں ہو گئی۔

یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ سبزی، ترکاری اور اعلیٰ درجے کی کاشت کاری ایک

ایسا فن ہے جو برسوں کی مہارت اور سال ہا سال کے عملی تجربے کے بعد حاصل ہوتا ہے ہر کاشت کار اسے نہیں سمجھ سکتا نیز ہوشمندی کے ساتھ اس میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے

ہماری ہمسایہ قومیں

ہم اس موضوع پر چند تاریخی حوالے بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی خاص قوم قبیلہ یا خاندان کی قدر خدا کے ہاں ہرگز نہیں، وہاں تو اعمال صالحہ کی ضرورت ہے پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

ع ذات نہ پوچھو سادھ کی پوچھو من کا گیان مول کرو تلوار کا پڑا رہنے دو میان

ہم اپنی ہمسایہ قوموں سے مراد ہندی نژاد قومیں یعنی جاٹ، راجپوت، کمبوہ وغیرہ لیتے ہیں جن کے متعلق مسٹر کے۔ ایم پانیکار ایم۔ اے اپنی کتاب تاریخ ہند قدیم میں لکھتے ہیں

آٹھویں اور نویں صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں راجپوت قوم کا ستارہ چمکا۔ راجپوتوں کا نسب اور ان کی قومیت تاریخ ہند کا لاانحل مسئلہ ہے اور ان کی اصل ابھی تک سربستہ راز بنی ہوئی ہے۔ غالباً زیادہ تر راجپوت قوم مغول یعنی تاتاری فاتحین کی نسل سے ہے۔ قوم کش بھی مرور ایام سے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب اختیار کر کے آریہ ورت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بعد میں آنے والے تاتاری قبائل بھی جنہوں نے دولتِ گپتا کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور علاقہ پنجاب میں زبردست حکومت قائم کر لی تھی آریہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ یہ تاتاری قبائل آریہ مذہب میں داخل ہو کر راجپوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ راجپوت روایات کے مطابق یہ قوم اگنی کولا یعنی آگ کی نسل سے پیدا ہوئی ہے۔ پرمر، پرہار، چوہان، سولنگی چار مشہور راجپوت ذاتوں کا سلسلۂ نسب آگ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ شاید آگ سے پاک ہونا مراد ہے۔ پاک کرنے کی رسم راجپوتوں کو ہندو مت میں داخل کرتے وقت ادا کی گئی تھی۔ ان ذاتوں کے علاوہ کچھ ایسی ذاتیں بھی راجپوت قوم میں شامل ہو گئی ہیں جو نسلاً ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور کی عام

طوائف الملوکی اور بے ربطی سے فائدہ اٹھا کر یہ ذاتیں ذی اثر اور ذی اقتدار ہو گئیں اور سیاسی اقتدار نے انہیں راجپوت بنا دیا۔ چنڈیل، گڑھ ویر اور رہتور راجپوت اسی شاخ سے ہیں یہ تینوں جنوبی راجپوتوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے۔،،

واضح رہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت اگرچہ راجپوتوں کے عروج کا زمانہ تھا مگر انہوں نے ہر میدان میں عربوں سے شکست کھائی اور راجہ داہر اور پنجاب کے دوسرے راجہ جو راجپوت تھے بری طرح مغلوب ہو گئے۔

اب ایک دوسرا اقتباس لالہ لاجپت رائے کی کتاب "تاریخ ہند" حصہ اول سے نقل کیا جاتا ہے۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ ہندو سوسائٹی کی ورن ووستھا میں بہت سے ایسے آدمی شامل ہیں جو خالص آریہ نسل سے نہیں ہیں اور جن کو ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا معزز ممبر بنا لیا۔ اسی طریقہ سے انہوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں گونڈ، بھیل وغیرہ سے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت قدیم زمانے سے جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔

ہندو سماج میں نئی جاتیاں روز بروز بنتی ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے کہ بعض کو اونچا ورن اور بعض کو نیچا ورن کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ امر بھی تاریخی طور پر ثابت شدہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شاک اور یوچی قوم کے بہت سے آدمی جو کہ ترکمانی نسل سے تھے، سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں اس ملک میں آئے اور ہندو سوسائٹی میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ یورپین محقق اقوام جاٹ، آہیر اور گوجروں کو بھی ان ہی قبیلہ جات میں گنتے ہیں۔ لیکن یہ بحث بہت حد تک فضول ہے — راجپوتوں، جاٹوں، گوجروں، آہیروں کو ہندو سماج اپنا رکن سمجھتی ہے اور یہ امر کہ وہ کب اور کس طرح ہندو سوسائٹی میں داخل ہوئے بالکل غیر متعلق ہے اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح بیسیوں خاندان برہمنوں

کے اصلی آریہ نسل سے نہیں ہیں بلکہ مخلوط ہیں۔ اسی طرح موجودہ راجپوت بھی ہو سکتے ہیں۔،،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لالہ لاجپت رائے بھی راجپوتوں کو منوجی کی تقسیم ذات کے اصول کے مطابق برہمنوں کی ترتیب دادہ نئی قوم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے اور ان کا مغول وتاتار یا غیر آریا مثلاً گونڈ اور بھیل ہونا بھی مانتے ہیں۔

اب ایک اقتباس مورّخ اسلام اکبر شاہ خاں کی کتاب "آئینۂ حقیقت نما" سے ملاحظہ فرمایئے۔

"جب ہندوستان میں بُدھوں کی حکومت اور سلطنت کمزور ہو کر رہ گئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تو برہمنوں نے بُدھوں کی حکومت کے ضعف اور اختلال سے فائدہ اٹھانے اور منوجی کے عہد کے برہمنی اقتدار کو پھر واپس لانے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی کامیابی کا انحصار چونکہ بہت کچھ جنگی طاقت پر بھی منحصر تھا۔ منوجی کی تقسیم کے مطابق چھتری (کشتری) لوگ طاقت کے وارث اور جنگی کارناموں کے لئے مخصوص تھے اور برہمن، چھتری، دلیش اور شودر کی تقسیم بالکل آبادی اور مذہب کی تقسیم کے مطابق تھی۔ چھتریوں کی نسل کو چونکہ پرس رام تخم سوختہ کر چکا تھا لہذا برہمنوں نے اب بدھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کے لئے ایک نئی جنگی قوم تیار کر کے اس سے وہ کام لیا جو چھتریوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ نئی قوم مغلوں اور تاتاریوں کے جنگجو قبائل اور غیر آریوں یعنی شودروں کے ذی حوصلہ اور بہادر لوگوں کو اپنا ہمدرد اور ہوا خواہ بنا کر تیار کی گئی اور ان کو راجپوتوں کا خطاب دیا گیا۔ یہ مغول تاتار اور غیر آریہ یقیناً وہ لوگ تھے جو ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا پیشہ رکھتے تھے۔ ان کو برہمنوں نے اپنی سازش میں شریک کر کے باقاعدہ طور پر اپنی قوم اور مذہب کا ایک رکن بنا لیا۔"

یہ ہے راجپوت، جاٹ، کمبوہ، گوجر اور آہیر وغیرہ قوموں کا تاریخی پس منظر جنہیں عربوں نے سال ہا سال تک سندھ کے ہر میدان میں شکستیں دے کر اسلامی حکومت قائم کی۔

ارائیوں کی چند خصوصیات

ہر قوم میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں اور یہ خصوصیات صدیاں گزرنے پر بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتی ہیں۔ ہم ذیل میں چند ایسے خصائص درج کرتے ہیں جو ارائیوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

۱۔ محنتی، نیک چلن اور دیندار اس قوم کے لوگوں کی یہ خاص صفتیں ہیں۔ وہ حلال روزی پیدا کرتے ہیں، چوری، ڈاکہ زنی، ٹھگی وغیرہ ان کا پیشہ نہیں ہے۔ کاشتکاری میں ایسی محنت کرتے ہیں کہ ایک کنال زمین سے پورا قبیلہ پالتے ہیں۔ تجارت اور ملازمت میں نہایت کامیاب ہوتے ہیں۔

گزیٹیر لاہور ۸۴-۱۸۸۳ء میں لکھا ہے کہ ارائیں مزارعین کی بڑی تلاش اور خواہش کی جاتی ہے۔ یہ لوگ بڑے امن پسند، صلح جو اور مسکین مزاج ہوتے ہیں۔

گزیٹیر لدھیانہ ۸۹-۱۸۸۸ء میں لکھا ہے کہ ارائیں امن پسند اور صلح کار ہوتے ہیں۔

مردم شماری رپورٹ پنجاب ۱۸۸۱ء ۱۸۸۲ء میں لکھا ہے۔ یہ لوگ قابل تعریف کاشتکار ہنر مند اور محنتی ہوتے ہیں۔

ان کی دینداری کا بڑا ثبوت ان کا مختلف مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا ہے چنانچہ احرار، جماعت اسلامی اور تحریک مجاہدین میں بیشتر یہی لوگ تھے۔

سندھ کے قدیم ارائیں اور بھٹے اور پنجابی آبادکار ارائیں اپنی دینداری، شرافت اور محنت کی وجہ سے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے کھیت تو دوسری قوموں کے لئے نمائشی پلاٹ کا کام دیتے ہیں۔

۲۔ مقدمہ بازی سے احتراز اگرچہ یہ لعنت اس قوم میں بھی کسی حد تک موجود ہے مگر دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم اپنی ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں تو ارائیں مقدمہ باز کہلانے کے مستحق ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں زیادہ تر فیصلے پنچائتی ہوتے ہیں اور عموماً خاندان کا بڑا بوڑھا ہی جج ہوتا ہے۔

۳۔ نسب کی حفاظت

یہ لوگ اپنی بیٹیاں غیر کفو کو ہرگز نہیں دیتے اور عربوں کا یہ خاصہ انہیں دنیا بھر میں ممتاز رکھتا تھا۔ ارائیں اپنی لڑکیوں کا پیسہ نہیں لیتے۔ اگر کوئی اکا دکا ایسا ظالم ہو بھی تو اس کی وجہ سے قوم کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے دوسری قومیں اعلانیہ یا خفیہ لڑکیوں کی سودا بازی کرتی ہیں۔ اور اکثر معقول رقمیں نہ مل سکنے کی وجہ سے رشتے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔ حالانکہ اسلام میں یہ سودے بازی قطعاً حرام ہے۔ گزٹیر لاہور ۸۴-۱۸۸۳ء صفحہ ۶۸ پر لکھا ہے۔ رسم و رواج میں بڑا فرق یہ ہے کہ ارائیں اپنی لڑکیوں کے عوض روپیہ نہیں لیتے اور کمبوہ لیتے ہیں۔

ارائیں دوسری قوموں سے رشتہ ناطہ اس لئے نہیں کرتے کہ یہ غیر کفو ہیں۔ اس لئے عربوں کی مانند ان میں نسب کی حفاظت اب تک موجود ہے۔ یہی ان کے نجیب الطرفین ہونے کی نشانی ہے۔

۴۔ خوش خلقی اور کفایت شعاری

دوسری قوموں کے لوگ اگرچہ جائداد میں ان سے بڑھ کر بھی ہوتے ہیں۔ مگر فضول خرچی کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے ہیں۔ ارائیں متواضع، مہمان نواز اور مسافر پرور ہوتے ہیں۔ تکبر اور غرور ان میں نام کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ دوسری قومیں رعونت میں ان سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہیں بلکہ مثل مشہور ہے کہ اگر وہ بھوکے بھی ہوں گے تو بدمزاجی اور تکبر کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ حالانکہ اسلام میں تکبر اور بدمزاجی دونوں سخت ناپسندیدہ گناہ ہیں اور دولت پر ناز کرنے والے کو یاد رکھنا چاہیئے۔

دھن دولت دا مان نہ کریئے مایہ کاگ ہنیرے دا

پل وچہ آوے چھن وچہ جاوے سیر کرے چوفیرے دا

ہمارا دل چاہتا ہے کہ پنجابی کے بے شمار مقولے، کبت اور دوہے لکھے جائیں جس سے دوسروں کے کردار پر روشنی پڑے۔ مگر ان کی دل آزاری کی وجہ سے اس ارادے کو ترک کرنا پڑا۔ صرف یہ دوہا:

دھن[1] گائیں رعیت ارائیں

---

[1] دھن (ہندی) بمعنی مال و دولت

یہ ثابت کرنے کے لیئے کافی ہوگا کہ جس طرح گائے بہترین سرمایہ زمینداری ہے اسی طرح قوم ارائیں بہترین امن پسند آبادی ہے۔

۵۔ کسب حلال

ہماری قوم کے لوگوں میں بھکاری بالکل نہیں ہوتے۔ یہ مرجائیں گے مگر بھیک نہیں مانگیں گے۔ حالانکہ دوسری اقوام میں یہ بیماری کسی نہ کسی روپ میں موجود ہے۔ مراسی، راول، بھرائی، جوگی اور ٹھگ وغیرہ تو ہر جگہ اسی گداگری اور حرام خوری کی وجہ سے بدنام ہیں۔

آج کل تو بعض نقلی سیّد زادوں نے بھی جمالی اور جلالی فقیروں کے رُوپ میں ٹھگی کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ اگر ہم ماضی قریب کی تاریخ ہند کا مطالعہ کریں تو ۱۸۵۴ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ کے زمانہ میں ٹھگوں کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے پورے ہندوستان میں لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ اور بڑی مشکلات کے بعد اس کا انسداد ہوا تھا۔ ہم ہنری برٹین کی رپورٹ "ٹھگی وڈکیتی پنجاب ۱۸۵۴ء" میں سے ان ظالموں کی فہرست پیش کرتے ہیں جنہوں نے ٹھگی اور رہزنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ ان اعداد و شمار کو بغور دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ ہماری قوم کے افراد کسب حلال کے سوا حرام کمائی کی طرف کبھی دھیان تک نہیں کرتے۔

مسلمانوں میں سے:

کشمیری (۳)، جولاہا (۱۱)، ماچھی (۱)، پٹھان (۲۹)، تیلی (۱)، موچی (۱)، لوہار (۱)، راجپوت (۵)، جٹ (۱)، میراسی (۱)، فقیر (۱)، کنجر (۱)۔ کل ۵۲

ہندوؤں میں سے

برہمن (۷)، کھتری (۳)، کلال (۳)، جٹ (۷۳)، بھاٹ (۱) حجام (۱)، سبوڑہ (۳)، بتوال (۱)، زرگر (۲)، بادریہ (۱)، کہار (۱) ہارنی (۱)۔ کل ۱۰۱

رذیل اقوام میں سے:

مذہبی سکھ (۲۶۹)، چوہڑے (۶۹)، ساہنسی (۲۱)، چمار (۴)۔ کل ۳۹۸

میزان کل: ۵۵۱

یہ گرفتار ہو کر سزایاب ہونے والے لوگوں کے اعداد و شمار ہیں، ان کو پڑھ کر ہمیں مسرت ہوتی ہے۔

کہ ہماری قوم کا ایک آدمی بھی اس ملعون پیشہ سے وابستہ نہیں تھا۔ آجکل بھی چوری اور رہزنی کے جتنے واقعات ہوتے ہیں ان میں کہیں شاذ و نادر ہی ارائیں قوم کا کوئی فرد ہوگا۔ ورنہ سب دوسری اقوام کے فرد ہوتے ہیں۔

رہزنی، چوری، ٹھگی، گداگری، دھوکا بازی وغیرہ کوئی قابلِ فخر کام نہیں ہیں اور نہ ہی بہادری کا مظہر ہیں بلکہ انتہائی خباثت اور رذالت اور کمینہ پن کا ثبوت ملیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگ سخت مبغوض ہوتے ہیں حکومت بھی انکی سرکوبی کرنے میں ہر وقت مشغول رہتی ہے۔ پھر اگر دوسری قومیں ان پیشوں کو اختیار کر کے فخر کریں تو ہمیں ان کے ذوق پر بیحد افسوس ہوگا۔ کیونکہ ہم تو رزق حلال کو ہی اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں خواہ کتنے ہی غریب کیوں نہ رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری قوم میں بٹیر باز، مرغ باز، آوارہ غنڈے، شہدے، شرابی اور بدکار لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر اولوالعزمی اور بہادری کا مطلب چوری، ڈاکہ زنی اور ٹھگی ہے تو ارائیں واقعی اولوالعزم نہیں ہیں۔ اور اگر شرافت، نجابت، بلند حوصلگی اور اجتماعی ارتقا بھی اولوالعزمی کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں تو پھر دور کی بات چھوڑیئے پاکستان بننے کے بعد بھی ارائیوں نے جس اولوالعزمی کا ثبوت دیا ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اور اگر پاکستان جیسے زرعی ملک میں کوئی انہیں سبزی اُگانے والے یا زراعت کرنے والے کہہ کر اپنی سمجھ میں ان کی توہین کرنا چاہتا ہے تو بے شک کرتا رہے، کیونکہ یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو آنکھ کا اندھا ہو اور دنیا بھر کی غذائی حالت سے ناواقف ہو

۶۔ عربی النسل ہونا

ارائیں وہ عربی مہاجرین ہیں جو عرب سے سندھ میں لوٹ مار کی غرض سے نہیں آئے تھے، بلکہ اسلام کی سربلندی اور قوم کے ناموس کی خاطر انہوں نے تلوار اٹھائی تھی۔ وہ سرزمین سندھ میں اسلام کے اولین فاتح اور مبلغ تھے، اور وہ شام کی اس سرزمین سے اٹھ کر آئے تھے جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۔

(اور ہم اسے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوطؑ علیہ السلام کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکالے گئے۔ جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔)

اس کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۱۶۹ پر لکھتے ہیں:

"یعنی شام اور فلسطین کی سرزمین۔ اس کی برکتیں مادی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ مادی حیثیت سے وہ دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ہے اور روحانی حیثیت سے۔ وہ دو ہزار برس تک انبیاء علیہم السلام کا مہبط رہی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے خطہ میں اتنی کثرت سے انبیاء کرام مبعوث نہیں ہوئے۔"


مہاجرین، مبلغین اور مجاہدین کی قدر تاریخ اسلام سے پوچھئے۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں ڈھونڈیئے۔ ارائیں ان فضیلتوں پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ بشرطیکہ خود بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ انہیں شامی کہلانے میں فرحت محسوس کرنی چاہیئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا "میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں کہ جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک وہ لشکر جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا۔"

ہندوستان پر حملہ کرنے والے لشکر کے سپاہی ہمارے ہی آباؤ اجداد تو تھے۔ کیا یہ فضیلت کچھ کم ہے۔

تدریجی نقل مکانی

گزشتہ ابواب میں آپ نے ارائیوں کا عربی النسل ہونا پڑھ لیا ہے اور امید ہے کہ اس وقت تک جن غلط فہمیوں میں آپ مبتلا تھے وہ بھی دور ہو چکی ہوں گی۔ اور آپ ارائیں کہلانے پر فخر محسوس کرنے لگے ہوں گے۔ کیونکہ جب حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اپنے نسب کا پتہ چل جاتا ہے تو تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے اسلام کی خدمت کی ہے، اسی طرح ہم اور ہماری نسلیں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ کیونکہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے) لہٰذا اس کرۂ ارض پر کھیتی باڑی کرنے کو ہی مقصد حیات نہ سمجھ لیں بلکہ عاقبت کے لئے زادِ راہ حاصل کرنے کو اپنا منتہائے زندگی بنائیں اور یہ زادِ راہ اللہ اور اس کے محبوب کے بتائے ہوئے طریقہ پر زندگی گزارنے سے حاصل ہو


ارائیوں کی آمد
اور تدریجی نقلِ مکانی کا نقشہ
وہ راستہ جو ارائیوں کی نقلِ مکانی کو ظاہر کرتا ہے۔
مختلف وقتوں میں ہجرت
ایران
افغانستان
عراق
سعودی عرب
یمن
مدینہ
مکہ
مصر
شیراز
مکران
بلوچستان
دریائے سندھ
منصورہ
کراچی
دیبل
حیدرآباد
سانگھڑ
ملتان
بہاولپور
راجستھان
فیروزپور
دریائے ستلج
جالندھر
امرتسر
لاہور
گورداسپور
گوجرانوالہ
سیالکوٹ
پٹیالہ
فتح آباد
دریائے گھگر
ہانسی
حصار
روہتک
دہلی
پیلی بھیت
بریلی
ریاست سرمور
نوہر
بھٹنڈہ
بحیرہ روم
بلاد دوم
بیت المقدس

سکتا ہے۔ یاد رکھیئے اسلام ایک ضابطہ حیات ہے جس سے زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔

ارائیوں کے سندھ میں ورود کے بعد ان پر کیا گزری؟ اس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم آپ کو پھر سے بارہ سو سال پیچھے کی ایک جھلک دکھانا چاہتے ہیں تاکہ اپنے آباؤ اجداد کو زندگی کی تگ و دو میں حصہ لیتے اور انقلابات کی وجہ سے نقل مکانی کرتے ہوئے دیکھ سکیں۔

ذیل میں ہم مختلف گزٹیروں اور روایات سے ان کی نقل مکانی کا حال درج کرتے ہیں اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ شاہان غزنوی، غوری، تغلق، مغلیہ اور انگریز کے زمانہ میں ان کی سیاسی اور معاشی زندگی کا کچھ تذکرہ کریں گے۔

۱۔ تاریخ پنجاب مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری میں لکھا ہے کہ پہلے ارائیں اُچہ کے علاقہ میں رہتے تھے آخر پنجاب کی طرف چلے آئے اور اس قدر پھیلے کہ کوئی شہر و قصبہ ان سے خالی نہ رہا۔ ان میں کاشت کار بہت ہیں۔

۲۔ گزٹیر حصار ۱۸۹۲ء میں لکھا ہے۔ سرسہ کے ارائیوں کا بیان ہے کہ وہ ۱۷۸۵ء تک وادی گھگر پر (بھٹیر سے ٹوہانہ تک جو تحصیل فتح آباد میں ہے) قابض رہے۔ پھر بھٹی راجپوتوں کے لوٹ مار اور قحط سالی کے پے در پے حملوں نے قبضہ اراضی کو متزلزل کر دیا آخر ۱۷۹۳ء کو شدید قحط سالی کی وجہ سے منتشر ہو گئے۔ اور کثیر تعداد میں جالندھر، ہوشیار پور، بریلی، پیلی بھیت اور رام پور چلے گئے۔

۳۔ گزٹیر منٹگمری ۸۴-۱۸۸۳ء میں درج ہے: اغلب ہے کہ ارائیں مغرب سے آئے ہیں۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ سہارن پور کے ارائیں افغانستان سے ۱۶۵۰ء کے قریب آئے۔

۴۔ گزٹیر لودھیانہ ۸۹-۱۸۸۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع کے ارائیں ستلج سے از طرف ملتان آئے۔ اغلب ہے کہ یہ لوگ ستلج سے آئے ہوں کیونکہ اس دریا کے کنارے کنارے لاہور اور فیروز پور کی نشیبی زمینوں اور لدھیانہ کے نصف ضلع تک ان کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ گزٹیر جالندھر ۸۴-۱۸۸۳ء میں لکھا ہے: ارائیں سرسہ سے آکر آباد ہوئے۔

۶۔ خلاصہ رپورٹ مردم شماری ۸۴-۱۸۸۳ء میں ہے کہ۔

(ا) معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں اصلی پنجابی قوم ہے جو ملتان کے قرب وجوار سے آئی ہے۔
(ب) بہ سر صاحب لکھتے ہیں: مجھے دریافت ہوا ہے کہ فیروزپور اور لاہور کے ارائیں بھی اپنی اصل کو اچہ یا ملتان بتاتے ہیں۔
(ج) ولسن صاحب کا کہنا ہے کہ فیروزپور، لدھیانہ، انبالہ اور حصار کے ارائیں اپنی اصل کا اچہ یا اس کے گردونواح سے پتہ لگاتے ہیں۔
(د) بارکلی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے اصل وطن کی وسعت ہانسی، حصار، سرسہ سے ملتان تک بیان کی جاتی ہے اور جالندھری ارائیں حصار کی طرف سے آئے ہوئے ہیں۔

۷۔ ڈینیل امبسٹن مہتمم مردم شماری ۱۸۸۱ء میں لکھتے ہیں کہ ارائیں اصل میں جنوبی سندھ سے آئے اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں پر پھیل گئے۔ شروعات میں ان کے ایک حصہ نے دریائے گھگر (سرسوتی) کے اوپر کی طرف حرکت کی جو اس زمانہ میں دائمی دریا تھا۔ اوائل اٹھارھویں صدی میں ایک زلزلہ کے نتیجہ میں جب یہ دریا چند معاونین سے محروم ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ دریا خشک ہو گیا تو انہوں نے اضلاع جمنا اور پنجاب کے علاقہ اور ستلج میں پیشقدمی کی۔

دریائے سرسوتی

جب تک اس دریا پر تفصیلی روشنی نہ ڈالی جائے گی نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی نہ ہوگی۔ لہذا اس دریا کا کچھ حال پیش خدمت ہے اس دریا کو گھاگھر، ہاکڑا، وہند اور سرسوتی مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وادی سندھ کے اس گمشدہ دریا کے بارے میں مورخین کی رائے یہ ہے کہ یہ اٹھارھویں صدی تک سابق ریاست بہاول پور میں بہتا رہا اور آج جہاں وسیع ریگستان ہے۔ وہ علاقہ اس دریا کی گزرگاہ کے قریب ہونے کی وجہ سے نہایت سرسبز اور شاداب خطہ تھا۔ آج جہاں ریت کے تودے اور مٹی کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں وہ کسی زمانہ میں لہلہاتے کھیت تھے۔

انیشنٹ ہسٹری آف انڈیا (ANCIENT HISTORY OF INDIA) میں لکھا ہے کہ وہ وسیع صحرا جو راجپوتانہ اور سندھ کے بہت بڑے علاقے پر محیط ہے، پرانے زمانے میں نہایت زرخیز تھا۔ اس وقت دریائے ہاکڑہ یا وہند (دریائے گھاگھرا) کے نام پر ریاست بہاول پور میں سے گزرتا تھا اور اپنی مختلف سمتوں کو پھوٹتی ہوئی نہروں سے اس وسیع علاقہ کو سیراب کرتا تھا۔

اسلامی عہد میں یہ دریا سندھ اور ہند کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتا تھا یہ دریا اٹھارھویں صدی میں بالکل غائب ہو گیا۔ لیکن اس کی قدیم گزرگاہ اور اس کے آس پاس تباہ شدہ شہروں کے کھنڈر آج بھی اس علاقہ کی سرسبزی اور ان لوگوں کی خوشحالی کا ثبوت ہیں۔ ٹاڈ (TAD) نے بھی اس نظریہ کی تائید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"تاریخی روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ علاقے جو ویران اور بنجر ہو چکے ہیں اور وسیع ریگستان بن گئے ہیں، دریائے ہاکڑا کے خشک ہو جانے کے باعث ان پر یہ آفت نازل ہوئی تھی۔ پانی کی نایابی کی وجہ سے یہ دریا خشک ہو گیا۔ اوچ کے اطراف میں بہت سی بستیاں آج بھی موجود ہیں۔ جو اوچ کی طرح اس قدیم دریا کے کنارے آباد ہیں اور جن کی قدامت اوچ سے کسی طور پر کم نہیں۔ قلعہ ڈیرا اور قلعہ مروٹ پتن منارا، بجھنہ واہن اور اسی طرح کی کئی قدیم بستیاں آج بھی بہاول پور میں موجود ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جتنے پیچ و خم اور جیسا طویل راستہ اس دریا کے حصہ میں آیا ہے اور جس قدر دشوار گزار اس کی گزرگاہ ہے شاید ہی کسی دوسرے دریا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ پرانے تذکروں میں اسے نظر نہ آنے والا دریا (Unseen River) بھی کہا گیا ہے یہ ریاست سرمور (مشرقی پنجاب انڈیا) کی پہاڑیوں میں ضلع انبالہ کے مقام تردھ بدری کے پاس سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تھانیسر اور کوروکشیتر کے پاس سے ہوتا ہوا ضلع کرنال اور پھر ضلع سرسہ میں گھگھر سے مل جاتا ہے۔ وہاں سے اس کو دریائے سرسوتی کے نام سے پکارتے ہیں۔ پھر یہ راجپوتانہ سے گزرتا ہوا پنجند سے تھوڑا آگے جا کر دریائے سندھ سے مل جاتا ہے۔ اس کی گزرگاہ کے نشان آج بھی سیر گڑھ ریاست بہاول پور میں ملتے ہیں۔ یہ دریا ہندوؤں کی کتابوں میں بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے اور زیادہ آبادی اس کے کنارے تھی۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں اس علاقے کی زرخیزی کا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا علاقہ آباد اور شاداب نہیں ہے۔ تاریخ فیروز شاہی میں بھی اس علاقہ کی سرسبزی اور شادابی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس زمانہ میں علاقہ سرسہ یعنی بہونہ اور قلعہ بھٹنر کے درمیان ارائیوں کے ۳۶۰ دیہات تھے جن میں بارہ ارائیاں بہت مشہور تھا۔ یہ لوگ ریگستانہ ٹھاٹ کے مالک تھے۔ پھر قحط سالی اور دریا

کے خشک ہو جانے کی وجہ سے یہ گاؤں تباہ و برباد ہو گئے اور کچھ لوگ جالندھر، ہوشیار پور، لدھیانہ بریلی اور پیلی بھیت کی طرف چلے گئے اور کچھ ستلج کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہو گئے۔

اب ہم شاہانِ ہند کے مختلف ادوار میں ارائیوں کی نقل مکانی کا حال سلسلہ وار بیان کرتے ہیں۔

۱۔ محمد بن قاسم

ارائیں اس کے ساتھ سندھ میں آئے۔ سندھ کو فتح کیا اور یہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ دو سو سال تک بڑے بڑے انقلابات کا شکار ہوتے رہے۔ کبھی بنجر زمینوں میں گل و گلزار کھلائے۔ کبھی لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو چھوڑ کر تلواروں کے جوہر دکھائے۔ کبھی ملتان، اچہ اور منصورہ کی ریاستیں آباد کیں اور کبھی ریگستانوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش رہے۔

۲۔ محمود غزنوی

قرامطہ کی سرکوبی اور کفر کے استیصال کے لئے ارائیں محمود غزنوی کے شانہ بشانہ لڑے کیونکہ قرامطہ کے ہاتھوں انہوں نے بہت مصائب برداشت کئے تھے اور اب انتقام لینے کی خاطر سب سے پہلے انہوں نے ہی محمود غزنوی کا ساتھ دیا۔ انہوں نے ملتان کی فتح میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ سومنات کی تسخیر میں جانثاری دکھائی۔ تاریخ الفنسٹن صفحہ ۵ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۷ کے بموجب نکالے ہوئے عربوں میں سے تھوڑے لوگ افغانستان میں آباد ہوئے۔ یہ ۴۰۱ھ یعنی ۱۰۱۰ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ محمود غزنوی ابو الفتح حاکم ملتان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی نوازشات سے متاثر ہو کر ارائیوں کا ایک قبیلہ اس کے ساتھ ہی افغانستان چلا گیا۔ کیونکہ خود سلطان بھی انکی جانثاریوں سے بہت خوش تھا۔ اس کنبہ کا ایک فرد زبیر ارجائی خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔ جس نے تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۰ کے مطابق بابر بادشاہ کے عہد میں کاشغر کی فتوحات میں بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور جسے جان مرزا کو کلتاش کے ایک جانثار نوکر یوسف کوکلتاش نے ایک معرکہ میں رات کے وقت ستر جوانمردوں کی مدد سے گھیر لیا تھا مگر وہ تنہا ہونے کے باوجود وہ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

یہ کنبہ پھر ۱۶۵۰ء (جہانگیر کے عہدِ حکومت) میں واپس پنجاب آگیا اور وہاں سے سہارنپور میں جا کر آباد ہو گیا۔ غالباً اسی کنبہ کے متعلق گزیٹیر منٹگمری ۸۴-۱۸۸۳ء میں حوالہ دیا گیا ہے۔ جناب

عطا محمد ارائیں کرمشانی میانوالی کا بیان ہے کہ سابق صوبہ سرحد یعنی ڈیرہ اسماعیل خاں، بنوں، کوہاٹ مردان اور پشاور میں ارائیں برادری کی کافی آبادی ہے اور خصوصاً مردان اور پشاور کے ارائیں تو وہاں کے برسر اقتدار طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ تاہم اجتماعی لحاظ سے سابق سرحد کے ارائیں باقی قبیلوں سے پس ماندہ ہیں۔ آبادی کے تناسب کا اندازہ صرف آپ ضلع بنوں کی آبادی ہی سے لگائیں جہاں پر بنوں خاص میں تقریباً ۱۰۰ گھر، سرائے نورنگ نزدیک بنوں میں اندازاً ۵۰ گھر لکی مروت میں ۴۰۰ گھر۔ لکی مروت کے شمال کی طرف کے پہاڑ کے دامن میں ہر چند میل کے فاصلہ پر سلسلہ وار ایک نہ ایک آبادی اور اسی طرح ضلع کی تمام تر آبادیوں میں پندرہ بیس گھر ارائیں برادری کے آباد ہیں اور یہی حالت ڈیرہ غازی خاں کی ہے، لیکن مردان اور پشاور کے اضلاع میں زیادہ ارائیں آباد ہیں اور تقریباً صاحب جائیداد ہیں

افغانستان میں تو قوم ارائیں کو ایک زبردست دلیر، برسر اقتدار اور سردار قبیلہ مانا جاتا ہے اور کثرت آبادی کے لحاظ سے بھی سر فہرست نہیں تو دوسرے نمبر پر ضرور ہے۔ وہاں تحریر میں انہیں ارائیں لکھا جاتا ہے اور بولنے میں الراگیں پکارا جاتا ہے۔ افغانستان کے ارائیں عربی، فارسی اور پشتو تینوں زبانوں بولتے ہیں اور انہیں عربی النسل سمجھا جاتا ہے۔ اور قوم ارائیں کے علاوہ وہاں پر ایک دوسری قوم کو بھی عربی النسل سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی عربی زبان بولتے ہیں لیکن انہیں ارائیں سے ایک علیحدہ قوم تصور کیا جاتا ہے جن کا اکثر پیشہ ریوڑ پالنا ہے۔ لہذا اس قوم کو بزبک کہتے ہیں۔ پشتو زبان میں گڈریا کو بزبک کہا جاتا ہے۔ بہر حال افغانستان کے الرائیں اپنے نام کے آگے سردار اور پیچھے خاں کا ٹائیٹل استعمال کرتے ہیں اور مندرجہ ذیل علاقوں میں ان کی آبادی کثرت سے ہے۔ غزنی، ہرات، کرمان، قندھار، قابل، گردیز، مزار شریف اور بلخ، بخارا، تورغنڈی نزد حدود روس۔ کابل اور گردیز کے درمیان وردگ پہاڑ کا دامن اور اس کے قرب وجوار کا میدانی علاقہ اور خاص طور پر سلانگ سے آگے غنجان سے لیکر ایک تنگ تقریباً ۴۰ میل لمبے علاقے میں تو سب ارائیں آباد ہیں بہر حال جس قدر آبادی قوم ارائیں کی افغانستان کے باشندے وہاں پر بتاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو پاکستان کی ارائیں برادری سے افغانستان کی ارائیں برادری کسی حد تک زیادہ ہی معلوم ہوتی ہے نیز ان لوگوں کے خیال کے مطابق پاکستان میں جو بھی گوری رنگت کے ارائیں آباد ہیں وہ افغانستان

سے وقتاً فوقتاً ہجرت کر کے یہاں آباد ہوتے رہے ہیں۔

۳۔ شہاب الدین محمد غوری

۵۷۲ھ (۱۱۹۶ء) میں جب قرمطیوں کی باقیماندہ طاقت کو ختم کرنے کے لئے محمد غوری نے ملتان پر حملہ کیا تو ارائیوں نے کافی تعداد میں اس کے لشکر میں شامل ہو کر بہادری کے جوہر دکھائے۔ پھر اُچّہ کی فتح کے موقع پر انہوں نے بہت سے معرکے سر کئے جن کے صلہ میں سلطان نے انہیں اُچّہ اور اس کے گرد و نواح میں جاگیریں دیں۔

اس کے بعد ارائیوں کی دو جماعتوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک ملتانی اور دوسری سرسہ والی کہلاتی ہے۔ ملتانی جماعت میں شیخ باقر بہت نامور ارائیں تھا اور سرسہ والی (جسے خواجہ کھیڑہ میں رہنے کی وجہ سے کھیڑیا بھی کہتے ہیں) میں شیخ محمد اکبر بہت مقتدر شخص تھا۔ انہوں نے تسخیر اُچّہ میں سلطان کی بہت مدد کی تھی۔ شیخ اکبر مذکور کی اولاد موضع رانیہ ضلع حصار میں آباد تھی۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد اضلاع ملتان اور منٹگمری میں آباد ہوئی۔

۴۔ التمش

اس کے زمانہ تک یہ لوگ بہت دور دور تک پھیل گئے تھے۔ یعنی دریائے سرسوتی، دریائے بیاس اور دریائے ستلج کے ساتھ ساتھ دونوں کناروں پر ان کی نقل مکانی جاری تھی۔ زراعت اور گلہ بانی اب بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ کیونکہ جنگوں کی مصیبت کسی حد تک دور ہو چکی تھی۔ ملتان اور دیپالپور سے لے کر سرسہ، ہانسی اور جالندھر تک ان کی بستیاں تھیں۔ ان کی محنت نے بنجر زمینوں سے سونا اگلوایا تھا۔ اس لئے رئیسانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ ان کی زیادہ بستیاں دریائے سرسوتی کے کنارے آباد تھیں، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ رانیہ (جس کا پہلا نام راجپورہ تھا)۔ علی پور ٹبٹو کھیڑہ، ہارنی فتح پور، محمد پور، سالار پور، شاہ پور بیگو، معز الدین وغیرہ۔ ان تمام مواضعات کی کل تعداد تین صد ساٹھ تھی۔

۵۔ محمد تغلق

اس کے عہد میں ۷۴۲ھ سے ۷۴۹ھ تک زبردست قحط سالی کا دور رہا اور بدنصیبی سے دریائے سرسوتی خشک ہو گیا۔ اس لئے سب سے زیادہ تکلیف ارائیوں کو ہوئی جن کا ذریعہ معاش اب صرف زراعت تھا۔ ان کی زمینیں بنجر ہو گئیں۔ اور مجبوراً انہیں وسیع پیمانے پر ہجرت کرنی پڑی۔ چنانچہ بہت سے خاندان دریائے ستلج کے آر پار

آباد ہو گئے۔ جہاں ان کی بڑی بڑی بستیاں مثلاً تہاڑہ، تلونڈی اور نکودر وغیرہ ۱۹۴۷ء تک آباد تھیں۔ کچھ لوگ قحط سالی کے ایام میں پیلی بھیت اور بریلی چلے گئے تھے۔

۶۔ فیروز تغلق

اس کی ماں ابوہر منڈی ضلع فیروز پور کی رہنے والی نومسلم راجپوت عورت تھی اس لئے اس کا لڑکپن اسی علاقہ میں گزرا تھا جو اپنی شادابی کی وجہ سے ہریانہ کہلاتا تھا بلکہ ان دنوں علاقہ حصار بھی ہریانہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ بادشاہ شکار کی غرض سے منٹگمری اور دیپالپور کے جنگلوں میں آیا کرتا تھا۔ اس نے علاقہ حصار (سابق ہریانہ) کو زیادہ سے زیادہ رونق دینے کے لئے نہر جمن غربی نکلوائی تھی جو اب تک موجود ہے۔
اس نے اپنے بیٹے کے نام پر فتح آباد شہر اور اس کے آس پاس اہراون، لالی، ظفر آباد اور رضا آباد شہر بھی آباد کرائے۔ دریائے گھگر کے کنارے رانیہ کے جنوب میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی علاقہ میں جھیل اسنے "کاہی" کے اردگرد شکار کی کثرت تھی۔ فیروز شاہ تغلق اکثر شکار کھیلنے اس علاقہ میں جایا کرتا تھا۔ دوران شکار بادشاہ اپنی فوج اور درباریوں سمیت اس علاقہ میں قیام کرتا تھا۔ بعدازاں جب دریائے گھگر میں سیلاب کی وجہ سے ارائیوں کے دیہات تباہ ہوئے۔ تو اس قلعہ میں بھی ارائیوں نے سکونت اختیار کر لی۔ اور اس کا نام بادشاہ کی نسبت سے فیروز آباد مشہور ہو گیا۔ ان سب علاقوں میں زیادہ تر ارائیں ہی آباد تھے۔ اس نے دریائے گھگر سے نہریں نکلوائیں تاکہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان سب علاقوں میں اس وقت رانیہ، سرسہ، بھٹنڈہ اور فیروز پور بڑے بڑے شہر تھے، اور ان تینوں میں ارائیوں کی تعداد دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ یہی لوگ زمینوں کے مالک تھے۔

اسی بادشاہ نے فیروز پورہ آباد کرایا تھا چونکہ وہ بہت نیک تھا اور اس کے زمانہ میں مکمل امن رہا۔ اس لئے اس نے زیادہ توجہ شہر آباد کرانے، کاشت کاری کو فروغ دینے اور نہریں نکلوانے کی طرف مرکوز رکھی۔ اس نے اپنا یہ مقصد پورا کرنے کے لئے ارائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس علاقہ میں جمع کیا، بلکہ ان کے جو خاندان دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے تھے۔ انہیں دوبارہ بلا کر وہاں آباد کرایا اور سب سے زیادہ عنایات انہی ارائیوں پر کیں جو سرسہ کے اردگرد ابھی تک آباد تھے کیونکہ وہ قحط سالی کے باوجود وہاں ہی رہے تھے۔ چنانچہ بھٹنیر سے لے کر ٹوہانہ تک سو میل طول

اور تقریباً دس میل عرضاً میں ارائیوں نے تین سو ساٹھ سے زیادہ گاؤں آباد کئے اور یہ علاقہ "بارہ ارائیاں" کے نام سے مشہور ہوا۔

ارائیوں کی پرانی بستیاں سالار پور، محمد پور، علی پور، شاہ پور، فتح پور، رسول پور، کاسن کھیڑہ، سکندر پور، خواجہ کھیڑا، خیر پور، کنگن پور، راجپورہ (جو بعد میں ایک تاریخی واقعہ کے باعث رانیہ مشہور ہوا) کیسو پورہ، بارنی، کریوالی وغیرہ دریائے سرسوتی (یعنی گھگر) کے کنارے آباد تھیں۔ دریا میں سیلاب آنے کی وجہ سے یہ بستیاں متاثر ہوتی رہیں۔ دریا کی گذرگاہ بھی تبدیل ہوتی رہی۔ چنانچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ دریائے سرسوتی کا نام گھگر مشہور ہو گیا۔ اور متاثرہ ارائیوں نے نئی آبادیاں قائم کیں جن کے اکثر پرانے نام ہی رہنے دیئے اور بعض نے جدید ناموں سے گاؤں آباد کئے۔ چنانچہ ارائیوں کی آبادیاں معرض وجود میں آگئیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ کریوالی، بارنی، نکوڑہ، معزالدین، فیروز آباد، رانیہ منگالا، نٹار، خیر پور، کنگن پور، سکندر پور، بیدوالا، موری والا۔ ان آبادیوں میں سب سے زیادہ تعداد میں ارائیں موضع رانیہ میں آباد تھے۔

فیروز تغلق نے ارائیوں کی شرافت، حسن کارکردگی اور جفاکشی کو دیکھ کر اکثر بڑے بڑے سرکاری عہدے ان کو دے رکھے تھے۔

۷۔ ابراہیم لودھی

لودھیوں کے زمانہ میں ہماری قوم مقتدر تھی۔ اور اسے ہر لحاظ سے بہت اعزاز حاصل تھے۔ چنانچہ جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو پانی پت کے میدان میں بابر سے لڑنے کے لئے ابراہیم لودھی کی طرف سے ارائیوں کے جنگجو نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد شامل ہوئی جن کے سالار احمد اور امام دین تھے۔ جو سرسہ کے مشہور رؤسا میں سے تھے۔ ابراہیم لودھی شکست کھا کر مقتول ہوا۔ ارائیوں کی کثیر تعداد ہلاک ہو گئی۔ مگر بابر نے ان بہادروں کی قدردانی کی اور باقی ماندہ خاندانوں کو جاگیریں دے کر اپنا گرویدہ بنا لیا۔ چنانچہ نواح حصار میں بابر کی دی ہوئی جاگیروں پر ارائیں مدتوں قابض رہے۔

شیخ امیر الدین صاحب ارائیں رئیس دیکہ علاقہ پیلی بھیت کی ایک یادداشت سے نقل کر کے مولوی حافظ علاؤالدین صاحب فرخ جلال آبادی لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم لودھی بادشاہ ہند پر بابر نے چڑھائی کی تو شہر سرسہ کے دو ارائیں رئیس احمد اور عثمان اپنے سات ہزار جانثاروں

کے ساتھ ابراہیم لودھی کی طرف سے بابر کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ چار دن تک سخت لڑائی ہوئی۔ شاہ محمود احمد، عثمان اور راجہ اودھے پور اپنے کافی ساتھیوں سمیت مارے گئے۔ اس کے بعد بابر سرسہ پر چڑھ آیا۔ پیر محمد اور رکن الدین سرداران قوم ارائیں گیارہ دنوں تک خوب لڑے مگر مقتول ہوئے۔ اس کشت و خون میں گیارہ ہزار آدمی قوم ارائیں مقتول ہوئے۔ بابر چونکہ بہادر اور فیاض تھا۔ اس لئے اسے بہادروں کی قدر تھی۔ اس نے ارائیوں کے باقی ماندہ سرداروں کو سرسہ میں اپنے جاہ و منصب اور اراضیات پر قابض رہنے دیا بلکہ اپنی طرف سے بھی علاقہ حصار میں اور زیادہ جاگیریں دیں۔ چنانچہ سرسہ کے گرد و نواح دریائے گھگھر اور نہر جمن غربی کے سرسبز و شاداب علاقوں میں ارائیوں کی کارکردگی ۱۹۴۷ء تقسیم پاک و ہند تک منظر عام پر تھی اور پھر ہجرت کر کے پاکستان میں یہ لوگ اکثر ضلع ملتان میں آباد ہوئے۔

۸۔ شیر شاہ سوری

اس بادشاہ نے زراعت کی ترقی کے لئے بہت کوشش کی اور ارائیوں کی جفاکشی اور امن پسندی سے متاثر ہو کر انہیں دہلی سے امرتسر تک کے علاقہ میں شاہراہ اعظم کے دو رویہ جاگیریں دیں تاکہ یہ علاقہ آباد ہو اور یہاں امن قائم رہے۔ چنانچہ اس شاہراہ کے دونوں طرف بکثرت درخت، کھیت اور آبادیاں ارائیوں کی کارکردگی کا اعلان ۱۹۴۷ء تک کرتی رہیں پھر قیام پاکستان کے بعد ارائیں بھی پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔

۹۔ جہانگیر

اس کے زمانہ میں ارائیوں نے بہت ترقی کی۔ امرتسر، گورداسپور ہوشیارپور، سیالکوٹ اور گوجرانوالہ وغیرہ میں بکثرت آباد ہوئے۔

ایک شخص مظہر علی نے قبضہ اُچہ سے آکر پہلے سرہند کے قریب موضع سلیم پور آباد کیا۔ پھر سلیم پور سے قصبہ سامانہ ریاست پٹیالہ میں آباد ہوئے۔ اس کی نسل میں سے حافظ پیر محمد چشتی نظامی بہت مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔

زبیرا ریحالی جس کا خاندان محمود غزنوی کے ساتھ افغانستان میں چلا گیا تھا۔ واپس پنجاب آیا اور پھر سہارن پور جا کر آباد ہو گیا۔ علاقہ سرسہ کے موضع کنگن پور کے دو ارائیں سردار محمد اقبال اور مہر منگو اکبری اور جہانگیری عہد کے مشہور حاکم تھے۔ سرکاری جاگیریں بھی ان کے پاس تھیں۔ فیاضی اور رحمدلی میں مہر وزیرا کے متعلق ایک مثل مشہور تھی۔

آیا مہر وزیرا ، گھر گھر حلوے گھر گھر شیرا

مہر اکبر، مہر وزیرا، مہر محمد، مہر نتھا وغیرہ سب صاحب اعزاز تھے۔ ان کے بعد رستم حاکم، فجا، سلطان، عثمان، سلیمان عرف سلیم اور عمر حیات وغیرہ سرداران قوم بہت مشہور ہوئے ہیں۔

۱۰- اورنگ زیب

اب تک ارائیوں کی حیثیت ایک حاکم کی سی تھی۔ چنانچہ میاں خاندان باغبان پورہ کے مورث اعلیٰ محمد فاضل نے مہمات دکن میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مدد کی مدد کر کے نواب کا خطاب حاصل کیا۔ خاندان کٹار بنداں کے مورث اعلیٰ شیخ محمد عارف کو شاندار خدمات کی وجہ سے اورنگ زیب کے ہاں سے یکصد بگھیہ اراضی معافی عطا ہوئی، جس کی سند آج تک ان کے خاندان میں موجود ہے۔ ضلع گوجرانوالہ کے ایک ارائیں سردار محمد صادق شہنشاہ اورنگ زیب کے درباری تھے، ان کے خاندان میں بھی سرکاری سندات جاگیروں کی آج تک موجود ہیں۔ کریم داد ولد اللہ بخش موضع کنگرہ ضلع جالندھر کی اعلیٰ خدمات کے عوض بادشاہ نے اراضی عطا کی اور اس کی سندات آج تک موجود ہیں۔ خاندان میاں فرید بخش مزنگ لاہور کو بھی اراضی ملی اور سند دی گئی۔

مغلوں کے زوال، مرہٹوں کے حملوں، نادر شاہ کی لوٹ کھسوٹ اور احمد شاہ ابدالی کی یلغار کی وجہ سے ہماری قوم پر پھر بڑی بدبختی آئی۔ کئی خاندان تباہ ہو گئے۔

البتہ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں پھر خاندانوں کو جاگیریں عطا ہوئیں چنانچہ حاجی فقیر بخش پیلی بھیت والوں کو ان کے ہاں سے سند اراضی عطا ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے مکروفریب اور ظلم و ستم سے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو سوائے تحریک مجاہدین کے باقی تمام تحریکیں مردہ ہو گئیں اور ہر قوم و ملت کے لوگوں نے انگریزوں کی حکومت کے دامن میں پناہ لی۔ چنانچہ ہر قوم کے لوگوں کو انگریزوں کی خدمات کے صلہ میں ... انعام و اکرام اور طرح طرح کے اعزازات سے نوازا گیا۔ اس دور میں بھی ارائیوں نے کافی اعزاز حاصل کئے جن کا ذکر مناسب ابواب میں کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ ایکٹ انتقال اراضی ۱۹۰۷ء کے مطابق ارائیوں کی زیادہ آبادی مندرجہ ذیل اضلاع میں تھی جہاں وہ اراضیات کے مالک بھی تھے۔

میرٹھ، بریلی، پیلی بھیت، مظفر نگر، دہلی، کرنال، گوڑگاؤں، حصار، رہتک، انبالہ، فیروزپور، لودھیانہ، جالندھر، ہوشیارپور، کانگڑہ، گورداسپور، امرتسر، لاہور، شیخوپورہ، منٹگمری، ملتان، جھنگ، لائل پور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، جہلم، منٹگمری، اٹک، شاہ پور، میانوالی، ڈیرہ غازی خاں، مظفر گڑھ علاقہ سندھ میں سندھی ارائیں (جو عہد قدیم سے وہاں آباد تھے) زیادہ تر جیکب آباد، لاڑکانہ، حیدرآباد، نواب شاہ اور سکھر اضلاع میں تھے۔ پھر جب سندھ میں آبادکاری کی خاطر اراضی تقسیم ہوئی تو ۱۹۰۰ء سے پیشتر اضلاع تھرپارکر اور سانگھڑ میں ارائیوں نے بہت سے چک آباد کئے۔ جن کی تعداد بے شمار ہے ان کا تذکرہ بھی آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔ گلگت ایجنسی میں "جھبٹہ" ارائیں بہت زیادہ ہیں جنہوں نے جہاد کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

۱۱۔ سکھوں کا عہد

ہندو پاکستان کی تاریخ میں اگر کوئی ظلم وستم اور تباہی و بربادی کا زمانہ گزرا ہے تو ماضی قریب میں اس کی بہت بڑی مثال سکھوں کا عہد ہے ان کے ظلم وستم کا نشانہ بھی ارائیں ہی بنے کیونکہ یہ دیہات میں زیادہ آباد تھے اور سکھوں کے وحشی جتھوں کا زور بالعموم دیہات کی طرف ہی رہا۔ جہاں انہوں نے بے گناہ لوگوں پر وحشیانہ ظلم روا رکھے ان کی زمینیں چھین لیں، جائیدادیں ضبط کر لیں اور وہ اودھم مچایا کہ الامان۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ارائیں ہی مقہور و مظلوم تھے بلکہ ہر قوم پر بے پناہ مظالم ہوئے اور "سکھا شاہی" اردو ادب میں محاورہ بن کر تاریخ کی پیشانی پر سکھوں کے عہد کی ایک گھناؤنی اور بدنما نشانی بن گیا۔ بعض بعض مقامات پر جہاں اکثریت ارائیوں کی تھی ان کے ظلم وستم سے اس لئے محفوظ رہے کہ ارائیوں کی تلوار نے سکھ وحشیوں کے منہ موڑ دیئے۔ ایسے تذکروں کی آپ آئندہ چند مثالیں پڑھیں گے۔

اس عہد میں مہر سلیمان عرف سلیم رئیس بارہ ارائیاں ضلع سرسہ نے راجہ امیر سنگھ والیٔ پٹیالہ سے لڑ کر خوب دادِ شجاعت دی۔ اور اپنے علاقہ کو بہت دیر تک سکھوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ مہر عیسٰے، مہر اکبر، مہر محمد، مہر عمر حیات نے ریاست پٹیالہ کی طرف سے مقرر کردہ سردار دیوا سنگھ کو اس کی خوابگاہ میں گھس کر قتل کر دیا اور سکھوں کو اس علاقہ میں حکومت قائم کرنے کی بجائے اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی۔

دیوا سنگھ کے قتل کا پس منظر یہ ہے کہ موضع رانیہ میں اگرچہ ارائیوں کی کثرت تھی تاہم وہاں غیر ارائیں قوم کے افراد بھی آباد تھے۔ ان میں بعض حاسدوں نے سکھ حاکم سے شکایت کی کہ ارائیں سردار ظاہراً سکھوں کے جاگیر دار اور درباری ہیں مگر درپردہ وہ سکھی مذہب کے مخالف ہیں اور امتناعی حکم کے باوجود خفیہ طور پر گائے ذبح کرتے ہیں۔ مہر عمر حیات کے مکان پر چھاپہ مارا گیا اور گائے کا گوشت برآمد ہوا۔ چنانچہ سکھ حاکم نے ارائیوں پر تشدد کیا اور ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اس پر مقتدر ارائیوں نے سکھ حاکم کے مکان پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں وہ قتل کر دیا گیا۔ مگر اس کے بیوی بچوں کو کوئی گزند نہ پہنچایا بلکہ انہیں بحفاظت پٹیالہ پہنچا دیا۔

میاں عاشق محمد اور مہر محکم الدین نواں کوٹ ضلع لاہور، خاندان کٹار بنداں کے ایک بزرگ مہر شادی، میاں امام بخش صاحب کاردار، مولوی قادر بخش صاحب باغبانپورہ، حافظ جمال تحصیل شرقپور ضلع شیخوپورہ، میاں محمد وارث ساکن کوٹلی قادر آباد ضلع امرتسر، مہر گھسیٹا ساکن راجہ جالنسی ضلع امرتسر، مہر ہونسا ولد نامدار ساکن برج جیوے خاں ضلع منٹگمری۔ جمعدار بالا موضع انب ضلع ہوشیارپور، میاں غلام جیلانی وزیر اعظم ریاست کپورتھلہ، مہر فاضل ساکن جالندھر شہر، کریم داد ولد اللہ بخش موضع کنگرہ ضلع جالندھر، مہر انبیار ولد مہر اعظم ساکن ننگل انبیار، چودھری قطب الدین ساکن پھلور ضلع جالندھر، مہر روڑا ولد مہر باغ علی عرف باگو، ساکن موضع کھنڈہ ضلع گورداسپور ایسے نامور شخص ہوئے ہیں جو اپنی بہادری، دانائی اور قابلیت کی وجہ سے اس عہد میں بڑی شہرت کے مالک بنے اور بڑا نام پایا۔

۱۲۔ انگریزوں کا عہد

میاں نبی بخش رئیس باغبانپورہ، سردار نور بربان ساکن گنجہ کلاں ضلع لاہور، شیخ الٰہی بخش زمیندار دھندرا ضلع پیلی بھیت، سر محمد شفیع، جسٹس شاہ دین، میاں عبدالعزیز، بیگم شاہنواز، چودھری محمد صدیق۔ چودھری محمد علی، میاں افتخار الدین، ڈاکٹر کیپٹن عبدالعزیز وغیرہ مشہور ہستیاں ہیں۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ڈائریکٹری تیار نہیں ہو سکی۔ اب بعض افراد قوم اس کام کو پورا کرنے کا عزم ظاہر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو کامیاب کرے۔

قیام پاکستان سے قبل چند ارائیں خاندانوں کا تذکرہ

ہم ذیل میں قیام پاکستان سے قبل چند ایسے نامور خاندانوں کا ضلع وار ذکر کرتے ہیں جو ہماری قوم کے لئے موجب افتخار ہیں تاکہ ہماری قوم ان کے کارناموں سے واقف ہو اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر اپنے خاندان اور ملک و قوم کے لئے فخر کا باعث بن سکے۔ ان میں سے اکثر ہجرت کر کے پاکستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو چکے ہیں۔

خاندان ملک صاحبان سبزی منڈی دہلی

ان کے اسلاف شیر گڑھ علاقہ منٹگمری میں رہتے تھے، محمد عطاء اللہ نے شاہجہان کے عہد میں فوجی خدمات کے صلہ میں ملک کا خطاب پایا اور دہلی سے چار سو کوس کے فاصلہ پر بہت سی اراضی عطا ہوئی۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں ان کے بیٹے ملک محمد جمیل نے باپ کا عہدہ پایا اور ایک معرکہ جنگ میں کام آیا۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں ملک حسن بخش عرف دھومی بہت مشہور ہو گزرا ہے۔ اس نے اکبر شاہ ثانی اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں مستاجری دیہات شروع کی۔ اور لاکھوں کے آدمی بن گئے۔ روشن آرا بیگم کا باغ جو بہادر شاہ ظفر کے عہد تک بالکل ٹھیک تھا ہمیشہ ملک خاندان کی تحویل میں رہا۔ ۱۹۰۳ء میں ملک احمد حسین مقتدر زمیندار اور قابل ذکر رئیس تھے۔ ملک پور، ساڈھورہ خورد، راجپور، جہاں نما یا فوت پور، وزیر پور، مکندر پور، جھڑودہ، کرجنی، بابلہ وغیرہ گاؤں جو دہلی کے متصل ہیں۔ سب اس خاندان کی ملکیت تھے۔ سبزی منڈی دہلی میں اراضیات، باغات، مکانات اور دکانات بھی اس خاندان کی بہت ہیں۔ چوہدری شمس الدین بھی اس خاندان کے قابل قدر رئیس تھے یہ خاندان انجمن ارائیاں دہلی کا سرپرست تھا۔

دلی کی تباہی کے سلسلہ میں "دلی کی بپتا"، از شاہد احمد دہلوی کا لکھا ہوا مضمون جو اردو ڈائجسٹ ماہ اگست ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی معلومات میں اضافہ ہو:۔

"سبزی منڈی مالدار ارائیوں کی بستی تھی۔ یہاں (تقسیم ملک کے وقت) ایکدم سے بڑا حملہ

کیا گیا۔ حملہ آوروں کی خاکی وردیاں تھیں اور ان کے پاس بندوقیں تھیں۔ لیکن منڈی والوں نے ان کا ایسا گرماگرم خیر مقدم کیا کہ جلد ٹھنڈے ہو گئے۔ روایت یہ ہے کہ حملہ آور یہاں ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ اور ایک گھر پر بھی قبضہ نہ کر سکے۔ مسلمانوں کے پاس اسلحہ کافی تھا۔ اور انہوں نے باقاعدہ مورچے بنا لئے تھے۔ اور فوجی تنظیم کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔ سبزی منڈی میں بعض بہت اچھے لوہے کا کام کرنے والے بھی تھے۔ انہوں نے اپنی ہنر مندی سے برین گنیں اور سٹین گنیں بنا لی تھیں۔ لیکن قضائے مبرم کی طرح حکومت کی فوج تیسرے دن نمودار ہو گئی اور منڈی والے اُن سے بھی مقابلہ کرتے رہے مگر تھوڑی ہی دیر میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے آدمی اس طرح بھن رہے تھے جیسے بھاڑ میں مٹر۔ سینکڑوں مرکھپ گئے۔ لکھ پتی کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے۔ جن عورتوں نے گھر کی دہلیز سے باہر کبھی قدم نہ رکھا تھا، دربدر خاک بسر، ماری ماری پھر رہی تھیں۔ مال متاع، عزت آبرو سب گئی۔ سبزی منڈی میں مسلمانوں کا بچہ تک باقی نہ رہا۔ (اس کتاب کو حکومت ہند نے ضبط کر لیا ہے)

خاندان حافظان جلال آباد ضلع مظفر نگر

حافظ رحیم اللہ صاحب ایک صالح عالم اور نہایت مبارک بزرگ ہوئے ہیں، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے مستفیض ہوئے تھے۔ اس خاندان میں بہت سے مرد اور عورتیں حافظ قرآن ہیں اور کئی علماء اور حفاظ نے اس خاندان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس خاندان میں سے مولانا مولوی حافظ علاؤالدین صاحب فرخ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا کہ وہ جناب نواب نصر اللہ خاں صاحب بہادر ولی عہد ریاست بھوپال اور ان کے چھوٹے بھائی نواب زادہ محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر ... بی اے علیگ کے اتالیق مقرر ہوئے تھے اور نو سال تک اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ ریاست کی طرف سے پنشن اور جاگیر بھی ملی تھی۔ ان کے صاحبزادے مولوی خیر الدین ریاست بھوپال میں تحصیلدار تھے۔

مختلف

قصبہ تھانہ بھون میں مولانا مولوی حاجی فتح محمد صاحب کا خاندان، حافظ حاجی نظام الدین صاحب کا خاندان، چوہدری غلام محمد صاحب کا خاندان بہت مشہور و معروف تھے۔

قصبہ کیرانہ میں میاں محمد عاشق صاحب کا خاندان مشہور تھا۔

مظفر نگر شہر میں حافظ خدا بخش کا خاندان مشہور تھا۔ ان کے صاحبزادہ ڈاکٹر حاجی عبدالرحمٰن بہت مشہور شخص تھے۔

سہارنپور میں بہادر ارائیں بہت مشہور تھا۔

ضلع میرٹھ میں سروہنہ کے مقام پر منشی رحیم بخش و منشی احمد بخش قابل ذکر تھے۔

روہیل کھنڈ کی ارائیں برادری

یوپی ہندوستان کی ایک کمشنری روہیل کھنڈ کہلاتی ہے جس کا صدر مقام بریلی ہے۔ اس میں پیلی بھیت، نینی تال کا علاقہ ہمالیہ کی ترائی میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں ہماری برادری کے بیشمار افراد بہت عظمت اور سطوت والے تھے اور اب بھی ہیں۔ تقسیم ملک سے قبل جناب امتیاز احمد کھریوی اور جناب سعید احمد منڈبوی ایم ایل اے ہیں اور اب بھی انیس الرحمٰن سکیٹوی ہندوستان میں ایم ایل اے ہیں۔

اس علاقہ میں آباد ہونے والے ارائیں بزرگ ۱۷۸۰ء کے لگ بھگ جالندھر، سرسہ اور فیروزپور سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے۔ کیونکہ پنجاب میں سکھوں کی غارت گری زوروں پر تھی اور روہیل کھنڈ پر حافظ رحمت خاں کے عروج کا زمانہ تھا جنہوں نے ان بزرگوں کو بلایا۔ یہ لوگ سرسہ والے کہلاتے تھے۔ ایک قبیلہ نکودرے پہاڑی علاقہ سے ہجرت کر کے وہاں پہنچا وہ پہاوڑے کہلائے۔ حافظ رحمت اللہ خاں نے ان کو زمینیں دے دیں۔ جنہیں انہوں نے بڑی محنت اور جفاکشی سے گلزار بنا دیا۔ اور ان کی آمدن سے نہایت خوش حال ہو گئے۔ یہ لوگ زیادہ تر شیخ، میاں اور ملک کہلائے۔ ۱۸۳۰ء کے بعد انہوں نے سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ چنانچہ ہماری کتاب میں ان خاندانوں کے تذکرے موجود ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور شیخ نذیر احمد ڈانگ والے، شیخ

نور دین موضع سرسی - حاجی قدرت موضع کرگھنہ، شیخ منظور احمد دھندری، شیخ فضل احمد عرف فرخ سیر موضع بھینسا، شیخ مُلّا احمد موضع اودھے پور اپنے زمانہ کے نہایت مقتدر اور مشہور و معروف افراد تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس برادری کے بہت سے افراد نے نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں اس علاقہ کے ارائیں بزرگوں نے بڑا قابل قدر کارنامہ انجام دیا اور انتخابات میں نمایاں کامیابی کا ذریعہ بنے۔ ۱۸۶۰ء میں موضع دھندری میں شیخ منظور احمد کی سرپرستی میں ارائیں برادری نے ایک دارالعوام کی بنیاد ڈالی۔ جس نے نصف صدی تک علم و عرفان کی تجلیاں پھیلائیں اور کئی قلوب و اذہان کو منوّر کیا۔ پاکستانی افواج کے ملٹری اکاونٹنٹ جنرل میاں فہیم الدین ایم۔ اے اسی مدرسہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کے علاوہ میاں عبدالخالق جیلانی (کراچی یونیورسٹی) میاں محمود احمد منیجر پنجاب کوآپریٹو بنک لاہور بھی اسی سرچشمہ کے فیض یاب ہیں۔

ارائیں برادری کا ایک کالج ابھی تک پیلی بھیت میں موجود ہے جس کے منتظم احمد جیلانی اور عبدالحفیظ نعیمی ایڈووکیٹ ہیں۔ اس کالج کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں پروفیسر احمد سعید کراچی یونیورسٹی، جناب طفیل احمد سپرنٹنڈنٹ ایئر ہیڈ کوارٹر پشاور، ایم شفیق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور وغیرہ پاکستان میں گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

روہیل کھنڈ کی ارائیں برادری نے زیادہ تر ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۵ء میں براستہ کھوکھرا پار ہجرت کی اور سندھ میں آباد ہو گئے۔ کراچی، حیدر آباد اور سکھر ان کے ہیڈ کوارٹر ہیں۔ بڑے بڑے تاجر اور مال دار لوگ ہیں۔ اور معقول تعلیم یافتہ افراد نہایت اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

کچھ صاحب حیثیت افراد ابھی تک پیلی بھیت وغیرہ میں اپنی آبائی زمینوں میں مقیم ہیں۔ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔

خاندان شیخ نذیر احمد رئیس اعظم ڈانگ ضلع پیلی بھیت

یہ خاندان علاقہ بھر میں ہر حیثیت سے ممتاز تھا۔ ضلع پیلی بھیت میں تقریباً دو تہائی گاؤں اور زمینیں قوم ارائیں کی ملکیت تھے۔ رئیسانہ ٹھاٹھ تھے۔ سواری کے لئے ہاتھی تھے۔ ان میں میاں محمد بخش، شیخ نذیر احمد، میاں رحیم بخش اور میاں نبی بخش جو نواح پیلی بھیت میں تھے، بہت مشہور تھے۔ شیخ نذیر احمد

دربار ی رئیس تھے اور قانون اسلحہ سے مستثنیٰ ۔ تیرہ گاؤں کے واحد مالک تھے ۔ اس علاقہ میں ان سے بڑھ کر کسی کا اعزاز اور ٹھاٹھ نہیں تھا ۔ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب اس خاندان میں بہت بزرگ ہو گزرے ہیں ۔ بہت سخی بھی تھے ۔ علیگڑھ کالج اور انجمن حمایت اسلام لاہور کو بہت چندہ دیا کرتے تھے ۔

مختلف

سرسہ ضلع پیلی بھیت میں خاندان شیخ نور محمد صاحب بہت مشہور تھا ۔ زمیندار و دیندار تھے ۔ علاقہ میں ان کا رعب تھا اور دینی مدرسہ جاری تھا ۔

کرگھنا میں شیخ عبدالحق ، شیخ عبدالرحمٰن ، شیخ عبدالغفور پسران حاجی قدرت علی بڑے با اثر زمیندار تھے ۔ تین گاؤں کے مالک تھے ۔ حاجی صاحب تین سال تک بیت اللہ شریف میں حج کے بعد مقیم رہے دینی مدرسہ بھی جاری کرایا تھا ۔

دھنڈری میں شیخ منظور احمد ولد ظہور احمد بڑے پایے کے آدمی تھے ۔ ملّا زادہ کے لقب سے مشہور تھے ۔ پندرہ گاؤں کے واحد مالک تھے ۔ عالیشان کوٹھی اور مسجد بنوائی تھی سواری کے لئے ہاتھی بھی تھا ۔ منظور العلوم کے نام سے دینی مدرسہ بھی جاری کرایا تھا ۔

بھینسا میں شیخ فضل احمد عرف فرخ سیر بڑی جائیداد کے مالک تھے ۔ سات گاؤں کے مالک تھے ۔ نوابی ٹھاٹھ سے رہتے تھے ۔

گوپال نگر کے شیخ نثار احمد اور شیخ عبدالخالق بڑی حیثیت کے مالک تھے ۔ کوٹھیاں اور پختہ مکان تھے ۔ علاقہ میں ذی اثر تھے ۔

خاندان مُلّا زادہ اودھے پور جاگیر ضلع پیلی بھیت

یہ خاندان زمینداری ، برادری اور دینداری کے لحاظ سے علاقہ بھر میں اپنی مثال آپ تھا ان میں سے مُلّا احمد کی اولاد نے تین سو سے زیادہ گاؤں زر خرید کئے تھے ۔ شیخ الٰہی بخش کو انگریزوں کی طرف سے پانچ ہزار کی جاگیر عطا ہوئی تھی ۔ رئیسانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے ۔

اودھے پور دراصل احمد خاں روہیلہ کی جاگیر تھا ۔ ان کے مرنے کے بعد وارثوں سے یہ

گاؤں حاجی غلام احمد ولد مُلّا احمد نے ۴۰ ہزار کو خرید کیا تھا۔

حاجی محمد حسین صاحب بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ سواری کے لئے ہاتھی گھوڑے موجود تھے۔ مدرسہ بھی جاری کرایا تھا۔ حافظ مہر حسین کا کتب خانہ نہایت قابل قدر تھا۔

ضلع نینی تال میں ساٹھ گاؤں خالص ارائیں قوم کے تھے۔ صاحب حیثیت اور دیندار لوگ تھے۔

بریلی شہر میں شیخ عزیز احمد صاحب مشہور زمیندار تھے جن کے پندرہ گاؤں تھے۔ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ نوابانہ شان سے رہتے تھے۔ ہاتھی بھی موجود تھے۔

خاندان ارائیاں پیلی بھیت

ارائیان پیلی بھیت جو یوپی کے نہایت معزز ارائیں تھے۔ پاکستان بننے کے بعد زیادہ تر سکھر میں آباد ہیں۔ ان میں سے سیٹھ بدرالحسن صاحب آڑھتی اور میاں محمد صدیق صاحب کوئینس روڈ سکھر قابل ذکر ہیں۔ میاں فہیم الدین ایم۔ اے سابق پروفیسر علیگڈھ یونیورسٹی، حال ملٹری۔۔۔ اکاؤنٹنٹ جنرل اور پروفیسر الطاف حسین کراچی یونیورسٹی بھی ارائیان پیلی بھیت سے تعلق رکھتے ہیں بعض کا ذکر آئندہ صفحات میں الگ بھی آئے گا۔ جناب طفیل احمد صاحب ایم۔ اے حال پشاور اور پروفیسر محمد شفیق اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور بھی اسی خاک پاک سے نسبت رکھتے ہیں۔

ضلع کرنال کے خاندان

خاندان غلزہ دینداری کے لحاظ سے بہت معروف خاندان تھا۔ حافظ رحیم بخش صاحب مشہور مصلح قوم اور مبلغ اسلام تھے۔

میاں مولا بخش کے فرزند میاں رشید اور میاں عبدالغنی وغیرہ چیف کورٹ پنجاب میں پلیڈر تھے۔

شاہ والا میاں شاہ محمد کی نسل سے ہیں۔ ضلع کرنال کے نمبردار ہمیشہ اسی خاندان سے ہوئے ہیں۔ مشہور زمیندار ہیں۔

چودھری امام بخش، مولوی محمد ابراہیم، قاضی عبدالقیوم وغیرہ بہت مشہور شخص تھے۔

شاہ آباد میں پیر محمد انسپکٹر پولیس، ان کے لڑکے منشی حبیب اللہ اور منشی کریم اللہ اور حافظ مقبول احمد صاحب مشہور تھے۔

مولوی عبدالغنی صاحب، کیپٹن ظفر حسن ایبک صاحب اور مولوی محمد جعفر صاحب کے حالات آئندہ ابواب میں تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔

ضلع انبالہ

خاندان قاضیاں علم و فضل کے لحاظ سے یہ خاندان علاقہ بھر میں مشہور تھا۔ حکیم قاضی رحمت اللہ، قاضی الٰہی بخش، قاضی برکت اللہ اور قاضی احمد اللہ وغیرہ بہت معروف ہستیاں ہیں قاضی علی محمد صاحب انجمن ارائیاں ضلع انبالہ کے آنریری جنرل سیکرٹری اور ارائیان ہند کے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ انبالہ کے میونسپل کمشنر بھی تھے۔ قاضی فتح محمد صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور کے آنریری وکیل تھے۔ انجمن ارائیان ہند لاہور کے آنریری وکیل، اسسٹنٹ سیکرٹری اور سفیر بھی تھے۔ اخبار الراعی لاہور کے ایڈیٹر بھی تھے۔

خاندان مہرال زمیندارہ حیثیت میں بہت ممتاز تھا۔ شیخ عبدالرحمٰن خاندان کے ممتاز ممبر خزانہ ضلع انبالہ کے ہیڈ کلرک تھے۔

خاندان سہاردولاں قدیم اور معزز خاندان تھا۔ حاجی جان محمد صاحب المعروف حاجی جانی مشہور بزرگ تھے۔

شہر انبالہ میں مولوی مولا بخش رئیس اور تاجر کتب تھے۔ انجمن ارائیان انبالہ کے پریذیڈنٹ اور انجمن اسلامیہ انبالہ کے سرگرم ممبر تھے۔

منشی عبدالغنی، حاجی احمد حسن، عبدالکریم، ڈاکٹر ولی محمد، منشی گوہر حسین، مولوی محمد اسمٰعیل، چودھری حاکم علی وغیرہ اس علاقے کے مشہور اور ممتاز شخص تھے۔

خاندان شمس الدین شمس الرّاعی

آپ محکمہ تعلیم میں ملازم تھے۔ قوم کو بیدار کرنے کے لئے ایک کتابچہ "شعاع شمس" بھی لکھ کر

مفت تقسیم کیا۔ آپ قیام پاکستان سے پہلے ضلع انبالہ، ضلع کرنال، ریاستہائے کلیسہ اور نہن کی متحدہ "انجمن قوم ارائیں" کے سیکرٹری تھے۔ آپ نے قوم کو منظم کرنے میں بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ آپ کے صاحبزادے بدرالدین صاحب قوم کا درد رکھتے ہیں۔

شمس صاحب آج کل میانوالی میں سکونت رکھتے ہیں۔

ارائیاں ریاست گوالیار

اس ریاست میں ایک ہی علاقہ میں پچاس گاؤں ارائیوں کے تھے۔ جن کو" ارائیں واڑہ" کہتے تھے۔ ان میں صاحب جائیداد اور صاحب علم وفضل بھی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی جمعیت منتشر ہوگئی اور پاکستان کے مختلف علاقوں میں یہ لوگ آباد ہوگئے۔

ریاست پٹیالہ

خاندان حکیم قائم الدین ذیل دار حلقہ دو پیڑہ

میاں اسمٰعیل اس خاندان کے بزرگ اور عابد شخص تھے۔ پانچ سو بیگہ اراضی کے مالک تاجر اور برادری میں ذی اقتدار تھے۔ حکیم قائم الدین صاحب حسنِ خدمات کے صلہ میں ذیل دار ہوئے۔ دربار ریاست سے خلعت ملی۔ دو مرتبہ حج کیا۔ طبیب بے نظیر تھے۔

خاندان حاجی چوہدری امام بخش، لسّی

حاجی صاحب مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ لسّی کے علاوہ موضع رسول پور میں بھی ملکیت تھی۔ چوہدری حسین بخش بڑا بارسوخ اور با اثر تھا۔ ریاست اور گورنمنٹ کی طرف سے بہت سی سندات ملی ہوئی تھیں۔

خاندان حاجی عبداللہ، لسّی

یہ مرفہ حال اور دیندار خاندان تھا۔

خاندان حاجی عبدالرحیم سوداگر، بسیؔ

یہ عالی قدر خاندان "میانجی والے" کے لقب سے مشہور ہے۔ حافظ امام بخش صاحب مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے تینوں بیٹے خلیفہ محمد بخش، میاں امام الدین اور حاجی عبدالرحیم صاحب بہت مشہور ہوئے ہیں۔ یہ خاندان تقریباً ۱۰۰۰ بیگہ زمین کا مالک اور تجارتی کاروبار میں بہت معروف تھا۔ کانپور میں ان کا کارخانہ چرم بہت مشہور تھا جس کی شاخیں بہت سے شہروں میں قائم تھیں۔ حاجی عبدالرحیم مخیر" اور دیندار تھے۔ مدرسہ عربیہ دیوبند کو بہت سا چندہ دیتے تھے۔

حافظ محمد حلیم بہت بڑے تاجر تھے۔ لکھ پتی آدمی تھے۔ ان کی عالیشان کوٹھی اور باغ بہت مشہور تھا جس میں اپریل ۱۹۱۷ء میں انجمن ارائیان ہند کا دوسرا سالانہ جلسہ ہوا تھا۔ اسٹیشن سرہند کے قریب موضع حسین پور میں چھ ہزار بیگہ زمین خریدی اور اس میں شاندار مسجد بنوائی۔ یہ گاؤں حافظ آباد کہلاتا تھا۔ شاہی دربار دہلی منعقدہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں آپ کو نشست خاص دی گئی تھی۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء میں امیر صاحب والی کابل نے دوران سیاحت ہند میں کانپور کے مقام پر حافظ صاحب سے خصوصی ملاقات کی۔ مہاراجہ پٹیالہ نے ان کے صاحبزدگان کی شادی میں شرکت کی۔ آل انڈیا ارائیں کانفرنس منعقدہ اپریل ۱۹۱۷ء لاہور اور فروری ۱۹۱۸ء امرتسر کے سالانہ اجلاس میں آپ صدر منتخب ہوتے رہے۔

ہندوستان کے تمام بڑے بڑے اسلامی مدارس ہمیشہ ان کے دست کرم سے فیض اٹھاتے رہے۔ سرہند شریف حضرت مجددؒ صاحب کے مزار کے پاس زائرین کے آرام کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ بہت قابل اور نیک انسان تھے۔

خاندان جرنیل گلاب خاں

ریاست پٹیالہ کی افواج کے جرنیل تھے۔ ریاست کی طرف سے خاں کا خطاب ملا ہوا تھا ۱۹۰۹ء میں عہد نامہ جات جو ریاست پٹیالہ اور گورنمنٹ انگلشیہ کے درمیان ہوئے تھے۔ ان کی تکمیل کے لئے جرنیل صاحب کو ریاست پٹیالہ نے اپنی نمائندگی کے لئے بھیجا۔ جس کے

ضلع میں دیہہ ڈگوندہ اور سبوہ داری جاگیر میں پائے۔

ریاست جنید میں منشی قادر بخش مشہور زمیندار اور با اثر چودھری تھے۔

ریاست نابھہ میں خاندان حکیماں ممتاز خاندان تھا۔ ڈاکٹر حکیم عبداللطیف رئیس نابھہ اس خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے۔ حکیم عبدالرحیم اور حکیم عبدالحکیم سرکاری وکیل تھے۔

ریاست جے پور میں منشی احمد علی خاں قابل ذکر رئیس تھے۔

ریاست بیکانیر کی تحصیل نوہر میں ڈھانی ارائیاں مشہور رہے۔ جس کے مورث لال خاں تھے۔ یہ خاندان ۴۵ ہزار بیگہ زمین کا مالک تھا۔ میاں قطب الدین لکھ پتی تھے۔

ریاست فرید کوٹ میں میاں بلاقی خاں اہلمد کچہری کا خاندان مشہور تھا۔

ریاست کپور تھلہ میں مولوی غلام محی الدین، مہر غلام مصطفٰے، حاجی فتح محمد، امام الدین، حافظ فتح دین کے خاندان بہت مشہور تھے۔

ضلع سرسہ

موضع کنگن پور

موضع کنگن پور جو شہر سرسہ سے جانب مشرق ۱½ میل کے فاصلہ پر اب ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے، قوم ارائیں کی گوت کنگن پوریہ کا منبع تھا۔ جہاں سے ترک سکونت کر کے بعض لوگ اضلاع جالندھر، ہوشیار پور اور بعض پیلی بھیت ضلع بریلی کی طرف جا کر آباد ہو گئے۔ اس موضع کو اول مہر منگو نے آباد کیا تھا جو عہد جہانگیری و اکبری کا مشہور سردار درباری تھا اور بہت متمول آدمی تھا۔ آب نوشی کیلئے ایک بڑا تالاب تیار کرایا۔ جس کی نچلی سطح پر تانبہ کی چادر رکھوائی گئی تا کہ پانی زمین میں جذب نہ ہو سکے۔ اور اس تالاب سے تمام سال علاقہ کے افراد و مویشی کو پانی میسر ہوتا رہے۔ پھر جو کنواں کھدوایا گیا وہ تقسیم ملک تک قائم رہا۔ اس چاہ کے متعلق مشہور روایت ہے کہ اکبر بادشاہ اپنے دورہ تسکار میں اسی چاہ کا پانی برائے آب نوشی اپنے ساتھ رکھوایا کرتا۔

گردشِ ایام کے تحت جب دریائے سرسوتی خشک ہو گیا اور صرف ایک نالہ زنگوئی کی شکل میں بہنے لگا تو یہ لوگ سرسہ کے متصل موضع خواجہ کھیڑہ میں جا کر آباد ہوئے اور عرصہ تک وہیں

آباد رہے۔ مہر منگو کی اولاد میں سے مہر شمس کو سرکار انگریزی کی طرف سے چار مواضعات میرپور چھوپنہ، شمس آباد، فیرپور، سرسہ کی نواحی بستیاں بطور جاگیر عطا ہوئیں اور انہوں نے کنگن پور کو از سر نو آباد کیا۔ ۱۸۳۷ء میں جب سرکار انگریزی نے نمبرداریوں کا سلسلہ قائم کیا تو اس کو موضع کنگن پور کا نمبردار مقرر کیا جس کی اولاد ۱۹۴۷ء تک اس عہدہ پر قائم رہی اور اس کا پوتا حاجی جمال دین اپنے عہد میں موضع کی نمبرداری کے علاوہ علاقہ کا سفید پوش، درباری کرسی نشین اور اسیسر رہا۔ جس کو دربار منعقدہ دہلی دسمبر ۱۹۱۱ء کو دیگر معززین علاقہ کے ہمراہ مدعو کیا گیا۔ یہ ۱۹۴۷ء میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اپنے لواحقین کے ہمراہ موضع مولے پور تحصیل کبیر والا میں آباد ہوئے اور ۱۹۶۷ء میں بعمر ۱۰۶ سال وفات پا گئے۔

مہر منگو کی اولاد میں سے ہی مولوی محمد اسمٰعیل ولد سلطان محمود عرف بھولو ایک مشہور عالم دین ہوئے جن کا اسم گرامی کتاب زیر نظر کے صفحہ ۱۶۶ (دوسرا ایڈیشن) پر غلطی سے مولوی محمد حسین دکھایا گیا ہے۔ یہ عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ بارہ ارائیاں میں یہی وہ گھر تھا جہاں سے علم کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ اور علاقہ بھر کو منور کرتی تھیں۔ موصوف کی شخصیت کا ایک خاص وصف مذکور ہے کہ وہ ایک تجربہ کار حکیم ہونے کے علاوہ سکول میں فارسی کے استاد تھے۔ اور زبان فارسی پر اس قدر عبور تھا کہ اسکول کے وقت اور احاطۂ سکول میں ان کی زبان سے ماسوائے فارسی کے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ اور جب سکول سے فارغ ہو کر گھر آتے تھے تو ماسوا مادری زبان پنجابی کے کوئی لفظ ادا نہ ہوتا تھا ان کے پوتوں میں ماسٹر محمد شاکر بی۔اے، بی۔ٹی کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ ایک پوتا میاں سیف الدین ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس ہے جو اب اپنی زمینداری میں خوددل چلاتا ہے۔ یہ خاندان ۱۰/۱۲ مربعہ اراضی کا مالک ہے جو میلسی تحصیل کی نواحی بستیوں میں الاٹ ہے۔ افسوس کہ ان کی قدیم لائبریری انقلاب ۱۹۴۷ء میں جو ہڑ کی نظر ہو گئی جو گوہر ہائے نایاب سے ہمیں ہمیشہ کے لئے محروم کر گئی۔

بارہ ارائیاں

موجودہ بارہ ارائیاں پر مشتمل بیس دیہات موریوالہ، سکندر پور، رسول پور۔ کاسن کھیڑہ،

فتح پور، بید والا، خیر پور، کنگن پور، نٹار، شہید انوالی، منگالہ، چک ارائیاں، علی پور، ٹیٹو کھیڑہ معزّالدین، گیدڑ والی، فیروز آباد۔ رانیہ، نگرانہ، نکوڑہ اور کرلوالی تھا۔ جن میں سے کاسن کھیڑہ، شہیدانوالی چک جیوا، نگرانہ، علی پور، ٹیٹو کھیڑہ بے چراغ مواضعات شمار ہوتے تھے۔ جملہ رقبہ تخمیناً ستّر ہزار ایکڑ تھا جس میں کچھ حصہ غیر مسلم مہاجنوں کی نذر ہو چکا تھا۔ یہ مواضعات شہر سرسہ کے نواح میں شرقاً غرباً پچیس میل تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور ماسوا ملکیت مہاجنوں کے جملہ ملکیت ارائیوں کی تھی۔ اوّل الذکر آٹھ مواضعات موریوالہ، سکندر پور، رسول پور، خیر پور، بید والا، کنگن پور، نٹار اور شہیدانوالی کا کل رقبہ دوامی نہر جمن غربی کی سرسہ برانچ سے سیراب ہوتا تھا۔ باقی مواضعات دریائے گھگر کی غیر دوامی نہروں سے سیراب ہوتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر فصل دھان کی پیداوار کا حامل ہوتا تھا۔ یہ نہریں اوٹو کے مقام سے نکلتی تھیں جو شہر سرسہ سے سات میل کے فاصلے پر تھا۔ اس جگہ دریائے گھگر پر بند باندھا گیا تھا۔ جس سے نہ صرف آبپاشی ہوتی تھی بلکہ یہ آبی پرندوں اور مچھلی کی بہترین شکار گاہ تھی۔ دریائے گھگر کی مچھلی دیگر تمام دریاؤں کی مچھلی سے لذیذ ہوتی تھی۔ ہر سال سرما میں خصوصاً کرسمس کے دنوں میں شاہی خاندان برطانیہ و دیگر شوقین یورپین کثیر تعداد میں بغرض شکار و تفریح اوٹو پہنچتے تھے اور سیر و شکار سے لطف اندوز ہوتے۔ تقسیم رقبہ بارہ ارائیاں "بھائی چارہ" کی صورت میں تھی۔ جس کی بنا پر قوم ارائیں کا ہر فرد کم و بیش رقبہ کا مالک ضرور تھا۔ شاہجہانی عہد سے پیمانہ پیمائش ۵ کنال فی بیگہ چلا آ رہا تھا جو شجرہ کشتوار کی شکل میں تھا۔

۱۹۴۷ء میں بوقت انقلاب یہ تمام مواضعات ہجرت کر کے براستہ بیکانیر وارد پاکستان ہوئے اور اکثر و بیشتر ضلع ملتان و ساہیوال میں مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ قدرت نے ان کی وہ تمام سہولتیں جو بارہ ارائیاں میں ان کو میسّر تھیں ایکدم چھین لیں۔ مثال کے طور پر شادی غمی کے مواقعات پر صرف بارہ گھنٹہ میں تمام برادری کا اجتماع ہو جایا کرتا۔ جس سے ایک دوسرے کی تکالیف سن کر ازالہ کی کوشش کی جاتی تھی۔

خاندان مہر منگو موضع کنگن پور

یہ خاندان بڑا متموّل تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ نے شاہان مغلیہ کے عہد کے دوران بموقع شکار

اکبر بادشاہ کی اس قدر تواضع کی کہ اس نے خوش ہو کر ایک جاگیر اور ایک طلائی تمغہ بخشا چنانچہ افراد خاندان "کنگن پوریہ" کہلانے لگے اور جاگیر میں واقعہ پرانی بستی کا نام کنگن پور رکھا گیا۔ بعد میں اس خاندان میں سے کچھ لوگ موضع رانیہ، بریلی، پیلی بھیت، وغیرہ میں نقل مکانی کر گئے۔ مگر جہاں بھی گئے کنگن پوری کے لقب سے ہی مشہور ہوئے۔

اس خاندان میں حاجی مہر عیسےٰ نامی لکھ پتی زمیندار تھا۔ جس کی اولاد انقلاب ۴۷ء کے بعد اب تحصیل میلسی ضلع ملتان میں آباد ہے۔ مہر عیسےٰ کے بڑے بھائی مولوی محمد سلیمان صاحب خلیفہ سائیں توکل شاہ علیہ الرحمۃ خاندان نقشبندیہ کے مشہور و معروف کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ نواب پٹودی اور نواب مالیر کوٹلہ آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔

مہر منگو کی اولاد میں سے ہی مولوی محمد حسین کنگن پوری ایک مشہور عالم دین تھے۔ جنہوں نے تمام عمر درگاہ شیخ اللہ داد کی درسگاہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے شاگردوں میں سے مولوی محمد سلیمان صاحب کنگن پوری نقشبندی خاص طور پر قابل ذکر ہستی تھے۔ ان کا حلقہ تدریس و تلقین علاقہ میں بڑا وسیع تھا۔ انہی کی اولاد میں سے مولوی بشیر الدین اور مولوی ماسٹر محمد شاکر بی۔ اے بی ٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ماسٹر صاحب اپنی روحانی و دینی صفات کی وجہ سے مولوی حافظ عبدالصمد خاں صاحب نقشبندی اور حافظ مظفر علی خاں عرف احمد شاہ حصاری کے سیکرٹری و مرید خاص تھے۔

مہر منگو کی اولاد میں سے مہر حاکم نامی ایک شخص موضع رانیہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کا خاندان اسی گاؤں میں پھلا پھولا۔ اس میں سے چوہدری شاہ محمد شاہی بی۔ اے قابل ذکر ہیں۔ یہ اب بطور سیکشن آفیسر سول سیکرٹریٹ میں ملازم سرکار ہیں۔ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی قومی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے علاقہ کے ارائیوں کی بہتری و بہبود کے لئے ایک انجمن ارائیاں بنائی ہوئی تھی۔ جو بیاہ شادی کے مواقع پر خاص طور پر اسلامی شعائر کی ترویج اور رسومات بد کی روک تھام میں کوشاں رہتی تھی۔ چودھری صاحب موصوف نے خود اپنی ہمشیرہ کی شادی پر اسلامی قوانین کی حمایت میں ایک رسالہ "مناجات نور" عوام میں خاص طور پر تقسیم کیا تھا۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد بھی انہوں نے ارائیں برادری کو حتی الوسع ایک ہی خطہ یا علاقہ میں آباد کرانے میں نمایاں خدمات

سرانجام دیں۔ اور خود کوٹھی نمبر ۷ مبارک پورہ تحصیل کبیر والا ضلع ملتان میں آباد ہو گئے۔

خاندان مہر محمد ولد حسن، منگالہ

اس خاندان کے مورث پہلے موضع سالار پور میں آباد تھے جب دریائے سرسوتی میں سیلاب آیا اور یہ گاؤں تباہ ہو گیا تو یہ خاندان موضع منگالہ میں آباد ہو گیا اور افراد کنبہ "سالار پوریہ" کہلائے۔ اس خاندان میں سے جو لوگ بیلی بھینی چلے گئے تھے ان میں سے میاں محمد بخش ڈانگ والے مشہور رئیس تھے۔ منگالا میں مہر محمد ذیلدار، رئیس اور درباری کرسی نشین تھے۔ ان کے بڑے لڑکے خاں صاحب حاجی چودھری قمر الدین ذیلدار ضلع کے رئیس اور اہیبیر تھے۔ انہیں کئی مرتبہ ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ان کی خدمات کے صلہ میں انہیں حکومت کی طرف سے پیر محل میں پانچ مربعہ اراضی بھی عطا ہوئی تھی۔ اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا بھتیجا محمد اسحٰق ذیلدار و نمبردار منگالہ مقرر ہوا۔ جو لوفت انقلاب ۱۹۴۷ء شہید ہو گیا تھا۔ خاں صاحب مرحوم کے بھائی رکن الدین صاحب بڑے مشہور حکیم تھے۔ اس خاندان کے موجودہ افراد چک $\frac{۱۳۶}{۱۰E}$ موضع خورشید آباد تحصیل خانیوال ضلع ملتان میں آباد ہیں۔

خاندان مہر سہراب

اس موضع کے ابتدائی آبادکاروں میں سے مہر سہراب کے خاندان میں سے مولوی فضل الدین قابل ذکر عالم دین تھے۔ تعلیم و تدریس میں تمام عمر مصروف رہے۔ انہوں نے اصلاح رسوم میں بھی کافی کوشش کی تھی۔ ان کے لڑکے مولوی رکن الدین صاحب ایم اے پروفیسر ہیں جن کا حلقہ شاگردی کافی وسیع ہے۔ اب بطور پنشنر و ممبر کونسل کمشنری ملتان کے نواح سورج میانی میں رہائش پذیر ہیں۔

سلیمان :۔ رحم دل اور بارُعب، حوصلہ مند شخصیت کے مالک تھے۔

حافظ قاری قمر الدین :۔ نیک، متقی اور ولی اللہ بزرگ تھے۔

حافظ قاری امیر الدین :۔ پرہیزگار اور بہت بڑے مالدار تھے۔

حافظ قاری حبیب اللہ :۔ بے حد شریف، باخلق اور طاقتور تھے۔

حافظ قاری شان محمد، حافظ قاری گلزار محمد، حافظ قاری عبد الرزاق جو کہ چار پشتوں سے

حافظ قاری چلے آرہے ہیں اور چک ۱۳۲/10.R جدید خانیوال ضلع ملتان میں شریفانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

خاندان مہر عیسیٰ و اکبر

اس خاندان کے مورث اعلیٰ سرسہ کے مشرق موضع خواجہ کھیڑہ ارائیاں میں آباد تھے۔ ان کے بزرگ شیخ اللہ داد کا مقبرہ اب بھی ریلوے سٹیشن سرسہ کے متصل موجود ہے۔ بعد ازاں وہاں سے نقل مکانی کر کے موضع رانیہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اسی خاندان میں حاجی فضل الدین صاحب مشہور تاجر اور معروف عالم دین ہوئے ہیں۔ آپ کا شمار ہزار پتی تاجروں میں ہوتا تھا۔ آپ کا لڑکا حافظ شرف الدین تھا۔ انہوں نے اپنے نانا حاجی سیدا سے حصول علم دین کیا اور قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ نے دہلی اور پانی پت سے فقہ و حدیث کی سندات حاصل کیں۔ آپ ایک ماہر حکیم ہونے کے علاوہ قاری بھی تھے کئی سال تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ واپس آکر روحانی طور پر حافظ مولوی مظفر علی خاں عرف احمد شاہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اور خاندان چشتیہ و نقشبندی میں خلافت حاصل کی اور بہت سے افراد کو قرآن مجید حفظ کرایا۔ ان کی اولاد میں سے مولوی محمد خورشید حال ملازم محکمہ ریلوے وہاڑی کے نزدیک چک ۹۷/W.B ضلع ملتان میں آباد ہیں۔

اسی خاندان میں سے چوہدری فضل الدین صاحب سفید پوش و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ قابل ذکر شخص گزرے ہیں۔ یہ شکار کے بڑے ماہر تھے اور اکثر شکاری افسران ان کی معیت میں شکار کھیلنا پسند کرتے تھے۔ ان کی اولاد مخدوم رشید پور کے قریب ایک موضع میں آباد ہے۔

خاندان مہر سلیم موضع رانیہ

بہت ممتاز خاندان تھا۔ ان کے مورث مہر سلیم بہت شجاع اور غیور انسان تھے۔ ان کی لڑائیوں کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے شاہ پور کو بچانے کی بہت کوشش کی۔ پھر رانیہ میں آکر آباد ہو گئے۔

ضلع فیروزپور

خاندان حکیم محمد ابراہیم ساکن پیرو والہ

ان کے مورث اعلیٰ قاضی عطا محمد صاحب بادشاہ کی طرف سے شہر دہلی کے قاضی تھے موضع نورپور متصل چھاؤنی فیروزپور ان کو جاگیر معافی میں ملا ہوا تھا۔ پھر یہ اعزاز جاتا رہا۔ تو محمد شریف ثانی نے یہاں سے موضع ارائیاں علاقہ فرید کوٹ میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ مولوی محمد ابراہیم کو نواب نظام الدین والیٔ ممدوٹ نے اپنا ذاتی معالج مقرر کیا تھا۔

خاندان موضع پیر والا

سکھوں کے عہد میں انہوں نے یہ موضع آباد کیا تھا۔ حسن کارکردگی کے عوض بہت سی سندات ملی ہوئی تھیں۔ حافظ شمس الدین بہت مشہور تھے۔ مہر شہاب الدین بھی بہت ذی اثر تھے۔

خاندان ڈھولیوال تحصیل زیرہ

میاں حسینا نے فیروزپور مدکیوال لڑائی میں انگریزوں کو مدد دی تھی۔ اس کے صلہ میں ۶۰ روپے دوامی پنشن ملی۔ آٹھ سو گھماؤں زمین کے مالک تھے۔

خاندان موضع حسن ڈھٹ

مہر حسن نے یہ گاؤں آباد کیا تھا۔ بہت متمول خاندان تھا۔

خاندان رکنا بیگو

ان کا مورث اعلیٰ بیگو بہت مشہور و معروف تھا۔ اس نے تین گاؤں راجو وال، رکنا بیگو اور کاسو بیگو آباد کئے۔ دو ہزار گھماؤں زمین کے مالک تھے۔ سردار نظام الدین مشہور گھوڑ سوار اور جانباز تھے۔ انہوں نے بہت سے انعامات حاصل کئے تھے۔

خاندان کریاں پہلوان والی

میاں قمرالدین کو کئی بار خلعت اور سندات سرکار انگریزی سے عطا ہوئیں۔ تقریباً ایک ہزار گھماؤں اس خاندان کی وراثت تھی۔

موضع نور پور میں میاں محمد ابراہیم ایم اے پروفیسر علیگڑھ کالج قابل ذکر تھے۔

مہر برکت علی ڈولا، کالو ولد ملاہ ڈولا، مہر بخش محمد کیلہ، پیر بخش ہنڈوری وغیرہ مشہور خاندان تھے

موضع لودھیانہ

خاندان چودھری خیرالدین (دخیّا) جگراؤں

ڈیڑھ ہزار بگیہ اراضی کا مالک اور مقتدر خاندان تھا۔ اس خاندان میں چودھری پیرو اور چودھری مہر علی مشہور آدمی تھے۔

خاندان میاں محمد وارث

خاندان عطاراں کے نام سے مشہور تھا۔

خاندان میاں نہال خاص لدھیانہ

میاں نہال بہت متموّل تھے۔ فوجی ٹھیکیدار تھے۔ چالیس مربعہ زمین لائل پور وغیرہ اور یکصد بگیہ زمین خاص لدھیانہ میں تھی۔ جارج کٹ صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے حسن خدمات کے عوض قلعہ کے قریب چھاؤنی صدر کی اراضی ان کو عطا کی تو انہوں نے وہ تمام زمین ارائیوں کو مفت دے دی جنہوں نے اپنا محلہ آباد کیا۔

خاندان چودھری منصور: دو ہزار بگیہ اراضی کے مالک تھے۔ چھ سو بگیہ جگراؤں کے متصل خریدی۔ خاندان حاجی رحیم بخش

ملنشی غلام حسین اور محمد ابراہیم بہت مشہور ہیں۔

خاندان مولانا حبیب الرحمٰن

یہ خاندان دینداری کے لحاظ سے بہت مشہور رہا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب آل انڈیا مجلسِ احرار کے صدر رہتے۔ جناب حمزہ ممبر ڈی پی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ضلع ہوشیار پور

خاندان مہر فیض بخش موضع عثمان شہید، خاندان ملنشی عمر دین موضع جکوال، خاندان چودھری الٰہی بخش موضع سید وہٹی بہت مشہور ہیں۔

خاندان چودھری نور محمد بجواڑہ

یہ خاندان موضع بجواڑہ میں ارائیوں کو زمین دلوانے کا بانی ہے۔ ان میں ملنشی غلام نقشبند سندھی خاں، میاں عبدالرشید میڈیکل آفیسر بہت مشہور رہتے۔ ملنشی سندھی خاں وصفی نے "سفیر پنجاب" اخبار جاری کیا۔ پھر "کوہ نور" لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد "دوست ہند" بھیرہ کے ایڈیٹر رہے اور پھر "تاج الاخبار" راولپنڈی کو سنبھالا۔ پھر سرحدی اخبار جاری کیا۔ ۱۸۹۶ء میں علاقہ بار میں خاصی اراضی مل گئی تو واپس دہلی چلے گئے۔

ضلع جالندھر

خاندان گڑھا وہنداں جو زبیر راعی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بہت مشہور تھا۔ خاندان ملنشی نظام الدین موضع نکودر، خاندان مہر فیضا موضع نکودر، خاندان چودھری مراد موضع ڈھیریاں، خاندان مہر گاماں موضع کانگنہ، خاندان مہر بخشا موضع تلونڈی بھرو، خاندان مہر الیاس موضع بکا وغیرہ بہت مشہور خاندان تھے۔

خاندان مہر انبیاء، موضع ننگل انبیاء

جب رنجیت سنگھ نے شاہ کوٹ کے جاگیردار سہیل سنگھ سے یہ جاگیر چھین لی تو مہر انبیاء کو ان ۲۲ گاؤں کی عنان حکومت دے دی۔ مہر انبیاء بہت دیندار اور سخی تھا۔ دیوان خانہ کے پاس اس کی پختہ مسجد تھی۔ تین سو گھماؤں اراضی اس خاندان کی ملکیت تھی۔

تقسیم ہندوستان کے وقت اس خاندان میں چار پشت سے ذیلداری چلی آرہی تھی۔ تقسیم کے وقت چودھری عزیز بخش صاحب ذیلدار اور ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ جالندھر تھے۔ لڑائی کے زمانے میں برٹش حکومت کی خدمات کے سلسلے میں چودھری عزیز بخش صاحب کو ایک مربعہ زمین بطور انعام بمقام کمالیہ ضلع لائل پور عطا ہوئی تھا۔ جو آج تک ان کے پاس ہے۔ چودھری صاحب آجکل چک نمبر ۲۵۴ گ۔ب لائل پور ڈھوٹیاں، تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں اپنا... ننگل انبیاء والا رقبہ الاٹ کروا کر رہائش پذیر ہیں۔ اسی موضع میں اس خاندان کے مولوی نور محمد صاحب کی اولاد آباد ہے۔ مولوی صاحب دیندار آدمی تھے۔ چوہدری عزیز بخش صاحب کے چھوٹے بھائی چوہدری علی بخش صاحب نے ۱۹۴۷ء میں چک ۳۵/۲-ل چیچا وطنی میں وفات پائی۔ ان کے صاحبزادوں میں چودھری مختار احمد ساہیوال میں ملازم ہیں۔ چوہدری نذیر احمد صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سنٹرل ایکسائز کے عہدے پر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تعینات ہیں۔ چوہدری نصیر احمد صاحب انسپکٹر لینڈ کسٹمز طورخم خیبر ایجنسی میں تعینات ہیں۔ بشیر احمد صاحب نے چیچا وطنی میں لوہے کا کاروبار کر رکھا ہے۔

اس خاندان کے چوہدری برکت علی صاحب مرحوم کے صاحبزادوں میں سے چودھری بشیر احمد صاحب مرکزی حکومت کراچی میں ملازم ہیں۔ چودھری عبدالحمید صاحب اسلام آباد میں مرکزی حکومت کی وزارت مالیات میں بطور اسسٹنٹ کام کر رہے ہیں۔ چوہدری رفیق احمد صاحب رحیم یار خاں میں بطور سب انسپکٹر پولیس ہیں اور چوہدری مشتاق احمد صاحب بطور اوورسیئر محکمہ انہار ضلع بہاول پور میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا رقبہ چک نمبر ۳۶۲ ج۔ب گوجرہ ضلع لائل پور میں الاٹ کروا رکھا ہے۔ مگر رہائش چک ۶۰۔ ۶۱ نہر فتح تحصیل حاصل پور

منڈی ضلع بہاول پور میں رکھی ہوئی ہے۔ تقسیم سے پہلے ان کا رقبہ یہاں موجود تھا۔ پھر مزید بھی انہوں نے اسی چک میں خرید کیا ہے۔ اس خاندان کے دوسرے افراد مہر علی محمد صاحب اور مہر محمد علی صاحب کوریاں چک ۲۶۲-ج ب گوجرہ میں ہی آباد ہیں۔ یہ سب صاحب حیثیت اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ مشہور فرشتہ سیرت، ایثار پیشہ چوہدری علی محمد ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول جالندھر جنہوں نے برس ہا برس بغیر تنخواہ کام کیا اور سابق وزیر اعظم پاکستان چوہدری محمد علی اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔

خاندان چودھری قطب الدین پھلور

سکھوں کے عہد میں ان کے مورث اعلیٰ بہت نامور اور مقتدر تھے۔ ۱۸۴۶ء میں جب برٹش گورنمنٹ نے معرکہ علی وال جیت لیا تو چودھری قطب الدین نے جو قلعہ تلون میں سکھوں کے کارپرداز تھے کنجیاں انگریزوں کے حوالے کر دیں اور اس صلہ میں جاگیر پائی۔ تین سو روپے سالانہ پنشن تا حیات ملی۔ اس قلعہ میں انگریزی عہد میں پولیس ٹریننگ سکول تھا جو پھلور پولیس ٹریننگ سنٹر کے نام سے مشہور تھا۔

خاندان شیخ کریم داد کنگرہ

یہ خاندان مغلیہ سلاطین کے عہد سے معزز چلا آتا ہے۔ شیخ کریم داد کو جہانگیر کی طرف سے جاگیر ملی ہوئی تھی۔ چاہ آئمہ والی معافی جاگیر تھی۔ اکثر ممبر اس خاندان کے حافظ ہوئے ہیں۔ مولوی اور حکیم تو بکثرت ہوئے ہیں۔

خاندان چوہدری علی بخش انسپکٹر پولیس و خاندان حکیم میاں غلام محمد کھرلہ جالندھر

یہ دو خاندان موضع کھرلہ دوڈالہ نزد جالندھر میں کافی مشہور ہوئے۔ خاندان چوہدری علی بخش گاؤں کے نمبردار تھے۔ ان کے پوتے مسٹر بی۔ اے تبسم ایم اے آجکل سنٹرل گورنمنٹ میں پبلک ریلیشنز آفیسر ہیں۔ حکیم میاں غلام محمد کے خاندان میں اس کتاب کے ناشر حاجی سردار محمد اور ان کے بھتیجے مالکان علمی کتاب خانہ ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔

حکیم میاں غلام محمد مرحوم کے والد میاں محمد غازی مشہور قاری اور حافظ قرآن تھے۔

اور قرآن مجید کی ساتوں قرأتوں کی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے بیشمار شاگرد حافظ قرآن ہوئے۔

خاندان صوفی صاحب شہر جالندھر

اس خاندان میں سے خاں صاحب آغا محمد علی صوفی علیگ سپرنٹنڈنٹ آفس آف پولیٹیکل افسر بصرہ تھے جنہیں خاں صاحب کا خطاب اور ایک بندوق ملی ہوئی تھی۔ صوفی اکبر علی صاحب وہ بزرگ اور ہمدرد قوم ہوئے ہیں جنہوں نے ارائیوں کی سربلندی کے لئے بے حد کوشش کی ہے پہلی جنگ عظیم میں ارائیوں کو غلطی سے "غیر لڑاکا" لکھ دیا گیا تھا۔ صوفی صاحب نے بڑے بڑے ارائیں آفیسر مثلاً سر محمد شفیع اور جسٹس شاہ دین وغیرہ کے ذریعے کوشش کر کے اس غلط آرڈر کو درست کرایا اور ارائیں قوم "لڑاکا قوم" لکھی گئی۔ جس کے بعد فوج میں کافی ارائیں عہدہ دار ہوئے۔ انہوں نے قوم ارائیں کی تاریخ "سلیم التواریخ" بھی لکھی جو تیس سال کی محنت سے مکمل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کا صلہ دے اور نیک نیتی کی جزا دے۔

خاندان منشی فتح دین جالندھر شہر

منشی فتح دین صاحب نے لائل پور میں ۵۲ مربعے اراضی پیدا کی۔ خاص لائل پور کی نمبرداری انہی کے نام تھی۔ بہت مخیر تھے۔ حاجی تھے۔ اور دوسروں کو بھی اپنے خرچ سے حج کرایا تھا۔

خاندان صوبیداراں جالندھر شہر

اس خاندان کے ایک ذی اثر شخص حاجی غلام محی الدین ریاست بہاولپور میں کپتان پولیس تھے۔ سب سے زیادہ نامور شخص اس خاندان میں سردار بہادر کپتان غلام حسین تھے۔ غدر میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔ نومبر ۱۸۸۷ء میں دو ہزار روپے سالانہ پنشن پاکر جالندھر آگئے تھے۔ پھر علاقہ بار میں ۲۰ مربعہ اراضی بھی ملی۔ آپ جالندھر میں آنریری مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئرمین بھی تھے۔ سب رجسٹرار بھی تھے۔ جون ۱۹۱۰ء میں دربار دہلی میں آپ کو آنریری کپتان کا اعزاز دیا گیا تھا۔ اس خاندان کے تمام افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور متمول تھے۔

خاندان مہر فاضل جالندھر شہر

رنجیت سنگھ کے زمانہ میں مہر فاضل نے تشخیص محاصل کا عہدہ پایا۔ بڑا نامور شخص تھا۔ افغانوں سے دو سو گھماؤں زمین خرید کر اس علاقہ کا نمبردار بن گیا تھا۔ اس کے بیٹے عیاش تھے۔ اس لئے ساری جائیداد تباہ کر دی۔

اس کے پوتوں میں سے ڈاکٹر محمد فاضل بہت مشہور شخص ہوا ہے جس نے خاندان کی بگڑی بنائی۔ فوجی ملازمت کی۔ وٹرنری سرجن ہوئے۔ بہاول پور میں تین ہزار بگیہ زمین خرید کر اس میں "کوٹ فاضل" کا گاؤں آباد کیا اور خاندان کے دوسرے افراد کو وہاں جمع کیا ۱۹۱۱ء میں شاہی دربار دہلی میں آپ کو مخصوص نشست دی گئی تھی۔

ایک شخص مہر نظام الدین نے اس خاندان میں بڑی ترقی کی۔ نمبرداری بھی حاصل کی۔ ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ہوئے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی ہوئے۔ لائل پور میں پانچ مربعہ اراضی سفید پوشی کی وجہ سے عطا ہوئی۔

خاندان مہر فیض محمد نکودر ضلع جالندھر

یہ خاندان نکودر کے شہر میں آباد تھا۔ اس خاندان میں منشی نبی بخش نایاب بہت مشہور آدمی تھے۔ وہ سال ہا سال تک نکودر میونسپلٹی کے چیئرمین بھی رہے تھے۔ آپ شاعر بھی تھے اور ان کا ایک دیوان نایاب بھی شائع ہوا تھا۔ چوہدری صاحب کے ایک بھائی چوہدری خوشی محمد صاحب تھے جو کہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے منشی نبی بخش نایاب تحصیل نکودر میں انجمن ارائیاں کے سرگرم رکن تھے۔ انہوں نے ارائیں قوم کی بہت خدمت کی تھی۔ منشی نبی بخش وفات پا چکے ہیں۔ آجکل یہ خاندان میاں چنوں میں رہائش پذیر ہے۔

منشی نبی بخش نایاب کے دو لڑکے ہیں۔ ایک چوہدری غلام ربانی اور دوسرے چوہدری غلام جیلانی۔ چوہدری غلام جیلانی کے دو لڑکے ہیں۔

چوہدری محمد اختر صاحب ایس ڈی او سمال ڈیم سکیم ماڑی انڈس، چوہدری محمد افضل

انگلینڈ میں اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

چوہدری غلام ربانی صاحب کے صاحبزادوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱: چوہدری محمد خورشید صاحب انگلینڈ میں اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

۲: چوہدری سلطان اختر نکودری صاحب پاکستان آرمی میں میجر ہیں۔

۳: چوہدری فاروق احمد نکودری پاکستان آرمی میں میجر ہیں۔

۴: رشید احمد صاحب انگلینڈ سے بار ایٹ لا کر کے واپس وطن لوٹے ہیں اور ملتان ہی میں پریکٹس کرتے ہیں۔

۵: محمد رفیق صاحب، آپ نے زرعی یونیورسٹی لائل پور سے بی ایس سی کی ہے۔ آج کل زراعت انسپکٹر ہیں۔

۶: سردار محمد صاحب، آپ بہاول پور میں ٹھیکیداری کرتے ہیں۔

ضلع امرت سر

شہر امرت سر میں میاں فرید بخش ولد حاجی کریم بخش جن کے نام پر چوک فرید ہے، بہت مشہور شخص تھے۔ میاں نبی بخش کا خاندان، میاں فیض اللہ کا خاندان، مہر قادر بخش کا خاندان اور قاری رحیم بخش کا خاندان بہت مشہور ہوئے ہیں۔

خاندان مہر گھسیٹا، موضع راجہ سانسی

رنجیت سنگھ کے درباری تھے، بہت خوش اخلاق اور نامور تھے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے ۸۰ روپے سالانہ پنشن اس کے خاندان میں ملتی تھی۔ مہر گھسیٹا کی بنائی ہوئی عالیشان مسجد راجہ سانسی میں موجود تھی۔

خاندان میاں محمد وارث خاں جاگیر دار قادر آباد

میاں حیات خاں مورثِ اعلیٰ نے جے سنگھ کو مدد دے کر مدار المہام کا عہدہ پایا۔ ان

کا لائق بیٹا مینے خاں اس عہدہ پر فائز رہا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے جے سنگھ کو شکست دی تو اس کی بیوی اندر کور بھی مال غنیمت میں دشمن کے ہاتھ آئی۔ میاں مینے خاں نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر دو منزل تک ابدالی کے لشکر میں بھیس بدل کر سفر کیا اور پھر موقع پا کر رانی کو نکال لائے۔ راستے میں پانچ افغانوں نے ان پر حملہ کر دیا مگر ان تینوں بھائیوں نے پانچوں افغانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور رانی کو جے سنگھ کے سامنے حاضر کر دیا۔ راجہ نے میاں مینے خاں کو سپہ سالار بنا دیا اور خلعت اور جاگیر دی۔

جے سنگھ کے لڑکے گور بخش سنگھ نے میاں صاحب کو اٹھائیس ہزار کی جاگیر دی۔ میاں صاحب کا لڑکا محمد وارث بہت قابل تھا۔ وہ باپ کی جاگیر کا وارث ہوا۔

جب گور بخش سنگھ مر گیا تو اس کی رانی سدا کور نے میاں وارث کی بہت مدد کی۔ پھر جب رنجیت سنگھ جو سدا کور کا داماد تھا دوسرے سرداروں پر غالب آ گیا تو میاں صاحب کے مخالفین نے رانی کے کان بھرے۔ جس نے انہیں بٹالہ میں بلا کر کہا کہ تمہاری جاگیر ضبط ہے لہٰذا چالیس ہزار روپیہ ابھی جمع کراؤ ورنہ قید کر دوں گی۔ آپ نے موقع کی نزاکت دیکھ کر وعدہ کر لیا اور واپس قلعہ چونڈہ آ کر اعلان بغاوت کر دیا۔ سکھ فوج انہیں مسخر کرنے میں ناکام رہی۔ رانی سدا کور نے رنجیت سنگھ سے مدد مانگی جس نے بڑی کمک روانہ کی، مگر یہ بھی کہا کہ اصلی وجہ نزاع کی دریافت کرو۔ جب اصل معاملہ کا پتہ چلا کہ رانی سدا کور نے خوامخواہ بہتان لگایا ہے تو رنجیت سنگھ نے بیچ بچاؤ کر کے تاوان سے بھی نجات دلائی اور جاگیر بھی واپس کرا دی۔

رانی سدا کور کے مرنے کے بعد اس کی جاگیر بٹالہ اور مکیریاں کو رنجیت سنگھ نے اپنے بیٹے شیر سنگھ کے سپرد کر دیا۔ میاں وارث کو فوجی عہدہ حاصل تھا مگر کچھ عرصہ بعد ان بن ہو جانے سے آپ نے ملازمت چھوڑ دی۔

جن دنوں پھر رنجیت سنگھ لڑ رہا تھا تو میاں صاحب نے فوج میں شامل ہو کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ جس پر رنجیت سنگھ نے انعام و اکرام، خلعت، ترکش کمان سنہری دے کر "محمد وارث خاں کمانیہ" کا خطاب دیا اور راجہ شیر سنگھ کو کہہ کر دوبارہ عہدہ اور جاگیر دلوائی میاں صاحب کو شیر سنگھ نے کشمیر کا صوبیدار بنا کر بھیجا مگر وہ واپس آ گئے اور اپنی "گھوڑ چڑھا فوج"

لے کر انگریزی حکومت کی مدد کی. جس کی وجہ سے انہیں آٹھ ہزار کی پنشن تا زندگی عطا ہوئی۔ ان کے بیٹوں اور پوتوں کو بھی انگریزوں کی طرف سے پنشن ملتی رہی۔

آپ بہت بہادر شجاع اور تسکیل اور بارعب انسان تھے۔ نہایت متواضع بھی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں دو گاؤں خرید کئے تھے۔ ایک کا نام قادر آباد رکھا جو بٹالہ کے متصل ہے اس میں ۱۲ سو بیگہ اراضی تھی۔ دوسرا گاؤں ضلع گورداسپور میں اپنے بیٹے نبی بخش کے نام پر نبی پورہ آباد کیا۔ یہاں بارہ سو بیگہ اراضی تھی۔ بٹالہ میں حویلی، مکانات اور باغ بہت سے ان کی وراثت تھے۔

ایک حویلی امرتسر اور ایک حویلی لاہور میں تھی۔ ایک باغ اور ایک حویلی سری نگر کشمیر میں بھی تھی۔ وہاں قلعہ ہری پربت پر ان کی ڈھلوائی ہوئی توپ بھی ۱۹۰۳ء تک موجود تھی جہاں ان کا خاندان امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتا تھا۔ ان کے باغ میں آموں کے چند درختوں کے درمیان میاں صاحب کی قبر ہے۔

میاں محمد وارث خاں کمانیہ

جوانمرد اور شجاع جس نے سکھوں اور انگریزوں سے اپنی جوانمردی کا لوہا منوایا تھا اور ان سے جاگیریں حاصل کی تھیں۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے۔ سنہری کجاوہ (جو ان کے ہاتھی پر ہوتا تھا) حمائل شریف مطلاً، میاں صاحب کا بیاضِ قلمی اب بھی ان کے خاندان میں موجود ہے ان کی مشہور کتاب "بازنامہ" تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل تھی. میاں صاحب واقعی فخرِ قوم تھے۔

ضلع گورداسپور

خاندان خاں صاحب علی محمد گورداسپور شہر، خاندان مہر نور محمد موضع کلانور، خاندان چودھری محمد ابراہیم ریٹائرڈ تحصیلدار سبحان پور جس میں نسیم حجازی مشہور ناول نگار اور صحافی ہیں۔ بہت مشہور ہوئے ہیں خاندان چودھری ہدایت علی سفید پوش علی وال وغیرہ بہت مشہور خاندان تھے۔

خاندان مہر روڈا موضع کھنڈا

اس خاندان کے مورث اعلیٰ رانیہ ضلع سرسہ سے اٹھ کر آئے تھے۔ پہلے ننگل نزد قادیاں میں آباد تھے۔ پھر کھنڈہ میں آ گئے تھے۔ سردار جیمل سنگھ جو رنجیت سنگھ کی ساس سدا کور کا قریبی عزیز تھا اس نے کھنڈہ میں عالی شان قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اور بٹالہ کا کچھ حصہ، گورداس ننگل کا گاؤں اور کھنڈہ کا سارا علاقہ اس کی جاگیر میں شامل تھا۔ اس نے جب ننگل میں مہر روڈا کی شہرت سُنی، تو انہیں کھنڈا لے آیا اور اپنی جاگیر کا انتظام انہی کے سپرد کر دیا۔ مہر صاحب بڑے وجیہہ جوان دانشمند اور دیندار تھے۔ ان کے انتظام کی خوبی کی وجہ سے جیمل سنگھ ان پر بہت مہربان تھا۔ مہر صاحب نے حُسن تدبیر سے ارائیوں کو آباد کیا۔ اور خاندان والوں کو اراضی دلوائی۔ جب جیمل سنگھ مر گیا تو رانی مہر صاحب کے اقتدار اور اثر سے خوفزدہ رہنے لگی۔

جب مہر صاحب کا انتقال ہو تو ان کے دو صاحبزادے مہر بڈھا اور مہر حسین بخش اس وقت خورد سال تھے مگر ان کی والدہ بہت دانشمند اور دور اندیش تھی۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے اراضی کو قابو میں رکھا اور بچوں کی تربیت کی۔ جب بچے جوان ہو گئے تو انہوں نے اپنے باپ کا اقتدار پھر سے حاصل کر لیا۔ اس علاقہ میں یہ دونوں بھائی چودھری تھے۔ گاؤں کے نمبردار بھی تھے۔ مہر بڈھا بہت عابد اور فارسی کے عالم تھے۔ مہر حسین بخش نہایت شجاع اور جوانمرد تھے سکھوں کے ساتھ انہوں نے لڑائیوں میں بہت نام پایا تھا قیام پاکستان کے بعد حج کیا اور اوکاڑہ میں فوت ہوئے۔

مہر روڈا خود اور ان کا خاندان سخاوت، غیرت قومی اور علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھے انہوں نے سکھوں کا مقابلہ کر کے اس گاؤں میں تین مسجدیں بنوائی تھیں۔ جو ان کی دینداری اور غیرت قومی کا زندہ ثبوت تھیں۔ ان کے خاندان نے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اپنی بہادری اور غیرت قومی کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ کھنڈہ سے نکل کر فیض اللہ چک میں پانچ روز تک سکھوں کے محاصرہ میں رہے۔ وہاں مہر بڈھا کے صاحبزادے چودھری عطا محمد نے اپنی بہادری کے وہ کارنامے سرانجام دیئے جو سکھوں کو پُشتوں تک یاد رہیں گے۔

سکھوں کی رپورٹ کے مطابق جسے راقم الحروف نے بٹالہ حوالات میں خود پڑھا اور سُنا تھا نوسو سکھ ہلاک ہوئے تھے ۔ آتشیں اسلحہ پہلے سے جمع کر رکھا تھا ۔ ماہنامہ "نصرت"، لاہور کے سابق ایڈیٹر جناب عبدالقدیر رشک صاحب "نصرت"، مہاجرین نمبر (۵ جولائی ۱۹۵۹ء) کے صفحہ نمبر ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ فیض اللہ چک میں سکھوں کے ساتھ مسلمانوں کے معرکے تواریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔

جب فیض اللہ چک تباہ ہوا اور اسلحہ ختم ہو گیا تو یہ خاندان مجبوراً رات کی تاریکی میں نکل کر بٹالہ آیا اور وہاں سے پاکستان پہنچ گیا ۔ راقم کو فیض اللہ چک کے ایک محاذ سے ڈوگرہ ملٹری نے گرفتار کیا تھا ۔ اور بٹالہ حوالات میں تین روز تک رہنے کے بعد غلام محمد پہلوان بٹالوی کی وساطت سے رات کی تاریکی میں فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا پھر کئی مصیبتوں [illegible] پاکستان پہنچ گیا ۔

خاندان مہر قادر بخش بٹالہ

یہ خاندان بٹالہ میں بہت معزز و ممتاز تھا ۔ تقریباً چھ سو گھماؤں اراضی ان کی ملکیت تھی ۔ مہر قطب الدین کے نواسے خان بہادر میاں مولا بخش صاحب اتاچی ٹو دی وائسرائے و گورنر جنرل ہند تھے اس خاندان میں سے چودھری محمد صدیق پاکستان میں وائس ایڈمرل تھے ۔ چوہدری محمد لطیف بیکو (دی بٹالہ انجینیرنگ کمپنی لمیٹڈ) کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں ۔ قومی ہمدردی اس خاندان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ۔ اس خاندان کے ایک معزز ممبر مہر محمد صادق نے حیدر آباد سندھ میں خاصی جائیداد پیدا کی ہے ۔ انہوں نے سندھ میں پنجابیوں کو آباد کرانے کے لئے بہت کوششیں کی تھیں ۔ یہ خاندان بھی فخر قوم ہے ۔

ریاست بہاول پور

خاندان میاں نور محمد، منچن آباد

اس خاندان میں حفاظ قرآن اور علماء کثرت سے ہوئے ہیں ۔ شاہان مغلیہ نے ان کو ۔ ۔ ۔ ۔

فرید پور ڈوگرانوالہ ضلع منٹگمری انعام میں دے رکھا تھا۔ جب سکھوں کے عہد میں اندھیر نگری چوپٹ راجہ ہوا تو وہ گاؤں تباہ ہوگیا۔ اور حافظ محمد الیاس موضع کالو کا ریاست بہاول پور میں آ گئے۔ ان کے پوتے میاں نور محمد اس خاندان کے ماہ منوّر تھے۔ مشہور نہر صادقیہ شرقیہ کے بانی آپ ہی تھے۔ آپ کے صاحبزادے میاں باغ علی آنریری مجسٹریٹ ہوئے۔ ان کی اراضی ۵۰ ہزار بیگہ تھی۔ ۱۹۰۹ء میں نور محمد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے خاندان میں میاں شاہ نواز اور میاں شاہسوار کافی مشہور تھے۔

خاندان میاں قبول محمد تحصیل خانپور

میاں اللہ بچایا اور میاں غلام محمد ذیلدار تھے۔ اس خاندان کے افراد چار گاؤں میں آباد تھے۔ ان کی اراضی پچاس ہزار بیگہ تھی۔

خاندان میاں علی محمد

رئیس کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ مغلوں کے عہد میں ان کا ستارہ عروج پر تھا۔ حکیم امام بخش صاحب، حکیم احمد بخش صاحب مشہور ہستیاں ہو گزری ہیں۔

ضلع ملتان

خاندان مُلّا پیر محمد، موضع کبیر پور

مُلّا پیر محمد بہت ذی اقتدار شخص تھا۔ اس نے جنگل صاف کر کے کبیر پور گاؤں آباد کیا تھا سکھوں کے عہد میں یہ گاؤں تباہ ہوگیا تھا مگر مُلّا احمد نے پھر سے آباد کیا۔ اس کا بیٹا مُلّا عیسےٰ ذی اثر شخص تھا جس کا ذکر ملتان گزیٹیر ۱۸۸۴-۸۳ء میں بھی آتا ہے۔ وہ آٹھ ہزار بیگہ اراضی کے مالک تھے جس میں ۴۰ کنویں تھے۔ حاجی مُلّا خان محمد بہت مرفہ الحال، باعزت، رئیس اور شب بیدار عابد تھے۔

ضلع منٹگمری

خاندان موضع لوہاری والا

تقریباً پندرہ سو اراضی کا مالک تھا۔ میاں احمد دین ذیلدار، میاں محمد یار ذیلدار، میاں فضل دین سفید پوش بہت مشہور ہو گزرے ہیں۔

خاندان موضع ڈولہ پختہ

یہ خاندان اپنی عظیم الشان وجاہت کی وجہ سے مشہور تھا۔ ان کی ملکیت میں گیارہ سو ایکڑ اراضی تھی۔ بہت سے مخیر ہو گزرے ہیں۔

خاندان میاں جیوے خاں، برج جیوے خاں

سکھوں کے عہد میں میاں جیوے خاں صاحب کاردار ہو کر تحصیل گوگیرہ موضع اکبر میں آئے۔ اپنے علاقہ کے تھانیدار بھی تھے۔ انگریزی عہد میں ساڑھے چار ہزار گھماؤں زمین خرید کی۔ اور اپنے نام پر ایک گاؤں آباد کیا۔ انگریزی عہد میں مشہور ذیلدار تھے۔

ضلع لائل پور میں اس خاندان کی نو مربعہ اراضی ہے بہت معزز خاندان تھا۔ آجکل میاں عبدالحق[1] صاحب ایم این اے اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ میاں عبدالستار پی۔سی ایس اور میاں عبدالجبار آبکاری و محصولات آفیسر لاہور بھی اسی خاندان کے افراد ہیں (آپ کا انتقال ہو گیا ہے)

ضلع گوجرانوالہ

خاندان پیر محمد ولد داؤد ساکن شرقپور

اس صاحب اقبال شخص نے سرسہ کی طرف سے آکر بر لب دریائے راوی بہت سے رقبہ جنگلات پر قبضہ کر لیا۔ اس کی اولاد اب بھی کئی گاؤں کی مالک ہے۔ جس میں شرق پور، جواہر پور، محمود والا، نور پور، نین سکھ اور فیض پور وغیرہ شامل ہیں۔ ملک وارث کا بیٹا ملک الیاس ذیلدار

---

[1] آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔

تھا۔ شاہی دربار کے طبقہ امراء میں ہونے کی وجہ سے یہ خاندان ملک کہلاتا ہے۔

خاندان میاں محمد یوسف شرقپور

شاہجہان بادشاہ کے عہد میں محمد یوسف ولد حسن علی شاہی دربار میں امیر کبیر تھا۔ اس کا بیٹا حکیم محمد صادق شہنشاہ عالمگیر کے دربار کا معزز امیر تھا۔ اس کے تین بیٹے محمد جمال، محمد حیات اور محمد امین ہوئے۔ محمد جمال نے دریائے راوی کے کنارے بہت سی اراضیات خریدیں اور اپنی برادری کو بھی دیں۔

سکھ لٹیروں کا اس خاندان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر معرکہ میں کامیاب ہوئے اس لئے اپنا گاؤں اور جائیداد بچالی۔ اس خاندان میں صاحب علم بھی بہت ہوئے ہیں۔ چنانچہ میاں محمد حیات شہزادگان دہلی کے استاد تھے۔ اب بھی یہ خاندان معزز اور مقتدر ہے۔

ضلع لاہور

خاندان گنجہ کلاں، تحصیل چونیاں

یہ خاندان بہت مقتدر، متمول اور جاہ و حشمت والا ہے۔ اراضیات کے کنویں بیشمار ہیں۔ ان کے ممتاز افراد سردار کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ سردار حاجی نور محمد صاحب رئیس اعظم اور ان کے چھوٹے بھائی خان بہادر سردار نور برہان صاحب آنریری مجسٹریٹ گنجہ کلاں تھے۔ ضلع لاہور اور فیروز پور میں مختلف جگہ ان کی بارہ ہزار بیگہ اراضی ہے۔ گنجہ کلاں میں انہوں نے عالیشان کوٹھی، باغ، کچہری، مدرسہ، مسافر خانہ بنوا رکھا تھا۔ مخیر اور وضعدار تھے۔ آجکل سردار احمد علی سابق ایم۔ پی۔ اے اور سردار محمد شفیع صاحب اس خاندان کے معزز افراد ہیں۔

خاندان شیخ عثمان موضع عثمان والا، خاندان چوہدری گل محمد موضع بازید پور، خاندان چوہدری احمد موضع برج کلاں، خاندان چوہدری سردار علی کیسر گڑھ، خاندان شیخ صالح بھیڈیاں کلاں، خاندان مہر احمد ڈولیوالہ یہ سب تحصیل قصور کے مقتدر اور معزز خاندان ہیں۔

خاندان میاں نبی بخش فتح گڑھ، خاندان مولوی محمد دین باغبان پورہ، خاندان میاں نصراللہ،

خاندان گلاب ولد امام قصبہ شاہدرہ جو مقبرہ جہانگیر کے متولی ہیں۔ خاندان مہر صدیق ساکن مزنگ، خاندان سانده کلاں (جن میں ملک تاج الدین اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل پنجاب اور جنرل سیکرٹری انجمن ارائیاں ہند بہت مشہور شخص ہوئے ہیں۔) خاندان خان بہادر منشی سنر اور سابق ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل خاندان خانصاحب میاں چنن دین، خاندان خاں بہادر میاں فضل دین ڈپٹی کنزرویٹو جنگلات ساکن لاہور بہت مشہور خاندان ہیں۔

خاندان مہر محکم الدین، شاہدرہ

یہ خاندان شاہانِ مغلیہ کے عہد سے باوقار اور معزز چلا آتا ہے۔ شاہانِ مغلیہ نے دلکش باغ ______ دریائے راوی کے کنارے لگوایا تھا اس خاندان کی تحویل میں تھا۔ مہر محکم الدین رنجیت سنگھ کی طرف سے سیالکوٹ کے مال آفیسر تھے اور فوج کی ایک معقول تعداد ان کے زیر کمان تھی۔ مہر مہنگا جو میاں خاندان" باغبان پورہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ مہر محکم الدین کے بزرگوں کے نواسے تھے اور انہوں نے اسی خاندان میں پرورش پائی تھی۔ اس خاندان کی بدولت مہر مہنگا کو شالامار باغ اور دوسرے شاہی باغات کا مہتمم بنایا گیا تھا۔

خاندان چودھری پیر بخش ڈالیوالہ

چودھری پیر بخش ایک با اقتدار اور بارسوخ شخص تھا اور رنجیت سنگھ کی طرف سے داروغہ باغات تھا۔ انگریزی عہد میں اسے ۱۸۰ روپے سالانہ کی پنشن منظور ہوئی۔ پھر ۵۰ بیگہ اراضی شاہدرہ میں حسن خدمات کے صلہ میں انعام میں ملی۔ جب گورنر جنرل ہند اور رنجیت سنگھ کی ملاقات روپڑ میں ہوئی تو میاں پیر بخش کو چار سو روپے نقد اور ڈیڑھ سو روپے کا خلعت ملا بڑا مقتدر خاندان تھا۔

خاندان ڈھولنوال

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حامد عرف ڈھولا تھے جنہوں نے اکبری عہد میں اس گاؤں کو اپنے نام پر آباد کیا۔ ان کی اولاد میں مہر مراد بخش نے اس گاؤں کو سکھوں کی لوٹ کھسوٹ کے بعد

دوبارہ آباد کیا۔ ان کا بیٹا اللہ بخش حافظ اور ولی اللہ تھا۔ رنجیت سنگھ کا وزیر دھیان سنگھ ان کا بڑا معتقد تھا۔ ان کے بیٹے میاں الٰہی بخش ذیلدار تھے۔ مولوی رحیم بخش مشہور مصنف تھے۔ جنہوں نے ۲۶ کتابیں خدا اور رسول کے عشق میں لکھی تھیں۔ زیادہ مشہور "بارہ ماہ محمدی" ہے۔ تصنیفات سب پنجابی زبان میں تھیں۔

خاندان مہر محکم ساکن نواں کوٹ

مہر محکم الدین نے رنجیت سنگھ کو لاہور پر قبضہ کرنے میں مدد دی تھی۔ اس لئے وہ انہیں "باپو" کہا کرتا تھا۔ مہر محکم الدین شاہی قلعہ لاہور کے کلید بردار تھے۔ جب انہوں نے دروازہ کھول کر رنجیت سنگھ کو اندر آنے کا موقع بہم پہنچایا تو راجہ نے اسی وقت ایک جوڑی طلائی کنگن اور ایک دوشالہ عطا کیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد رنجیت سنگھ کی رانی موراں (جو ایک طوائف تھی) مہر صاحب کے اقتدار سے حسد کرنے لگی اور اس نے سکھ سرداروں کو ساتھ ملا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہکایا۔ جس پر مہر صاحب کی جائیداد چھن گئی۔

مہر صاحب کی اولاد میں سے میاں رحیم بخش معزز نمبردار تھے۔ اب بھی نواں کوٹ میں صاحب حیثیت خاندان ہے۔

میاں خاندان باغبانپورہ

اس خاندان کا بزرگ محمد اسحاق تھا جس نے اسحاق پور کی بنیاد ڈالی (جہاں آجکل شالامار باغ ہے) ان کی چوتھی پشت میں محمد یوسف المعروف میاں منگو تھے۔ جنہوں نے شاہی انجنیروں کو حسب منشا اراضی دے دی تاکہ وہاں شالامار لگایا جائے۔ شہنشاہ شاہجہان نے انہیں باغبانپورہ کی زمین دے دی۔ محمد فاضل ولد محمد یوسف عرف مہنگا نے خدمات دکن کے عوض شہنشاہ اورنگزیب سے نوابی کا خطاب پایا۔ اس کے بیٹے محمد لطف اللہ کے دو لڑکے عظیم اللہ اور حافظ محمد رنجیت سنگھ کے عہد میں مقتدر زمیندار تھے۔ میاں عظیم اللہ کا بڑا لڑکا رحیم اللہ عالم اور فصیح تھا۔ اس لئے رنجیت سنگھ اس کو "پنجاب کا دانا بیگ" کہا کرتا تھا۔ رحیم اللہ کے چھوٹے بیٹے میاں رحیم بخش

کے دو لڑکے تھے۔ مولوی قادر بخش اور میاں کریم بخش۔ قادر بخش بڑا عالم اور شاعر تھا۔ نادر اس کا تخلص تھا حسب منشار نجیت سنگھ اس نے جرنیل کورٹ لینڈ فرانسیسی آفیسر فوج خالصہ سے یورپین توپ خانہ اور بندوق سازی کا فن سیکھا اور فن بندوق سازی پر بزبان فارسی کتاب "مفتاح القلعہ" لکھی، علم طب میں کمال حاصل تھا۔ نظام الدین ولد قادر بخش کے تین بیٹے تھے۔ مولوی ظہور الدین، میاں شاہ دین وہ خوش نصیب انسان تھے جنہیں دنیا آنریبل جسٹس میاں شاہ دین بیرسٹر و جج عدالت عالیہ چیف کورٹ پنجاب لاہور کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان کے صاحبزادے میاں بشیر احمد بیرسٹر ترکی میں پاکستان کے سفیر تھے۔

محمد لطف اللہ کے چھوٹے بیٹے حافظ محمد کے چھ لڑکے تھے۔ ان میں سے بڑا محمد بخش علاقہ دار اور زمیندار تھا۔ میاں نبی بخش شالامار کا منتظم تھا۔ اس کا بیٹا میاں جلال دین باغبانپورہ کا ذیلدار اور شالامار کے شاہی باغات کا مہتمم تھا۔ یہ عہدہ اس خاندان میں شاہجہاں کے زمانہ سے ہی موروثی ہے۔ میاں جلال الدین کے بیٹے میاں جمال دین بڑے مشہور ذیلدار، آنریری مجسٹریٹ اور خان بہادر تھے۔

اس خاندان میں آنریبل "خان بہادر" میاں محمد شفیع اور سابق یو۔پی کے گورنر، میاں افتخار الدین بیرسٹر، جسٹس عبدالرشید سابق جج فیڈرل کورٹ پاکستان، بیگم شاہنواز بہت مشہور ہستیاں گزری ہیں۔ یہ خاندان قوم ارائیں کے لئے فخر کا باعث ہے۔ انجمن ارائیان ہند کی داغ بیل ڈالنے اور اس کی پرورش کرنے میں انہی کا ہاتھ ہے۔ اس وقت بھی اس خاندان کو جو عزت اور وقار حاصل ہے دوسرے تھوڑے خاندانوں کو نصیب ہے۔

خاندان کاردارال

ان کے مورث میاں امام بخش سکھوں کے عہد میں نہایت مشہور اور عہدۂ کارداری پر فائز تھے۔ اس خاندان میں منشی کریم بخش، منشی مہتاب الدین، میاں جلال الدین، سائیں بلاقی شاہ بہت مشہور ہوئے ہیں۔ اسی خاندان کے ایک چشم و چراغ عبدالحفیظ کاردار ہیں۔ جو کرکٹ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ کھلاڑی اور کپتان رہے ہیں آجکل صوبائی وزیر خوراک ہیں۔ اور ان

کے بڑے بھائی برصغیر کی فلم انڈسٹری کے مشہور ہدایت کار اے۔آر کاردار بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

خاندان کٹار بنداں

ان کے مورث اعلیٰ میاں کمال الدین سرسہ سے عہد جہانگیر میں آکر چونیاں ضلع لاہور میں آباد ہو گئے تھے وہاں بلوچوں سے تنازعہ ہو گیا۔اور معاملہ بادشاہی دربار تک پہنچا۔بادشاہ نے چونیاں سے بلا کر لاہور میں آباد کیا۔اور قلعہ شیش محل میں جگہ دی۔ان کی شجاعانہ قابلیت اور فوجی خدمات کے عوض شاہجہان نے دربار منعقد کر کے میاں حبیب اللہ کو دوسرے عطیات کے ساتھ ایک تلوار بھی عطا کی اس لئے ان کا لقب خاندان کٹار بنداں کے نام سے مشہور ہو گیا۔

جو شخص بادشاہ کی طرف سے لاہور کا صوبیدار تھا، وہ بہت بدمزاج تھا۔ایک روز کسی بات پر میاں عبدالرحیم سے ناراض ہو گیا۔معاملہ بڑھ گیا اور میاں عبدالرحیم، محمد اسمٰعیل اور عبداللطیف تینوں بھائیوں نے قلعہ شیش محل کا دروازہ بند کر لیا اور شاہی فوج نے محاصرہ کر لیا۔جب واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو ملی اور تفتیش ہوئی تو بادشاہ نے حالات سے آگاہ ہو کر انہیں معافی دی اور سابقہ اعزازات و جاگیرات پر بحال رکھا۔عالمگیر بادشاہ نے جو عطیہ شیخ محمد عارف کو دیا تھا۔اس کی سند اب تک ان کے خاندان میں موجود ہے۔

سکھوں کے عہد میں بھی یہ خاندان بہت مقتدر تھا چنانچہ مہر شادی لاہور کا مقدم تھا اس نے مہر محکم الدین کے ساتھ مل کر رنجیت سنگھ کو لاہور پر قبضہ دلانے میں مدد دی۔اس کا پوتا امام بخش انگریزی عہد میں ذیل دار تھا۔اس کا بیٹا میاں اللہ بخش بھی ذیل دار تھا۔اس کا لڑکا میاں خدا بخش ذیل دار اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔

سرکاری عہدوں کے علاوہ اس خاندان کے کئی افراد بہت عالم گزرے ہیں۔چنانچہ حکیم مولوی عنایت خاں شہزادگان دہلی کے استاد اور حکیم تھے۔حکیم مراد بخش لاہور کے مشہور طبیب اور بہترین عالم ہو گزرے ہیں۔اب بھی یہ بہت مقتدر اور معزز خاندان ہے۔

ضلع تھرپارکر

اس ضلع میں ارائیوں کی آبادی تقریباً چالیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اور اس سارے ضلع میں تعلیم اور اراضی کے لحاظ سے ارائیں اپنی منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ سندھ کے علاقہ میں اگرچہ مختلف مقامات پر ارائیں آباد ہیں مگر تھرپارکر میں ان کی اکثریت ہے اور اجتماعی طور پر بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس ضلع میں یوں تو پہلے بھی ارائیں آباد تھے مگر جمڑاؤ نہر کے جاری ہونے کے بعد ۱۹۰۳ء میں ارائیں آبادکاروں کے بیشتر جتھے یہاں آئے اور مستقل آباد ہو گئے جن لوگوں نے ارائیوں کو اس نئی آبادی میں مستقل طور پر آباد کرانے، انہیں اراضی دلوانے اور اس جگہ ان کے گاؤں بسانے میں نمایاں حصہ لیا تھا ان میں مندرجہ ذیل اصحاب زیادہ ممتاز تھے۔

۱۔	حافظ حاجی خیر محمد نمبردار	دیہہ ۱۷۰
۲۔	حاجی پیر محمد	دیہہ ۱۴۳
۳۔	نمبردار محمد اولیاء	دیہہ ۱۴۳
۴۔	محمد اعظم	دیہہ ۱۴۳
۵۔	حاجی نظام الدین جالندھری نمبردار	دیہہ ۱۹۰
۶۔	مہر محمد صادق رئیس حیدرآباد	
۷۔	خان صاحب غلام محمد ڈیبنسر اسٹیٹ	

جالندھر کے گاہندری خاندان میں سے ایم رفیق شاکر ساکن گپنہ مشہور ہیں۔ اور چودھری عمر الدین، چودھری عبدالحکیم، چودھری محمد حیات، چودھری عبدالعزیز بہت مشہور ہیں۔

اس صدی کے آغاز میں مندرجہ ذیل شخصیتیں بہت مشہور تھیں۔

۱۔ **مہر محمد علی** آپ بٹالہ ضلع گورداسپور سے تشریف لائے تھے۔ جہاں آپ با اثر اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ آپ بہت قابل اور نڈر اور اعلیٰ کردار کے زمیندار تھے۔ دیہہ ۱۹۰ تحصیل ڈگری میں مقیم تھے۔ آٹھ سال ہوئے آپ کا انتقال ہو گیا۔

۲۔ **حافظ صوفی محمد افضل**۔ آپ اس علاقہ کے پڑھے لکھے سیاسی اور سماجی کارکن ہیں۔ آپ کی کوشش سے دیہہ ۷۰ امیں ہائی اسکول، گورنمنٹ ڈسپنسری، گرلز سکول اور پوسٹ آفس وغیرہ موجود ہیں۔ آپ کے صاحبزادے حافظ خیر محمد ہیں جن کے لڑکے ڈاکٹر خلیل احمد الیف۔ آر سی۔ الیس بہت معزز آدمی ہیں۔ گاؤں کے ہائی سکول میں حافظ صاحب کے چھوٹے بھائی مسٹر عبدالخالق بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ان کا چک "حافظوں کا چک" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ بیشتر افراد حافظ قرآن ہیں۔

۳۔ **صوفی علی محمد**۔ آپ بھی پرانے کارکنوں میں سے ہیں۔ آپ نے کوشش کر کے ٹنڈو جان محمد اور ڈگری کے درمیان اپنے گاؤں کے بالمقابل ایک ریلوے سٹیشن بنوایا ہے۔ جو آپ کے نام پر صوفی آباد کہلاتا ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے محمد اسلم بی۔ اے۔ ایل ایل بی حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں۔

۴۔ **خان صاحب چودھری غلام محمد**۔ آپ اس علاقہ کی ایک متمول اور مشہور ہستی ہیں۔ آپ کی کوششوں سے بنی سر، ٹالھی اور ڈہینیسر کے علاقوں میں کافی ارائیں آباد ہوئے ہیں۔ آپ قیام پاکستان سے پہلے بھی بہت مقتدر تھے۔

۵۔ **ڈاکٹر فیروزالدین**۔ آپ اس علاقہ میں پہلے کوالیفائڈ ڈاکٹر ہیں اور بمبئی یونیورسٹی کے گولڈ میڈلسٹ بھی ہیں۔ آپ ڈگری شہر کی معزز ترین شخصیت ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے صدرالدین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کراچی میں ایڈووکیٹ ہیں۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالحمید ایم۔ بی۔ بی۔ الیس ٹنڈو جام میں پریکٹس کرتے ہیں۔ تیسرے صاحبزادے سعید احمد صاحب انگلستان میں زیر تعلیم ہیں۔

۶۔ **نمبردار فضل الٰہی**۔ آپ نمبردار حاکم علی دیہہ ۱۹۴ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ ارائیں قوم کے بااثر فرد تھے۔ دس سال ہوئے آپ کا انتقال ہوگیا۔

آجکل اس علاقہ میں قوم ارائیں کے معزز افراد میں سے چند نمایاں شخصیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر عبدالحمید ایم بی بی الیس، ٹی بی سپیشلسٹ۔

۲۔ مسٹر محمد نذیر عالم۔

۳۔ ڈاکٹر خلیل الرحمن

۴۔ ڈاکٹر عبداللطیف

۵۔ ڈاکٹر بشریٰ رشید

۶۔ مسٹر امداد علی بی اے ٹنڈو جان محمد

۷۔ محمد اسلم ایڈووکیٹ

۸۔ محمد مشتاق پولیس پراسیکیوٹر۔

۹۔ ارائیں عبداللہ ڈسٹرکٹ فارسیٹ آفیسر

۱۰۔ ارائیں عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر۔

۱۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ ارائیں ڈائریکٹر پبلک ہیلتھ سروسز حیدر آباد ریجن۔

۱۲۔ پروفیسر عبدالعزیز ایگریکلچرل کالج ٹنڈو جام۔

۱۳۔ ارائیں عبدالرحمان ریٹائرڈ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ۔

۱۴۔ جناب محمد شفیع صاحب چیئرمین ٹاؤن کمیٹی ڈگری۔

۱۵۔ چوہدری نصیر احمد ایڈووکیٹ میرپور

۱۶۔ سیٹھ علی احمد صاحب

۱۷۔ سیٹھ حاجی عبدالعزیز صاحب۔

۱۸۔ حاجی عمردین صاحب۔

۱۹۔ جناب خلیل الرحمان صاحب ارائیں سول سرجن سانگھڑ۔

ٹنڈو جان محمد میں ڈاکٹر علی احمد سماجی کارکن ہیں۔ سیٹھ محمد حسین صاحب ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر اور سب سے زیادہ مشہور سماجی کارکن ہیں۔ آپ بہت مخیر، قوم کے سچے ہمدرد ہیں۔ سیٹھ عبداللہ ارائیں بھی مشہور ہیں۔ جناب خورشید عالم مشتاق جالندھری ایک ادبی شخصیت ہیں۔ اور شعر و شاعری کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی مسٹر نذیر عالم ایڈووکیٹ ہیں۔ جناب نمبردار نذیر احمد اور محمد یوسف دیہہ ۱۹۰ بھی کافی مشہور ہیں۔ میرپور خاص میں ڈاکٹر سلطان محمود صاحب بہت مقبول ہیں۔ کنری میں چوہدری شاہ محمد، چوہدری فتح محمد۔ چوہدری

محمد اسمٰعیل، محمد ابراہیم، محمد بخش، جان محمد، محمد امین بہت مشہور ہیں۔

مہر الدین ارائیں۔ آپ گوٹھ مہر محمد لوٹا نزد کاچھیلو ریلوے سٹیشن کے رہنے والے ہیں قیام پاکستان سے پہلے ضلع گورداسپور ان کا وطن تھا۔ آپ اپنے وقت کے نامی گرامی پہلوان تھے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک یہ شغل جاری رکھا۔ اس کے بعد فکر معاش دامنگیر ہوئی اور یہ مشغلہ ترک کر دیا۔ ان کے بہت سے شاگرد اب بھی پہلوانی کرتے ہیں۔

سیٹھ محمد حسین ارائیں۔ بڑے گھر میں پیدا ہو کر بڑا بننا کوئی فخر کی بات نہیں ہے بلکہ چھوٹے سے بڑا ہونا بڑے فخر کی بات ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کی نعمت اور انسانی جدوجہد کا ثبوت ہے۔ اس نظریہ کی روشنی میں جب سیٹھ محمد حسین صاحب کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مسرت ہوتی ہے کہ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں ہوش سنبھالا مگر مسلسل جدوجہد، دیانت داری اور توکل علی اللہ کی بنا پر آج پورے تھرپارکر ضلع کی چوٹی کی شخصیتوں میں انہیں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔

آپ ۱۹۲۷ء میں جناب رکن الدین صاحب کے ہاں دیہہ ۱۹۴ ٹنڈو جان محمد ضلع تھرپارکر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دو بھائی اور بھی ہیں۔ آپ کے والد ایک غریب آدمی تھے۔ گھر کی زمین صرف بیس ایکڑ تھی اس لئے دوسروں کی زمین کاشت کرتے تھے۔ آپ نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی اور جب آپ کے والد انتقال کر گئے تو آپ کے ماموں ڈاکٹر علی احمد اور چودھری نور محمد نے آپ کی سرپرستی کا ذمہ اٹھا لیا۔ آپ نے کاشت کاری کو چھوڑ کر دیہہ ۱۹۴ میں کریانہ کی ایک دکان نکالی مگر اس میں ناکام رہے۔ پھر ڈاکٹر علی احمد نے آپ کو اپنے ساتھ اجناس کی تجارت میں شامل کر لیا۔ جس میں آپ نے دیانت داری اور جانفشانی کا ثبوت دیا اور اس میں مہارت بھی حاصل کر لی۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد جب ٹنڈو محمد جان سے ہندو چلے گئے تو آپ کے ماموں محمد یوسف نے آپ کو شہر میں کریانہ کی ایک دوکان کھول دی جو کامیاب رہی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے اجناس کی تجارت کا کام جاری رکھا اور جب کاروبار خوب چمک اٹھا تو آپ نے دوکان اپنے بھائی نذر حسین کے حوالے کر دی اور خود تجارت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ خداوند تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں اس قدر برکت دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں لکھ پتی ہو گئے۔

اور اب تھرپارکر ضلع کی ایک بھاری بھرکم اور مالدار شخصیت بن گئے ہیں۔

آپ ۱۹۵۹ء سے ڈسٹرکٹ کونسل تھرپارکر کے ممبر ہیں۔ جب بھی انتخابات میں حصہ لیا آپ کامیاب ہوئے۔ آپ کونسل کے اجلاس میں بے دھڑک بولنے والے اور حق بات کہنے والے ہیں۔ دولت حاصل ہونے کے بعد آپ اس فارسی شعر کی زندہ تفسیر بن گئے ہیں۔

ع نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین

آپ بہت مخیر اور سخی ہیں۔ سماجی بہبود میں ان سے بڑھ کر چندہ دینے والا اس علاقہ میں موجود نہیں ہے۔ آپ انجمن ارائیاں سندھ کراچی کے اولین بانیوں میں سے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا جلسہ جو ٹنڈو جان محمد میں ہوا تھا۔ وہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب بھی اس انجمن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے آپ ہی ہیں۔ اس علاقہ میں آپ جس چیز کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں وہ آپ کا محکمہ انہار کی چیرہ دستیوں کے خلاف جہاد ہے۔ آپ عوام کی مدد کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ جہاں کسی نے نہری پانی کی کمی بیشی یا کسی دوسرے ظلم کا ذکر کیا آپ فوراً کار پر بیٹھ کر جائے واردات پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب تک مظلوم کی داد رسی نہ ہو جائے اپنی کوشش کو جاری رکھتے ہیں۔

آپ کی موجودہ اراضی تقریباً تین سو ایکڑ ہے اور پیداوار بڑھانے کے مقابلوں میں ہمیشہ آپ نے انعام جیتا ہے۔ چنانچہ آپ کے کھیت ایک مثالی فارم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بطور نمونہ دکھائے جاتے ہیں۔ آپ نمازی اور دیندار ہیں۔ تلاوتِ کلام مجید سے خاص محبت ہے۔ روزانہ صبح بلند آواز سے تلاوت کرتے ہیں اور جب تک تلاوت سے فارغ نہ ہو جائیں کوئی دنیاوی کام نہیں کرتے۔

آپ بہت خلیق اور ملنسار ہیں اور نو دولتیوں کی طرح کسی طرح کے تکبر یا رعونت کا ان میں نشان تک نہیں ہے۔ آپ کا بڑا لڑکا زاہد حسین جو انٹر آرٹس تھا چند سال ہوئے انتقال کر گیا جس سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور اب لطیف آباد (حیدر آباد) میں اپنے بنگلے میں تقریباً گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔

ضلع سانگھڑ

جمڑاؤ نہر نکلنے کے بعد اس ضلع میں ارائیوں نے زمین حاصل کر کے اپنے دو گاؤں دیہہ ۲۲

اور دیہہ ۲۲ الف آباد کئے۔ جن میں ہائی سکول، گرلز سکول، ڈسپنسری وغیرہ موجود ہیں۔ ان دونوں چکوں کے لوگ بہت آسودہ حال، تعلیم یافتہ اور متقدر ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں چکوں کے ان عہدیداروں کی ایک مختصر سی فہرست پیش کرتے ہیں جو کم از کم گزٹیڈ آسامیوں پر کام کر رہے ہیں۔

۱۔ خان صاحب حاجی دین محمد ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف ریونیو لاہور (پنشنر)

۲۔ خان صاحب جمال الدین ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر (پنشنر)

۳۔ خان صاحب محمد دین ڈپٹی چیف انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی، بی اینڈ آر۔

۴۔ خان صاحب نور محمد مختار کار (پنشنر)۔

۵۔ جناب دین محمد صاحب انسپکٹر آف سکولز۔

ان کے علاوہ نان گزٹیڈ آسامیوں پر بہت سے معزز افراد اور اعلیٰ قابلیت کے نوجوان بھی ہیں۔ تاجر اور زمیندار بھی ہیں۔ چنانچہ جناب عبد القادر صاحب، حاجی غلام محمد صاحب نمبردار، حاجی غلام محمد صاحب سیکنڈ ماسٹر، چوہدری طالب حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی سب زمیندار اور بہت اراضی کے مالک ہیں۔ حاجی محمد اسمٰعیل صاحب لوہے کے تاجر ہیں اور نواب شاہ میں ان کا کاروبار ہے۔ علی محمد صاحب تاجر سانگھڑ میں ہیں۔ سفید پوش علی محمد اور علی محمد پریذیڈنٹ سماجی کارکن اور مشہور ہستیاں ہیں۔ سنجھورہ میں چوہدری بشیر احمد بہت بارسوخ اور با اثر ہیں۔
(نوٹ) حاجی محمد اسمٰعیل صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔

پنجابی کالونی میں فوجی آباد ہیں۔ صوبیدار شاہ محمد، کیپٹن فتح محمد زمیندار اور تاجر بھی ہیں۔ چوہدری محمد اسحاق، ماسٹر عبد الغفور، چوہدری ریاض احمد، چوہدری بشیر احمد وغیرہ کافی مشہور ہستیاں ہیں ان میں سے بیشتر تاجر بھی ہیں۔

اس تاریخ کے پہلے ایڈیشن کی طباعت اور اشاعت کا تمام خرچہ مندرجہ ذیل افراد نے فراہم کر کے اپنی حُبّ قوم کا ثبوت دیا ہے۔

۱۔ چودھری فضل دین صاحب چک نمبر ۷

۲۔ جناب عبد الغفور صاحب چک نمبر ۸

۳۔ چودھری بشیر احمد چک نمبر ۱۰

۴۔ چودھری نعمت علی صاحب چک نمبر ۷

۵. چودھری ولی محمد صاحب چک نمبر ۱۰
۶. چودھری مقبول احمد صاحب سانگھڑ
۷. چودھری نذیر احمد صاحب سانگھڑ
۸. چودھری سیٹھ محمد اسحاق صاحب سانگھڑ (صدر انجمن بہبود ارائیاں سانگھڑ)
۹. چودھری نیاز علی صاحب چک نمبر ۳
۱۰. حافظ محمد ابراہیم صاحب سانگھڑ

لاڑکانہ

اس ضلع میں ارائیوں کی مشہور گوت بھٹو کا مقتدر خاندان ہے جس کا تعارف اس تاریخ کا محتاج نہیں۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان ——————

—————— سر شاہنواز بھٹو وزیر اعظم ریاست جوناگڑھ۔ پیر بخش ممبر سابق قومی اسمبلی پاکستان ممتاز علی بھٹو وزیر اعلیٰ سندھ و ممبر قومی اسمبلی سب مشہور و معروف شخصیتیں ہیں۔ علمی اور مالی لحاظ سے اس ضلع بلکہ علاقہ سندھ میں بہت تھوڑے خاندان ایسے ہوں گے جو ان سے لگا کھا سکیں جناب غلام رضا بھٹو انسپکٹر آف سکولز خیرپور ڈویژن، جناب مولانا جان محمد بھٹو امیر جماعت اسلامی سندھ، جناب مولانا غلام سرور بھٹو ہیڈ ماسٹر تعمیر ملت ہائی سکول ڈیرپر (منصورہ) نہایت ہر دلعزیز ہستیاں ہیں۔

ملتان اور بہاول پور کے رہنے والے بھٹوؤں سے لاڑکانہ کے بھٹو کہیں زیادہ اقتدار کے مالک ہیں۔

واضح ہے کہ سرسہ ضلع حصار واقع انڈیا میں بھٹہ ایک بڑا قصبہ اور ریلوے سٹیشن اب تک موجود ہے۔ ارائیوں کے جو خاندان دریائے سرسوتی کے خشک ہو جانے کے بعد نقل مکانی کر کے واپس دریائے سندھ کے کنارے اپر سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ اپنے قصبہ کے نام کی وجہ سے بھٹے کہلائے۔ ان خاندانوں کی زیادہ تعداد اپر سندھ، بہاول پور اور ملتان میں ہے۔ چند خاندان البتہ بٹالہ ضلع گورداسپور میں آباد تھے جن میں آجکل جناب چوہدری بشیر احمد بھٹہ صاحب بٹالوی مالک

آزاد بک ڈپو لاہور اور جناب ثناء اللہ بھٹہ صاحب مالک بساطِ ادب لاہور بہت معزز اور دین دار ہیں۔

(صوفی اکبر علی صاحب نے اپنی کتاب سلیم التواریخ میں سندھی مہروں کو ارائیں گردانا ہے حالانکہ یہ ان کی غلطی تھی۔کیونکہ سندھی مہر راجپوت ہیں اور ارائیں ہرگز نہیں ہیں۔ان کے متعلق تاریخ ریگستان (تھر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد میں نہایت مدلل لکھا ہے۔اور سندھی مہر خود اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں۔ہماری تاریخ کے پہلے ایڈیشن میں بھی یہ سہو ہو گیا ہے اس لئے یہ نوٹ دیا جا رہا ہے تاکہ غلطی کا ازالہ ہو جائے۔)

سندھ میں رہنے والے محمد بن قاسم کے زمانہ کے ارائیں اپنے نام کے سامنے لفظ "ارائیں" ضرور لکھتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

کراچی

کراچی میں ارائیوں کے متعلق دوسرے احباب کو بہت کم معلوم ہے اور خود ہماری قوم بھی یہ سمجھتی ہے کہ ارائیں شاید صرف علاقہ سابق پنجاب میں ہی ہیں۔ حالانکہ یوپی سے ہجرت کرنے والے تمام ارائیں کراچی میں ہی آباد ہوئے ہیں۔جن میں اکثریت تاجروں کی ہے اور اس کے بعد ملازمین کی۔

ہم ذیل میں چند ارائیں انجمنوں کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ کو اس سے کراچی کے ارائیوں کا اندازہ ہو جائے۔

انجمن اتحاد ارائیاں کراچی

صدر: جناب محمد طیب صاحب ریٹائرڈ ڈائریکٹر آف سائنس۔

جنرل سیکرٹری: جناب طاہر اسلام صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔

جوائنٹ سیکرٹری: جناب محمد صدیق اختر صاحب بی۔اے نیشنل بنک آف پاکستان

خزانچی: جناب محمد شفیع صاحب بی۔اے سپرنٹنڈنٹ نیول ہیڈکوارٹر کراچی۔

پروپیگنڈہ سیکرٹری: جناب محمد سلیمان صاحب چارج مکینک ماڑی پور۔

(ا) صدر محمد تقی صاحب انجمن راعیان سوداگران دہلی کراچی۔ دہلی کالونی کراچی۔

(ب) سیکرٹری دفتر انجمن راعیان دہلی۔ دہلی کالونی کراچی۔

(ج) میاں محمد افضل صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری صدر انجمن راعیان دہلی کراچی۔

(د) چودھری غلام رسول ارشد صاحب نیو کلاتھ مارکیٹ کراچی۔ سینئر نائب صدر

میاں عبدالحفیظ صاحب (جنرل سیکرٹری) پریذیڈنٹ کراچی پورٹ ٹرسٹ

جناب عبدالرشید صاحب چودھری پروپیگنڈہ سیکرٹری انجمن راعیان کراچی

چوہدری محمد ابراہیم صاحب سینئر سپرنٹنڈنٹ منسٹری آف فنانس (آپ نے کراچی انجمن راعیان کی ایک ڈائریکٹری بھی تیار کی ہے،

چوہدری محمد انور امین متعلم پی۔ ایچ۔ ڈی (صدر کراچی یونیورسٹی انجمن پنجابی طلباء نے اس انجمن میں دوبارہ جان ڈالنے کے لئے کافی مساعی کیں،

کراچی کے ارائیں تعلیم، تجارت، عہدہ داری اور مالی لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔

متفرقات

ضلع انبالہ و کرنال کے تیس مربع میل میں ارائیوں کے ڈیڑھ سو گاؤں تھے۔ وہاں ان کی چند مشہور ہستیاں حاجی اصغر علی تاجر بحرین، ان کے صاحبزادے اور ان کا پورا خاندان تھا۔

پاکستان میں: حاجی کمال الدین مدرس کارپوریشن لاہور، عبداللہ اکرم انسپکٹر ڈاک خانہ جات، فیض محمد ریٹائرڈ ہیڈ کلرک دفتر پی۔ ایم۔ جی۔ نور محمد فلائٹ سارجنٹ۔ میاں اصغر علی اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ لیبر، خان بہادر میاں محمد یوسف ایڈیشنل سیٹلمنٹ کمشنر، میاں محمد حنیف، چودھری علیم اللہ آنس مینجر لیور برادرز لاہور، چودھری سکندر علی مینجر باٹا کمپنی۔ چوہدری عبدالحمید ریٹائرڈ ڈی ایس پی، چودھری جہانگیر علی، چوہدری محمد ذاکر ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ سرگودھا۔

ماسٹر شمس الدین صاحب شاعر اور مدرس ہیں۔ ان کے لڑکے بدر الدین ہیں چودھری

محمد ادریس" انجمن ارائیاں" کے بانی ہیں۔ مولانا عبداللطیف سیفی اور چودھری بدرالدین صاحب ڈی ایس پی انٹی کرپشن لاہور۔

میاں خدا بخش اور حاجی ابراہیم کے خاندان اس وقت میانوالی میں مشہور ہیں۔

کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں:۔ اس جگہ ارائیں عموماً ملک کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ پروفیسر محمد ظریف مرحوم، بازگل مرحوم، عبدالرزاق، بشیر احمد، سعید احمد، سعید اختر شاعر، عبدالقدوس شاکر (جو فقیر ایپی کی فوج کے سابق کمانڈر ہیں) عبدالعزیز، عبدالکریم، عبدالخالق، عطاء اللہ خاں، محمود خاں، عبداللہ حفیظ اللہ اور انور سلیم وغیرہ بہت مشہور افراد ہیں۔

سیالکوٹ میں رعیہ نام ہی ارائیوں کی مشہور بستیوں کا غماز ہے۔ گوہدپور میں برادری کا اپنا ہائی اسکول (اقبال میموریل ہائی اسکول) ہے۔ مرادپور کا مشہور خاندان چودھری محمد اکبر، چودھری محمد اشرف، بریگیڈیر محمد اصغر، میجر محمد اقبال کا ہے۔

ڈاکٹر چودھری عبدالکریم صدر انجمن ارائیاں سیالکوٹ ہیں۔

کوٹلی بہرام، گوہدپور، مرادپور، کولپور، ننگل، نواں پنڈ، ہانڈالی، ڈگری، لالے والی، پڑوپی وغیرہ کا تمام علاقہ ارائیوں کی آبادی کا علاقہ ہے۔ چودھری محمد صدیق کے بزرگوار بہت معروف ہستیاں ہیں۔ یعنی چوہدری محمد حسین، کیپٹن محمد رفیع، مس ثریا چودھری، محمد اقبال چودھری وغیرہ، چودھری مولا بخش کا خاندان بھی بہت مقتدر ہے۔

موضع گوہدپور کے میجر احمد علی، کیپٹن محمد اشرف، کیپٹن بشیر احمد، لیڈی ڈاکٹر خورشید حیات میاں عمر حیات مرحوم، میاں حاکم علی بہت مشہور ہیں۔ لیفٹیننٹ محمد طفیل چوہدری پاکستان نیوی موضع لالے والی کے ہیں۔

ساہی وال چودھری الٰہی بخش، چودھری مولا بخش (جو گورنر جنرل کے باڈی گارڈ تھے) محمد اقبال، قمر الزماں، محمد اسحاق، محمد رفیق، مختار احمد سب گریجویٹ اور چک $\frac{102}{12R}$ رینالہ خورد کے ساکن ہیں۔ سب بڑے بڑے عہدیدار ہیں۔ محمد دین علیشی مالک برما شیل منٹگمری بہت با رسوخ انسان ہیں۔ ان کے جدّ امجد طاہر موضع شیرپور تاتیاں تحصیل

زیرہ ضلع فیروزپور کے رؤسا میں سے تھے - مہر ہاشم، مہر ابراہیم، مہر نظام الدین وغیرہ بہت مشہور ہوتے ہیں - چودھری محمد شریف غلہ منڈی ساہیوال -

لائل پور چودھری رحمت اللہ، چودھری عبدالرشید چک ۳۲۶ گ.ب، چودھری عبدالغفور ٹوبہ ٹیک سنگھ، چودھری محمد عبداللہ بابر سینما، چودھری غلام محمد ناز سینما، چودھری اللہ دتہ ناولٹی سینما، چودھری نظام الدین مرحوم چک ۶۷ گ.ب، چودھری محمد طفیل چک ۱۰۲، چودھری محمد صادق چک ۹۴، الحاج میاں عبدالمجید ۲۴۷ گ.ب، میاں منظور الحق، میاں اکرام الحق مشہور ہستیاں ہیں -

فٹ بال ٹیم کے لئے چک ۲۲۰ گ ب مشہور ہے - چودھری فضل الدین بہت اچھے کھلاڑی ہیں - چودھری محمد ابراہیم گوجرہ والے بہت مشہور کھلاڑی ہیں - چودھری محمد جمیل اور چودھری سردار محمد گول کیپر پاکستان میں کافی شہرت کے مالک ہیں -

صوبہ سرحد کے ارائیں۔ لاہور سے پشاور کو چلیں تو ضلع گجرات میں قصبہ لالہ موسیٰ پڑتا ہے - وہاں کے ارائیوں نے اپنی انجمن بھی بنالی ہے - ماسٹر محمد یوسف صاحب بہت مشہور کارکن اور شاعر ہیں - چودھری رحمت خاں صاحب کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں -

ضلع جہلم میں بھی انجمن ارائیاں قائم ہے - حاجی عبداللطیف صدر ہیں - قریب ہی میرپور آزاد کشمیر ہے جہاں کے ارائیوں نے اپنی الگ انجمن قائم کر رکھی ہے اور برادری کے لوگوں کی آبادکاری میں کافی کام کیا ہے چوہدری محمد عالم صاحب صدر ہیں جو میرپور کے رئیس اعظم بھی ہیں -

راولپنڈی و مضافات میں "حزب ارائیاں" کے نام سے انجمن قائم ہے جس نے برادری کی تنظیم میں کافی کام کیا ہے - ان کے جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں - جہلم سے پشاور تک 'کھڑی بولی' اور کھڑی مونچھوں والا علاقہ کہلاتا ہے - اس علاقہ میں برادری کے لوگ "ملیار" کے نام سے پکارے جاتے ہیں - چنانچہ پشاور، مردان، کوہاٹ، اٹک، کیمبل پور وغیرہ میں ارائیں 'ملیار' ہی کہلاتے ہیں - افسوس کا مقام ہے کہ سرکاری کاغذات میں اب تک ارائیں کی بجائے 'ملیار' یا باغبان کا لفظ استعمال ہوتا ہے - پشاور کے متصل "ڈیری باغبانان" ارائیوں کا گاؤں تھا اب

یہ شہر کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ وہاں غیر پٹھان زمیندار اور کاشت کار سب اعوان ہی کہلاتے ہیں۔ گویا زراعت پیشہ کے لئے "اعوان" کا لفظ مستعمل ہے۔

پشاور شہر اور تین میل تک مضافات کی زبان پنجابی ہے جسے وہاں "ہندکو" کہتے ہیں۔ دیہات کی زبان پشتو ہے۔ لیکن اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، جہانگیرہ اور دریائے سندھ کے کنارے بہت سے دیہات کی زبان پنجابی ہے۔ پشاور کی سبزی اور فروٹ مارکیٹ کے سب آڑھتی ارائیں ہیں۔ جو وہاں 'باغبان' کہلاتے ہیں۔ ان کا کاروبار کلکتہ اور بمبئی تک ہے۔ جہاں اب بھی کافی لوگ رہتے ہیں۔ اور پاسپورٹ سے پشاور آتے جاتے رہتے ہیں۔ بلکہ اب تو کویت اور لندن تک کاروبار بڑھا لیا ہے۔ تحصیل صوابی ضلع مردان میں ارائیوں نے گزشتہ پچاس سال میں بہت ترقی کی ہے۔ اس سے آگے آزاد قبائل کے علاقے میں بھی ہماری برادری کے لوگ موجود ہیں مگر ان سے متعلق کوائف جمع نہیں کئے جا سکے۔ آئندہ کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

دو مشہور خاندان

میاں خاندان منٹگمری جن کی گوت ڈولہ ہے جو اعتماد الدولہ یا عضد الدولہ کا مخفف یعنی دولہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ دیپالپور میں خلجی بادشاہوں کے زمانہ میں گورنر تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ گنجہ کلاں والے رئیس ہیں جن میں سردار احمد علی، سردار محمد حسین اور سردار محمد شفیع شامل ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ ان کی ایک شاخ جالندھر کے چودھری سمیع اللہ صاحب کا خاندان ہے جو عرصہ تک وہاں آنریری مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار رہے تھے۔ اب لائل پور میں آباد ہیں۔

منٹگمری والی موجودہ فیملی کا دور میاں کالے خاں سے شروع ہوا۔ ان کے بیٹے میاں جیوے خاں بہت مشہور تھے۔ ان ہی کے نام پر برج جیوے خاں آباد ہوا تھا۔ آپ کے پاس ڈھائی ہزار ایکڑ زمین تھی۔ آپ صوبائی درباری بھی تھے۔ ۱۸۸۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ان کے آٹھ بیٹوں میں سے سربراہ میاں حسین بخش تھے۔ یہ ڈویژنل درباری تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے میاں چراغ دین سربراہ ہوئے۔ آپ صوبائی درباری تھے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۸ء تک منٹگمری ڈسٹرکٹ بورڈ

کے وائس چیئرمین رہے۔ اور پندرہ سال تک انجمن ارائیاں ہند کے وائس پریذیڈنٹ بھی رہے آپ نے ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا۔ انہوں نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے ایک ایسوسی ایشن بھی قائم کی جس نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور لوگ میاں صاحب کو منٹگمری کا سرسید کہنے لگے۔ ان کے بھائی میاں نور محمد پندرہ سال تک منٹگمری ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر رہے اور ۱۹۴۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے میاں عبدالحق ۱۹۴۶ء سے صوبائی اسمبلی کے ممبر چلے آ رہے ہیں اور پھر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔ آپ چیف پارلیمانی سیکرٹری بھی رہے ہیں اور پابند صوم وصلوٰۃ مسلمان ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔

میاں عبدالستار پی۔سی۔ایس اور میاں عبدالجبار آفیسر آبکاری ومحصولات ضلع لاہور اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔

ملک خاندان سانده کلاں ضلع لاہور کا مقتدر خاندان ہے۔ ان کے مورث ملک نصیر الدین فیروز پور سے لاہور آکر بھوگی وال میں آباد ہوئے اور ان کی اولاد نے راوی کے کنارے نئے گاؤں یعنی سانده کلاں کی بنیاد ڈالی۔ ان میں ملک صدر الدین، ملک عمر الدین، ملک عبدالرحیم ترتیب وار سربراہ ہوئے۔ ملک عبدالرحیم کو سولہ سو ایکڑ اراضی ملی تھی۔ ان کے بیٹے ملک نصیر الدین میونسپل کارپوریشن لاہور کے کئی سال تک ممبر رہے۔ ان کے بھائی ملک دین محمد انجمن ارائیاں ہند کے جنرل سیکرٹری رہے — ان کے فرزند ملک محمد بشیر مرحوم بھی جنرل سیکرٹری رہے، یہ فیملی بہت جائداد اور عمدہ کردار کی مالک ہے۔

اسی خاندان میں سے خان بہادر ملک تاج الدین صاحب (مرحوم) کے فرزند ملک مشتاق احمد صاحب محکمہ ریلوے میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ ان کے دوسرے لڑکے ملک محمد بشیر صاحب تھے جو دسمبر ۱۹۶۴ء میں فوت ہوئے۔ ملک مشتاق مرحوم کے فرزند ملک اشفاق مشہور فلم ڈائریکٹر ہیں اور دوسرے فرزند ملک گلزار احمد ایم۔ اے محکمہ ترقی ومنصوبہ بندی میں معزز عہدہ پر فائز ہیں۔

چوتھا باب

قوم کی بیداری

انجمنیں اور جلسے

فخر قوم صوفی محمد اکبر علی جالندھری مرحوم اپنی مشہور تصنیف سلیم التواریخ میں لکھتے ہیں کہ قومی تاریخ مرتب کرنے اور قوم میں بیداری پھیلانے کے سلسلہ میں انہوں نے ۴ را پریل ۱۸۹۶ء کو جالندھر میں سب سے پہلے قومی اجتماع کا بندوبست کیا۔ چنانچہ منشی محمد بخش ناظر کے مکان پر جلسہ ہوا جس میں خاں صاحب مہر نظام الدین اور صوبیدار میجر میاں غلام حسین کے علاوہ جالندھر کے دوسرے معززین بھی شامل تھے۔ بیرون جالندھر سے تشریف لانے والے حضرات میں مولوی محمد ابراہیم نمبر دار کرنال اور سردار حاجی نور محمد رئیس گنجہ کلاں لاہور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس جلسہ میں قومی تاریخ کے لئے مواد فراہم کرنے کے متعلق ایک جامع لائحہ عمل تیار کیا گیا۔

یہ برصغیر ہندوپاک میں گویا ارائیں برادری کا سب سے پہلا اجتماع تھا۔

انجمن راعیان ہندو پاکستان

۱۸۹۸ء بمقام ریلوے سٹیشن گنڈا سنگھ والا جو ضلع لاہور اور ضلع فیروز پور کی سرحد پر واقع ہے، سردار حاجی نور محمد صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس گنجہ کلاں ضلع لاہور کی صدارت میں ارائیں برادری کا سب سے پہلا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ جس میں میاں جمال الدین صاحب رئیس اعظم باغبان پورہ بھی شریک ہوئے۔ اس پہلے اجتماع میں زیادہ زور تنظیم اور اصلاحِ رسوم پر دیا گیا۔

۱۹۰۲ء میں پھر سردار حاجی نور محمد صاحب کی زیر صدارت دوبارہ اجتماعِ عظیم ہوا جس میں برادری کے بہت سے معززین شامل ہوئے اور حسب سابق تنظیم اور اصلاحِ رسوم پر ہی زیادہ زور دیا گیا۔

یہ دونوں اجلاس اپنی جگہ بے حد مفید ثابت ہوئے مگر ابھی تک کسی باقاعدہ انجمن کی داغ بیل نہیں ڈالی گئی تھی۔ البتہ محبانِ قوم انفرادی طور پر اس کوشش میں تھے کہ انجمن ارائیاں کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ صوفی اکبر علی صاحب اپنی کتاب سلیم التواریخ میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۹۴ء سے ہی انہیں انجمن ارائیاں بنانے کا خیال تھا مگر حالات سازگار نہ ہوتے تھے۔ آخر ملک تاج الدین صاحب بی۔ اے اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل پنجاب بھی ان کے ہم نوا بن گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد خاندان کٹاربنداں کے ایک معزز فرد چودھری غلام حیدر عمر بھی ان کوششوں میں شامل ہو گئے اور میاں سر محمد شفیع کی کوٹھی واقع لاہور میں اس مقصد کے لئے کئی اجلاس ہوئے تاکہ انجمن ارائیاں کی باقاعدہ تشکیل کی جائے۔

انہی دنوں کسی بے وقوف فوجی آفیسر نے محض ارائیوں کو ذلیل کرنے کے لئے انہیں غیر لڑاکا قوم قرار دلوا کر فوج میں ان کی بھرتی رکوا دی۔ اس واقعہ نے جلتی پر تیل ڈالا اور محبان قوم کی مساعی میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۱۵ء کو ملک تاج الدین صاحب کی کوٹھی پر انجمن ارائیاں قائم کرنے کی تجویز منظور ہو گئی۔ اور اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لئے میاں احسان الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لاء جالندھری، خلیفہ غلام حیدر صاحب وکیل راجپوری قاضی علی محمد صاحب انبالوی، میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر اور میاں پیر بخش صاحب کٹاربند بھی میدان عمل میں آ گئے۔ اور ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو انجمن ارائیانِ ہند لاہور کی داغ بیل ڈال دی گئی اور ارائیں کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا۔ یہ برصغیر ہند و پاکستان میں قوم ارائیں کی پہلی انجمن کا پہلا اجلاس تھا۔ اس کی صدارت میاں سر محمد شفیع صاحب خان بہادر سی۔ آئی۔ اے نے کی آنریری جنرل سیکرٹری ملک تاج الدین صاحب بی۔ اے مقرر ہوئے۔ میاں عبدالرشید صاحب جائنٹ سیکرٹری، میاں جلال الدین فاروقی فنانشل سیکرٹری، چودھری غلام حیدر عمر اسسٹنٹ سیکرٹری بنائے گئے۔ قاضی فتح محمد صاحب انبالوی سفیر انجمن مقرر ہوئے۔ اور مختلف شہروں میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔

اس اجلاس میں ارائیوں کے خلاف غیر لڑاکا ہونے کے الزام پر بھی غور کیا گیا۔ اور لائحہ عمل مرتب کر کے میاں سر محمد شفیع کو ایک محضر نامہ کے ساتھ وائسرائے ہند سے ملاقات کے لئے

کہا گیا۔ چنانچہ قوم کی بے چینی اور میاں صاحب کی مساعی کی بدولت آخر کار ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اس غلطی کا ازالہ کر کے میاں صاحب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا گیا جس میں فوجی آفیسر کی اس حماقت پر اظہار افسوس کرنے کے ساتھ ساتھ ارائیوں کو لڑاکا قوم قرار دے کر ان کی فوج میں بھرتی کا آرڈر دے دیا گیا۔

اس دوران میں سردار بہادر میجر محمد اسمٰعیل ارائیں نے جو شہنشاہ جارج پنجم کے دورۂ ہند کے وقت اس کے باڈی گارڈ دستہ کے اہم رکن تھے، والسرائے ہند کو قوم ارائیں کی شاندار روایات اور ان کے درخشندہ ماضی سے آگاہ کر کے فوج میں "ارائیں رجمنٹ" قائم کرنے پر آمادہ کیا مگر جنگ عظیم کی دشواریوں اور پریشانیوں کی وجہ سے ان کا یہ مطالبہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ اس مطالبہ کے وقت جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی۔ اور انگریزی حکومت ملک کی سیاسی فضا سے اس قدر پریشان تھی کہ نئی رجمنٹیں کھولنا تو درکنار، جنگ عظیم کی وجہ سے زیادہ بھرتی شدہ رجمنٹوں کو بھی توڑنا ضروری ہو گیا تھا تاکہ خزانہ پر زیادہ بار نہ پڑے۔ نیز حکومت کی توجہ آزادی کی تحریکوں کو کچلنے پر مرکوز ہو چکی تھی۔

برادری کی دوسری کانفرنس: دوسری آل انڈیا ارائیں کانفرنس اپریل ۱۹۱۶ء میں بمقام لاہور منعقد ہوئی۔ جس کے صدر حافظ عبدالحلیم خلف الرشید حاجی عبدالرحیم صاحب، ملک التجار ساکن بستی ریاست پٹیالہ تھے۔

برادری کی تیسری کانفرنس: تیسری آل انڈیا ارائیں کانفرنس ۶ اپریل ۱۹۱۷ء کو حافظ عبدالحلیم صاحب، ملک التجار کی کوٹھی "قصر حلیمی" واقعہ بستی ریاست پٹیالہ میں ان کی زیر صدارت ہوئی۔

چوتھی کانفرنس: برادری کی چوتھی آل انڈیا ارائیں کانفرنس فروری ۱۹۱۸ء میں بمقام امرتسر منعقد ہوئی جس کے صدر حافظ عبدالحلیم صاحب ہی تھے۔

کانفرنسوں کا التواء: ۱۹۱۸ء کے بعد کافی عرصہ تک برادری کی کوئی نتیجہ خیز کانفرنس نہ ہو سکی کیونکہ سیاسی اور ملکی حالات نہایت تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے اور زمانہ نئی کروٹ لے رہا تھا۔ آزادی کی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں اور سیاسی ہنگاموں سے سارا

ملک گونج رہا تھا۔

راعی بلڈنگس لاہور: اس اثنا میں برادری کے امراء نے باہم اشتراک سے راعی بلڈنگس لاہور کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے شاندار عمارت بنا دیا۔ یہ بلڈنگ موہنی روڈ لاہور پر آج تک ارائیوں کا مرکز اور انجمن ارائیان کا دفتر ہے۔ یہ میاں سر محمد شفیع ملک تاج الدین، سردار حاجی نور برہان، حافظ عبدالحلیم، قاضی فتح محمد، میاں غلام حیدر، میاں عبدالعزیز جیسے معززین قوم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

کانفرنسوں کا اجراء: ۳۰-۱۹۲۹ء میں لاہور کے چند نوجوان اکٹھے ہوئے جن میں چودھری برکت علی صاحب بی۔ اے اور چودھری محمد امین صاحب پیش پیش تھے۔ جن کی کوششوں سے وقتاً فوقتاً کئی اجلاس ہوئے مگر ایسا کوئی بھی اجلاس نہ ہو سکا جس میں سارے ہندوستان کی برادری کے نمائندے جمع ہوں۔ یہ بات البتہ قابل ذکر ہے کہ انجمن ارائیاں ہند کے صدر زیادہ عرصہ تک میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ہی رہے۔

متحدہ ہندوستان میں برادری کا آخری اجتماع

۵-۶-۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو جلال آباد ضلع بجنور (یو۔پی) میں سردار محمد شفیع صاحب رئیس گنجہ کلاں ضلع لاہور کی زیر صدارت برادری کی آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں حافظ عصمت اللہ صاحب جنرل سیکرٹری (مجلس استقبالیہ) تھے۔

چونکہ اس کانفرنس سے ہماری برادری کی تاریخی اہمیت کی کئی یادیں وابستہ ہیں اور تاریخ کے کئی گوشوں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم محترم جناب سردار محمد شفیع صاحب کے ان خطوط کو یہاں درج کریں جو انہوں نے اس موضوع پر وقتاً فوقتاً راقم کے نام ارسال کئے ہیں۔

"قیام پاکستان سے بیس سال پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے نوجوان اپنی پرانی انجمن ارائیان ہند سے تنگ آ گئے اور انہوں نے ایک پرجوش پارٹی ینگ ارائیں ایسوسی ایشن کے نام سے قائم کی اور مجھے دو سال تک رہنمائی کے لئے کہتے رہے۔ مگر میں آزادی ہند کے عظیم کاموں میں بے حد مصروف تھا۔ میں نے اس چھوٹی سی

انجمن کے کاموں کو غیر ضروری سمجھا جتے کہ وہ قاضی فتح محمد ابٹالوی کو لے کر میرے پاس آئے تو میں نے دخل دینے کی حامی بھر لی۔ اور خان بہادر اللہ بخش صاحب چیف کنزرویٹو (مغربی پاکستان) اور مسٹر حق نواز بیرسٹر کو صدر اور مجھے صدر الصدور بنایا گیا۔ اس طرح آل انڈیا ارائیوں کی نگاہ بھی اس انجمن کی کارکردگی کو دیکھ کر مجھ پر پڑتی رہی لیکن میں آزادی ہند کے عظیم مقاصد کو چھوڑ کر اس کام پر توجہ دینے کو تیار نہ ہوا حتےٰ کہ کچھ پُرجوش اور بہت ہی معزز ارائیں مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کو لے کر میرے پاس آئے۔ میں نے کچھ شرائط ان سے طے کیں کہ میں صرف اجلاس کا صدر ہی نہیں رہوں گا بلکہ اپنی ورکنگ کمیٹی بناؤں گا اور سال بھر پورے زور سے کام چلاؤں گا۔ چنانچہ جب انہوں نے سب باتیں تسلیم کیں تو میں نے صدارت قبول کر لی۔"

چونکہ سردار صاحب کا خطبۂ صدارت اس وقت کی معاشی اور معاشرتی حالت کا آئینہ دار ہونے کے علاوہ آج بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لہذا اس خطبہ کے چند اہم اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کس طرح حسب ونسب کا جاہلانہ غرور پیدا ہوا

برادران قوم! ہندوستان میں ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت و حقوق کی ترتیب قائم کی تھی۔ کاروانِ اسلام حسب ونسب کا فرق مٹا کر یہاں آیا۔ صدیوں یکجا رہنے سے دونوں نے ایک دوسرے کا اثر قبول کیا۔ جہاں ہندوؤں میں ذات پات کے امتیاز کی وہ شدت نہ رہی۔ وہاں مسلمانوں میں بھی امیر و غریب اور حسب ونسب کے نقش ابھر آئے۔ یہاں بہت تھوڑے مسلمان باہر سے آئے عرب سے براہ راست اسلام کا پیغام لانے والا تو یہی اریحائیوں کا پہلا گروہ تھا۔ جو محمد بن قاسم کی زیر قیادت یہاں آیا ورنہ اس کے بعد تو افغانستان اور ترکستان سے ہی مسلمان آتے رہے گویا ہندوستان میں اسلام کے پیغامات سیکنڈ اور تھرڈ ہینڈ طریقہ سے آئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں بڑی اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جو اس ملک کے باشندے تھے۔ انہوں نے اسلام

قبول کیا۔ تعلیم کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ان میں ہندوانہ تہذیب کی بہت سی باتیں قائم رہیں۔ انہی باتوں میں ایک یہ حسب ونسب کا غرور اور ذات پات کا امتیاز ہے۔ اسی لئے پس ماندہ برادریوں کو مسلمانوں نے بھی کم تر سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی کی دوڑ اور سیاسی معرکہ آرائیوں میں پیچھے رہ جانے والوں کو اپنے حسب ونسب کی تلاش ہوئی اور فوقیت کے جواز ڈھونڈے جانے لگے۔ جوں جوں مسلمان مذہب سے دور ہوتے جائیں گے جاہلیت کی باتیں اور عادتیں ابھرتی جائیں گی۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ہم اپنی برادری میں اسلامی تعلیم کا انتظام، اسلامی شعور اور محمدی اخلاق پیدا کریں۔ ہم اسلام کے پیغام کو پورے طور پر قبول کرلیں۔

برادری کی تنظیم کا مقصد

حضرات! سُن لیں کہ حسب ونسب کے متعلق اسلام کے اس پیغام اور واضح حکم کے بعد برادری کی الگ تنظیم ایسے انداز سے نہیں کی جاسکتی کہ وسیع برادری میں عصبیت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اس کا نتیجہ دوسری برادریوں سے رقابت اور کش مکش کی صورت میں نکلے۔ یہ ایک نئی مصیبت ہو گی۔ ہمارا مقصد اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کو مضبوط بنانا ہے۔ جس طرح ایک شریف خاندان، ایک اچھا کنبہ اپنے اقتصادی معاملات کی بہتری کے لئے متحد ہوتا ہے۔ اپنی اخلاقی حالت درست کرنے کے لئے غور وفکر کرتا ہے۔ غیر اسلامی رسومات اور فضول خرچی سے باز رکھنے اور اعتدال کی راہ پر سب کو چلانے کے لئے کوشش کرتا ہے تاکہ کنبہ کے سب افراد ملت کے بہترین خدمتگار بن سکیں، اسی طرح اپنی برادری کو اعتدال کی راہ پر چلانے، فضول خرچی سے باز رکھنے، مالی و اخلاقی حالت اور زیادہ سے زیادہ اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہونا چاہیئے تاکہ ہماری برادری اسلام اور دنیا کی عظیم الشان برادری کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بن سکے۔ ساری دنیا کی اسلامی برادری ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں جس طرح کوئی شاخ درخت کے ساتھ رہ کر ہی زندگی قائم رکھ سکتی ہے ٹھیک اسی طرح ہم اسلام اور اسلامی برادری کے ساتھ پورے طور پر وابستہ رہ کر پھل پھول سکتے ہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

ایسی خوشحالی جو اسلام کے کام آئے

حضرات! ہم اپنی برادری کی اقتصادی حالت درست کرنے، رسومات کی اصلاح اور اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے کام کریں تو برادری کی یہ خوشحالی اسلام و ملت کے لئے مفید ہوگی۔ اس لئے ہمیں برادری کے لئے کام کا کوئی واضح پروگرام بنا کر عمل کرنا چاہیئے۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ برادری کی موجودہ پوزیشن کیا ہے اور کون سا پروگرام ہمارے لئے مفید ہو سکتا ہے ہمیں تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کرنا ہوگی تاکہ کوئی پروگرام بنایا جاسکے۔

غلامی تباہی و بربادی کا موجب بنی

برادران قوم غیر ملکی حکومت ملک کی ترقی اور خوشحالی سے بے نیاز ہو کر صدیوں لوٹ کھسوٹ میں مشغول رہی۔ ادھر متمدن دنیا میں کئی صنعتی اور زرعی انقلابات آئے۔ سب سے بڑا انقلاب سائنس لائی، جس نے پرانے اوزار بیکار کر دیئے۔ ہر کام سائنٹیفک طریقہ سے ہونے لگا۔ انسانی ہاتھوں کی بجائے مشینری، بیلوں کی جگہ ٹریکٹر اور نئے نئے اوزاروں سے کام لیا جانے لگا۔ جس سے سستے داموں ہر چیز بڑی مقدار میں بننے لگی۔ اب مغربی لٹیروں کو اپنے مال کی کھپت کے لئے ایسے ملکوں کی تلاش ہوئی جو اس کا مال خرید سکیں۔ چالاک انگریز ہندوستان میں قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی کامیابی کے اول روز سے ہی ہندوستان اور ایشیا کے انتہائی بدقسمتی کے دن شروع ہوئے۔ ہندوستان کی دستکاری کو جس طرح تباہ و برباد کر کے انگلستان نے اپنے مال کی کھپت کی، راہیں نکالیں وہ تاریخ کی ایک دردناک لمبی داستان ہے اس سے لاکھوں بے نظیر دستکار بیکار اور ہندوستان کی وہ دستکاری جس کی دھوم دنیا میں مچی ہوئی تھی ختم ہوگئی تھی۔

انگلستان کا ہندوستان کی ترقی میں روک بننا

حضرات! اس ملک کو جو صنعتی ترقی میں سارے عالم میں نمایاں پوزیشن رکھتا تھا صرف زراعتی ملک بنا دیا گیا۔ انگلستان کو سائنٹیفک طریقہ سے ظلم اور کروڑوں انسانوں کو بے بس کرنے کا جو شیطانی ملکہ حاصل ہے اس کی صدیوں ہندوستان میں تکمیل ہوتی رہی کہ اس کو زراعتی ملک بنا کر اس کے حال پر چھوڑ دیا، جس سے لوگ پرانی ڈگر پہ چلنے پر مجبور

ہوتے رہے۔ اُدھر متمدن دنیا سائنس کے پیدا کردہ سامان، اوزار اور علم لے کر زراعت کی ترقی کے میدان میں دور تک نکل گئی۔ اِدھر وہی بابر کے زمانہ کے ہل اور وہی پرانے رہٹ جو صدیوں پہلے رائج تھے ان میں کوئی بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ تزکِ بابری کو سامنے رکھ کر یہاں سامان زراعت پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ سائنس اور ترقی ایک افسانہ ہے اور ہم عملی طور پر آج بھی اسی ماحول میں رہتے ہیں جو صدیوں پہلے تھا۔ وہی آلاتِ زراعت استعمال کرتے ہیں جن کا ذکر شہنشاہ بابر تزکِ بابری میں کر رہا ہے۔

مجرم کا جرم ناقابل معافی ہے

اس زرخیز ترین ملک کی زراعت اور متمدن دنیا میں سائنٹیفک آلات اور مشینری کے ذریعہ زراعت کے طریقوں میں کون صدیوں حائل رہا؟ کس نے اس ملک کی زراعت، صنعت و حرفت کو تباہ کر کے فن زراعت کو جو کروڑوں انسانوں کا واحد ذریعہ معاش رہ گیا تھا زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو نہ چلایا؟ فرنگی کا یہ مجرمانہ فعل تاریخ کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ اس سے ہماری قوم کو جس کا عام طور پر زراعت پر گزارہ تھا ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ ہم زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے۔ زمین، اولاد خاندان اور کنبہ میں بٹتے بٹتے ہر ایک کے حصہ میں بہت تھوڑی رہ گئی اور زراعت کے وہی طریقے رہے جو ہزاروں سال سے چلے آتے تھے۔ اس سے میری عزیز برادری تباہ و برباد ہوگئی۔ آج ہم کو برادری کے اس اجتماع میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہے کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیئے جس سے برادری کے عوام کی اقتصادی حالت ٹھیک ہو سکے اور ہمارے غریب بھائیوں کی شریفانہ طور پر گزراوقات کی کوئی اچھی صورت نکل آئے۔

نیا دور

حضرات! زمانہ نئی کروٹ لے رہا ہے۔ پرانے ٹاٹ لپیٹے جا رہے ہیں اور نئی صفیں بچھائی جا رہی ہیں۔ دنیا تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب کے دروازہ پر پہنچ چکی ہے بڑھتی ہوئی آبادی اور عام بیداری نئے ڈھب سے دنیا کی چمن بندی کا تقاضا کر رہی ہے۔ غریبوں کے احساسات جاگ رہے ہیں۔ جن پردوں میں امارت لپٹی ہوئی تھی وہ تار تار ہو رہے ہیں۔ آؤ ایسے انقلابی زمانہ میں ہم مل کر برادری کے لاکھوں غریب عوام کی اقتصادی حالت درست کریں اور ان کے لئے شریفانہ گزارہ کی کوئی سبیل ڈھونڈ لیں۔ پورے وثوق سے یہ بات

کہی جا سکتی ہے کہ آئندہ فرد کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور اس کی جگہ اجتماعی دَور لے رہا ہے۔ کاروبار میں فرد کی طاقت اجتماعی قوت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ جتنی قوت زیادہ سے زیادہ ہو گی اتنی وسعت سے کاروبار ہو گا۔ کئی دماغوں کے اجتماع سے کام میں سلیقہ آئے گا اور نئی نئی راہیں کھلیں گی۔

مشکلات کا حل

حضرات! اگر ملک کا سارا کاروبار، تمام صنعت و حرفت کے ادارے، ملیں، کارخانے اور زراعتی قطعے نیشنلائز ہو جائیں تو غریب کی دنیا بھی آباد ہو جائے، مسلمانوں اور پسماندہ برادریوں کو بھی آسودگی نصیب ہو۔ وہ وقت ابھی کافی مہلت چاہتا ہے۔ ہندوستان کی سیاست ابھی کارخانہ داروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے جلو میں چل رہی ہے۔ ہماری برادری کے حالات مدت سے نئی راہ کی جستجو کا تقاضا کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں راہ ڈھونڈ کر سفر شروع کر دینا چاہیئے۔ دو چیزوں کی طرف ہم کو برادری کی جدوجہد مبذول کرنی ہے۔ ان کے اندر ہی تمام اصلاحی باتیں اور چھوٹی مشکلات کا حل ہے۔

۱:- اقتصادی حالت کو درست کرنا۔

۲:- برادری کو اسلام سے آشنا کرنا اور عوام میں زیادہ سے زیادہ اسلامی شعور پیدا کرنا۔

مالی حالت درست کرنے کی اسکیم

حضرات! خالی یہ کہہ دینا کہ برادری صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت میں دلچسپی لے بے معنی سی بات ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم لائحہ عمل بنا کر برادری کے سامنے رکھیں اور اس پر چلانے کی کوشش کریں۔ برادری کے وہ ہزاروں خاندان جو بے کسی اور بے بسی میں اُلجھ کر پریشان حالی، سخت مالی کمزوری اور بے روزگاری میں مبتلا ہیں ان کے لئے اپنی اجتماعی قوت سے راستہ نکالیں ہمیں آج فیصلہ کرنا چاہیئے کہ ہم کو برادری کے لئے واقعی کچھ کرنا ہے۔ سالانہ کانفرنسوں میں خالی تقریریں سال ہا سال ہوتی رہی ہیں۔ ذہنی سربلندی کے علاوہ منتشر برادری کے کچھ تعلقات قائم ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں آگے بڑھنا اور عملی طور پر کچھ کرنا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری برادری مجموعی طور پر محنتی، شریف اور سمجھدار ہے۔ دنیا کے اس نئے سرے سے چمن بندی کے انقلابی دور میں برادری نے اپنی اصلاح اور اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے کسی

پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ دی تو چند سالوں میں ہی یہ اپنے مقصد میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گی۔

ایک سال کا پروگرام

حضرات! ترقی ارتقائی طور پر ہوا کرتی ہے۔ کسی نئے کام کی ابتداء بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ مسلسل کوشش سے وہ پھیلتا ہے۔ لگاتار جدوجہد سے وہ بڑھتا ہے۔ لہذا میں ایک سالہ پروگرام کی ایک اسکیم قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمیں ایک سال کے اندر مل جل کر صنعت و حرفت کے کئی ادارے اور کمپنیاں تھوڑے سرمایہ سے اور بڑی صنعتوں کے لئے بڑے سرمایہ سے کھولنی چاہئیں اور کوشش کرنی چاہیئے کہ برادری کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اس میں شریک کیا جائے۔ چھوٹی صنعتیں ہزاروں میں جو تھوڑے سرمایہ سے شروع ہو کر بڑی کامیابی سے چل سکتی ہیں۔ چھوٹی اور بڑی کمپنیوں کی تشکیل کے لئے برادری کے کامیاب سوداگروں کی رہنمائی درکار ہے۔ برادری سے باہر کے کامیاب سوداگروں سے امداد لینے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ ماہرین فن کی خدمات بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کانفرنس کے دوران میں ہی برادری کے ایسے آدمیوں کا انتخاب کرلینا چاہیئے اور ایک بورڈ بنا دینا چاہیئے جو اس کو بہتر طریقہ سے انجام دے سکیں۔ کمپنیوں کی تشکیل، آرٹیکل آف ایسوسی ایشن تیار کرنا اور اس کام کو چلانا اس کے ذمہ ہوگا۔ چونکہ کئی کمپنیوں کی تشکیل اس وسیع برادری کے لئے بنائی جانی ضروری ہے اس لئے ہمیں برادری کے ان تمام آدمیوں کو شریک کرنا چاہیئے جو صنعت و حرفت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہمیں ان حضرات کی خدمت میں جو یہاں تشریف فرما نہیں ہیں وفد بھیج کر رہنمائی کی استدعا کرنی چاہیئے۔ کانفرنس کا اجتماع بڑا غنیمت ہے۔ روز روز ایسے اجتماع نہیں ہوتے اسلیئے اس کانفرنس کے دوران میں ہی ایک یا دو کمیٹیاں بنا کر اس کام کو شروع کر دینا چاہیئے۔ کم از کم پانچ کمپنیاں چھوٹی صنعتوں کی اور ایک کمپنی بڑی صنعت کی ایک سال کے اندر اندر ضرور بن جانی چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس محنتی قوم میں سرمایہ کی کمی نہیں۔ کام کی ابتداء مشکل ہے اس کی تکمیل مشکل نہیں ہے۔ برادری کے ہزاروں آدمی بخوشی شامل ہونے کو تیار ہیں۔

سوداگروں کی خدمت میں استدعا

حضرات! میں اپنی معزز برادری کے کامیاب سوداگروں اور تاجروں کی خدمت میں

ایک دفعہ پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فرد کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور اجتماعی دور پوری قوت سے آرہا ہے۔ آپ کی بقا اس میں ہے کہ کمپنیاں بنا کر برادری کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اس میں شامل کر کے زیادہ قوت، سلیقہ اور سرمایہ سے کام کیا جائے تاکہ برادری کو فائدہ پہنچے اور آنے والے زمانہ کی کشمکش کا کامیابی سے مقابلہ ہو سکے۔ آپ کا خداداد علم تجربہ اور برادری کی قوت مل جائے تو سونے پر سہاگا ہو۔

زراعتی فارم

حضرات! ہمیں ہر صوبہ میں بہت جلدی زراعتی فارم کھول کر سائنٹیفک طریقہ اور مشینری کے ذریعہ اس کام کو کرنے کے لئے چند کمپنیوں کی فوراً تشکیل کرنی چاہیئے۔ ہر صوبہ میں کئی کئی فارم کھل سکتے ہیں۔ بعض صوبوں میں اس کی بڑی گنجائش ہے۔ ہندوستان میں اس کام کی ابتداء ہو رہی ہے۔ اور یہی وہ وقت ہے جب ہماری برادری جو زراعت میں بڑا ذوق رکھتی ہے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے اور اس پر پورے طور پر حادی ہو سکتی ہے۔ اس سے برادری اپنی اقتصادی حالت ٹھیک کرنے کے علاوہ ملک اور قوم کے لئے بہت مفید بن سکتی ہے۔ زراعتی فارم کھولنے کے لئے ایسی زراعتی کمپنیاں یو۔پی، بنگال اور سندھ میں فوراً کام شروع کر سکتی ہیں۔ ان تینوں صوبوں میں اس کی بڑی گنجائش ہے۔ صوبہ یو۔پی میں بڑے بڑے وسیع علاقے اور بڑی زرخیز زمینیں آپ کی اجتماعی قوت کی راہ تک رہی ہیں۔ صوبہ کی حکومت ضلع نینی تال کو ماڈل بنانا چاہتی ہے۔ فارم کھولنے والوں کو زمینیں اور سہولتیں دینے کو تیار ہے۔ اس کے علاوہ ہر ضلع میں فارموں کے لئے زمین مہیا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح صوبہ سندھ، بنگال میں بھی پرائیویٹ طور پر بھی اور سرکاری طور پر بھی فارموں کے لئے زمین بہ آسانی مل سکتی ہے لہذا ہمیں اس اجتماع کے دنوں میں ہی زراعتی فارم کھولنے کے لئے کمپنیاں بنانے ان کا آرٹیکل آف ایسوسی ایشن تیار کرنے، ان کو رجسٹری کرانے کے لئے ایک دو کمیٹیوں کی تشکیل کرنی چاہیئے۔ جس کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ اس اسکیم کے سارے پہلوؤں پر غور کر کے مختلف علاقوں میں فارم کھولنے کے لئے ایک سال کے اندر اندر پانچ کمپنیوں کی تشکیل کر کے کم از کم پانچ فارم برادری کے لوگوں کے لئے کھولے جائیں جس میں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو شامل کیا جائے۔

منافع میں برادری کا حصہ

ہر صنعت و حرفت، تجارت اور زراعتی کمپنیوں کے آرٹیکل آف ایسوسی ایشن میں یہ شرط لازمی طور پر ہو کہ کمپنی کے منافع کا ۱/۲ حصہ ہر سال برادری کے لئے وقف ہو گا۔ یہ رقم برادری کی انجمن کی تحویل میں برادری کے نادار اور لائق طلبہ کو صنعت و حرفت، زراعت اور مذہبی تعلیم دلوانے، اشاعت اسلام اور اسلامی تعلیم کے مدرسے جاری کرنے پر خرچ ہو گی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی کہہ دینی ضروری ہے کہ ہر کمپنی رجسٹرڈ ہو۔ پرائیویٹ کمپنیوں میں ہزاروں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس میں بہت سے خطرات بھی ہیں۔ اس لئے مل جل کر کام کرنے والوں کو بڑے غور و فکر اور ماہرین کے مشوروں سے کمپنیوں کی تشکیل کرنی چاہیئے۔ سوچ سمجھ کر ڈائریکٹر، مینجنگ ڈائریکٹرس محنتی، ایماندار سمجھدار اسٹاف اور کارکن رکھنے چاہئیں۔ اگر سلیقہ سے کام کیا گیا تو قوم کی بہت سی مشکلات کا حل ہو جائے گا۔ اگر خدانخواستہ اس میں رقابت، پارٹی بازی کا عشر عشیر بھی شامل ہو گیا اور ناموزوں آدمیوں کے ہاتھوں میں کام دے دیا گیا تو نہ صرف یہ کام ناکام ہو جائے گا بلکہ برادری کے رہنماؤں کی ساکھ مٹ جائے گی اور قوم ایسا بد کے گی کہ پھر بنائے نہ بنے گی۔ اور ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔

برادری کے کمزور افراد کے لئے زمین مہیا کرنا

حضرات! برادری کے ان لوگوں کے لئے زمین مہیا کرنا جن کی زمینیں خاندان میں بٹتے بٹتے تھوڑی رہ گئی ہیں۔ اس وسیع و عریض ملک میں اس کے ابھی بڑے مواقع ہیں۔ اجتماعی قوت سے ہم عوام کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ صوبہ سندھ جہاں سکھر بیراج کی وجہ سے صوبہ کا ۳/۱ حصہ ابھی آباد ہونے کو ہے۔ محنتی آباد کاروں کی اس صوبے کو بیحد ضرورت ہے۔ ہم اپنی برادری کے غریب عوام کے لئے وہاں بہت سی گنجائش نکال سکتے ہیں ہم نے غریب عوام کو نئے علاقوں میں بسانا ہے۔ اس کے لئے محنت انتظام، سلیقہ اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ اس کام میں مرکزی کمیٹی اور صوبائی سب کمیٹی کو خاص طور پر محنت کرنا ہو گی۔

پھلوں کی تجارت

حضرات! جس طرح ہم اپنی زراعت کو سائنٹیفک طریقہ پر انجام نہ دے سکے اسی طرح پھلوں کی تجارت بھی ہم اسی

ڈھب سے کر رہے ہیں جس طرح یہاں صدیوں سے رائج ہے۔ حالانکہ سائنس نے اس فن میں ہزاروں نئی نئی معلومات اور نئے نئے طریقے نکالے۔ آج پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنا اور بڑے لمبے عرصہ کے لئے اس کو محفوظ بنا کر دور دراز ان ملکوں کو بھیجنا جہاں یہ پھل نایاب ہیں ایک ادنیٰ سا کام ہے۔ امریکہ اور آسٹریلیا والے لاکھوں ڈبے ہندوستان اور یورپ میں بھیج کر کروڑوں روپے کما رہے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ پھل ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں۔ کونسا پھل ہے جو ہندوستان میں نہیں۔ پھلوں کو ہم منڈیوں میں سستے داموں بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ کام اجتماعی قوت سے ابھی تک ہم نے شروع نہیں کیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ پھلوں کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں بھیجنے اور زیادہ داموں فروخت کرنے، پھلوں کو سائنٹیفک طریقہ سے ڈبوں میں بند کرنا، ان ملکوں میں بھیجنا جہاں یہ پھل نایاب ہونے کی وجہ سے بڑی قیمت سے بک سکتے ہیں اور پھلوں کے رس خصوصاً سنگترہ اور مالٹا کے رس کو بوتلوں میں بند کرنا نیز دیر تک پھلوں کو محفوظ کرنے کے لئے کولڈ سٹوریج بنانے کے لئے ہمیں جلد کمپنیوں کا اجراء کرنا چاہیئے

اُمراء اور اصلاح رسوم

حضرات! خلافتِ راشدہ کے بعد ریاست کے اسلامی تصور کا چہرہ ملوکیت کے بدنما دھبوں سے بگڑ گیا۔

مشکوٰۃ نبوت سے حضور سرور کائنات ﷺ کے بعد جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا۔ طبائع میں غیر اسلامی اثرات سرایت کرتے گئے۔ خود غرض امراء اور سلاطین نے حاکمیت الٰہیہ کی جگہ انسانی حاکمیت کی اشاعت اور نفاذ کو شعار بنا لیا۔ اگرچہ ضابطہ حیات کا ظاہری ڈھانچہ تو بدستور اسی حیثیت میں قائم رہا لیکن زندگی کی عملی اقدار میں ناخوشگوار تغیر رُونما ہو گیا۔ مسلمان کے عمل کی ساری وسعتیں مذہبی رسومات تک سمٹ کر رہ گئیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہماری زندگی ایک سازِ بے سوز اور ایک نغمۂ بے کیف اور جسم بے جان بن چکی ہے۔ وقت کی گردشوں کو اگرچہ ہمارے دامنِ حیات کے اسلامی رنگ کو مٹانے میں بالکل کامیابی تو نہیں ہوئی تاہم اس رنگ کی حسین جھلکیاں چھٹ گئیں۔ اب تیس سال سے ہماری برادری کی انجمن اصلاحِ رسوم پر زور دے رہی ہے ہر سال کانفرنس میں اصلاحِ رسوم کے ریزولیوشن پاس ہوتے رہے۔ ہفتہ وار اخبار بھی ہر اشاعت میں اصلاح پر زور دیتا رہا لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ قوم بدستور اسی جاہلیت کی

ڈگر پر چل رہی ہے جو شہنشاہی اور لادینی کے دور میں برادری پر مسلّط ہو گیا تھا۔

بار بار کہنے اور کانفرنسوں میں تلقین کرنے کے باوجود کیوں اصلاح نہ ہوئی؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ برادری امراء کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ امراء اپنی اصلاح کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے بیاہ شادی پر بے جا خرچ کر کے اپنے آپ اور غریب برادری کے لئے تباہ کن نظیر قائم کی۔ لاہور شہر جہاں انجمن کا مرکز تھا اور جہاں ہر سال اصلاح رسوم پر زور دیا جاتا رہا۔ وہ آج بھی سب سے زیادہ اصلاح کا محتاج ہے۔ اصلاح رسوم پر لیکچر کرنے والے لاہور کے امراء نے اپنی چال نہ بدلی۔ اپنی اصلاح نہ کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تیس سال میں لاہور شہر کی برادری انہی رسومات اور فضول خرچیوں کی بدولت اپنی زمین کے ۳/۴ حصہ کو گنوا بیٹھی۔ اب برادری کا متوسط طبقہ اور غریب طبقہ اس معاملے میں برادری کی تنظیم اور اصلاح کی پہل کرے۔ اس طبقہ کی اجتماعی قوت اور طاقت ہی ان امراء کو مرعوب کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں میں ایک کامیاب تجربہ کا دوبارہ ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ لاہور شہر کی دیواروں سے دور ضلع لاہور میں ۱۸۹۸ء میں ضلع لاہور اور ضلع فیروزپور کی برادری کا اجتماع ہوا جس کا میں نے اس خطبہ میں ذکر کیا ہے۔ اس اجتماع میں برادری کے عوام کے سامنے بیاہ شادی اور غمی پر اسلامی شریعت کے مطابق ایک سادہ طریقہ بنا کر پیش کیا جسے سب نے قبول کیا۔ سب سے پہلے معززین نے اس پر عمل کیا۔ ہم نے دیکھا کہ اس نصف صدی میں ان علاقوں کی برادری کے عوام نے اس کو توڑنے کی آج تک ہمت نہیں کی سوائے معدودے چند آدمیوں کے جو لاہور شہر کی برادری کے ساتھ رشتہ کرنے سے سادگی چھوڑنے اور فضول رسومات ادا کرنے پر مجبور ہوئے۔ جس کی بدولت وہ اپنی زمین اور جائداد کا کچھ حصہ گنوا بیٹھے۔ ان کے سوا اس ضلع کی برادری نے ۱۸۹۸ء سے آج تک دوگنا زمین اور پیدا کر کے اپنی خوشحالی میں اضافہ کیا ہے۔ یہ تو خوش قسمتی تھی کہ اس علاقہ کے امراء سب سے پہلے اصلاح کے لئے متوجہ ہوئے۔ اور کام بہت آسان ہو گیا۔ لیکن جہاں امراء فضول خرچیوں اور بے جا رسومات کو نہ چھوڑیں وہاں عوام کو ہی کچھ کرنا پڑے گا جو جاہلانہ رسومات کے نباہ میں تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

مذہب کا جاہلانہ تصوّر

حضرات! دراصل بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں مذہب کا یہ عام تصوّر تھا

کہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے مذہب بھی ایک شعبہ تھا، یا دوسرے الفاظ میں یہ انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ مرنے کے بعد یہ دوسری زندگی میں نجات کے لئے ایک سارٹیفیکیٹ کے طور پر کام آئے۔ دنیا کے سارے کام اپنے ڈھنگ پر چلتے رہیں۔ اور ان کے ساتھ چند مذہبی رسموں کو ادا کر کے خدا کو بھی خوش کیا جاتا ہے۔ یہ جاہلیت کا تصوّر تھا۔ ہزاروں برس سے جو مذہب کا غلط تصوّر وراثت میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کی گرفت دماغوں میں ابھی تک جمی ہوئی ہے، اسی لئے جاہلانہ رسوم اور فضول خرچی سے لوگ باز نہیں آئے۔

مذہب کا اسلامی تصوّر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس غرض کے لئے مبعوث ہوئے وہ یہ تھا کہ مذہب کے اس جاہلانہ تصوّر کو مٹا کر ایک عقلی اور فطری تصوّر پیش کر کے اس کی اساس پر تہذیب و تمدّن کا ایک مکمل نظام قائم کر کے کامیابی سے چلا کر دکھا دیں۔ دین وہ ہے جو زندگی کا ایک جزو نہیں بلکہ تمام زندگی ہو۔ ہر چیز کے صحیح و غلط ہونے میں امتیاز پیدا کرنے والی کسوٹی ہو، زندگی کے ہر ہر قدم پر راہ راست اور راہ کج کے درمیان فرق کر کے دکھلائے، زندگی کے اس لامتناہی سفر میں جو دنیا سے لے کر آخرت تک مسلسل چلا جا رہا ہے۔ انسان کو ہر مرحلے سے کامیابی و سعادت کے ساتھ گزار دے۔

اسلام کی نگاہ میں دنیا اور آخرت دونوں ایک ہی مسلسل زندگی کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ سعی و عمل کا، دوسرا مرحلہ نتائج کا۔ اسلام نے مسلمانوں کو ایک مکمل ضابطہ زندگی دیا جو مسجد سے لے کر بازار تک طریق عبادت سے لے کر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے طریق استعمال تک، غسل و طہارت سے لے کر بیاہ شادی اور جزوی مسائل تک، مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر آثار فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانین طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک تمام مساعی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں کی راہ بتاتا اور مکمل نظام پیش کرتا ہے۔

اور یہ بیاہ شادی پر فضول خرچی تو ایک ضمنی سی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اسلام ہی سے دور ہو گئے ہیں۔ ہم نے عملی طور پر اس راہ پر عمل کرنا ہی چھوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ ہماری عالمگیر تباہی و بربادی ہے جب تک ہم اس راہ پر نہ آئیں گے۔ اس وقت تک کسی اصلاح کی امید نہیں کی جا سکتی۔

علمائے کرام اور اہل الرائے حضرات توجہ فرمائیں

لہٰذا ہمیں اپنی برادری کو اسلام کے نزدیک لانے

کے لئے ہر خطہ، ہر محلہ، ہر قصبہ اور ہر قریہ میں قرآن مجید کے درس اور شریعت اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ یہ معاملہ سب سے اہم اور سب سے ضروری ہے۔ وسائل اور اسباب کے متعلق غور و فکر اور صائب، باعمل آدمیوں کی خدمات کس طرح حاصل کی جائیں اور اس عظیم الشان پروگرام کی ابتدا کس طریق سے ہو۔ یہ سب باتیں علمائے کرام اور اہل الرائے حضرات کی خاص توجہ کی محتاج ہیں۔ برادری کو اس راہ پر چلانے کے لئے ضروری ہے کہ اہل الرائے اور علمائے کرام کی ایک کمیٹی ترتیب دی جائے جو لائحہ عمل اور پروگرام تجویز فرمائے۔ فرداً فرداً ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو سچا مسلمان بنائے اور اپنی ہر بات اور اپنا ہر کام شریعت کے مطابق کریں۔

حزب ارائیاں راولپنڈی

۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حزب ارائیاں کے چھٹے سالانہ اجلاس کی صدارت جناب سردار احمد علی صاحب رئیس گنجہ کلاں نے کی اور بڑا پرمغز خطبہ دیا جس کی افادیت کے پیش نظر ہم اس کے چند اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں:

برادری کی پہلی کانفرنس

حضرات! ساٹھ ستر سال سے بزرگ برادری کی اصلاح اور اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے تگ و دو فرما رہے ہیں جس کے بہت اچھے نتائج نکلے۔ بیاہ شادی پر غیر شرعی رسومات کا انسداد اور تباہ کن فضول خرچی کا سیلاب روک دیا گیا۔ جس سے برادری کے ہزاروں گھرانے تباہی سے بچ گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ برادری کی عالمگیر جہالت کا سدباب ہوا، مقدمہ بازی کی رفتار مدہم ہوئی۔ کاشتکاری نے جو احساس کہتری پیدا کر دیا تھا وہ ختم ہوا اور ترقی کے ولولے دلوں میں اٹھنے لگے۔ یہ سب باتیں بزرگوں کی سال ہا سال کی کوششوں اور انتھک محنت کی بدولت ظہور میں آئیں۔ جس کی تفصیل طولانی ہے۔ میں بہت ہی اختصار سے بزرگوں کی محنتوں اور اور ان کے نتائج کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ برادری حالات کے مطابق ان کامیاب راہوں پر چل سکے اور اپنے دلوں میں خدمت کا جذبہ پیدا کر سکے۔

برادری کا پہلا اجتماع میرے دادا حاجی سردار نور محمد صاحب رئیس گنجہ کلاں کی صدارت میں

ریلوے سٹیشن گنڈا سنگھ والا میں ۱۸۹۸ء میں منعقد ہوا۔ اس میں میاں جمال الدین رئیس اعظم باغبان پورہ بھی شریک ہوئے۔ دوسرا اجتماع ۱۹۰۲ء کو گنجہ کلاں میں انہی کی صدارت میں ہوا۔ پہلے عظیم الشان اجتماع میں انہوں نے خطبہ صدارت میں سب سے زیادہ زور تنظیم اور اصلاح رسوم پر دیا۔ اسی اجتماع میں برادری میں شادی اور موت پر رائج شدہ غیر شرعی رسومات اور فضول خرچیوں کو بند کرنے کا سب سے تحریری عہد لیا گیا۔ ان کا چھپا ہوا خطبہ صدارت اور فضول خرچیوں سے باز رہنے کا عہد نامہ سالہا سال تک ان دونوں اضلاع کے علاوہ متصلہ ضلع جالندھر اور منٹگمری کی برادری میں بھی تقسیم ہوتا رہا۔ برادری نے اس عہد کو نبھایا۔ بیاہ شادی کی تقریبوں پر بڑی سختی سے اس پر عمل ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان اضلاع کی برادری قرض اور من مانے سود در سود دینے کے خطرناک نتائج سے بچ گئی جو اس میں ہندو ساہوکاروں کا بہت نفع بخش کاروباری چکر چل رہا تھا جس کی بدولت نہ صرف ان کی اپنی زمینیں محفوظ رہیں بلکہ کفایت شعاری سے دگنی زمین انہوں نے اور حاصل کر لی۔

۱۹۱۵ء میں آنریبل میاں سر محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت رائی کانفرنس لاہور میں ہوئی جس میں میاں شاہ دین صاحب چیف جسٹس عدالت عالیہ پنجاب، ملک تاج دین صاحب اکونٹنٹ جنرل پنجاب، میرے دادا صاحب کے چھوٹے بھائی خان بہادر حاجی نور برہان صاحب رئیس گنجہ کلاں ملک التجار حافظ عبدالحلیم صاحب سرہندی، میاں نظام الدین صاحب ریٹائرڈ سیشن جج باغبانپورہ ملک دین محمد صاحب رئیس سانده کلاں لاہور، میاں غلام حیدر ٹھیکیدار بند لاہور وغیرہ اہم شخصیتوں نے نے بڑا سرگرم حصہ لیا۔ اس اجتماع کی بدولت برادری میں عالمگیر جدوجہد پیدا ہوئی اور دور دور سے برادری کی دعوت پر سالانہ کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ سرہند، بسی، ریاست پٹیالہ میں میرے بزرگ خان بہادر حاجی نور برہان کی زیر صدارت برادری کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ یہ تحریک دیہات تک پھیلی۔ ایسا ہی برادری کا ایک اجتماع آنریبل میاں سر محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت میرے گاؤں گنجہ کلاں (عثمانوالہ) میں بھی ہوا۔ ضلع منٹگمری میں میاں چراغ دین صاحب اور میاں نور محمد صاحب رئیسان برج جیوے خاں کی کوششوں سے برادری کا بہت بڑا اجتماع منٹگمری میں ہوا۔

اس آواز سے متاثر ہو کر برادری کی یہ اصلاحی تحریک ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلی کلکتہ میں میاں محمد بشیر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء کی زیر صدارت کانفرنس ہوئی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں

آخری آل انڈیا راعی کانفرنس کا اجلاس جلال آباد ضلع بجنور یو۔پی میں میرے بھائی سردار محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت ہوا۔ ان کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکابرین برادری نے صرف اصلاح رسومات، تعلیم اور اسلامی شعور پیدا کرنے پر زور دیا۔ کبھی عصبیت کو نہیں ابھارا گیا بلکہ ہر ایک بزرگ نے یہی فرمایا کہ ہماری برادری کو مسلمانان عالم کا سب سے زیادہ خدمت گزار بننا چاہیئے۔

اعتراف خدمات

حضرات! جن بزرگوں اور بھائیوں نے اصلاح رسومات و تنظیم کے سلسلہ میں سرگرم عمل رہ کر خدمات انجام دیں۔ اس کا اعتراف کرنا ہمارا فرض ہے۔ ان ہزارہا بزرگوں اور بھائیوں میں سے صرف چند ایک کے نام آج دماغوں میں محفوظ ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی سے میں آپ کو روشناس کرانا چاہتا ہوں۔

میاں عبدالعزیز صاحب بار ایٹ لاء، ملک محمد بشیر صاحب رئیس سانده کلاں لاہور، قاضی فتح محمد صاحب مرحوم انبالوی، خان بہادر میاں محمد شہزادہ صاحب مرحوم پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب سائیں جلال دین صاحب بھاٹی دروازہ لاہور، میاں خدا بخش صاحب مرحوم ذیلدار آنریری مجسٹریٹ لاہور، حاجی اللہ دتہ صاحب مرحوم لاہور، خان بہادر میاں چراغ دین صاحب مرحوم مزنگ لاہور، میاں احسان الحق صاحب سیشن جج جالندھر، صوفی اکبر علی صاحب مرحوم، ڈاکٹر مہر محمد فاضل صاحب مولوی پیر محمد صاحب مرحوم ننگل انبیاء ضلع جالندھر، چوہدری احمد بخش صاحب مرحوم وکیل موگا ضلع فیروزپور، خان بہادر کپتان محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کرنال، سردار فضل محمد صاحب مدکھوکھر، چوہدری شیر محمد صاحب مرحوم سب رجسٹرار سابق ضلع امرتسر، چوہدری علی محمد صاحب ذیلدار مونگو وال شیخوپورہ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب سلیمی، میاں فتح اللہ صاحب مرحوم، میاں عبداللہ مرحوم، میاں نور اللہ صاحب سابق منسٹر لائل پور، سردار محمد حسین صاحب سابق ایم ایل اے ضلع لاہور، مہر اداوان صاحب مرحوم لاہور، ڈاکٹر فرید محمد بخش صاحب لائلپور، مہر محمد صادق صاحب منسٹر لائل پور، ملک مظفر علی صاحب لائلپور، میاں محمد رمضان یٰسین صاحب شیخوپورہ میاں محمد عبداللہ صاحب ممتاز احمد ملتان، بیگم شاہنواز صاحبہ باغبانپورہ لاہور، میاں عبدالرشید صاحب سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان، میاں دین محمد صاحب مرحوم ذیلدار و میاں قمرالدین صاحب اچھرہ لاہور، مہر خدا بخش صاحب سابق ڈپٹی میئر لاہور، منشی بدرالدین صاحب، چوہدری رحمت خان صاحب لالہ موسیٰ، چوہدری رحمت اللہ صاحب سابق ایم ایل اے بہاولپور، ملک التجار ملک نور احمد صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور، چوہدری عبدالسلام صاحب سابق

ڈپٹی منسٹر مرکزیہ، میاں محمد شریف صاحب اچھرہ ممبر کارپوریشن لاہور، پروفیسر علم الدین سالک صاحب لاہور، میاں محمد حنیف اسحاق صاحب بینکر امرتسری لاہور، خاں صاحب میاں نور دین مرحوم لائل پور، چوہدری محمد حسین صاحب وائس چیرمین کارپوریشن لاہور، چوہدری فرزند علی صاحب ایڈووکیٹ و سابق سپیکر بہاولپور، سر شاہنواز بھٹو مرحوم سابق وزیر اعظم جونا گڑھ، میاں نور احمد صاحب اچھرہ لاہور۔

حضرات! میں اس اجلاس میں آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کا (مستند تاریخی حوالہ) سے تعارف کرانا چاہتا ہوں تاکہ بے خبری اور تاریکی تار تار ہو اور آپ حضرات فراموش شدہ حقیقت کو تاریخ کی تیز روشنی میں دیکھ سکیں۔

ارائیں بہ حیثیت کاشتکار

فن زراعت میں ہماری برادری متحدہ ہندوستان میں عموماً اور شمالی ہند میں خصوصاً بڑی محنتی اور ماہر زراعت سمجھی گئی ہے۔ پنجاب کے ہر بڑے شہر کے میل ہا میل گرد اگرد زمین کی سرسبزی ہماری برادری کی صدیوں تک رہین منت رہی۔ مغل شہنشاہوں نے بھی ملک کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ ارائیوں سے کام لیا۔ شہنشاہ شاہجہاں نے جب نئی دلی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے پنجاب سے ارائیوں کو بلا کر دہلی کے ان اطراف میں جہاں زراعت ہو سکتی تھی، انہی کو آباد کیا۔ دہلی شہر کے گردونواح کی سبزی انہی کی بدولت حیرت انگیز مناظر دکھاتی رہی۔ عظیم الشان دہلی شہر مرکزی فوج اور قلعہ میں شہنشاہ کے بے شمار آدمیوں کے لئے موسم بے موسم پھل اور عمدہ اناج ان کی ہی محنت کی بدولت میسّر آتا رہا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جس کو غیر ملکی غدر کہتے ہیں، دہلی کی برادری کے بہت سے دیہات ضبط ہوئے اور ان پر انگریز کا خصوصیت سے عتاب نازل ہوا۔ لیکن اس ہنگامے کے بعد دہلی میں انہوں نے پھر اپنے قدم جما لئے۔ وہاں کی باہمت برادری اپنی زراعت کو پھر اسی معیار پر لے آئی۔ تقریباً ۹۰ سال بعد یعنی ۱۹۴۷ء کو سب سے پہلے دہلی کی سبزی منڈی اور ہماری برادری کے محلوں پر حملے ہوئے۔ دہلی کی بہادر ارائیں برادری نے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ پھر فوج مدِمقابل ہوئی اور ان پر بے تحاشا گولیوں کی بارش کی گئی۔ تب کہیں جا کر یہ وہاں سے بے سرو سامان نکلے اور پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔

مغل دور میں تمام شاہی باغات حتیٰ کہ لاہور میں مغلوں کا مشہور شالامار باغ ہماری برادری نے لگایا۔ یہی اس کی غور و پرداخت صدیوں تک کرتے رہے جو آج تک باغبان پورہ برادری کے ایک سرکردہ گھرانے کی نسلاً بعد نسلاً تحویل میں چلا آرہا ہے۔ اسی طرح لاہور شہر کے اردگرد خصوصیت سے دریائے راوی کے کنارے میل ہا میل تک برادری کی مسلسل آبادیاں آج بھی اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ یہاں کی سبزی مدتِ مدید سے انہی کی رہینِ منت چلی آرہی ہے۔

انگریزی دور میں بھی ارائیں بہترین کاشتکار اور زراعت کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسی لئے ہر نئی آبادی مثلاً لائل پور، ضلع منٹگمری وغیرہ وغیرہ کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ عام طور پر ارائیوں کو آباد کرنا ضروری سمجھا گیا جنہوں نے بنجر علاقوں کو گل و گلزار بنا دیا۔ پاکستان بننے پر زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ میں کوئی تمیز نہ رہی جنہیں زراعت پیشہ سے بحیثیت پیشہ براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ انہیں شہروں کے گرد غیر مسلم زمینوں پر آباد کیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے شہروں میں سبزی نایاب اور گرانقدر ہو گئی۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سبزی ترکاری اور اعلیٰ درجہ کی کاشتکاری ایک ایسا فن ہے جو برسوں کی مہارت اور سالہا سال کے عملی تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ہر کاشتکار اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ نیز ہوشمندی کے ساتھ اس میں سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔

تھل کے وسیع علاقہ میں بھی ارائیوں کو اسی طرح نظر انداز کر دیا گیا اور شاید آج بھی نئی آبادیوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس لئے نئی آبادیوں میں وہ خوشحالی جو ہونی چاہیئے نہیں ہو رہی کیونکہ غلط مہرے فٹ کرنے سے مشین صحیح طور پر کام نہیں کر سکتی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے محترم حکمرانوں کو توجہ دلائیں کہ ایسے حالات میں جبکہ ہم خوراک باہر سے منگا کر ملک کی ضروریات بمشکل پوری کر رہے ہیں، اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے اور چن چن کر ایسے لوگوں کو زراعت کے میدان میں موزوں جگہ پر لانا چاہیئے جو نسلاً بعد نسلٍ اس فن میں مہارت اور تجربہ رکھتے ہیں۔

لہذا ہر نئی آبادی کے نئے قصبوں اور شہروں کے اردگرد انہی کو خصوصیت سے آباد کیا جائے تاکہ سبزی ترکاری کی موجودہ سخت کمی اور بڑھتی ہوئی ضرورت کو یہ پورا کر سکیں۔

پیداوار بڑھانے کی اپیل حضرات! حالات کا تقاضا ہے کہ برادری پیداوار

بڑھانے کی طرف خاص توجہ دے ۔ بڑھتی ہوئی ضروریات اور کمی خوراک ایک ایسا مسئلہ ہے کہ مغربی پاکستان کے دیہات میں پھیلی ہوئی ہماری وسیع برادری کی پرجوش اجتماعی قوت اور سخت محنت اس مسئلہ کو بخوبی حل کر سکتی ہے ۔

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان بھر میں ارائیں برادری کاشت کاری اور فن زراعت سے کماحقہ، واقف ہونے کے علاوہ بڑی محنتی ہے ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مجموعی طور پر کاشت کاری میں ابھی تک کوئی دوسری برادری ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکی ۔

اس لحاظ سے ملک میں پیداوار بڑھانے کی سب سے بڑی ذمہ داری آپ پر عاید ہوتی ہے ۔ آپ پورے جوش اور ولولے سے اٹھیں ۔ کمر ہمت باندھ کر اس مسئلہ کو اپنی ہمت سے حل کریں ۔ برادری کے ہر فرد تک میرا پیغام پہنچا دیں کہ موجودہ کمیٔ خوراک کا مسئلہ آپ نے اور صرف آپ نے حل کرنا ہے ۔ اٹھیں اور بنجروں کو اپنی محنت سے اسی طرح آباد کریں جس طرح سے ہمارے آباؤ اجداد غیر مزروعہ زمینوں کو گل و گلزار بناتے چلے آئے ہیں ۔

کوآپریٹو فارمنگ سوسائٹیز

حضرات! دنیا کے جملہ ترقی یافتہ ممالک مشینری سے بڑی کامیاب کاشت کر رہے ہیں ۔ ہمارے ملک پاکستان میں ٹریکٹر اور زراعتی مشینری کی تیاری میں ابھی کافی وقت درکار ہے ۔ باہر سے منگائے ہوئے ٹریکٹرز، سپیئر پارٹس کی نایابی، ورکشاپوں کی عدم موجودگی، مکینکوں، مستریوں کی کمی کی بدولت یہ ابھی عالمگیر کامیابی حاصل نہیں کر سکتی لیکن وہ زمانہ آ رہا ہے جب یہاں بھی جملہ کاشت مشینری سے ہوا کرے گی ۔ ہمیں ابھی سے اس کی تیاری کرنی چاہیئے ۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم انفرادی طور پر کاشت کرنے کی بجائے فارمنگ سوسائٹیز بنا کر اجتماعی کاشت کی ہر ضلع میں ابتدا کریں ۔ اس صورت میں ہم ٹریکٹرز اور ترقی دادہ اوزاروں کو کام میں لا کر اجتماعی قوت سے ملک کی پیداوار بڑھا سکتے ہیں اور خود بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں نیز ہم بہترین بیج پیدا کر کے ملک کی کاشت کو بڑا فروغ دے سکتے ہیں ۔ آپ فارمنگ سوسائٹیاں بنا کر مشینری سے کاشت کرنے کے لئے آگے بڑھیں ۔ خود فائدہ اٹھائیں اور ملک کی خدمت کریں ۔

تعلیم

حضرات! اس زمانہ میں جاہل کا کوئی کام نہیں ۔ نہ وہ اپنا مفہوم سمجھا

سکتا ہے۔ اور نہ کسی مہذب سوسائٹی میں بات کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ برادری کا ہر کنبہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائے۔ جو لڑکے ہونہار نکلیں ان کو اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ اس معاملہ میں جہاں ضرورت امداد کی ہو وہاں برادری کے متموّل آدمی اور ہماری انجمنیں ضرور امداد فرمائیں۔ تعلیم کے متعلق تو میں یہاں تک عرض کروں گا کہ برادری کے ہر پڑھے لکھے کا فرض ہے کہ وہ بالغ ناخواندوں کو فرصت کے وقت خود پڑھائے۔ اگر ہر آدمی پانچ بالغوں کو پڑھانے کا عہد کر کے سرگرم عمل ہو جائے تو جہالت دور ہو جائے۔

اصلاح رسومات

برادران! شادی غمی کی تقریبات شرعی حدود کے اندر رہ کر سادہ اسلامی طریقہ سے کریں۔ فضول خرچی تباہی و بربادی کا سامان مہیا کرتی اور ذلّت و رسوائی سے دوچار کر دیتی ہے۔ ہندووانہ رسومات کو جاری رکھنا اب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ گو خدا کا شکر ہے کہ اس معاملہ میں مسلسل تلقین سے کافی اصلاح ہو چکی ہے۔ لیکن اب بھی برادری کے بعض حلقے اور گوشے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ برادری کا فرض ہے کہ ان تمام گوشوں کو بند کر کے اسلامی شرافت اور سادگی اختیار کرنے پر سب کو مجبور کرے۔

برادری کی ڈائریکٹری

ہماری وسیع برادری ملک کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہے کراچی سے لے کر پشاور کے پرے تک برادری کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔

شاید پشاور کے پرے کی آبادی سے آپ آشنا نہ ہوں۔ سلطان محمود غزنوی سندھ کے شہر منصورہ اور ملتان کو فتح کر کے جب واپس لوٹا تو کچھ ارائیں خاندان اس کے ہمراہ چلے آئے جو آزاد قبائل کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ آج بھی ان کی خاصی تعداد وہاں موجود ہے جو اپنے آپ کو ارائیں کہتے ہیں۔ یوپی، دہلی، بمبئی، احمد آباد اور مغربی بنگال وغیرہ کے بہت سے ارائیں خاندان پاکستان بننے پر کراچی اور حیدر آباد سندھ میں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تر تاجر اور کارخانہ دار ہیں جو کامیابی اور عمدگی سے وہاں کاروبار چلا رہے ہیں۔

اب سے ستر سال پیشتر جالندھر سے چند ارائیں خاندان ضلع میر پور (سندھ) میں آکر آباد ہوئے پھر ہر سال ان کے بھائی بند وہاں آکر آباد ہوتے رہے۔ اب ضلع میر پور تھرپارکر کی تمام تحصیلوں

میں ان کے کئی دیہات آباد ہیں۔ جنہوں نے وہاں کی زراعت کو چار چاند لگا رکھے ہیں۔ ان کا ایک ہائی سکول بھی مدت سے چل رہا ہے۔ اسی طرح سندھ کے دیگر اضلاع میں بھی بڑی کثرت سے پنجاب سے گئی ہوئی برادری موجود ہے۔

اس کے علاوہ سندھ میں ہزاروں کنبے ہماری برادری کے ایسے موجود ہیں جو محمد بن قاسم سے لے کر آج تک سندھ میں ہی رہے۔ ان کی زبان اور لباس اسی طرح کا ہے جیسا سندھی مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ارائیں کہتے ہیں۔ ان میں کئی خاصے تعلیم یافتہ اور متمول ہیں۔ عام طور پر وہ زمینداره کرتے ہیں۔

سابق ریاست بہاول پور میں تو برادری کی کئی لاکھ تعداد آباد ہے۔ ضلع مظفر گڑھ اور ضلع ملتان میں خاصی تعداد آباد ہے۔ اضلاع منٹگمری اور لاہور اور لائل پور میں کئی لاکھ ہیں جو زراعت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ غرضیکہ برادری ہر ضلع میں موجود ہے۔ ہم ایک دوسرے سے آشنا نہیں اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ چیدہ چیدہ خاندانوں اور برادری کے سرکردہ اشخاص اور تعلیمیافتہ اشخاص کی ایک ڈائریکٹری تیار کی جائے جس سے ہم ایک دوسرے سے واقف تو ہو سکیں۔ ڈائریکٹری کی تیاری ایک آدمی کے بس کی بات نہیں اس لئے ہمیں مختلف جگہوں پر برادری کی کمیٹیاں بنا کر علاقے سپرد کر دینے چاہئیں تاکہ آسانی سے ڈائریکٹری تیار ہو سکے۔

برادری کی اصلاح اور تنظیم صرف خدمت اسلام کیلئے ہے

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے بعد تقریر فرمائی کہ :

"سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ لوگو ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور گوت قبیلے سب پہچان کے لئے بنا دیئے ہیں اور خدا کے ہاں تو اس کی عزت ہے جو پرہیز گار زیادہ ہو۔"

حضرات! یاد رکھئے اپنی برادری کے دلوں میں عصبیت کا جذبہ پیدا نہیں ہونا چاہیئے سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ہماری برادری کے اجتماع صرف رسومات کی اصلاح کرنے برائیوں اور فضول خرچیوں سے بچنے، تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے اور زیادہ سے زیادہ اسلامی

شعور پیدا کرنے کے لئے ہیں تاکہ ہم عالم اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں اور اسلامی برادری میں اپنا مقام پیدا کر سکیں۔

رفتار زمانہ حضرات! آج زمانہ صدیوں کی منزلیں گھڑیوں میں طے کر رہا ہے۔ دیکھتے دیکھتے ترقی یافتہ ممالک کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ وہ ستاروں پر کمند ڈالنے اور چاند میں آبادیاں قائم کرنے کے سامان کر رہے ہیں۔ ان کے راکٹ فضا میں گھوم رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایٹم اور ہائیڈروجن بم سے زیادہ مہیب عالمگیر تباہی لانے والی چیزیں بھی بنا رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے کھربوں روپے خرچ کر رہے ہیں اور ان ہولناک ہتھیاروں کی تباری سے وہ لرز بھی رہے ہیں کہ کہیں یہ مہلک ہتھیار خود ان کو اور دنیا کو تباہ نہ کر دیں۔ ان حالات کو دیکھ کر اب تو مغرب کے عقلمند بھی دبی زبان میں کہہ رہے ہیں کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام اور اصولوں کو اپنائے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔

کیا یہ ہولناک ایجادیں اور اڑانیں دلوں کو مطمئن کر سکتی ہیں؟ خوشی اطمینان قلب کا نام ہے۔ اگر دلوں میں اطمینان نہ ہو تو خوشی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ یہ اطمینان قلب کا نسخہ تو صرف خدا اور رسولؐ کے فرمائے ہوئے قانون حیات سے ہی ملے گا۔

مسلمانان عالم مسلمان خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اسلام کا ایک مکمل ضابطہ حیات ایسا نسخہ کیمیا اور ایسی آسمانی کتاب موجود ہے جس کے کسی ایک لفظ کی زیر زبر میں بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

عالم اسلام کے تقریباً تمام ممالک آزاد ہو چکے ہیں، بقیہ یقینی طور پر بہت جلد آزاد ہو جائیں گے۔ افریقہ کا تاریک براعظم جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے انگڑائیاں لے کر بیدار اور آزاد ہو رہا ہے۔

خطۂ اسلام قدرت کے خزانوں سے بھی مالا مال ہے۔ الجزائر سے پاکستان اور انڈونیشیا تک مسلمان نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ دلوں میں نئے نئے ولولے اٹھ رہے ہیں صدیوں غافل اور غلام رہنے والا منجمد خون تیزی سے رواں دواں ہے۔ عالم اسلام میں غاصبانہ قابضین کو گوشے گوشے سے باہر نکالا جا رہا ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا کام تجھ سے دنیا کی امامت کا

ایسے نازک ترین وقت میں ہر مسلمان، ہر خاندان اور ہر برادری پر ایک فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اپنی اپنی اصلاح کے لئے کمربستہ ہوں۔ دلوں کے جمود کو توڑیں۔ جاہلیت کی تقلید اور غیر شرعی رسومات چھوڑ دیں۔ عوام میں خدمت خلق کا جذبہ اپنے عمل اور کردار سے پیدا کریں۔ ہمارا یہ اجتماع اسی مقصد کے لئے ہے کہ ہم اپنی شریف اور محنتی برادری کو اصلاحی اور تعمیری کاموں میں لگائیں۔ ان کو علم حاصل کرنے اور فنی تعلیم کی طرف توجہ دلائیں۔ ان میں اصلاحی شعور پیدا کریں تاکہ ہم اسلام کے ضابطہ حیات پر عمل کر کے عالم اسلام کے لئے تقویت کا باعث بن سکیں۔

برادری کی خصوصیات

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارائیں برادری کو بالطبع فن زراعت سے شغف رہا ہے اور اب تک ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ زندگی کے دیگر شعبوں سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ میں اوپر واضح کر چکا ہوں کہ ہماری برادری عرب کا شجاع اور نبرد آزما قبیلہ ہے جو ابتدائے اسلام کے دور میں جہادوں کی صف اوّل میں رہا ہے۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی اپنی دماغی صلاحیتوں کو ہر صف میں امتیازی حیثیت سے بروئے کار لاتا رہا ہے۔

انگریزی دور حکومت میں جب علم کے دروازے عام و خاص کے لئے کھل گئے تو ہماری برادری کے افراد ہر شعبہ میں کمالِ علم سے بہرہ اندوز ہو کر ستارہ بن کر چمکے۔ فلسفہ، سیاست، عدلیہ، انتظامیہ کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں ہماری برادری کی جیدہ شخصیتیں اپنی دانشمندی، وسیع النظری قوتِ عدل و انصاف اور علمی قابلیت کا سکہ نہ منوا رہی ہوں۔ اسلامی تصوف کے سلسلہ میں جو رشد و ہدایت کا سرچشمہ جاری تھا۔ اس سے اس برادری کی مقدس ہستیاں اس حد تک فیض یاب ہوئیں کہ خود ان کے سلسلہ سے نور کی ندیاں جاری ہو گئیں۔ حضرت عنایت شاہؒ حضرت بھلے شاہؒ قصوری کے پیر و مرشد ہوئے اور حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ شرقپوری نقشبندی کا مزار مبارک ہزاروں متلاشیان حق کے لئے چشمہ ہدایت بنا ہوا ہے۔

علم و فلسفہ کے میدان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ فلسفہ کے چیئرمین ہماری برادری کے ہی فرد برسوں تک متمکن رہے۔ انگریزی دور میں پنجاب اور سندھ کی زمام سیاست بالخصوص ہماری برادری کے ہاتھ میں رہی۔ مثلاً پنجاب میں سر میاں محمد شفیع، سندھ میں سر شاہنواز بھٹو وغیرہ نے اپنی صلاحیتوں کو ہمیشہ ملک و قوم کے لئے وقف رکھا ہے جنگ آزادی ہند جس کا آغاز عملی حیثیت سے دراصل تحریک خلافت سے ہوتا ہے۔ پنجاب میں اس کے بانی مبانی ہماری برادری کے اکثر سرکردہ حضرات ہیں۔ پاکستان نیوی کے ایڈمرل مسٹر چودھری آپ حضرات کے سامنے ہی ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیتوں سے بحری قوت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ غرض اسی طرح اگر نام گنوائے جائیں تو ہزاروں کی تعداد بن جائے گی۔ جو مملکت کے ہر شعبہ میں ایک ممتاز حیثیت سے نظر آئیں گے۔

حضرات! مختصراً اس ذکر سے میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو ہر شعبہ میں بروئے کار لائیں اور پاکستان کی تقویت کا باعث بنیں۔

انجمن ارائیاں (بھٹہ) ضلع لاڑکانہ

اس انجمن کا اجلاس ۱۵ مارچ ۱۹۶۵ء کو لاڑکانہ ٹاؤن ہال کے سامنے ہوا۔ جس کے صدر جناب ممتاز علی بھٹو اور جنرل سیکرٹری جناب اللہ بخش ایم راعی تھے۔ اس کی مختصر روداد "حریت" کراچی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"بھٹو قبیلے کے افراد کا ایک اجتماع جناح باغ لاڑکانہ ٹاؤن ہال میں زیر صدارت جناب ممتاز علی صاحب منعقد ہوا جس میں بھٹو قبیلے کے افراد نے کافی تعداد میں شرکت کی۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل اس قبیلے کے موجودہ سردار جناب پیر بخش بھٹو صاحب ممبر قومی اسمبلی کا بیان پڑھ کر سنایا گیا جو قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے کے سبب اس اجتماع میں شرکت نہ کر سکے۔ اس اجلاس میں بھٹو قبیلے کی تنظیم کے لئے ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام انجمن راعین رکھا گیا انجمن ہذا کے سیکرٹری مسٹر اللہ بخش بھٹو نے لفظ راعین کی تشریح کرتے ہوئے

اور اس کا شجرہ بیان کرتے ہوئے اسے عرب کے ایک بزرگ حضرت جلیم الراعی سے منسوب کیا اور اس انجمن کے اغراض و مقاصد بتاتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ انجمن غیر سیاسی جماعت ہے (سیکرٹری صاحب کے سامنے اس وقت سلیم التواریخ موجود تھی)

اس کانفرنس میں سردار محمد شفیع صاحب اور راقم کو بھی شمولیت اور خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تھی مگر راقم بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا اور سردار صاحب کو خط اس وقت ملا جبکہ وہاں تک پہنچنے کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ بہر حال سردار صاحب نے جنرل سیکرٹری کے نام یہ پیغام بھیجا۔

"آپ کو کانفرنس منعقد کرنے پر مبارک باد دیتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے۔ مگر میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ارائیں (بھٹو) کانفرنس کی بجائے آل سندھ ارائیں کانفرنس کا انعقاد ہماری قومی یکجہتی کے لئے زیادہ مفید ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہماری برادری میں کئی گوتیں ہیں اور گوت کے نام پر اجتماع بلانا کوئی مفید اور مستحسن کام نہیں اس سے عصبیت کو فروغ ہوگا۔ اور اصل برادری سے دوری ہوتی جائے گی۔"

سردار صاحب کا یہ پیغام نہایت اہم ہے۔ کیونکہ گوت کی بناء پر تنظیم کرنے کا مطلب قومی یکجہتی کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی مساعی کامیاب ہو رہی ہیں اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں ہی آل سندھ بلکہ آل مغربی پاکستان ارائیں کانفرنس کا انعقاد ہوگا۔

انجمن ارائیان پاکستان لاہور

یہ انجمن آل انڈیا انجمن راعیان ہند کی جانشین ہے۔ میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر مرحوم مدتوں اس کے صدر رہے۔ جسٹس میاں عبدالرشید صاحب اس انجمن کے صدر، بیگم شاہنواز صاحبہ نائب صدر، ملک محمد بشیر صاحب مرحوم رئیس سانده کلاں جنرل سیکرٹری رہے۔ اور میاں بدرالدین صاحب آفس سیکرٹری رہے۔ انجمن کے اجلاس وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں مگر پاکستان

کی سطح پر کبھی جلسہ یا کانفرنس نہیں ہوئی۔ انجمن ایک ماہنامہ "الراعی" بھی شائع کرتی ہے۔ یہ ماہنامہ کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۶۴ء سے پھر جاری ہوا ہے۔ ملک محمد بشیر صاحب مرحوم کی وفات کے بعد اب نئی ادارت اور نئے پبلشر کے نام کے ساتھ شائع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ملک صاحب کے جانشین خان بہادر میاں عبدالرب صاحب مقرر ہوئے جو بڑے مخلص اور نیک آدمی ہیں۔ انجمن کا نیا الیکشن بھی ہونے والا ہے۔ اس کے موجودہ صدر سردار احمد علی صاحب ہیں۔

عہدیداران انجمن راعیان پاکستان لاہور

پریذیڈنٹ سردار احمد علی، ۸۔/ ایف۔ سی سی گلبرگ لاہور۔

سینئر وائس پریذیڈنٹ، ملک مظفر علی، شرق پور شریف ضلع شیخوپورہ۔

جنرل سیکرٹری، الحاج ملک محمد بشیر۔ بشیر لاج سانده کلاں لاہور۔

سیکرٹری نشرواشاعت، چوہدری عبدالرشید تبسم ایم۔ اے، ۱۰۳/سی ماڈل ٹاؤن لاہور۔

آفس سیکرٹری، میاں محمد شفیع ایم۔ اے۔ ۸۰/ ۹/سی ماڈل ٹاؤن لاہور۔

سیکرٹری مالیات، حاجی محمد اسحاق حنیف، گاندھی سکوائر گوالمنڈی لاہور۔

آرگنائزنگ سیکرٹری، خان بہادر میاں عبدالرب ۳۰/بی وارث روڈ لاہور۔

نوٹ:۔ ملک مظفر علی صاحب، الحاج ملک محمد بشیر صاحب اور حاجی محمد اسحاق حنیف گذشتہ دنوں وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خان بہادر میاں عبدالرب اب سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ نئے الیکشن تک جو جلد ہی منعقد ہوگا، یہ عہدیدار کام کرتے رہیں گے۔

انجمن ارائیان کراچی کا ایک اجلاس ۲۲، مارچ کو کراچی سنٹرل ہوٹل میں ہوا۔

انجمن ارائیان حیدرآباد

یہ حیدرآباد ڈویژن کی سب سے بڑی اور فعال تنظیم ہے۔ علاقہ سندھ میں سردار محمد شفیع صاحب رئیس گنج کلاں ضلع لاہور اور سابق صدر آل انڈیا ارائیں کانفرنس نے اضلاعی انجمنوں کی تشکیل اور پھر آل سندھ ارائیں کانفرنس کے انعقاد کی سرگرم کوششیں کی ہیں اور انشاء اللہ

مستقبل میں یہ کوششیں بار آور ہوں گی۔

انجمن فلاح راعیان لاہور

مشرقی پنجاب کے مہاجرین جو لاہور کے علاقہ رام نگر، سنت نگر، کرشن نگر میں آباد تھے، نے اپنی فلاح و بہبود کے پیش نظر برادری کی ایک مقامی انجمن کی بنیاد ۱۹۶۴ء میں ڈالی۔ جس کے جنرل اجلاس ہر سال منعقد ہوتے رہے۔ اس کے عہدیداروں کے نام یہ ہیں۔

۱: چوہدری محمد بشیر حسین (مرحوم) ایڈووکیٹ (صدر) سنت نگر لاہور۔

۲: چوہدری نعمت اللہ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول سنت نگر لاہور (نائب صدر)

۳: حاجی سردار محمد (پبلشر کتاب ہذا) علمی کتاب خانہ۔ اردو بازار لاہور (سیکرٹری)

۴: چوہدری محمد علی (سپرنٹنڈنٹ ریلوے، کرشن نگر (جوائنٹ سیکرٹری)

۵: چوہدری محمد علی بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی سنت نگر لاہور (پروپیگنڈہ سیکرٹری)

۶: چوہدری محمد اقبال اکاؤنٹس آفیسر رام نگر لاہور (خزانچی)

نوٹ:۔ پچھلے دنوں اس انجمن کے صدر چوہدری محمد بشیر حسین ایڈووکیٹ وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ مرحوم بڑے ہمدرد اور برادری کے قابل فخر فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

دیگر معزز ممبران میں سے چند درج ذیل ہیں

۷: چوہدری محمد اسحاق صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری ریونیو۔ کرشن نگر۔ لاہور (سابق صدر)

۸: میاں فضل محمد (مالک سٹیل انڈسٹری بادامی باغ لاہور) (سابق صدر)

۹: میاں عبدالغنی روحی (ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل) کرشن نگر لاہور (سابق نائب صدر)

۱۰: حاجی شوکت علی اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفون (اسلام آباد) کرشن نگر لاہور۔

۱۱: میاں محمد منیر مسلم بی۔ اے (ریٹائرڈ انسپکٹر ریلوے، کرشن نگر لاہور) یہ بلند پایہ شاعر ہیں۔

۱۲: میاں عبدالعزیز (اسسٹنٹ اکاؤنٹس، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۱۳: چوہدری محمد شفیع (اسسٹنٹ سپلائی اینڈ ڈویلپمنٹ سنٹرل۔ کرشن نگر۔ لاہور

۱۳: ڈاکٹر علی محمد دکیمسٹری) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
۱۴: چوہدری محمد شفیق (بی ایس سی) کرشن نگر لاہور۔
۱۵: چوہدری منیر کمال سپرنٹنڈنٹ محکمہ معدنیات رام نگر۔ لاہور

فرینڈز میوچل بینیفٹ سوسائٹی لاہور

۱۹۶۰ء میں ضلع لائل پور کی برادری کے چند افراد نے جو بسلسلہ ملازمت یا کاروبار لاہور میں مقیم تھے، اپنی سہولت کے پیش نظر ایک غیر سیاسی انجمن کی بنیاد ڈالی جس کے درج ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

۱:۔ ضلع لائل پور کی برادری کے افراد جو لاہور میں مقیم ہیں، کو ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر لانا۔
۲:۔ باشندگان علاقہ مذکور کے لئے لاہور میں مستقل رہائش کے مسئلہ کا حل تلاش کرنا۔
۳:۔ ممبران کی اجتماعی اور انفرادی بہبود کے لئے کوشاں رہنا۔
۴:۔ ایسے قانونی ذرائع اختیار کرنا جن سے ممبران میں کفایت شعاری، اشتراک باہمی اور "اپنی مدد آپ" کی صفات اجاگر ہوں۔

رہائش کے مسئلہ کے حل کے لئے فرینڈز میوچل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی قائم کر دی گئی، جس کے اہتمام سے اتحاد کالونی کی صورت میں مرکز قائم کر دیا گیا جس نے ایک سو کے لگ بھگ عمدہ صاف ستھرے گھر تیار کر لئے اور اب یہ فخر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاہور کی تمام غیر سرکاری بلکہ سرکاری کالونیوں سے بھی بدرجہا بہتر یہ کالونی ہے۔ صاف ستھری گلیاں، چلڈرن پارک، مارکیٹ، جامع مسجد، ہوادار مکانات غرضیکہ ہر سہولت یہاں موجود ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے علاوہ قابل رشک وہ ماحول ہے جو نئی نسل کے لئے پیدا ہو چکا ہے۔ قتل، اغوا، زنا، شراب، فواحش وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا، تمام ممبران گناہ صغیرہ سے بھی پرہیز کرتے ہیں مثلاً سگریٹ نوشی، لہو ولعب وغیرہ وغیرہ۔ تعلیم میں بچوں نے بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ امسال دس لڑکے لڑکیوں نے امتحان دیا۔ سب کے سب کامیاب ہوئے اور تین نے وظیفہ حاصل کیا۔ ان تمام کامیابیوں کا سہرا مندرجہ ذیل ممبران کے سر ہے۔

(۱) چودھری غلام احمد ڈپٹی سیکرٹری انفارمیشن (سنٹرل) (۲) چودھری حیدر علی (۳) چودھری عبدالغفار (۴) چودھری محمد حسین اندرا (۵) چودھری محمد اصغر (۶) چودھری محمد شریف وغیرہ۔

مزید قابل ذکر نام کتاب کے آخر میں درج ہوں گے۔

انجمن ارائیاں ماڈل ٹاؤن لاہور

پریذیڈنٹ خان بہادر میاں محمد یوسف۔

سینئر وائس پریذیڈنٹ ملک اکرام الٰہی۔

وائس پریذیڈنٹ (۱) میجر ڈاکٹر غلام علی۔

وائس پریذیڈنٹ (۲) کیپٹن الحاج غلام محمد

وائس پریذیڈنٹ (۳) چودھری احسان الحق

وائس پریذیڈنٹ (۴) میاں محمد شفیع (م۔ش) ایم۔اے

وائس پریذیڈنٹ (۵) چودھری برکت اللہ

وائس پریذیڈنٹ (۶) چودھری مقصود احمد

جنرل سیکرٹری عبدالرشید تبسم ایم۔اے

جائنٹ سیکرٹری میاں منور احمد

فنانشل سیکرٹری میاں محمد نسیم

سیکرٹری پبلسٹی و تعلقات عامہ چودھری احمد دین

ان عہدیداروں کے علاوہ حاضرین میں سے مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میاں محمد طفیل، میاں ظہور الحق، چودھری خوشی محمد، چودھری محمد حسین، میاں سلیم احمد چودھری اقبال احمد، چودھری عبدالعزیز۔

انجمن ارائیں خواتین لاہور

(۱) صدر پروفیسر بیگم الحاج ڈاکٹر محمد انوار الحق ایم۔اے۔

(۲) نائب صدر بیگم الحاج ایم۔اے حکیم

(۳) جنرل سیکرٹری بیگم طیبہ شاہد نسیم احمد۔ایم۔ایس۔سی

(۴) فنانشل سیکرٹری بیگم خمسہ محمد نسیم

(۵) سیکرٹری نشرواشاعت بیگم ممتاز رشید بی۔اے۔بی۔ایڈ

ممبران:۔ بیگم صاحبہ صوفی حمید علی۔آپا شمیم جالندھری صاحبہ بیگم صاحبہ ملک محمد بشیر بیگم صاحبہ ملک محمد مشتاق احمد، بیگم صاحبہ ڈاکٹر غلام محمد، بیگم صاحبہ ملک اکرام الٰہی۔بیگم صاحبہ ملک محمد اکرم، بیگم صاحبہ ملک صفدر جنگ، بیگم صاحبہ فاروق احمد علی۔مسز احمد ربانی ایم۔اے لیکچرار لاہور کالج آف ویمن لاہور۔مسز مسرت جاوید بی۔اے ہیڈ مسٹرس التدریس راج گڑھ لاہور، بیگم صاحبہ چوہدری محمد حسین ۲۴۔اے ماڈل ٹاؤن لاہور۔

انجمن ارائیاں گجرات

صدر الحاج چودھری محمد حسن

نائب صدر چودھری محمد یوسف (لالہ موسیٰ)

جنرل سیکرٹری میاں محمد اشرف تنویر ایڈووکیٹ

معاون سیکرٹری مولانا رحمت اللہ مدنی مد

ممبران:۔ چوہدری رحمت خاں چودھری محمد شریف سلیمی ثمر مد (صدر ینگ مینز ارائیں ایسوسی ایشن گجرات شہر)

انجمن ارائیاں جہلم

چودھری محمد لطیف صاحب صدر

چودھری ظفر علی صاحب نائب صدر

چودھری عبدالرشید صاحب جنرل سیکرٹری

مولوی محمد اسحاق نقشبندی صاحب جائنٹ سیکرٹری

چودھری محمد قاسم صاحب خزانچی
چودھری صبح صادق نسیم صاحب اڈیٹر

ممبران انتظامیہ حسب ذیل ہیں

(۱) چودھری الٰہ داد صاحب (۲) چوہدری عبد محمد صاحب (۳) چوہدری غلام محمد صاحب (۴) چودھری نور محمد صاحب (۵) چودھری محمد حسین صاحب (۶) چودھری محمد صادق صاحب (۷) چودھری محمد اکرم صاحب (۸) چودھری غلام محی الدین صاحب (۹) چودھری محمد سلطان صاحب (۱۰) چودھری غلام احمد صاحب۔

انجمن حزب ارائیان راولپنڈی

صدر چودھری عبدالرشید سابق ممبر قومی اسمبلی

نائب صدر حافظ مظہر الدّین

نائب صدر میاں محمد افضل

ممبران:۔ چودھری خورشید حسن، میاں عبدالستّار۔

انجمن ارائیان شہر لائل پور

پریذیڈنٹ	سیٹھ محمد حبیب اللہ
سینیئر وائس پریذیڈنٹ	جناب مختار الجلیل مالک نیلم نائیلون ملز لمٹیڈ، شیخوپورہ روڈ لائلپور
جونیئر وائس پریذیڈنٹ	چودھری عبدالمجید مالک دربن محمد محمد عبدالمجید سبزی منڈی۔ لائل پور۔
آنریری جنرل سیکرٹری	میاں افتخار احمد ۵۷۸ بی پیپلز کالونی لائل پور۔
آفس سیکرٹری	چوہدری محمد یعقوب صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ
پراپیگنڈہ سیکرٹری	چودھری بشیر احمد رضوانی ایڈووکیٹ لائل پور۔
فنانشل سیکرٹری	چودھری غلام رسول ممبر بنیادی جمہوریت یونین میڈیسن

کچہری بازار لائل پور۔

انجمن راعیان کوئٹہ

گزشتہ دنوں انجمن راعیان کوئٹہ کا سالانہ اجلاس کوئٹہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل عہدیداروں اور مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

(۱) صدر میاں محمد اسمٰعیل صاحب پی ڈبلیو ڈی ایم۔ ایس۔ سی کنٹریکٹر۔

(۲) نائب صدر میاں محمد لطیف صاحب

(۳) نائب صدر (۲) چودھری محمد اسلم صاحب

(۴) جنرل سیکرٹری میاں محمد سلیم صاحب سالٹ مرچنٹ فاطمہ جناح روڈ۔

(۵) جائنٹ سیکرٹری مہر عبدالمجید صاحب سندھ سوڈا واٹر فیکٹری مسجد روڈ

(۶) خزانچی میاں محمد شریف صاحب مالکان میسرز ابراہیم چراغ کمپنی شارع اقبال

(۷) پراپیگنڈہ سیکرٹری چودھری خورشید احمد صاحب۔

مجلس عاملہ:۔ حاجی عبدالعزیز صاحب، چودھری غلام نبی صاحب، نعمت علی قریشی صاحب، چودھری عبدالحمید صاحب، چودھری عبدالعزیز صاحب، میاں مقبول احمد صاحب، میاں محمد شفیع صاحب، میاں عبدالحمید صاحب، چودھری عطا محمد صاحب، چودھری محمد حسن صاحب چودھری محمد صدیق صاحب، چودھری عبدالکریم صاحب، چودھری محمد بخش صاحب۔ چودھری تنویر احمد صاحب، چودھری عبدالعزیز صاحب۔

(۱) اس انجمن نے قطعہ زمین قبرستان کے لئے خریدا ہے جس میں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے

(۲) انجمن نے ممبر سازی کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ ممبر سازی مکمل ہو جانے پر کوئٹہ میں یہ انجمن ایک راعی ہال تعمیر کرے گی۔

ارائیں گریجوایٹس پاکستان

برادری کے نوجوان گریجوایٹس نے ایک سوشل آرگنائزیشن کے طور پر آجکل

بناڈالی ہے اس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں۔

(۱) اسلامی نظریات کی روشنی میں عالمگیر انسانی اقدار اور نصب العین کے فروغ کیلئے کوشش کرنا۔

(۲) ممبروں میں زیادہ سے زیادہ رابطہ اور بھائی چارہ کے جذبات ابھارنے کے لئے جدوجہد کرنا

(۳) آرٹ اور سائنس کے فروغ کیلئے دانشوروں کے لئے ایک مرکز قائم کرنا۔

(۴) خیراتی اور عوامی بہبود کی بناء پر بے آسرا، غریب، بیمار اور ناکارہ افراد کی مدد کرنا۔

(۵) یہ تنظیم غیر سیاسی ہوگی اور خالصتاً معاشرتی بہبود اس کا مقصد ہے۔ ممبروں کے درمیان بہتر جذبات اور باہمی تعظیم کے جذبات کو فروغ دے گی اور اسکا دائرہ کار تہذیبی، تعلیمی اور باہمی روابط تک محدود ہوگا۔

نوٹ: اس انجمن کے قواعد وضوابط ابھی تک مرتب نہیں ہو سکے اور نہ دفتر ہی مقرر ہو سکا ہے۔

قومی یکجہتی

قوم میں تنظیم پیدا کرنے کے لئے ضلعی انجمنوں کا وجود ناگزیر ہے۔ لہذا محترم جناب سردار محمد شفیع صاحب (رئیس آف گنجہ کلاں ضلع لاہور) صدر آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس کا ترتیب دیا ہوا دستور اس تاریخ میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں قوم انجمنیں بنا کر تنظیم اور ترقی کی منزلیں طے کرے۔

انجمن ارائیان پاکستان کا عارضی دستور

صورتِ حال

مشترکہ ہندوستان میں کم وبیش ہر صوبہ میں ارائیں برادری موجود تھی۔ پاکستان بننے کے بعد مشرقی پنجاب، دہلی، یوپی، بمبئی، بہار اور مغربی بنگال وغیرہ سے بہت سے خاندان مغربی پاکستان چلے گئے۔ اس افراتفری میں جہاں جس کو موقع ملا آباد ہوتے گئے۔

برادری کے ذہین، ہمدرد اور دور اندیش افراد نے جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مغربی پاکستان کے ہر ضلع اور ہر گوشہ میں برادری بڑی کثرت سے آباد ہو چکی ہے۔ عام اندازہ کیمطابق صرف مغربی پاکستان میں ان کی آبادی اب "ستر" لاکھ سے زیادہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھی برادری کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ بہار اور مغربی بنگال وغیرہ سے بھی خاصی تعداد مشرقی پاکستان میں منتقل ہو گئی ہے۔

مغربی پاکستان میں بعض جگہوں پر انہوں نے اپنی مختصر اور مقامی تنظیمیں بھی قائم کرلیں۔ جیسا کہ راولپنڈی، بہاولپور، کراچی وغیرہ میں برادری نے مقامی تنظیم قائم کر کے اصلاح کا کام بھی کیا اور کر رہے ہیں لیکن آل پاکستان بنیادوں پر ان کی تنظیم اور اصلاح کی ابھی ابتدا نہیں ہو سکی۔ برادری کی جو تنظیمیں مختلف ناموں پر مغربی پاکستان میں پہلے موجود تھیں وہ پاکستان بننے پر سرد ہو گئیں اور ان میں کوئی نمایاں سرگرمی نہ رہی جن کو برادری بڑی شدت سے محسوس کرتی ہے۔

پاکستان کے ہر گوشہ سے برادری کے معززین جو برادری کی اصلاح تنظیم اور خدمت کا سرگرم جذبہ رکھتے تھے، مجھے لکھتے اور کہتے رہے کہ آپ آل انڈیا ارائیں کانفرنس کے آخری صدر ہیں۔ تنظیم کا کام اپنے ہاتھ میں لیں، میں خود بھی محسوس کرتا تھا کہ درہ خیبر سے لے کر کراچی تک برادری کے مجمل سے حالات سے میں کسی قدر آگاہ ہوں اور برادری کا آخری آل انڈیا صدر بھی ہوں۔ اس لئے مجھ پر برادری کی تنظیم اور اصلاح کے کام کی ذمہ داری ضرور عائد ہوتی ہے۔ لیکن سخت مصروفیت اور طویل بیماری نے مجھے مہلت نہ دی۔ میں اس انتظار میں بھی رہا کہ کوئی اور آگے بڑھ کر اس سخت کٹھن کام کو سنبھالے۔ جن جن معززین کو میں نے وقتاً فوقتاً اس کام کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی انہوں نے مجھ پر فرض میں کوتاہی کا فتویٰ دے کر ذمہ داری مجھ پر ہی ڈالی۔

اب بفضل خدا میری صحت اس قابل ضرور ہے کہ میں کام کر سکوں۔ لہذا میں خدا کا نام لے کر برادری کی تنظیم کے لئے قدم اٹھاتا ہوں۔ برادری کا آخری آل انڈیا صدر ہونے کی حیثیت سے یہ کام مجھے بہت پہلے شروع کر دینا چاہیئے تھا۔ کئی سال کی اس کوتاہی کا خواہ وہ اختیاری تھی یا بے اختیاری مجھے اعتراف ہے۔ ماشرمسار بھی ہوں اور برادری سے معذرت خواہ بھی

گزارش : اب میں اپنی گزشتہ کوتاہی کی سرگرم جدوجہد سے تلافی کی بھی انشاءاللہ

کوشش کروں گا۔ گو میں کمزور ہوں اور یہ بار گراں بہت کٹھن ہے لیکن رب العالمین کی رحمت سے پُرامید ہوں۔ اسی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ مجھے ہمت اور توفیق دے کہ میں بھائیوں کی کچھ خدمت کرسکوں۔ میں برادری کے ہر خاندان، ہر چھوٹے بڑے اور خصوصاً ہر تعلیم یافتہ سے سرگرم تعاون کی اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس بے حد ضروری اور اہم کام میں میرا ساتھ دیں اور اپنی خدمات پیش کریں۔

سابق مغربی پنجاب کے بعض اضلاع کے علاوہ راولپنڈی، بہاول پور، میرپور اور کراچی کی برادری کی طرف پاکستان کی تمام برادری کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔ ان میں حرارت بھی ہے، جذبہ بھی اور زندگی بھی۔ میں ان کی خدمت میں خود حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ مارچ کے آخری ہفتے ضلع میرپور سے دورہ کا پروگرام شروع کر رہا ہوں۔ کئی سرگرم اور معزز کارکنوں نے اپنی خدمات پیش کی ہیں وہ اس دورہ میں میرے ہمراہ ہوں گے۔

دستور انجمن ارائیانِ پاکستان

اس عظیم برادری کی اصلاح و تنظیم کسی دستور کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے اس لئے میں ایک عارضی دستور پیش کرتا ہوں۔ برادری کی تنظیم اور جماعتوں کی تشکیل کے بعد اس معزز برادری کے منتخب ارکان سے جب انجمن ارائیاں پاکستان بنی تو وہ خود مستقل دستور بنائیں گے۔ ابتدائی تنظیم فی الحال اسی دستور سے ہوگی جو میں پیش کر رہا ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ سارے پاکستان میں اس شریف، باشعور اور بہادر اور محنتی برادری کی تنظیم ہو جائے تاکہ وہ اجتماعی قوت سے اپنے کاروبار کو فروغ دے سکے۔ برادری اسلامی ماحول پیدا کرکے زیادہ سے زیادہ با اخلاق بن سکے۔ اور سربلندیٔ اسلام اور پاکستان کی خدمت کرکے تمام برادریوں کے لئے ایک نمونہ بن سکے۔ اس لئے اس عارضی دستور میں جہاں ضرورت سمجھی جائے ترمیم کی جا سکتی ہے۔ ترمیم کے لئے ہر صحیح مشورہ خوشی اور شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

انجمن ارائیاں

ہماری معزز برادری صدیوں سے ارائیں کے نام سے منسوب چلی آتی ہے۔ یہ بالکل واضح

اور تاریخی حقیقت ہے کہ حجازی عربوں کے بہت سے منتخب اور بہادر حجازی خاندانوں کو جن میں زیادہ تر بنو امیہ یا ان کے حامی تھے۔ بنو امیہ نے اپنی عظیم سلطنت کے پایۂ تخت دمشق (ملک شام) کے قریب استحکام سلطنت لئے علاقہ اریحا میں آباد کیا جو اس علاقہ کی بدولت اریحائی کہلائے شاہی فوج کی حیثیت سے ہر صوبہ کے دار الخلافہ میں تعینات ہوئے اور ہر اہم مہم پر بھیجے جاتے رہے۔ یہ محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ میں شاہی فوج کی حیثیت سے سندھ آئے اور فاتح بنے۔ سندھ میں اریحا علاقہ کے نام کی بدولت اریحائی کہلاتے تھے۔ یہاں صدیوں رہنے کی بدولت اریحائی کے بجائے ہندوستانی لہجہ میں ارائیں کہلانے لگے اور آج تک اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اس لئے ہماری عظیم برادری کی انجمن کا نام **انجمن ارائیاں** ہوگا۔

انجمن ارائیاں کے مقاصد

۱:۔ پاکستان کے ہر گوشہ میں بکھری ہوئی اور ایک دوسرے سے ناآشنا برادری کو باہم روشناس کرانا، ان کو سربلندیٔ اسلام، تحفظ پاکستان، ترقیٔ کاروبار اور بہادر و با اخلاق مسلمان بنانے کے لئے ان کی تنظیم کرنا۔

۲:۔ باہمی تعاون سے کمپنیاں اور سوسائٹیاں بنا کر اجتماعی قوت سے زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کے کامیاب طریقوں کو رائج کرنا۔

۳:۔ برادری کے ہونہار، ذہین اور نادار طلبہ کو اعلیٰ تعلیم دلانا۔

۴:۔ اس محنتی اور زراعت کے فن سے واقف برادری کے ان خاندانوں کے لئے جو تقسیم در تقسیم کی بدولت بہت تھوڑی زمین رکھتے ہیں یا جن کے پاس زمین نہیں ہے ان کو زمین دلوانے میں کوشاں ہونا۔

۵:۔ حوادثِ زمانہ کے شکار، بدحال اور غریب خاندان یا افراد، لاوارث، بیواؤں اور یتیموں کی دستگیری کرنا تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

۶:۔ زراعت اور خصوصاً باغات، نرسری اور سبزی ترکاری کو اس حد تک معیاری بنانے کے لئے کوشاں ہونا کہ برادری کے کھیت اور فارم ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بن سکیں۔

اور پھل فروٹ آلو وغیرہ برادری کی کمپنیوں کے ذریعے کولڈ سٹوریج بنا کر محفوظ کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکیں۔

۷:۔ غیر اسلامی رسومات یعنی جو بیاہ شادیوں میں، ہندوانہ، جاہلانہ اور کافرانہ طور طریقے رواج پا گئے ہیں ان کو دور کر کے صحیح اسلامی طریقے رائج کرنا۔

۸:۔ سکول، کالج، اسلامی دار العلوم، درسگاہیں، مسافر خانے اور ہسپتال جاری کرنا، قرآن مجید پڑھانا اور اس کے معنوں سے روشناس کرانا، نیز اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے لائبریریاں قائم کرنا۔

۹:۔ برادری کے ہر پڑھے لکھے آدمی کو پابند بنانا کہ وہ برادری کے کم از کم پانچ جاہلوں کو خالی وقت میں پڑھائے یا ان کے پڑھانے کا بار اٹھائے۔ اسی طرح پڑھی لکھی مستورات جاہل مستورات کو فارغ اوقات میں پڑھائیں تاکہ چند سال کے اندر اندر برادری کا کوئی مرد اور کوئی عورت جاہل نہ رہ جائے۔

۱۰:۔ خاندانوں کے یا افراد کے جھگڑے تنازعے طے کرنا اور ان کی شکر رنجی دور کرنا۔

۱۱:۔ صحت اور صفائی کے اصولوں کو رائج کرنا، نماز کا پابند بنانا اور با اخلاق انسان بنانے اور اسلامی ماحول پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہونا۔

۱۲:۔ تبلیغ اسلام کے لئے اجتماعی قوت سے جدوجہد کرنا۔

۱۳:۔ برادری کے اریحا سے لے کر پاکستان میں جمع ہونے تک کی مستند تاریخ تیار کرنا۔ گزشتہ کئی صدیوں کے برادری کے ان ہزارہا تاریخی معرکوں اور بہادرانہ کارناموں کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کرنا۔ ان کی پوری پوری چھان بین کر کے مستند روایات، تاریخی حقائق اور ان تمام سندات کو جو ہندوستان میں شہنشاہوں کی طرف سے اعتراف بہادری کے سلسلہ میں ملی تھیں جس کا کچھ حصہ آج بھی بعض نامور خاندانوں میں موجود ہے اور جو ڈھونڈنے سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس تمام مواد کو کتابی صورت میں شائع کرنا۔

۱۴:۔ برادری کے ہزارہا افراد جو انگلستان، امریکہ اور دیگر ممالک میں گئے ہوئے ہیں۔ کئی وہاں کے شہری بن چکے ہیں۔ ان سب کو برادری سے اور برادری کو ان سے روشناس کرانا۔

۱۵:۔ درہ خیبر سے کراچی اور کوہ سلیمان تک پھیلی ہوئی برادری جو ایک دوسرے سے ناآشنا ہے، ان کے نمایاں افراد اور کئی خاندانوں کی ڈائریکٹری بنا کر نا جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۶:۔ برادری کے موجودہ تاجروں، صنعت کاروں اور کارخانہ داروں، آڑھتیوں اور مشہور سوداگروں نیز نمایاں حیثیت سے زراعتی فارم، نرسری یا ڈیری فارم چلانے والوں کی ایک ڈائریکٹری جلد از جلد شائع کرنا تاکہ برادری استفادہ کرسکے اور اپنے کاروبار کو پھیلا سکے، نیز ان سے مال منگا سکے یا مال بھیج سکے۔

۱۷:۔ برادری کی یہ تنظیم غیر سیاسی ہوگی۔ کسی سیاسی پارٹی سے برادری کی اس تنظیم کا کوئی تعلق نہ ہوگا انفرادی طور پر جس سیاسی پارٹی میں کوئی جانا چاہے اس میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔ یہ غیر سیاسی اور اصلاحی تنظیم صرف ہر اچھی حکومت کے نیک مقاصد صنعتی یا زراعتی ترقی استحکام و تحفظ پاکستان اور سربلندی اسلام کے معاملات میں تعاون کرے گی اور مدد دیگی

حصول مقاصد کے لئے طریق کار اور اس کے ذرائع

۱:۔ برادری کا ایک ہفتہ وار اخبار جاری کرنا۔

۲:۔ ہر خطہ، ہر تعلقہ اور ہر ضلع میں برادری کی تنظیم کے لئے کنوینر مقرر کرنا۔

۳:۔ پرجوش، مستعد اور تعلیم یافتہ کارکن پیدا کرنا جو برادری کی تنظیم کے لئے وقت دے سکیں

۴:۔ معزز ارکان کے خیر سگالی وفود مرتب کرنا جو دورہ کرکے دور دراز پھیلی ہوئی برادری کی تکالیف اور ضروریات کا جائزہ لے سکیں اور ان کے سدباب کی صورت پیدا کرسکیں۔ نیز تجارتی، زراعتی اور صنعتی مقاصد میں تعاون پیدا کرنے کی کوشش کرسکیں اور منتشر برادری کو ایک دوسرے سے روشناس کرا کے میل جول کی راہیں استوار کرسکیں۔

۵:۔ ہر کمشنری میں تنخواہ دار سفیر مقرر کرنا جو دورہ کرکے منتشر برادری کا کھوج نکالیں گے، ان کو منظم کریں گے اور ان کا برادری کے مرکزوں سے الحاق کریں گے۔ اور مفصل معلومات مہیا کرتے رہیں گے۔

۶:۔ آل پاکستان کنوینر مرکزی جماعت کا دفتر قائم کرے گا جو جملہ انتظام اور تنظیم قائم کرنے اور سلیقہ

سے ورکروں، قومی خادموں، سفیروں، آنریری منتظموں، ناظموں اور کارکنوں کے کاموں کی نگرانی کرے گا۔ تمام اضلاع اور کمشنریوں کی انجمنوں کے کاموں کو سرگرم عمل رکھنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ ان کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچائے گا۔ جہاں ضرورت سمجھے گا وفد روانہ کرے گا۔ تمام کاموں اور جملہ سرگرمیوں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھے گا۔ اور حساب کتاب کی نگرانی کرے گا۔ ہفتہ وار اخبار بھی اسی کی زیر نگرانی ہو گا۔

۷:۔ آل پاکستان کنوینر مرکزیہ مشیروں کا (بہ مشورہ کمشنری کی انجمنوں کے) انتخاب کرے گا تاکہ سب امور مشورہ سے طے ہوں۔ فی الحال یہی مرکزیہ جماعت کہلائے گی اور آل پاکستان کنوینر کا ہاتھ بٹائے گی۔ ہر کمشنری کا کنوینر بھی مرکزیہ انجمن کا ممبر ہو گا۔

۸:۔ تاریخ مرتب کرنے کی اہلیت رکھنے والے قابل اشخاص کا بورڈ بنایا جائے گا جو اپنی سہولت کے لئے مورخوں اور برادری کے مصنفوں کو شامل کر کے کام لے سکیں گے۔

۹:۔ آل پاکستان کنوینر ان کے اخراجات ان کو کتابیں پہنچانے اور کتب خانوں اور پرائیویٹ اشخاص یا اداروں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے اور کتابیں مہیا کرنے یا پرانے کتب خانوں میں ان کو مطالعہ کرنے کے ذرائع مہیا کرے گا اور جملہ اخراجات کا (آل پاکستان کنوینر) مرکزیہ جماعت کے تعاون سے بندوبست کرے گا۔

۹:۔ ان عظیم کاموں کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے جو اس عظیم معزز برادری کی معمولی سی کوشش اور برادری کے سرمایہ داروں کی ذرا سی توجہ سے بخوبی بہم پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے معزز آدمیوں کے کئی وفد مرتب کئے جائیں گے۔ جو برادری کے متمول آدمیوں کے پاس جائینگے اور فنڈ اکٹھا کریں گے۔ اس کے علاوہ سفیروں اور ورکروں کے ذریعے بھی سرمایہ کی فراہمی کا مرکزیہ جماعت انتظام کرے گی۔

۱۰:۔ مندرجہ بالا ہنگامی ضرورتوں کے علاوہ بھی مرکزیہ جماعت کے پاس ایک مستقل فنڈ جمع رہنا چاہیئے تاکہ مستقل امداد کے مستحق طلباء اور نادار افراد یا بیواؤں کو مستقل مدد دی جا سکے۔ اس لئے برادری کے کارخانہ داروں، سرمایہ داروں، تاجروں اور زمینداروں سے ان نیک کاموں کے لئے مرکزی انجمن مستقل امداد لینے کا بندوبست کرے گی۔

۱۱:- برادری کمپنیاں بنا کر جو کارخانے، فارم یا صنعت و حرفت کی فیکٹریاں اور ادارے قائم کرے گی ان میں بھی ایک معقول رقم مرکزی انجمن ارائیاں کو دینے کی لازمی شرط رکھی جائے گی۔

۱۲:- آل پاکستان کنوینر ایک مرکزی دفتر جلد از جلد قائم کرے گا۔ تنخواہ دار سفیر، کلرک اور عملہ رکھے گا۔

تنظیم

۱:- ارائیں برادری کا ہر خاندان، ہر فرد، ہر چھوٹا بڑا، ہر مرد و عورت برادری کی انجمن سے وابستہ سمجھا جائے گا۔

۲:- ہر گھر کو حسب حیثیت سالانہ چندہ رکنیت دینا ہوگا جو کم از کم بارہ پیسے فی مرد کے حساب سے ہوگا۔

۳:- سالانہ رکنیت کے چندے ابتدائی جماعتیں وصول کر کے ضلع کی جماعت کو روانہ کریں گی ضلع کی جماعت ۱/۴ حصہ اپنی دفتری اور تنظیمی ضرورت کے رکھ کر باقی ۳/۴ کمشنری کی انجمن کو دیں گی۔ کمشنری کی انجمن اس رقم کا ۱/۴ حصہ اپنے دفتر اور تنظیم کے لئے رکھ کر باقی رقم صوبہ کی مرکزی جماعت کو روانہ کرے گی۔

۴:- منتشر آبادی کی صورت میں کم از کم پچاس کی آبادی پر ایک ابتدائی جماعت بن سکے گی۔

۵:- کم از کم دس انجمنوں پر ایک تحصیل کی انجمن ہو گی۔ جہاں آبادی بہت ہی کم خال خال ہو گی وہ دس انجمنوں پر اپنے ضلع کی انجمن بنا سکتے ہیں جس میں ابتدائی جماعتوں کا ایک ایک ممبر ہو گا۔

۶:- تعلقہ و تحصیل کی انجمن کا منتخب صدر برادری کے پانچ اور معزز آدمیوں کو تحصیل یا تعلقہ کی انجمن ارائیاں کے لئے اور منتخب کر سکتا ہے۔ ہر ابتدائی جماعت کا نمائندہ اور صدر کے منتخب پانچ آدمیوں پر مشتمل انجمن ارائیاں یا تعلقہ یا تحصیل ہو گی۔

۷:- ہر تحصیل اور تعلقہ کی انجمن چار نمائندے منتخب کر کے ضلع کی جماعت کو بھیجے گی اور ضلع

کی انجمن کا منتخب صدر برادری کے پانچ اور معزز آدمیوں کو اپنی انجمن کے مشورہ سے اپنے ضلع سے منتخب کر کے ضلع کی جماعت میں شامل کرے گا۔ تمام تعلقہ سے آمدہ نمائندگان اور منتخب آدمی مل کر ضلع کی انجمن کہلائیں گے۔

۸:۔ ہر ضلع کی انجمن سات آدمیوں کو کمشنری کی انجمن میں بھیجنے کے لئے منتخب کرے گی۔ ہر ضلع سے آمدہ نمائندگان کمشنری کی انجمن کہلائے گی۔ کمشنری کی انجمن کا صدر سات آدمیوں کو اس انجمن میں نامزد کر کے کمشنری کی انجمن میں شامل کر سکتا ہے۔ یہ ممبران کمشنری کی انجمن ارائیاں کہلائے گی۔

۹:۔ ہر کمشنری کی انجمن سات نمائندگان صوبہ کی مرکزیہ انجمن کے لئے منتخب کرے گی یو مرکزی انجمن ارائیاں صوبہ کہلائے گی۔ یہ مرکزی انجمن اپنا صدر منتخب کرے گی اور صدر اپنی ورکنگ کمیٹی بنائے گا جو بیس افراد پر علاوہ عہدیداران مشتمل ہوگی۔

۹:۔ صوبہ کی مرکزی انجمن کے حسب ذیل عہدیدار ہوں گے۔ صدر ایک، نائب صدر دو جنرل سیکرٹری ایک، جوائنٹ سیکرٹری دو، خزانچی ایک جو مالی کمیٹی کے محاسبہ میں ہو گا۔ یعنی صدر ورکنگ کمیٹی سے کم از کم تین آدمیوں کی مالی کمیٹی بنائے گا اور وہ خزانچی کے نگران بھی ہونگے صدر ایک آڈیٹر بھی مقرر کرے گا جو حساب کتاب اور دفتری کام کو چیک کرتا رہے گا اور ماہوار تحریری رپورٹ صدر کو دیتا رہے گا جو ایک کتاب میں بھی درج ہو گی۔

۱۱:۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں تنظیم کے بعد دونوں صوبوں میں نمائندگان سے انجمن ارائیاں پاکستان کی تشکیل ہوگی۔

۱۲:۔ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے آل پاکستان کنوینر ہر تعلقہ، ہر علاقہ، ہر ضلع، ہر کمشنری اور ہر صوبہ کے لئے کنوینر مقرر کرے گا۔ تاکہ اس دستور کے مطابق ابتدائی جماعتیں، اضلاع کی جماعتیں، کمشنری اور صوبہ کی جماعت تشکیل پا سکے۔

۱۳:۔ آل پاکستان کنوینر حالات کے مطابق کثیر یا قلیل آبادی کے پیش نظر اور ہنگامی حالات میں دستور میں ترمیم کر سکتا ہے نیز ترمیم کا جو صحیح مشورہ ہو صدر اسے بخوشی شکریہ کے ساتھ قبول کر کے منظوری دے گا۔

۱۴:- کراچی کارپوریشن، لاہور کارپوریشن، اور راولپنڈی کارپوریشن رحدود میونسپل کمیٹی راولپنڈی، اسلام آباد اور چھاؤنی، ان تینوں شہروں میں انجمن کا درجہ کمشنری کی انجمن ارائیاں کے برابر ہوگا۔ یہ اپنی حدود میں محلہ وار یا وارڈوار یا ابتدائی انجمنیں قائم کر کے مرکزی انجمن قائم کریں گے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ ان کا درجہ کمشنری کی انجمن کے درجہ کے برابر ہوگا۔ ان کا الحاق صوبہ کی مرکزی انجمن کے ساتھ اس طرح ہوگا جس طرح دیگر کمشنریوں کے الحاق کا طریقہ رکھا گیا ہے۔

۱۵:- جلد از جلد برادری کی تنظیم کے لئے آل پاکستان کنوینر جس جگہ مناسب سمجھے گا برادری کا عارضی مرکزی دفتر قائم کر کے نظام کرنے کی کوشش کرے گا۔ کنوینر مالی سب کمیٹی بنائے گا اور حساب کتاب کی چیکنگ کے لئے اڈیٹر بھی مقرر کرے گا۔

۱۶:- آل پاکستان کنوینر ایک عارضی ورکنگ کمیٹی مرکزی بنائے گا تاکہ صلاح مشورہ سے جلد از جلد برادری کی تنظیم کی جا سکے۔

نوٹ:- برادری کے ہر معزز کا فرض ہے کہ جو ڈیوٹی اس کے سپرد کی جائے۔ اس کو ادا کرنا وہ ضروری جانے اور خندہ پیشانی سے سرگرم عمل ہو جائے۔ اسی پر تنظیم کا انحصار اور اسی میں برادری کی سربلندی کا راز ہے۔ ہمیں اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہم سست، کاہل اور آرام طلب نہیں بڑے جفاکش، بڑے محنتی، بڑے وفا شعار اور بڑے مخلص ہیں۔

میری محترم اور معزز برادری اچھی طرح سمجھ لے کہ ہماری برادری مغربی پاکستان کی سب برادریوں سے بلحاظ تعداد بہت زیادہ اور بلحاظ شرافت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہم ہی یہاں کے اوّلین معمار تھے اور اب ہم ایثار و محنت سے اپنی تنظیم و اصلاح کر کے سب کے لئے ایک مثال اور برادران اسلام کے لئے ایک روشن مینار بن سکتے ہیں۔

یہی سندھ تھا جہاں ہمارے آباؤ اجداد نے فاتحانہ حیثیت سے قدم رکھ کر اپنے اسلامی اخلاق اور حُسن سلوک کی دھوم مچا دی تھی جس کی گونج تاریخ میں آج تک سنائی دے رہی ہے۔ آج وہی سندھ پھر ہمارے اخلاق اور اسلامی شعائر کا انتظار کر رہا ہے۔

ع سبق پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا کام تجھ سے دنیا کی امامت کا

کاروائی میٹنگ بتاریخ ۲۸-۸-۶۶ بمقام ڈگری ضلع تھرپارکر

انجمن ارائیان خیرپور و حیدرآباد ڈویژن بشمول کراچی کا اجلاس زیرِ صدارت چوہدری محمد صادق صاحب مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۶۶ء کو ڈگری میں انجمن ارائیاں کے سلسلہ میں منعقد ہوا جس میں تقریباً پچاس سرکردہ معززین نے شرکت کی۔ اجلاس کی کارروائی دفتر ٹاؤن ہال ڈگری میں ہوئی۔

۱۔ کاروائی کی ابتدا تلاوت قران مجید سے ہوئی۔ حافظ محمد افضل صاحب نے تلاوت کی۔

۲۔ اسکے بعد سردار محمد شفیع صاحب نے ایک مفصل تقریر فرمائی جس میں برادری کی تنظیم کی ضرورت اور اہمیت نہایت مدلل طریقہ سے حاضرین پر واضح کر دی۔

۳۔ ایک عارضی دستور چوہدری علی اصغر صاحب نے پڑھ کر سنایا، جس کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔

۴۔ متفقہ طور پر منظور کیا گیا کہ سردار محمد شفیع صاحب کو مرکزی کنوینر مقرر کر لیا جائے۔

۵۔ متفقہ طور پر پاس ہوا کہ مرکزی دفتر نواب شاہ میں قائم کیا جائے۔

۶۔ متفقہ طور پر پاس کیا گیا کہ ضلع تھرپارکر کے لئے کنوینر ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کو مقرر کیا جائے

۷۔ متفقہ طور پر پاس کیا گیا کہ ضلع حیدرآباد کے لئے کنوینر چوہدری محمد صادق صاحب زمیندار مقرر ہوں گے۔

۸۔ متفقہ طور پر پاس کیا گیا کہ سردار محمد شفیع صاحب حیدرآباد و خیرپور ڈویژن بشمول کراچی مختلف جگہوں پر جلسے کر کے وہاں ضلع وار کنوینر مقرر کریں گے۔

۹۔ سردار محمد شفیع صاحب کنوینر مرکزی تنظیم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ارائیں برادری کی تنظیم کے لئے تمام ضروری اقدامات کریں۔

۱۰۔ متفقہ طور پر پاس کیا گیا کہ دستور میں یہ ترمیم کی جائے کہ ضلع وار یا مقامی انجمنوں کو جمع شدہ سرمایہ کا نصف اپنے علاقہ میں رکھنے اور خرچ کرنے کا اختیار ہے۔ باقی نصف مرکزی تنظیم کو دیا جائے۔

پیغام

جناب سردار محمد شفیع صاحب سابق صدر آل انڈیا ارائیں کانفرنس ۱۹۴۷ء

و

سابق کنوینر انجمن ارائیان سندھ ۱۹۶۷ء

یہ پیغام پاکستان کی شریف، محنتی اور سنجیدہ ارائیں برادری کے غور و فکر کے لئے ان تقاضوں کی بنار پر لکھ رہا ہوں جو علی اصغر صاحب چوہدری نے بار بار خطوط بھیج کر کئے۔

تاریخ

یہ مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد عرب کے منتخب بہادر تھے۔ ہر دور میں ہماری برادری اپنی سنجیدہ روایات اور بہادرانہ جوہر کا عملی اظہار کرتی رہی۔ یہ تاریخ مرتب کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان تمام بہادرانہ روایات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تاریخ کے صفحہ قرطاس پر لائیں۔ اور قوم کو ان کے اسلاف سے روشناس کرائیں۔ اس ضمن میں ڈیڑھ سو سال گزشتہ کے بے شمار واقعات کی تفصیل میں جائے بغیر صرف بعض باتیں اشارۃً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ آپ اپنے آپ کو کچھ تو پہچان سکیں اور اس بات کو سمجھ سکیں جو میں اس پیغام میں کہنا چاہتا ہوں۔

ارائیں اور تحریک احیائے دین اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے تجدید و احیائے دین کا کام شروع کیا تو ہماری برادری نے بڑے ہی شوق سے ان کی تعلیم کو حاصل کیا اور ان کا ساتھ دیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہماری برادری نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دوسری برادریوں کے بہت سے افراد جو موجودہ امیر خاندانوں کے آباؤ اجداد تھے، جب انگریز کی حمایت میں اور غلامی کو مسلط کرنے کیلئے لپک لپک کر شامل ہو رہے تھے تو ہماری برادری آزادی کے جھنڈے اٹھائے دلی کی حفاظت میں تلوار کے جوہر دکھا رہی تھی۔ اور قربانیاں دے رہی تھی۔ دہلی کی ارائیں برادری جو آج کل کراچی میں آباد ہے جن کی ابھی دو تین نسلیں ہی گزری ہیں۔ آج بھی یہ برادری ان بہادرانہ کارناموں کو بتا سکتی ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ

آزادی میں سرانجام دیئے گئے تھے۔

ارائیں اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ کی جدوجہد

اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے نامور فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں نے سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی قیادت میں جہاد کا علم بلند کیا تو ان کے ساتھ بھاری تعداد ارائیوں کی تھی جنہوں نے سابق صوبہ سرحد کے ہر میدانِ جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بالاکوٹ کی شکست کے بعد جو بچ رہے وہ مجاہدین کے ساتھ ان مرکزوں میں مستقل طور پر اقامت گزین ہو گئے اور تحریکِ جہاد کو جاری رکھا۔ چنانچہ ہماری برادری کے بہت سے سرکردہ لوگ اسی بنا پر انگریزوں کے عتاب کا شکار ہوتے رہے۔

قوم ارائیں کا مجاہدین کو مدد دینا

مولانا محمد جعفر صاحب جنہوں نے "کالا پانی" نامی کتاب لکھ کر ان مظالم کو تھوڑا بہت بے نقاب کیا جو ہندوستان پر تحریک مجاہدین کو چلانے اور آزاد قبائل کے مجاہدین کو باقاعدہ امداد پہنچانے کے سلسلہ میں ان کے رفقاء پر توڑے گئے تھے۔ یہ مولانا محمد جعفر صاحب اور ان کے بیشتر رفقاء ارائیں ہی تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی سے لے کر ۱۹۲۰ء تک جو لوگ شمالی ہندوستان سے ہجرت کر کے مجاہدین کے مرکز میں جاتے رہے اور جدوجہد کرتے رہے ان میں کثرت سے ارائیں ہی ہوتے تھے۔ میں اس تحریک کے آخری دور میں گویا ۱۹۱۷ء میں شامل ہوا۔ کئی بار ہندوستان سے امیر جماعت مجاہدین کے نہایت ضروری پیغامات لے کر آزاد قبائل میں مجاہدین کے مراکز میں اسمس اور چمرقند جاتا رہا۔ پنجاب سے جا کر وہاں جہاد کرنے والوں میں میں نے اکثریت ارائیوں کی دیکھی ہے۔

ارائیں قوم کا آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش ہونا

۱۹۲۰ء میں ہندوستان کے اندر تحریکِ خلافت شروع ہوئی۔ اس تحریک میں بھی زیادہ حصہ ارائیوں نے ہی لیا۔ ۱۹۲۹ء میں جب تحریکِ خلافت دم توڑ گئی تو جن لوگوں میں دم خم باقی تھا انہوں نے احرارِ اسلام کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل کی۔ اس انٹی انگریز پارٹی میں بھی اکثریت ارائیوں کی ہی تھی۔

تحریک حریت کشمیر اور ارائیں

۳۲-۱۹۳۱ء میں جب تحریک حریت کشمیر شروع ہوئی تو جیلوں میں جانے والے اول نمبر پہ کشمیری مسلمان اور دوسرے نمبر پر ارائیں ہی تھے۔ اس کے بعد بھی آزادی کی ہر تحریک میں شمالی ہند میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھانے والوں میں ارائیں چالیس فیصد سے کبھی کم نہ ہوئے ۴۷-۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے جب پنجاب میں سول نافرمانی شروع کی تو اس کی ابتدا بھی میاں افتخار الدین ارائیں نے ہی کی تھی اور جیلوں میں جانے والوں میں سب سے زیادہ تعداد ارائیوں کی ہی تھی۔

تصویر کا دوسرا رخ

ہماری برادری کے وہ آدمی یا خاندان جو انگریز سرکار کے ساتھ وابستہ رہ کر اعلیٰ منصبوں پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ۱۹۱۶ء میں انجمن ارائیان کی لاہور میں بنیاد رکھی۔ اس وقت پہلی عالمگیر جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس قوم کے ان بہادروں کا تذکرہ اور ان واقعات کا ذکر کیا جو انگریزی حکومت کی حمایت میں اس برادری کے چند قلیل آدمیوں سے سرزد ہوئے تھے، اس بنیاد پر جو عمارت بنتی گئی وہ اس پالیسی پر عمل پیرا رہی۔ برادری کی ذیلداریوں اور نمبرداریوں جیسی بے حقیقت اور غیر تاریخی باتیں بیان کرنے تک ہی یہ انجمن محدود رہی۔ اس سے سوائے اس کے کہ قوم اپنے ان چند خاندانوں سے روشناس ہو گئی جو انگریز سرکار کے ملازم یا انگریز سے وابستہ تھے، اور کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اس سے دوسری اقوام میں بھی ان کو کوئی با عزت بہادرانہ مقام حاصل نہ ہوا۔

وہی فرسودہ پالیسی

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ملک کے آزاد ہونے اور پاکستان قائم ہو جانے کے بعد بھی برادری کی انجمنوں نے اپنی یہ پالیسی نہ بدلی۔ آج بھی حقیقت سے پہلو تہی کی جاتی ہے اور اپنے بہادروں کو جو آزادی اور جہاد کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں، ان کو چھپایا جاتا اور صرف نمبرداریوں اور ذیلداریوں یا کسی اور سرکاری منصب کو فخر کے ساتھ بیان کر کے اچھالا جاتا ہے۔ اس چیز نے قوم کا ذہن ایسا بنا دیا ہے کہ وہ ناقابل التفات چیزوں کو قابل فخر سمجھنے لگی ہے۔ اس سے احساس کمتری پیدا ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہ

ہوا جو قوم اپنے بہادروں کو بھول جائے اور غلامانہ کارناموں کو قابل فخر سمجھنے لگے تو اس میں بہادرانہ جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا نہ وہ دوسری قوموں میں کوئی باوقار جگہ پاسکتی ہے۔

تاریخی حقیقت کی طرف ایک قدم

یہ خوشی کی بات ہے کہ اب علی اصغر صاحب چوہدری نے اپنی کتاب "تاریخ قوم ارائیں" میں چند ارائیں بہادروں کا ذکر کیا ہے۔ امید ہے کہ پرانے انداز کو چھوڑ کر اب تاریخی حقیقتوں کی طرف خود بھی زیادہ توجہ دیں گے اور برادری کے ان تمام بہادروں کو زیادہ نمایاں جگہ دیں گے جنہوں نے تاریخ کے دھارے بدلے جنہوں نے اسلامی انقلاب لانے کے لئے جانیں دیں، خود فنا ہوئے مگر قوم کو سربلند کر گئے۔ اس ضروری ابتدائی اور ضمنی بات کے بعد میں مختصراً اور اشارۃً ایک نہایت اہم بات اس پیغام میں کہنا چاہتا ہوں۔

تنظیم

مغربی پاکستان میں برادری کی آبادی نصف کروڑ کے لگ بھگ ہے اور یہ درہ خیبر سے کراچی تک پھیلی ہوئی ہے، اس کی شرافت، سنجیدگی اور محنت ضرب المثل ہے۔ ان باتوں میں کوئی دوسری برادری اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ یہ اسلامی روایات اور شعور میں یہاں کی قوموں کی راہنمائی کرنے کے قابل ہوسکتی ہے اور قابل تقلید نمونہ بن سکتی ہے۔

ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

پھر یہ برادری ایسی باسلیقہ، سمجھدار اور سنجیدہ ہے کہ نہایت آسانی کے ساتھ منظم ہوکر اپنی تجارت بڑھا سکتی ہے۔ بآسانی برادری کی ملیں اور فرمیں قائم ہوسکتی ہیں۔ اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے ان کا اتحاد اسلامی یونیورسٹی بنا سکتا ہے، وہ اجتماعی زراعت کے کامیاب طریقہ کو اپنا سکتی ہے اور ایسے ہی دیگر تمام معاملات میں مسلمانان پاکستان کے لئے عملی رہنمائی کا کردار ادا کرسکتی ہے۔

انتھک جدوجہد کی ضرورت

اب سوال یہ ہے کہ ان کی تنظیم کیسے ہو؟ جب تک ہماری انجمنیں اور ان کے قابل احترام اراکین لیڈرانہ ذہنیت اور ڈرائنگ روموں سے نکل کر صحیح معنوں میں خادم اور انتھک

ورکر بن کر بڑے جذبہ سے کام نہ کریں گے اس وقت تک منظم ہونا تو کجا تنظیم کی ابتدا بھی نہیں ہو سکتی۔ اور شاید محدود نگاہوں اور آرام طلب وجودوں کا یہ کام بھی نہیں ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مغربی پاکستان کی نصف کروڑ آرائیں برادری سے اگر پندرہ سمجھدار، محنتی، معزز، تعلیم یافتہ اور انتھک ورکر پیدا ہو جائیں تو یہ کام انشاءاللہ صرف تین سال کے اندر مکمل ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی بڑے سرمایہ کی بھی ضرورت نہیں صرف تین سال کے لئے وقت دینے اور جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری نصف کروڑ آبادی میں سے جو تعلیمیافتہ آدمی اس پر آمادہ ہو کر کمر ہمت باندھ سکتا ہے وہ مجھے مطلع فرمائے جب معیار کے مطابق پندرہ آدمی مجھے مل جائیں گے وہی دن اس معزز برادری کی تنظیم کا روز اول ہو گا۔ میں تین سال اسی جدوجہد کے لئے دینے کو ہر وقت تیار ہوں، صرف معیاری ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ اس برادری پر منظم ہو کر اسلام کی خدمت اور ملک کو سربلند کرنے کا سب سے زیادہ فرض عاید ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے میں مختصر طور پر موجودہ حالات کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں تاکہ آپ صورت حال کو سمجھ سکیں اور اپنا فرض پہچان سکیں۔

دورِ مستقبل

یہ بات اب واضح طور پر نمایاں ہو گئی ہے کہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں پر اربوں روپیہ کئی سال سے بڑی طاقتیں خرچ کر رہی ہیں۔ یہ ساری تیاریاں اب رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ ایٹم کی جنگ تو اب ہو کر رہے گی۔ بقول وزیر دفاع امریکہ مسٹر میکنامارا جو اس نے ۱۹ فروری ۱۹۶۵ء کو نمائندگان افواج کے اجلاس میں دیا۔ "اگر روس نے امریکہ پر پہلے حملہ کر دیا تو چودہ کروڑ نوّے لاکھ امریکی ہلاک ہو سکتے ہیں"۔ اسی طرح امریکہ بھی ایٹم کی جنگ میں چند گھنٹوں اور منٹوں میں اس سے زیادہ تباہی لا سکتا ہے۔ اس ایٹم کی جنگ کے بعد موجودہ مغربی تہذیب اور کمیونزم دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اتنی خونریز جنگ کے بعد کوئی ان دونوں ازموں کی تہذیبوں کے قریب بھی نہیں جا سکتا۔ گویا ایک طرف موجودہ قیادت کو سنبھالنے والی تہذیبیں اپنے انتہائی

شباب پر پہنچ کر اپنے آپ کو فنا کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف قدرت کو جن کے حوالے آئندہ قیادت کرنی ہے انہیں تیار کر رہی ہے۔

قدرت نے عربوں کو پھر یاد کیا ہے۔

۱۹۲۴ء میں جب الجزائر سے عراق تک جملہ عرب ممالک مغربی اقوام کے بٹوارے میں غلامی کی تاریکی میں گم ہو چکے تھے اور بظاہر ان میں زندگی کی کوئی رمق بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اس وقت بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دیکھ کر، جن میں عربوں کے حوالے دوبارہ دنیا کی قیادت ہونے کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

اب ایک ہزار سال کے بعد قدرت نے عربوں کو پھر یاد کیا ہے۔ قدرت ان کو پھر بیدار اور تیار کر رہی ہے۔ عراق سے الجزائر تک بسنے والی عرب اقوام کا سخت جدوجہد کے بعد آزاد ہونا ان کے جوش و خروش کا پتہ دے رہا ہے۔

اسی طرح نہر سویز یعنی دنیا میں سب سے بڑی شاہراہ جو افریقہ، ایشیا، یورپ تینوں کی گزرگاہ ہے۔ اس کے حصول کے لئے مصر کا فرانس اور برطانیہ جیسی بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں صف آراء ہونے کی ہمت کرنا، موت سے بے پروا ہو کر کود پڑنا، اس سے مصری عربوں کے ابھرتے ہوئے جوش کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شام اور عراق میں انقلاب پر انقلاب آنا بہ اُن عرب عوام کے جوش اور بیداری کی علامتوں کا اظہار ہے۔

عربوں میں بیداری کی لہر گئی اور اندرونی انقلاب بھی لا سکتی ہے۔ ان ملکوں کی قیادت ذاتی اقتدار کی خواہاں ہو تو ہو لیکن عربوں کے جذبہ اتحاد کو اب کوئی نہیں دبا سکتا۔ بقول اقبال "وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا"۔ اب وہ شیر ہوشیار ہو رہا ہے۔ اب ان کی آواز میں ایک گرج،

ان کی گفتار میں ایک وقار اور ان کی للکار میں ایک دبدبہ ہے۔

موجودہ تہذیب کی خودکشی پر آمادگی

دوسری طرف مغربی تہذیب اور کمیونسٹ انتہائی عروج پر پہنچ کر ایٹم کے ہتھیاروں، ہائیڈروجن بموں اور راکٹوں کے انبار لگا رہے ہیں جو یقیناً استعمال ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان کو بے اختیار کر دیا ہے۔ دونوں تہذیبیں امن کی خواہش کے باوجود انتہائی تباہی کی طرف دوڑی جا رہی ہیں۔ ان کی تباہی کے بعد دنیا اس نظام کی طرف آئے گی جو سرمایہ دارانہ نظام یعنی امپیریلزم کے چنگل سے ان کو آزادی دلائے لیکن کمیونسٹ نظام کی طرح اشرف المخلوقات (یعنی انسانی آبادی) کو صرف بے شعور مشین کا پُرزہ نہ بنا دے۔ یہ راہ اعتدال، یہ نظامِ مساوات صرف اسلام ہی پیش کر سکتا ہے۔ جس کے پاس اس نظام کو عملی طور پر چلانے کا بچاس سالہ عملی نمونہ بھی موجود ہے۔ اس نظام کو چلانے کے لئے عملی طور پر ایک بڑی مرکزی طاقت کی ضرورت ہے جس کے لئے عربوں کو پھر تیار کیا جا رہا ہے۔

ارائیں قوم پر بھاری ذمہ داری

اے میری محترم برادری! پھر سن لیں کہ آپ کے آباؤ اجداد وہی بہادر عرب ارب بھائی تھے جنہوں نے دورِ بنو امیّہ میں شمالی افریقہ کے آخری ملک الجزائر اور مشرق میں ملتان تک کا علاقہ فتح کیا اور ان ممالک میں بس گئے تھے۔ آپ کے بھائی الجزائر سے عراق تک صدیوں کی گہری نیند سے بیدار ہو کر عالمگیر قیادت کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اور آپ صدیوں سے لمبی تان کر ابھی تک گہری نیند سو رہے ہیں۔ اس پر "تو نمبردار ہے" "تو ذیلدار ہے" کی لوریاں سُن سُن کر اپنی نیند کو اور گہرا کر رہے ہیں۔ اٹھو! اب قدرت تمہیں بیدار کرنا چاہتی ہے۔ ایک زمانہ تمہاری قیادت کا انتظار کر رہا ہے۔ رہنمائی کے لئے اب پھر تم کو چُن لیا گیا ہے۔ اسلامی تہذیب کو رائج کرنے کے فرائض اب تمہی کو ادا کرنے ہیں۔ تمہی کو خدمتِ خلق کا عملی نمونہ دینا ہے۔

نصف کروڑ کی تعداد میں تمہیں یہاں مغربی پاکستان میں جمع کرنا اور قدرت کا تمہاری سنجیدگی، محنت، شرافت اور دین داری کے جوہروں کو صدیوں تک محفوظ اور قائم رکھنا بیکار اور لا حاصل نہیں ہے۔ پھر برادری کا ہر آدمی ایک نامعلوم تڑپ اپنے دل میں محسوس کر رہا ہے

یہ قدرت کے اشارے ہیں۔ حالات پیدا کر کے قدرت تمہارے دلوں کو جھنجھوڑ رہی ہے۔ اب قدرت تم سے کام لینا چاہتی ہے۔ اٹھو اور اپنی تنظیم کرو۔ دلوں سے تمام کدورتیں نکال دو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دو اور اپنے دلوں کو وسعت دو۔ اقوام عالم کی قیادت تمہی کو سنبھالنی ہے۔

ع بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

پندرہ انتھک ورکروں کی ضرورت

ڈرائنگ روموں میں بیٹھنے والی قیادت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ الفاظ کی بحث و تمحیص میں تم بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ کمر ہمت باندھو، جفاکشی اختیار کرو اور خادم بن کر تنظیم کے لئے آگے بڑھو۔ اگر اس اندھیرے اور گرد و غبار میں راستہ سجھائی نہ دے تو میں راستہ دکھانے اور پیدل چل کر درہ خیبر سے کراچی تک قوم کی تنظیم کے لئے تیار ہوں صرف برادری کے پندرہ آدمیوں کا انتظار کر رہا ہوں جیسا کہ میں نے اسی پیغام میں پندرہ آدمیوں کی خدمات پیش کرنے کی استدعا کی ہے۔

میری ساری عمر بے شمار انقلابوں کے منجدھاروں کو عبور کرنے میں گزری ہے۔ میرے دوست اور جاننے والے از راہِ ہمدردی مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ بہت کچھ کر چکے۔ اب اپنی صحت پر توجہ دو اور آرام کرو۔ کبھی کبھی دل بھی چاہتا ہے لیکن جب اپنی برادری کو دیکھتا ہوں کہ ان کو اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے بلایا جا رہا ہے اور وہ غافل پڑے سو رہے ہیں تو بے اختیار دل چاہتا ہے کہ پوری قوت سے ان کشتگانِ خواب کو جگاؤں اور دستک دے دے کر ان کو بیدار کروں کہ اٹھو! تمہارے دروازوں پر سعادت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ سربلندی کی کرنیں تمہاری منتظر اور چشم براہ ہیں۔

ع اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

پاکستان کی تعمیر میں ارائیوں کا حصہ

(ایک مختصر جائزہ)

یہ مضمون جس قدر اہم ہے آج کی نئی نسل شاید اس کا اندازہ نہ کر سکے لیکن حقیقت آخر حقیقت ہے۔ اس کا اظہار ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ مضمون بہت تفصیل کا متقاضی ہے لیکن ہماری اس مختصر سی کتاب کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور سچ تو یہ ہے کہ اس تفصیل کا احاطہ کرنا بھی امر محال ہے۔ تاہم اپنی برادری کو ان کارناموں سے روشناس کرنا نہایت ضروری ہے جن کی بدولت پاکستان کی تاریخ میں انہیں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ہماری برادری کے بیشمار سپوتوں کا نام اس جائزے میں شامل ہونے سے رہ جائے گا۔ کیونکہ گذشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اوراق میں سے انہیں ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ایک فردِ واحد اس بارگراں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ تاہم ہماری کوششیں جاری رہیں گی۔ اور انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں یہ کمی کسی حد تک پوری کر دی جائے گی۔

ذیل میں ہم اس جائزہ کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔

ا:۔ برصغیر کی جنگ آزادی کا آغاز تو ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ہی ہو چکا تھا چنانچہ تحریک مجاہدین کی داغ بیل اس سے کہیں پہلے ڈالی جا چکی تھی۔ دہلی کے آس پاس ارائیوں کی بیشمار بستیاں موجود تھیں۔ پیلی بھیت اور بریلی وغیرہ میں ارائیں بڑی شان و شوکت کے مالک تھے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کو ان بستیوں سے اس قدر خطرہ تھا کہ دہلی پر مکمل قبضہ کرنے سے پہلے انہوں نے سکھ افواج اور ریاستی جتھوں کا سارا زور ان ہی بستیوں کو تباہ کرنے پر صرف کر دیا تھا۔ ان کا مفصّل تذکرہ شاہد احمد دہلوی کے ان مضامین سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے دہلی کی بربادی کے متعلق وقتاً فوقتاً "ادب لطیف" میں لکھے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اس تحریک میں ہماری برادری کے ایک معزز فرد مولانا محمد جعفر تھانیسری کا ذکر اس شان سے ملتا ہے کہ پوری تحریک کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ آپ نے تاریخ عجیب عرف کالا پانی اور سیرت سید احمد شہید لکھ کر تحریک کی تاریخ بیان کر دی ہے۔ انہیں وطن

کی آزادی کی خاطر پہلے پھانسی کی سزا کا حکم ہوا اور بعد میں کالے پانی کی سزا دی گئی جہاں اٹھارہ سال گزار کر غالباً ۱۹۰۸ء میں آپ واپس اپنے وطن تھانیسر تشریف لائے۔ تحریکِ مجاہدین نے انگریزی حکومت کے ایوانوں پر زلزلہ طاری کر دیا تھا اور کفّار و مشرکین بدحواس ہو گئے تھے۔ افسوس ہے کہ پشاور کے چند خود غرض سرداروں نے اس تحریک کو فنا کے گھاٹ اتارنے میں انگریزوں اور سکھوں کی پوری پوری مدد کی۔ اس تحریک میں ایک مجاہد محمد حسین کا نام بھی ملتا ہے جس کی عزیمت کی شان ہی نرالی تھی۔ ان دونوں مجاہدوں کا ذکر ہماری تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ اس تحریک کے باقیات صالحات میں مرحوم میاں عبدالباری تھے جنہوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی لیکن چند ناگزیر حالات کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ سردار محمد شفیع (جن کا ذکر ہماری تاریخ میں موجود ہے) اس تحریک کے قاصد تھے۔ مولوی فضل الٰہی وغیرہ سے خطوط لے کر چمرکنڈ اور یاغستان جایا کرتے تھے۔ "نصرت" لاہور میں اقبال شیدائی کے مضامین اور "آئینہ" لاہور میں خود سردار صاحب کے مضامین ان زہرہ گداز واقعات سے بھرپور ہیں۔ انگریز کی سی آئی ڈی سے بچ کر قاصد کا کام کرنا کوئی آسان بات نہ تھی مگر ہمیں فخر ہے کہ سردار صاحب نے اس میں بھی حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔ ایک نہایت ہی معزز رکن کیپٹن ظفر حسن ایبک ہیں۔ جن کی آپ بیتی منصور بکڈپو اردو بازار لاہور نے تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اسے پڑھیئے اور اپنی برادری کے اس جوانمرد رکن کے کارناموں سے سبق بھی حاصل کیجئے اور لطف بھی اٹھایئے۔ ہم اپنی اس کتاب میں اس کا خلاصہ درج کر رہے ہیں۔ وہ آجکل ترکی کے شہری ہیں۔

۲:۔ آزادیٔ ہند کی جدوجہد میں مجلس احرار نے اپنی پالیسی اور منشور کے مطابق بھرپور حصہ لیا۔ اس مجلس کے صدر مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی ارائیں تھے اور جیوشِ احرارِ ہند کے سالار سردار محمد شفیع تھے۔ دونوں ہماری برادری کے معزز فرد ہیں اور بقول سردار صاحب "چڑیوں کو بازوں سے لڑانے کا کام ان کے سپرد تھا" جو انتہائی کٹھن کام ہے۔

۳:۔ تحریکِ خلافت اور آزادیٔ کشمیر کی تحریک میں پچھتّر فیصدی افراد ہماری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

۴:۔ مسلم لیگ میں جس نے پاکستان کی جنگ لڑی ہے۔ پنجاب سے خصوصاً ہماری برادری کے معزز ارکان کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ یونینسٹ وزارت کے محل کو گرانے والے ہماری ہی برادری کے افراد تھے۔ میاں افتخار الدین کے سامنے خضر حیات وزیر اعظم پنجاب کی بازی مات ہوگئی۔ مسلم لیگ الیکشن کمیٹی کی اپیل پر ڈائریکٹ ایکشن کی قیادت کرنے والے سرفروش ارائیں ہی تھے۔

مسلم لیگ کے جس اجلاس (منعقدہ ۵، مارچ ۱۹۰۸ء) میں لیگ کا کانسٹی ٹیوشن بنا اس کی صدارت میاں شاہ دین ہمایوں نے کی۔ گویا مسلم لیگ کے سب سے پہلے صدر میاں صاحب ہی تھے۔

۵:۔ ۲۵، مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس کی جس میں قرار دادِ پاکستان منظور کی گئی تھی۔ استقبالیہ کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے میاں بشیر احمد کو منتخب کیا گیا تھا اور قائداعظمؒ ان کی تنظیمی صلاحیتوں سے اس قدر خوش ہوئے تھے کہ ۱۹۴۱ء میں انہوں نے میاں صاحب کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت قبول کرنے پر مجبور کیا اور ۱۹۴۲ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں شہید ملت خاں لیاقت علی خاں نے آپ کو ترکی میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا جہاں آپ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک رہے۔ پاکستان اور ترکی کا ۱۹۵۱ء کا معاہدہ دوستی آپ ہی کی حُسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے۔

آپ کے صاحبزادے میاں منظر بشیر آج کل جسٹس پارٹی کے قائد ہیں۔

۶:۔ مغربی پاکستان میں حزبِ اختلاف کے مسلم لیگی پارلیمانی گروپ کے قائد ایوان میاں عبد الباری تھے جن کی بے لاگ تنقید اور اصول پرستی کی وجہ سے حکومتِ وقت ہمیشہ خائف رہتی تھی۔ ڈکیٹیٹروں کے عہد حکومت میں یہ قیادت اکثر بہت مہنگی پڑتی ہے اور میاں صاحب بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔

۷:۔ برصغیر کے آخری انگریز وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کے پرائیویٹ سیکرٹری نے جو ڈائری لکھی ہے اور جس کا اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی نے "عہد لارڈ مونٹ بیٹن" کے نام سے

شائع کیا ہے ۔ اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف کانگریس بلکہ خود انگریز وائسرائے بھی چوہدری محمد علی صاحب کی صلاحیتوں کے معترف تھے اور آپ کی بالغ نظری، دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے خائف تھے ۔ ہندوستان کی تقسیم کے متعلق جو کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ تفصیلات طے کرے اور سروسز افواج اور اموال کی تقسیم کی جزئیات کا ڈھانچہ تیار کرے ۔ مسلم لیگ کی طرف سے چوہدری محمد علی صاحب ہی اس کے ممبر تھے ۔ گویا تخلیق پاکستان کے نہایت اہم معماروں میں آپ کا اسم گرامی ہماری برادری کے لئے ہمیشہ سرمایۂ افتخار رہے گا ۔ آپ نے قیام پاکستان کے متعلق اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں ان تمام گوشوں سے نقاب کشائی کی ہے جو پاکستان کی تخلیق کے اہم ستون تھے اور جن کی مناسب تشہیر اور پبلسٹی نہ ہونے کی وجہ سے نئی نسل قیام پاکستان کی جدوجہد کے پس منظر اور نظریہ پاکستان سے یکسر ناواقف ہے یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اور نت نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں ۔

اس کتاب کے مطالعہ سے چوہدری صاحب کی فراست ، دیانت ، عرق ریزی اور خلوص کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اپنی مشہور تصنیف آزادیٔ ہند (انڈیا ونز فریڈم) میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں انڈیا میں عبوری حکومت کے قیام کے وقت سردار پٹیل نے مسلم لیگ کو زک پہنچانے کی نیت سے وزارت مالیات کے قلمدان کی مسلم لیگ کو پیش کش کی ۔ مطلب یہ تھا کہ ان کے پاس کوئی ایسا ماہر مالیات نہیں ہے اور جب یہ ناکام رہیں گے تو انگریزوں کو یہ تاثر دیا جائے گا کہ مسلم لیگ حکومت کرنے کے نااہل ہے لہذا پاکستان کا قیام کسی صورت میں بھی مناسب نہیں ۔ اس پیش کش پر خان لیاقت علی خاں کو تشویش ہوئی مگر چوہدری محمد علی نے آگے بڑھ کر اس نعمت غیر مترقبہ کو حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور قائداعظم رحؒ نے چوہدری صاحب کے مشورہ پر اسے قبول کر لیا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلا بجٹ جو چوہدری صاحب کی محنت شاقہ اور دور اندیشی کا ثمرہ تھا کانگرس کے سینے میں تیر کی طرح اتر گیا اور خود سردار پٹیل اپنے دفتر کے دو چپڑاسی تک نہ رکھ سکے مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ چوہدری صاحب کی فراست نے کانگریس کا نہ صرف سارا

منصوبہ ناکام بنا دیا بلکہ خود کانگرس کو گوناگوں مشکلات میں مبتلا کر دیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے حکومت پاکستان کے چیف سیکرٹری کی حیثیت سے جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کے تذکروں سے سرکاری ریکارڈ بھرپور ہیں۔ وزارت مالیات کا قلمدان سنبھال کر آپ نے پاکستان کی تباہ حال معیشت اور اقتصادیات کو جس طرح استحکام بخشا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور آج تک دوسروں کے لئے چیلنج ہے۔ پاکستان کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۵۶ء کا دستور تیار کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور ملک کے لئے استحکام اور ترقی کے دروازے کھول دیئے لیکن بدقسمتی سے اس کے نفاذ کا موقع ہی نہ آیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد آج تک نئے دستور بنتے اور ردی کی ٹوکری کی نذر ہوتے رہے۔ مگر بات پھر بھی نہ بن آئی۔ آپ نے ون یونٹ کا جو خاکہ تیار کیا تھا اگر دیانت داری سے اس پر عمل کیا جاتا تو آج ملک کو یہ سانحہ پیش نہ آتا۔

آپ نے نظام اسلام پارٹی کی داغ بیل ڈال کر پاکیزہ سیاست کی دعوت دی استحکام پاکستان اور اسلامی نظام کو اپنا منشور بنایا اور اصلاحی اقدام کے لئے جدوجہد کی۔ وقتاً فوقتاً پاکستان میں بیرونی قرضوں کے بوجھ کو روکنے اور کم کرنے کے لئے بیش قیمت مضامین مختلف اخباروں میں شائع کرائے مگر ایوبی آمریت کے آخری دنوں میں آپ بیمار ہو گئے اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

پاکستان کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے مسلم لیگ پارٹی کے باہمی انتشار اور سکندر مرزا کی آمریت کی وجہ سے استعفٰی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اصولوں کو ذبح کرنے کی بجائے کرسی کو چھوڑ دینا ہی اخلاقی برتری ہے۔ گندی سیاست سے آپ کو ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ غرض پاکستان کی تخلیق، تعمیر اور اصلاح کے لئے آپ کی قربانیاں تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔

۸:۔ پاکستان کی تاریخ میں سب سے کم عمر وزیر جناب ذوالفقار علی بھٹو تھے جو پہلے وزیر معدنیات، تجارت اور قدرتی وسائل رہے۔ پھر وزیر خارجہ ہو گئے اور پاکستان

کو اکناف عالم میں ممتاز مقام دلوا کر اپنوں اور غیروں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ۱۹۶۵ء کے معاہدہ تاشقند سے بددل ہو کر آپ نے استعفیٰ دے دیا اور ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ملک بھر میں ہنگامی دورے کئے۔ رائے عامہ کو بیدار کیا اور آخر ایوب خاں کی آمریت کو پاش پاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ کی پارٹی بھاری اکثریت سے ابھری اور آخر ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں اس وقت آئی جب ملک کا آدھا حصہ دشمن کے قبضہ میں تھا۔ نوے ہزار فوجی ہندوستان میں قید تھے۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ ملک پر مایوسی، خوف اور عدم استحکام کے عفریت منڈلا رہے تھے۔ گویا قافلہ منجدھار میں تھا۔ کشتیاں جل رہی تھیں اور ساحل کا کہیں دور دور تک نشان نہ تھا۔ ان حالات میں ملک کا صدر بننا کانٹوں کا تاج رکھنے کے مترادف تھا۔ سچ تو یہ ہے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر سارے حالات کی عکاسی کرتا ہے

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل

کجا دانند حال ما سبک ساران ساحل ہا

آپ نے جس طرح مایوسی کی دھند کو دور کر کے امید کی روشنی پھیلائی اور اپنے منشور کے مطابق ملک میں اصلاحات کیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ملک کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے آپ جو جدوجہد کر رہے ہیں اس کا اعتراف خود دشمن کو بھی ہے۔

آپ نے ایران، ترکی اور چین سے خصوصی تعلقات قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے چونکہ آپ ابھی پاکستان کے صدر ہیں اور آپ سے ہمیں بڑی امیدیں وابستہ ہیں لہذا ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کرنے کا مزید موقع دے اس میں کامران فرمائے اور آپ کے ذریعے سے پاکستان اقوام عالم میں ایک ممتاز رکن کی حیثیت حاصل کرے۔

۹:۔ برصغیر پاک و ہند میں بحریہ کا پہلا ملکی امیر البحر ہونے کا فخر ہماری برادری کے ایک معزز رکن چودھری محمد صدیق صاحب کو حاصل ہے۔ آپ پاکستان نیوی کے پہلے ایڈمرل

ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کا انگریزوں اور امریکیوں نے بار بار اعتراف کیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں آپ کے کارناموں پر پورا یورپ عش عش کر اٹھا تھا۔ آپ نے پاک بحریہ کے کمانڈر کی حیثیت سے پاک نیوی کو جس درجہ مضبوط اور مشاق بنایا تھا یہ اسی کا کرشمہ تھا کہ ۱۹۶۵ء میں دوارکا کا بحری اڈہ تباہ کر دیا گیا تھا۔ آپ کو بحریہ والوں سے بے حد محبت تھی اور پوری نیوی آپ پر جان دیتی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جب ایوب خاں کمانڈر انچیف تھے تو انہوں نے سکندر مرزا کے خلاف پلان بنانے میں بری اور فضائی فوجوں کا تعاون حاصل کرنے کے بعد چودھری صاحب سے بحری فوج کا تعاون حاصل کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ اس سازش میں تینوں افواج شامل ہوں اور سکندر مرزا کی کوئی مدد نہ کر سکے نیز خود بھی ایوب خاں کو کوئی خطرہ نہ رہے۔ مگر چودھری صاحب نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا تھا کہ ہم پیشہ ور فوجی ہیں۔ ہمارا کام وطن عزیز کا دفاع ہے ہمیں سیاست میں الجھنا زیب نہیں دیتا۔ ایوب خاں اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن صدارت پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے چودھری صاحب کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ مگر جب یہ دیکھا کہ عوام اور افواج بالخصوص نیوی میں چودھری صاحب بہت ہر دلعزیز ہیں اور اگر انہیں ہٹایا گیا تو بغاوت کا خطرہ ہے تو انہوں نے چودھری صاحب سے کہا کہ پاکستان اتنی بڑی بحریہ کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا اسے کم کر دیا جائے مگر آپ نے سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھنا، دونوں کا دفاع کرنا اور دونوں سے مستقل رابطہ قائم کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ بحریہ کو اور بھی بڑھایا جائے۔ میں اس میں ہرگز تخفیف نہ ہونے دوں گا اور اگر آپ نے اس کے لئے مجھ پر دباؤ ڈالا تو میں اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ ایوب خاں اپنی ضد پر قائم رہے اور چودھری صاحب نے استعفیٰ دے کر اپنی اصول پرستی، حب وطن اور خلوص کا ثبوت مہیا کر دیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر امریکی اخبار نے لکھا تھا کہ چند سال پیشتر جب امریکی حکومت نے سکندر مرزا سے چودھری صاحب کی خدمات چند سال کے لئے مستعار لینے کی درخواست کی تھی تو ایوب خاں نے کہا تھا کہ ان کی خدمات

کے بغیر پاکستان کی بیوی مردہ لاش کی مانند ہے لہذا حکومت پاکستان چودھری صاحب کی خدمات امریکہ کو پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن اب صدر بنتے ہی ایوب خاں نے اپنے مفاد کے پیش نظر انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ چودھری محمد صدیق عظیم انسان ہیں جنہوں نے اصول کے لئے قربانی دی ہے۔

۱۰:۔ جسٹس میاں سر عبدالرشید سابق چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف پاکستان (جو کچھ عرصہ تک قائمقام گورنر جنرل پاکستان بھی رہے تھے) کے تاریخی فیصلوں جیسی نظیریں کم ہی ملتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ پاکستان میں حکومت کے دباؤ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے لاگ فیصلے صادر کرنے کی روایت قائم کرنے کا سہرا میاں صاحب کے سر پر ہے۔

جناب میاں نور اللہ سابق وزیر تعلیم پنجاب جناب مہر محمد صادق سابق وزیر حکومت پنجاب، جناب عبدالسلام سابق نائب وزیر مغربی پاکستان اور ایسے ہی دوسرے سپوتوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ آمریت کے زمانہ میں حزب اختلاف کا نمایاں کردار ادا کرنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے لیکن ہماری برادری کے معزز رکن جناب حمزہ ممبر صوبائی اسمبلی (مغربی پاکستان) نے اپنی دھڑلے دار تقریروں سے ایوان حکومت پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

ہمارے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبروں اور سرکاری افسروں نے اکثر و بیشتر بہترین کارگزاری، حق و صداقت کی پاسبانی اور اظہار حریت میں بے شمار روایتوں کو جنم دیا۔

۱۱:۔ تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کے میدان میں ہماری برادری کے سپوتوں نے پاکستان کی خوشحالی میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ چودھری محمد لطیف نے بیکو کی داغ بیل ڈالی اور پھر پاکستان میں اسے اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ہندوستان کے ٹاٹا اور برلا منہ دیکھتے رہ گئے۔ یہ ایشیا میں اپنی نوعیت کا نہایت اہم صنعتی ادارہ ہے۔ جس کی تعریف خود چین کے وزیر اعظم مسٹر چو این لائی نے بادامی باغ کا کارخانہ دیکھ کر نہایت شاندار الفاظ میں کی تھی۔ سندھ میں تجارت زیادہ تر ان ارائیوں کے ہاتھ میں ہے

جو یوپی سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ چنانچہ سکھر، حیدر آباد اور کراچی میں ان کا بڑا کاروبار ہے۔ الحاج محمد اسحاق حنیف مرحوم کا نسبت روڈ لاہور پر ہوزری اینڈ ٹیکسٹائل ملز، واں رادھا رام میں ملک منظور حسین کا زراعتی فارم، میاں عزیز الدین کا سرتاج انڈسٹریز ایسے ادارے ہیں جو ملک کی دولت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ راولپنڈی کے خورشید جیولرز پاکستان میں مثالی تاجر ہیں۔

پیداوار کے میدان میں ڈگری ضلع تھرپارکر کے سیٹھ محمد حسین اور چنیوٹ میں چودھری کالے خاں اور حاجی کریم بخش ایوب گورنمنٹ سے بار بار انعام اور تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ سندھ اور پنجاب میں جہاں جہاں ارائیوں کے گاؤں ہیں وہاں کھیت سرسبز اور مکان خوشنما اور ماحول پُرسکون ہے۔

کھیل کے میدان میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان جناب عبدالحفیظ کاردار کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ دنیا بھر میں کرکٹ کے مشہور کھلاڑی کی حیثیت سے معروف ہیں، جناب محمد اسلم اور میاں سعید احمد وغیرہ کرکٹ کے نمایاں ستارے ہیں۔ ہاکی اور فٹ بال کے میدان میں ہمارے کئی کھلاڑی نام پیدا کر چکے ہیں۔

ادبی محاذ پر جناب نسیم حجازی، جناب قدرت اللہ شہاب، جناب میاں محمد شفیع، جناب مسکین حجازی، جناب حنیف رامے، جناب صفدر سلیمی، جناب میاں محمد اکبر، جناب میاں شاہ محمد عزیز، جناب مولانا محمد اسحاق نقشبندی، جناب عبدالرشید تبسم، جناب مولانا علم الدین سالک جناب حافظ مظہر الدین، جناب محمد طفیل (نقوش والے) جناب پرویز شاہدی وغیرہ کی ادبی کاوشوں کا تذکرہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

دینی میدان میں خیر المدارس ملتان والے مولانا خیر محمد مرحوم، مولانا بشیر احمد صاحب پسروری ختم نبوت والے، مولانا محمد علی جالندھری مرحوم، مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مولانا امجد علی صاحب، مولانا خلیل اللہ صاحب سلیم آباد والے، مفتی محمد نعیم صاحب، پیر غلام رسول قادری، صوفی علی احمد صاحب نقشبندی ایسی ہستیاں ہیں جن کے فیض سے ہزاروں تاریک روحیں اللہ اور اس کے رسول صلعم کی محبت سے منور ہو چکی ہیں۔ جماعت اسلامی نے سیاست

اور دین دونوں کی خدمت کی ہے کیونکہ دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ میاں طفیل محمد، چودھری غلام محمد مرحوم، مولانا جان محمد بھٹو، چودھری محمد اسلم سلیمی، میاں محمد شوکت، میاں محمد علی وغیرہ کی خدمات ملک کی اصلاح کے لئے نہایت قابل قدر ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نئی تہذیب کے بے شمار نونہالوں کو ان لوگوں کی مساعی سے دین کی روشنی نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور ماہر قانون جناب اے۔ کے۔ بروہی صاحب کو اسلام کے بھرپور مطالعے کی دعوت مرحوم چودھری غلام محمد نے دی تھی، اور پھر کئی سال تک مناسب لٹریچر بھی انہیں بہم پہنچاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناب بروہی صاحب جنہوں نے ۱۹۵۳ء میں وزیر قانون حکومت سندھ کی حیثیت سے قرآن کو قانون کی کتاب تسلیم کرنے پر اعتراض کیا تھا۔ اب دنیا بھر میں اسلامی قانون کی بالادستی کے زبردست مبلغ بن گئے ہیں۔ جب چودھری صاحب کا انتقال ہوا تو بروہی صاحب ان کی قبر پر دھاڑیں مار مار کر رونے تھے اور کہتے تھے کہ آج میرا باپ مرگیا جس نے مجھے ہدایت کی راہ دکھائی تھی۔

قومی جریدے

موجودہ دور میں قومی آواز کی پبلسٹی کے لئے پریس کی تمام سہولتیں مہیا ہیں اور جو قوم اتفاق، تنظیم اور سربلندی کے خواہاں ہو اس کے لئے جریدوں سے فائدہ اٹھائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں۔ ہماری قوم نے بھی اس سلسلہ میں چند کوششیں کی ہیں جن کا مجمل ذکر یہاں کیا جاتا ہے

آغاز:۔ ۱۹۱۴ء میں ملک شاہ محمد اور چودھری غلام حیدر عمر نے حکیم معراج الدین صاحب امرتسری کو امداد دے کر لاہور سے پہلی بار ایک قومی رسالہ "ارائیں میگزین" کا اجراء کرایا۔ جس کے صفحات میں قومی حالات کے علاوہ ہونے والی کانفرنسوں کا اعلان بھی ہوتا رہا کچھ عرصہ تک یہ میگزین باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

دوسرا مرحلہ:۔ مگر جب ان بزرگوں نے یہ دیکھا کہ اس میگزین کے ذریعے حسب منشا

کام نہیں ہوتا تو انہوں نے مشورہ کرنے کے بعد انجمن ارائیان ہند لاہور کی طرف سے ایک ہفت روزہ اخبار "الراعی" جاری کرایا۔ یہ کام فروری ۱۹۱۶ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر قاضی فتح محمد صاحب انبالوی تھے جو انجمن ارائیان ہند کے سفیر بھی تھے۔ انہوں نے نہایت جانفشانی سے اسے پروان چڑھایا۔

یہی رسالہ کبھی بند رہا اور کبھی کسی صورت میں شائع ہوتا رہا حتےٰ کہ پاکستان وجود میں آیا مگر قیام پاکستان سے ۱۹۶۴ء تک اس کا اجراء نہ ہو سکا اور پھر جنوری ۱۹۶۴ء میں جناب عبدالرشید صاحب تبسم کی زیرادارت اسے نئے سرے سے جاری کیا گیا۔ چنانچہ تبسم صاحب اس رسالہ "الراعی" کے پہلے شمارہ کے دیباچہ میں "ہمارا نیا دور" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"الراعی آج سے تقریباً بیالیس سال قبل انجمن ارائیان ہند کے ترجمان کے طور پر جاری ہوا۔ انجمن کے پیش نظر وسیع اصلاحی اور تعمیری پروگرام تھا اور وہ چاہتی تھی کہ اس پروگرام کی تکمیل میں "الراعی" ممد و معاون بنے۔ بیاہ شادی اور ایسی دوسری تقاریب پر برادری کو اسراف سے روکنا، رسوم کی اصلاح کرنا، برادری میں تعلیم کا زیادہ سے زیادہ شوق پیدا کرنا، ہونہار اور نادار ارائیں طلبہ کو وظائف دینا اور ہر قسم کے تعصب سے بلند ہو کر برادری میں صحیح اسلامی سیرت اور کردار پیدا کرنا انجمن کے مقاصد تھے اور "الراعی" انہی مقاصد کا نقیب رہا۔ اس کے علاوہ "الراعی" انجمن کی سرگرمیوں سے برادری کو باخبر رکھتا رہا اور برادری کی خبریں اپنے قارئین کرام تک پہنچاتا رہا۔ پہلے یہ ہفتہ وار تھا پھر اسے پندرہ روزہ کیا گیا اور درمیان میں کچھ عرصہ تک بند رہا۔ اب یہ ماہوار رسالے کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے۔ آج سے الراعی کا نیا دور شروع ہو رہا ہے اور اس نئے دور میں ہم نے اس کا انداز یکسر ہی بدل دیا ہے۔ ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ اسے ایک بہترین معاشرتی، سماجی اور تعلیماتی مجلہ بنا دیا جائے اور ہم نے اپنی اس خواہش کو عملی صورت دے کر "الراعی" کا یہ پہلا شمارہ ترتیب دیا ہے۔

راعی گزٹ :۔ جب لاہور سے "الراعی" کا اجراء ہوا تو یوپی کی ارائیں برادری نے بھی "راعی گزٹ"، شائع کرنا شروع کیا۔ اس کے اجراء کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس کے ایڈیٹر میاں اختر حسین اختر اسے نہایت قابلیت سے ایڈٹ کیا کرتے تھے۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے آل انڈیا ارائیں کانفرنس کے صدر سردار محمد شفیع نے صدر ہونے کی حیثیت سے اسے کانپور کی برادری سے لے کر دہلی کی برادری کے حوالے کر دیا۔ کانپور میں بھی "راعی گزٹ" ہفت روزہ تھا اور دہلی میں بھی ہفت روزہ رہا۔ یہ ہفت روزہ ستمبر ۱۹۴۷ء تک دہلی سے شائع ہوتا رہا۔ پھر برادری کی ہمہ گیر ہجرت کی وجہ سے اس کا اجراء بند ہو گیا۔ یوپی اور دہلی کی یہ ساری برادری کراچی میں آباد ہے اور پھر کوششیں ہو رہی ہیں کہ "راعی گزٹ" کا اجراء عمل میں لایا جائے۔ افسوس ہے کہ اختر صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

مصنف نے اپنی تاریخ کے پہلے ایڈیشن میں اعلان کیا تھا کہ اپنی برادری کے لئے ایک ماہنامہ کا اجراء کیا جائے گا۔ کچھ دوستوں نے مالی امداد کا یقین بھی دلایا مگر حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے فی الحال یہ کام معرض التواء میں پڑا ہوا ہے۔

بہر حال آجکل مغربی پاکستان میں صرف "الراعی" لاہور ہی واحد قومی آرگن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا وجود بھی غنیمت ہے۔

چوہدری عبدالکریم بی۔ اے ساکن مراد پور ضلع سیالکوٹ نے بھی کچھ عرصہ ہوا ایک ہفتہ وار "قومی اخبار"، کا اجراء کیا تھا جس کا مقصد برادری کی تنظیم اور بہبود تھا مگر تھوڑا عرصہ تک جاری رہ کر قوم کی بے حسی کا شکار ہو گیا۔

قومی تاریخ

سابق ہندوستان میں

پہلی کوشش : صوفی اکبر علی صاحب جالندھری نے ۱۹۱۹ء میں "سلیم التواریخ" کے نام سے قوم ارائیں کی تاریخ شائع کی۔

دوسری کوشش : منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی نے ۱۹۲۲ء میں "آل ذو رعین"،

لکھ کر قوم ارائیں کے حسب و نسب پر روشنی ڈالی۔

تیسری کوشش: میاں معراج الدین صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ "الفقیہ" نے "تاریخ ارائیاں" لکھی تھی مگر وہ بھی سلیم التواریخ کی تلخیص تھی۔

چوتھی کوشش: قاضی فتح محمد صاحب انبالوی نے انگریزی میں ایک مقالہ لکھا جس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔

قاضی صاحب اور صوفی صاحب نے قوم ارائیں کی ڈائریکٹری بھی لکھی تھی جو اب تقریباً ناپید ہے ان کتابوں کی ایک ایک جلد غالباً انجمن ارائیان پاکستان لاہور واقع ارائیں بلڈنگس موہنی روڈ لاہور کے دفتر میں موجود ہے مگر ان سب میں سلیم التواریخ سے زیادہ کوئی تاریخی مواد نہیں اور نہ کوئی مفید معلومات ہیں۔ لہذا ان پر بحث فضول ہے۔

میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر کے مکتوب گرامی مورخہ ۱۷ جون ۱۹۶۷ء سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا کتابیں ۱۹۵۵ء کے سیلاب میں باقی دستاویزوں کے ساتھ ہی تباہ ہو گئیں اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

یو۔ پی: کڑا ضلع الہ آباد کے ایک صاحب فدا علیدی نے بھی اس موضوع پر کچھ لکھا تھا مگر وہ انڈیا میں ہی رہ گیا۔ صرف ایک نسخہ جناب محمد سلیمان صاحب سیکرٹری انجمن اتحاد ارائیاں کراچی کے پاس تھا وہ بھی گم ہو چکا ہے۔ بہر حال اس میں بھی کوئی نادر معلومات نہ تھیں۔

پاکستان میں

۱: وطن عزیز میں پہلی دفعہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب لدھیانوی نے ۱۹۴۵ء میں چند مختصر رسالے لکھ کر قوم کی تاریخ کو پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ مذکورہ بالا کتابوں خصوصاً سلیم التواریخ اور آلِ ذو رعین کا ملخص تھے اور اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

۲: ۱۹۶۳ء میں راقم نے "تاریخ قوم ارائیں" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی، جسے قوم نے بے حد پسند کیا اور جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا اور تیسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ اس میں دوسرے ایڈیشن کا بہت سا غیر ضروری مواد بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۹۷۰ء میں راقم نے "تاریخ سندھ کا گم شدہ باب یعنی قوم ارائیں کا تاریخی پس منظر" لکھ کر سندھ میں ارائیوں کے ورود اور ان کی آج تک کی تاریخی داستان بیان کی ہے۔ یہ کتاب مصنف سے مل سکتی ہے۔

پانچواں باب

قومی کردار

ہمارے اولیاء و علماء، شمع آزادی کے پروانے، دانش ور، حکماء، ادباء، سپاہی، تاجر، اور صنعت کار وغیرہ

(۱) انجمن اسلام (لنڈن)

۱۸۸۸ء میں لنڈن میں انجمن اسلام کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس میں سید علی امام، میاں شاہ دین ہمایوں (چیف کورٹ پنجاب کے جج) سیّد کرامت حسین) سر میاں محمد شفیع اور حسن امام شامل تھے۔ اسی انجمن کی کوششوں سے ووکنگ مسجد لائٹنر (LIGHTN-ER) جیسے شرپسند اور بے ایمان غاصب کے قبضہ سے آزاد ہوئی۔

واقعہ یوں ہے کہ لائٹنر نے ہندوستان میں خود کو مسلمان ظاہر کر کے چندہ اکٹھا کیا اور معمولی مسجد ووکنگ لنڈن میں بنوائی اور باقی رقم سے اپنی شاندار کوٹھی بنوا کر مسجد کا مالک بن بیٹھا اور مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا جس پر کافی ہنگامہ ہوا مگر انگریزی حکومت نے لائٹنر کی کافی مدد کی۔ ۱۸۹۲ء میں مذکورہ انجمن کی زبردست جدوجہد کے سامنے انگریزی حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور لنڈن کی ووکنگ مسجد واگزار ہوئی۔

انہی ایام میں ایک ڈرامہ پارٹی نے "محمدؐ دی عربین پرافٹ" نامی ڈرامہ سٹیج کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کا پروگرام مکمل کر لیا تھا۔ جب اس کی خبر انجمن ہذا کو ہوئی تو انہوں نے برطانوی حکومت سے زبردست احتجاج کیا اور ایران اور ترکی کے سفارت خانوں کے معززین کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا جن کی مشترکہ کوششوں سے ڈرامہ سٹیج ہونے سے روک دیا گیا۔

ہمیں فخر ہے کہ ہماری برادری کے معززین نے اسلام کی یہ بے نظیر خدمت کی۔
(نقوش۔ آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء)

(۲) آل انڈیا مسلم لیگ

(سائمن کمیشن کے بعد) اس زمانہ میں آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ بلکہ دو متوازی لیگیں بن چکی تھیں۔ ایک کے صدر قائداعظم محمد علی جناح تھے اور سیکرٹری ڈاکٹر

سیف الدین کچلو اور دوسری کے صدر سر میاں محمد شفیع اور سیکرٹری علامہ اقبال ؒ۔

دونوں لیگیں بنیادی مطالبات میں متفق تھیں لیکن اختلافات کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح لیگ نے مخلوط انتخاب قبول کر لیا تھا اور شفیع لیگ جداگانہ انتخاب پر سختی سے قائم تھی انقلاب اخبار نے دونوں لیگوں کو اکٹھا کرنے میں کافی حصہ لیا حتےٰ کہ دونوں لیگوں کی کونسلوں کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ سر میاں محمد شفیع اتحاد مسلمین کی خاطر رضاکارانہ طور پر صدارت سے دستبردار ہو گئے اور قائداعظم جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے۔
(صحافت پاکستان وہند میں)

(۳) میاں عبدالعزیز کا کارنامہ

۱۹۲۵ء میں جب لاہور ہائی کورٹ میں نئے جج کے تقرر کا سوال پیدا ہوا تو سیاسی حلقوں نے ڈاکٹر محمد اقبال کا نام لیا مگر شادی لال چیف جسٹس نے گورنر سے کہہ کر یوپی کے ایک مسلمان آغا حیدر علی کا تقرر کرا دیا اور ڈاکٹر صاحب کو قابل توجہ ہی نہ سمجھا گیا۔ اس پر مسلمانوں کو بے حد افسوس ہوا۔ چند دن بعد یعنی ۱۹۲۶ء میں صوبہ پنجاب کی لیجسلیٹو کونسل کا نیا انتخاب ہونے والا تھا جس کے لئے میاں عبدالعزیز نے سر توڑ کوشش کی کہ ڈاکٹر محمد اقبال کا انتخاب ہو جائے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے سنہری مسجد کے چوک میں ایک بہت بڑے جلسے کا بھی بندوبست کیا جس کے صدر وہ خود ہی تھے۔ خلافت کمیٹی نے بھی میاں صاحب کی تحریک پر پورا پورا تعاون کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد اقبال منتخب ہو گئے اور ان کے مخالف ملک دین محمد بیرسٹر بمشکل اپنی ضمانت بچا سکے۔ (میاں عبدالعزیز کا کارنامہ)

۴ غازی علم الدین شہید اور میاں سر محمد شفیع

غازی علم الدین شہید نے جب راجپال سے "رنگیلا رسول" کتاب شائع کرنے پر توہین رسالت کا انتقام لے لیا تو اسے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی جیل میں پھانسی دے دی گئی اور اس کی نعش وہیں دفن کر دی گئی جب مسلمان نے اس کا مطالبہ کیا تو انگریزوں نے ہندوؤں

اور سکھوں کے ایما پر نعش دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر بڑے بڑے جلسے ہوئے، جلوس نکلے مگر آخر کار چند معززین جن میں غلام مصطفےٰ احیرت، ملک لال دین قیصر اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر بھی شامل تھے، میاں سر محمد شفیع کی کوٹھی پر گئے اور عرض کی کہ قوم پر مصائب کا دور دورہ ہے اور آپ کی مدد ضروری ہے۔ چنانچہ اسی شام کو ایک وفد بنایا گیا۔ جس میں علامہ اقبال، میاں عبدالعزیز بیرسٹر اور خلیفہ شجاع الدین وغیرہ بھی شامل تھے، اس کا قائد سر محمد شفیع کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ اس وفد کی کوششوں سے غازی علم الدین شہید کی نعش واپس لائی گئی۔ جسے نہایت تزک واحتشام سے میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (سیارہ ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

(۵) غوثیہ اسلامیہ کالج فرید آباد

ہماری برادری کے ایک نامور علم دوست فرد ڈاکٹر فرید بخش صاحب نے چک نمبر ۳۳۲ گ ب براستہ پیر محل تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں پہلے غوثیہ اسلامیہ ہائی سکول کھولا جو بعد میں ڈگری کالج بن گیا۔ جس میں سائنس اور آرٹ دونوں کی کلاسیں جاری ہیں۔ اور اب یہ دیگر کالجوں کی طرح گورنمنٹ کالج بن گیا ہے۔ یہ صرف ڈاکٹر صاحب کی ہمت مردانہ کا نتیجہ ہے کہ ایک فرد واحد کی کوششوں سے دیہات میں ایک معمولی اسکول رفتہ رفتہ ہائی اسکول اور پھر کالج بن جائے۔

ایسے محسن قوم اور علم و ادب کے پروانے پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

(۶) آدینہ بیگ

آدینہ بیگ تحصیل لاہور میں مشرق پور کے موضع بٹی میں ایک ارائیں گھرانے میں پیدا ہوا غربت اور افلاس کے باعث وہ بچپن ہی میں مغلوں کے ایک گھرانے میں ملازم ہو گیا۔ اس کے بچپن کے متعلق اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ زیادہ عرصہ دوآبہ جالندھر میں جلال آباد خان پور اور بجواڑہ میں رہا۔ اسے سپہ گری کا شوق چرایا، مگر جلد ہی نوکری چھوڑ دی اور ضلع سلطانپور کے موضع لنگ میں پٹواری بن گیا۔ بڑے بڑے لوگ اس کے دوست بن گئے اور سلطان پور کا

ساہوکار لالہ سری نواس دھیر بھی اس کا دوست ہوگیا۔ اس نے پورے علاقے کا مالیہ وصول کرنے کی اجازت لے کر مستعدی سے کام شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ لاہور کے خزانہ داروں سے واقفیت حاصل کر لی۔

۱۷۳۷ء میں سلطان پور کا ضلعدار مرگیا تو اس نے سری نواس کی ضمانت پر نواب زکریا خاں صوبے دار پنجاب سے سلطان پور کی ضلعداری حاصل کر لی۔ انہی دنوں نادر شاہ نے حملہ کیا اور خوب تباہی مچی۔ آدینہ بیگ نے نادر شاہ کے لشکر کی مدد کی جس سے نواب زکریا خاں بہت متاثر ہوا چنانچہ نادر شاہ کی واپسی کے بعد اس نے آدینہ بیگ کو دوآبہ جالندھر سے سکھوں کو نکالنے پر مامور کر دیا اور اسے اس علاقہ کا ناظم مقرر کر دیا۔ اس نے اس علاقہ سے سکھوں کو نکال باہر کیا اور خاموشی سے سیاست کا رنگ دیکھتا رہا۔ مورّخین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو پورے پنجاب سے سکھوں کا خاتمہ کر دیتا۔

نواب زکریا خاں کے بعد جب میر منّو پنجاب کا حکمران بنا اور کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہوگیا تو آدینہ بیگ پنجاب کا حکمران بن بیٹھا۔ جب احمد شاہ اس کا انتقام لینے کے لئے آیا تو پہاڑوں میں چھپ گیا۔ پھر بعد جب سکھوں نے چڑھائی کی تو اس نے مرہٹوں سے مدد طلب کر کے سکھوں کو شکست فاش دی اور ۱۰ اپریل ۱۷۵۸ء کو پنجاب پر قابض ہوگیا۔

اس نے اپنا دارالخلافہ بٹالہ ضلع گورداسپور بنایا۔ اپنے نام پر ایک شہر "آدینہ نگر" بسایا جو بعد میں دینا نگر ہوگیا۔ یہ بھی گورداسپور کے پاس تھا۔ اس نے سکھوں کو شکستیں دیں جس سے سکھوں کو احساس ہوگیا کہ میر منّو کے بعد بھی ایسے بہادر مسلمان مجاہد موجود ہیں جو ان کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ عین ممکن تھا وہ سکھوں کا مکمل استیصال کر دیتا مگر ۱۵ ستمبر ۱۷۵۸ء کو انتقال کر گیا۔ وصیت کے مطابق اس کی میت موضع فلویاں ضلع ہوشیار پور میں دفن کی گئی۔

وہ ارادے کا پکا، متحمل مزاج، ہوشیار اور مصلحت بین تھا۔ وہ ایسا موقع شناس تھا کہ دوسروں میں بدامنی اور شورش پھیلا کر ان سے خوب فائدہ اٹھاتا۔ ایچ ٹی پرنسپ لکھتا ہے کہ وہ فن ڈپلومیسی کا ہندوستان میں امام تھا۔ جب چاہتا تھا سکھوں کو آلہ کار بنا لیتا تھا اور جب چاہتا تھا انہیں تہ تیغ کر دیتا تھا۔

اس نے محض اپنے زور بازو اور حسن تدبر سے پنجاب کی سیاست میں ایسا پارٹ ادا کیا ہے کہ احمد شاہ، تیمور شاہ، سکھ اور دوسرے امراء سب اس سے گھبراتے تھے۔ وہ تلوار کا دھنی تھا اور بہترین کمانڈر۔

میاں محمد وارث "کمانیہ"

آپ قادر آباد ضلع امرتسر کے جاگیردار تھے۔ اپنی ذاتی گھوڑ سوار فوج رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام میاں میننے خاں تھا جو خود بھی جاگیر رکھتے تھے۔ آپ قلعہ چونڈہ کے فوجدار تھے۔ سکھوں سے کئی جھڑپیں ہوئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ان کی بہادری، جوانمردی اور فراست کا معترف تھا۔ اس نے اعتراف کے طور پر میاں صاحب کو سنہری ترکش اور کمان دے کر اپنے رسالے کا کمانڈر مقرر کیا۔ اور کمانیہ کا خطاب دیا۔

سکھوں نے کئی بار ان کے خلاف سازشیں کیں مگر ہر بار انہیں شکست ہوئی اور میاں صاحب کی بہادری اور تلوار کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ جب سکھوں کی حکومت کا چراغ گل ہو گیا اور انگریزی حکومت مستحکم ہو گئی تو انہوں نے بھی میاں صاحب کی قدر کی اور آٹھ ہزار کی جاگیر دے کر پنجاب کے رڈسا میں ان کو شامل کیا۔ آپ کا انتقال ۱۸۵۲ء میں ہوا۔

آپ بڑے وجیہہ اور شکیل جوان تھے۔ آپ کا نشانہ کبھی خطا نہ جاتا تھا۔ گھوڑ سواری میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ میدان جنگ میں شیر کی طرح حملہ کرتے اور تلوار بازی کے جوہر دکھاتے تھے۔

قادر آباد متصل بٹالہ میں تیرہ سو بیگہ زمین اور نبی پور متصل گورداسپور میں بارہ سو بیگہ اراضی تھی۔ بٹالہ شہر میں ان کی حویلی اور باغ بہت مشہور رہے۔ سری نگر کشمیر میں ان کا باغ اور حویلی موجود ہے۔ وہاں قلعہ ہری پربت پر بنوائی ہوئی توپ بھی موجود ہے۔ مزار بھی وہیں ہے۔ ان کے خاندان کے پاس آپ کی یادگاریں سنہری کجاوہ، حمائل مطلا، بیاض اور بازنامہ موجود ہیں۔

شمع آزادی کے پروانے

تحریک مجاہدین کے دو ارائیں جانباز

تحریک مجاہدین ہندوستان کی وہ ناقابل فراموش تحریک ہے جس نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی تھی۔ پاک و ہند کی آزادی میں عموماً اور پاکستان کی جدوجہد میں خصوصاً اس تحریک نے جو زندگی پیدا کی تھی وہ رہتی دنیا تک کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ اس تحریک میں ہر قوم اور ہر علاقہ کے لوگوں نے حصہ لیا اور سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اس تحریک جہاد نے تقریباً ایک سو سال تک مجاہدوں کو آزادی کے لئے برسرپیکار رکھا۔ انیسویں صدی ساری اور بیسویں صدی کے پہلے تیس سال میں ان مجاہدوں کے اجتماعی اور انفرادی کارنامے درخشندہ ستاروں کی مانند تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ انگریزوں اور سکھوں نے بالاکوٹ کی تسخیر کے بعد یہ سمجھ لیا کہ شاید مجاہدین کی تحریک اپنی موت آپ مرجائے گی مگر ۱۸۳۱ء سے ۱۹۳۱ء تک جن جانبازیوں کی داستانیں پاک و ہند کے کونے کونے میں گونج رہی تھیں۔ انکی صدائے بازگشت پاکستان کی صورت میں رونما ہوئی۔

ہم مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سرگزشت مجاہدین" سے چند اقتباسات درج کر کے اپنے قارئین کرام کو اس تحریک کی اہمیت، اس کی صعوبتیں اور ان دو مشہور ارائیں مجاہدین کے کارنامے بتانا چاہتے ہیں۔ — مولانا لکھتے ہیں:

"ہم جس عہد کو دورِ زوال سے تعبیر کرتے ہیں وہ ناکامیوں اور مایوسیوں کی شب تاریک ہی نہ تھی اس میں سربلندی اور ارجمندی کے لئے سرفروشی کی درخشاں کرنیں بھی جلوہ گر تھیں جن کی ضیاگستری عہد عروج کی شوکت آرائیوں کو بھی پیغام خجالت دے رہی تھی۔ افسوس کہ جو آنکھیں تاریکی کی شدت میں بصیرت کی دولت ضائع کرچکی تھیں وہ روشنی کی ان کرنوں سے بہرہ اندوز نہ ہوسکیں۔ ان میں بلند ترین درجہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک کو حاصل تھا جو خالص اسلامی بنیادوں پر اپنی نوعیت کی ایک ہی تحریک تھی۔ ضروری تھا کہ اس تحریک کی سرگزشت مرتب ہوجاتی۔ اس کے بغیر

ہماری تاریخ مکمل نہ سمجھی جاسکتی تھی۔ عام تاثر یہ ہے کہ ہم نے حکم و فرمانروائی سے محرومی کے بعد اس سرزمین کی آزادی اور یہاں اسلامیت کی بحالی کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ برادرانِ وطن نے گزشتہ دس بیس سال میں جہادِ آزادی کے متعلق جو کتابیں مرتب کیں ان میں عموماً غیر مسلم اکثریت ہی کی سرگرمیوں کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ خیال تقویت پکڑ گیا کہ مسلمان ایک مرتبہ پستی میں گرے تو پھر نہ اٹھ سکے۔ حکمرانی کے ساتھ ہمت و غیرت کی متاع بھی کھو بیٹھے۔"

"واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کی وسیع آزادی کے لئے جو سرفروشانہ کارنامے مسلمانوں نے سرانجام دیئے ہیں ان کی نظیر کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی اور مسلمانوں کی قربانیوں کے مقابلے میں دوسری قوموں کی قربانیاں سمندر میں چند چلوؤں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں لیکن اسے کیا کہا جائے کہ اسلامی قربانیوں کی سرگزشت معرض ترتیب میں بھی نہ آسکی اور جہادِ وطن کا یہ پورا باب گم ہو کر رہ گیا۔"

"سید شہیدؒ کی تحریک کے سلسلہ میں دو پہلو اور بھی غور طلب تھے۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں کی اس جماعت نے اسلامیت اور آزادی کے لئے جہاد اس وقت شروع کیا جب یہاں اکثر گروہوں میں فی الجملہ افسردگی و بے حسی طاری تھی۔ ان کے درمیان حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہنگامۂ مسابقت بپا تھا۔ یہاں تک کہ جہاد کی عزت و حرمت کے اندازہ شناس بھی بہت کم لوگ تھے۔ اکثر اس کے نام سے ہی ہراساں تھے۔ دوم اس جماعت کا مقصد و مدّعا حصولِ آزادی کے سوا کچھ نہ تھا اور وہ اس کے لئے کسی مادی معاوضہ یا دنیوی منفعت کے کبھی طلبگار نہ ہوئے۔ وہ پورے سوا سو سال تک بے دھڑک اور بے دریغ اپنی جانیں اور مال اس راہ میں قربان کرتے رہے اور ان کے دل ایک کلمہ تحسین کی آرزو سے بھی کبھی ملوّث نہ ہوئے۔ ان کی قربانیوں کے مقابلہ میں وہ اعمال و حرکات کیونکر لائے جاسکتے ہیں جن کے ساتھ اخباروں کے نفس پرور مقالے، پھولوں کے ہار، جلسوں اور جلوسوں کے ہمہمے، شہرت طلبی کے ولولے اور گوناگوں مالی معاوضوں کے ہنگامے وابستہ تھے۔ بے نفسی اور للّٰہیّت کی یہ داستان ان لوگوں کی بلند اسلامیت کا کرشمہ تھی اور اس میں ہم سب کے لئے بصیرت و موعظمت کا نہایت قیمتی سرمایہ موجود ہے۔

"یہ مقدس بزرگ پاک وہند کے ایک دور افتادہ گوشے میں اسلام اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے خد و خال سنوارتے رہے۔ آج کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیسے کیسے ولولے موجزن تھے اور دماغوں میں کیا کیا انتظامی نقشے بسے ہوئے تھے؟ جن کی زندگیوں کا ہر سانس ادائے فرض اور رضائے حق کے لئے وقف رہا۔ ان کی عظمتوں کا اندازہ ہم لوگ نہیں کر سکتے جو فرض اور رضا کے صحیح مفہوم سے بھی یکسر نا آشنا ہیں۔ وہ تو پیش نظر مقاصد کے لئے جانفشانیوں کی شیفتگی میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔"

اب ہم تحریک مجاہدین کے مایۂ ناز اراکین فرزند مولوی محمد جعفر تھانیسری کے حالات حسرت آثار یہ کہہ کر نقل کرتے ہیں کہ اگر غزن خاں (جو ہوتی مردان کے پٹھ کمال زئی کا ایک پٹھان سوار پولیس میں سارجنٹ اور کرنال ضلع میں مامور تھا) ۱۸۶۳ء میں اپنی خباثت کا اظہار نہ کرتا اور مجاہدین کو نہ پکڑواتا اور اپنے بیٹے اور ہمدردوں کی مدد سے انگریز انسپکٹر جنرل پولیس کو یہ رپورٹ نہ دیتا کہ قرابینوں، رائفلوں اور مجاہدوں کو محاذ پر بھیجنے کا ذمہ دار محمد جعفر تھانیسری ہے تو شاید یہ تحریک کچھ عرصہ اور زندہ رہتی مگر کیا کہا جائے ان لوگوں کو جو اپنی قومیت اور عہدوں پر تو ناز کرتے ہیں مگر مسلمان ہونے پر انھیں ناز نہیں۔ جنہوں نے خود سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کو بالاکوٹ میں دھوکا دے کر شہید کرایا اور محض دنیاوی مفاد پر سکھوں کی رضامندی اور انگریزوں کی خیر خواہی کی خاطر اپنی عاقبت برباد کی۔

(۷) مولوی محمد جعفر تھانیسری

آپ کے والد کا نام جیون تھا۔ مقدمے کے وقت عمر اٹھائیس برس کے قریب تھی۔ تھانیسر میں نمبردار تھے اور عرائض نویسی اور اسٹام فروشی کرتے تھے۔ تجارت اور زمینداری کا کاروبار بھی خاصا وسیع تھا۔ مجاہدین کی فہرست میں ان کا خفیہ نام "پیرو خاں" تھا۔

بعض بیانات کے مطابق یہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں چند ساتھیوں کو لے کر انگریزوں سے لڑنے کے لئے دہلی بھی گئے تھے۔

وہ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں والد فوت ہو گئے۔ خود بڑی محنت سے

تعلیم حاصل کی اور اس میں وہ کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے وکیل اور قانون دان بھی ان سے مشورہ لیتے تھے۔ تھانیسر میں کافی جائیداد تھی۔ پانی پت میں شادی کی۔ گرفتاری کے وقت ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بڑا بیٹا ان کی اسیری کے زمانہ میں ہی فوت ہو گیا۔ چھوٹا بیٹا بیٹی اور پہلی بیوی ان کی رہائی کے وقت تک زندہ تھے۔

مولوی صاحب کے خلاف تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن ہونے اور مجاہدین کو اسلحہ اور جانباز فراہم کرنے کی رپورٹ جب غزن خاں نے انگریز آئی جی کو دی تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور کپتان ٹائی کی عدالت میں غالباً ایک ہفتہ تک کارروائی جاری رہی۔ پھر سب ملزموں کو سیشن سپرد کر دیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہو کر ملزموں نے نماز کی اجازت مانگی جب نہ ملی تو عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لیتے۔ جب ان سب کو حوالات میں اکٹھا کیا گیا تو مولوی صاحب یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

(یعنی دوستوں کے ساتھ پاؤں میں زنجیر ہونا بہتر ہے دوسروں کے ساتھ باغ میں سیر کرنے سے)

مولوی صاحب اپنی مشہور کتاب "کالا پانی" میں لکھتے ہیں۔

"یہ خاکسار جب اپنی ذلیل النسبی اور کم علمی پر خیال کر کے انعامات الٰہی اور اس سرفرازی کو جو میرے حال بد اعمال پر مبذول تھی، مقابلہ کر کے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کسی چمار کے سر پہ تاج شاہی رکھ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھبرا جاتے تھے۔ اس صبر و استقلال کے انعام کو خیال کر کے اوّل سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری رہا۔"

انہوں نے اپنے مقدمہ کی پیروی خود کی اور کسی وکیل کا احسان نہیں اٹھایا۔ فیصلہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ہم نے دیکھا کہ چاروں اسیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ کر آنسو بھر بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے مگر جج اور کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فرد قرارداد ان پر ثابت ہے۔"

چنانچہ سزائے موت مع ضبطی جائیداد کی سزا ملی۔

ان کی اپیل کے سلسلہ میں جوڈیشل کمشنر رابرٹس نے اڑسٹھ صفحہ کا فیصلہ لکھا جس میں مولانا یحییٰ علی، مولوی محمد جعفر اور شیخ محمد شفیق کی سزائے موت کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور (یعنی کالا پانی) میں بدل دیا۔ اس لئے کہ یحییٰ علی اور جعفر جیسے لوگوں کے لئے پھانسی کی موت کے مقابلے میں یہ سزا زیادہ تلخ اور ناخوشگوار ہوگی۔ چونکہ ان کا جرم اوّل درجے کا ہے اس لئے ان کی جائیدادیں بھی ضبط کی جائیں۔

اب ہم مولوی محمد جعفر صاحب کی کتاب "کالا پانی" کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

"جس روز سزا کا حکم سنایا جانے والا تھا۔ ہربرٹ ایڈورڈز نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہا۔ تم بہت عقلمند، ذی علم اور قانون دان ہو۔ اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو لیکن تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ اب تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔ اور جائیداد ضبط ہو جائے گی۔ تمہاری لاش تمہارے وارثوں کو نہ ملے گی اور تمہیں پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔"

میں نے جواب دیا "جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں۔ وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کر دے۔ اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا، مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ میرا کیا کر سکتا تھا (مولوی صاحب تو اٹھارہ سال کالے پانی میں گزار کر واپس آ گئے مگر ہربرٹ ایڈورڈز اس فیصلے کے چار سال بعد ۱۸۶۸ء میں مر گیا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کے بیان کے مطابق کپتان پارسنز پاگل ہو کر مرا۔)

مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

پھانسی کا حکم سن کر میں اتنا خوش ہوا کہ ہفت اقلیم کی سلطنت مل جانے پر اتنی مسرت نہ ہوتی۔ کپتان پارسنز میرے نزدیک آکر کہنے لگا۔ پھانسی کے حکم پر تمہیں رونا چاہیئے، اتنے خوش کیوں ہو؟ میں نے جواب دیا کہ شہادت کی امید پر خوش ہوں جو سب سے بڑی نعمت ہے، تم اس کو کیا جانو۔ جیل خانہ جاتے ہی پھانسی والے تینوں قیدیوں کو الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیاں، شدید گرمی کا موسم۔ ایک ہی رات میں جہنم کا نمونہ سامنے آگیا۔ وارڈروں نے کہا کہ ہم آپ کے لئے موقع فراہم کر دیتے ہیں۔ آپ بھاگ جائیں مگر ہم نے انکار کر دیا۔ وہاں سخت بیمار ہو گئے۔ انگریزی دواؤں سے آرام نہ آیا تو دیسی ادویات منگوائی گئیں۔ انہی دنوں میں والدہ ماجدہ کو سانپ نے کاٹا اور وہ فوت ہو گئیں۔ وہ بڑی جائیداد کی مالک تھیں مگر میرے قید ہونے کے بعد تمام جائیداد اور مکان چھن گئے۔ اس انقلاب میں ان پر جو گزری وہ محتاج بیان نہیں۔ خدا جانے کہاں سوتی ہوں گی، کس حالت میں وقت گزارتی ہوں گی۔ مگر مرحومہ یقیناً ثواب کی مستحق ہیں۔،،

مولوی صاحب کو کاغذ کوٹنے کے کام پر لگا دیا گیا جو مشقت کا سب سے زیادہ سخت کام تھا پھر مجیب الدین تحصیلدار نارنول کی شکایت پر انہیں لاہور جیل بھیج دیا گیا۔ یہ تینوں یعنی یحییٰ علی، عبدالغفار اور مولوی صاحب دوسرے قیدیوں کے ساتھ انبالہ پیدل روانہ ہوئے۔ پورے سفر میں ان کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پڑی رہیں۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہے پھر ملتان اور بعد ازاں کراچی جیل میں رہ کر سمندری سفر کے ذریعے بمبئی سے ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو جزائر انڈیمان (کالا پانی) میں پہنچ گئے جہاں ۱۸۵۷ء کے کافی قیدی موجود تھے۔

انڈیمان کی زندگی

وہاں چیف کمشنر کی کچہری میں نائب میر منشی مقرر ہو گئے۔ ایک گھر رہنے کو اور ایک نوکر خدمت کو مل گیا۔ اپنی اہلیہ کو وطن سے لانے کی کوشش کی، مگر اس میں ناکام رہے تو ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا جو قیدی تھی۔ یہ بیوی ۱۸۶۸ء (۳۰ اپریل) کو فوت ہو گئی تو المورڑہ کی ایک برہمنی سے نکاح کیا جس غریب کو خاندانی عداوت کی وجہ سے ایک قتل کا خواہ مخواہ ملزم گردان کر کالے پانی کی سزا دلوا دی گئی تھی۔ مولوی صاحب نے اسے حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس نکاح سے آٹھ بچے ہوئے۔

وہ اکیلے گئے تھے رہائی پا کر لوٹے تو ایک بیوی اور آٹھ بچے ساتھ لائے۔ ان کی مدت قید ملازمت میں گزری۔ نجی طور پر تجارت بھی کر لیتے تھے۔ ذاتی کوشش سے انگریزی سیکھ لی اور مختلف انگریزوں کو اردو پڑھانے لگے۔ اس زمانے میں سرکاری ملازموں کو عرضیاں اور اپلیں لکھنے کی ممانعت نہ تھی، خود لکھتے ہیں۔

"میں نے عرضی و اپیل انگریزی میں لکھنے شروع کر دیئے جس میں علاوہ ترقی استعدادِ علمی کے ہزاروں روپے کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیشے یعنی معلمی صاحباں اور عرائض نویسی تھے جن میں مجھ کو سو روپے ماہوار سے کم نہ ملتا تھا۔ چونکہ میرے سوا وہاں کوئی مسلمان انگریزی خوان نہ تھا۔ میں نے بڑے بڑے مقدمات اہلِ اسلام میں ان کو بڑی بڑی مدد دی اور بڑی بڑی آفتیں اور الزام مسلمانوں سے ٹلوائے تھے۔"

دورانِ قیام انڈیمان تین مرتبہ نہایت خوفناک حوادث سے محض بفضلِ الٰہی محفوظ رہے۔ ایک مرتبہ عید قربان کے موقع پر انہوں نے بیل ذبح کیا۔ اس وجہ سے بعض ہندو اور سکھ قیدی ان پہ حملہ آور ہوئے اور کئی دفعہ انہیں مختلف چھوٹے چھوٹے مقدمات میں الجھانے کی کوشش کی۔

رہائی

فرماتے ہیں: "بہت دفعہ رہائی کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آخر ۱۸۸۱ء میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ہم بہت جلد رہا ہو کر ہندوستان جانے والے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۸۸۲ء کو ان کی رہائی کا بندوبست ہو گیا۔ انہوں نے اپنی انڈیمان والی بیوی کی رہائی کا بندوبست کیا اور وہاں کا سارا سامان فروخت کر دیا۔ مکان کو وقف کر کے مسجد بنانا چاہتے تھے مگر ڈپٹی کمشنر نے اسے منظور نہ کیا۔ ۹ نومبر ۱۸۸۳ء کو سترہ سال دس ماہ تک انڈیمان میں قید رہنے کے بعد رہا ہو کر روانہ ہوئے اور ۲۱ نومبر ۱۸۸۳ء کو انبالہ چھاؤنی پہنچے۔

رہائی کے بعد اچھا وقت گزرا اور غالباً ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد اسمٰعیل وکیل انبالہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں غیر مسلموں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔

انہوں نے تاریخ عجیب (تاریخ انڈیمان) کالا پانی لکھی، جس میں ان کی اپنی روداد ہے اور سوانح عجیب لکھی ہے۔ جس میں سید احمد شہید اور ان کے خلفائے کے حالات لکھے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"کپتان پارسنز اور کپتان ٹائی نے کہا۔ سب کچھ بتا دو۔ میں نے جواب دیا مجھے کچھ معلوم نہیں اس کے بعد زدوکوب شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ مار کھاتے کھاتے کئی بار گر پڑا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے ذمہ رمضان کے کچھ روزے باقی تھے۔ کچھ کھائے پیئے بغیر روزے رکھنا شروع کر دیئے۔ دوسرے دن زدوکوب کے بعد مجھے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گئے۔ چاپلوسی سے کہا کہ سب کچھ بتا دو، تمہیں سرکاری گواہ بنا کر رہا کر دیں گے اور بڑا عہدہ بھی دیں گے۔ میں نے انکار کیا تو پھر مارپیٹ شروع ہوئی۔ صبح کے آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک بارہ گھنٹے تک زدوکوب کرتے رہے۔ افطار کا وقت آیا تو میں نے بنگلے کے درخت سے پتے توڑ کر روزہ افطار کیا"۔

اللہ اللہ۔ ایسے مردانِ خدا ہمارے لئے کس قدر فخر کا باعث ہیں۔

۸ محمد حسین

ایک گمنام مجاہد

(یہ سارا اقتباس مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سرگزشت مجاہدین" سے نقل کیا جاتا ہے)

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

آپ نے اب تک ان اصحاب کے حالات ملاحظہ فرمائے ہیں جن کے کارناموں سے دنیا ناآشنا نہ تھی۔ اگرچہ ان کے پورے حالات یا مجاہدانہ کارناموں سے آگاہ نہ ہو۔ لیکن اب ایسے مجاہد کے حالات پیش کئے جاتے ہیں جس کا نام بھی کبھی منظرِ عام پر نہ آیا۔ حالانکہ وہ خلوص، سرگرمی عمل، استقامت اور پیشِ نظر مقصد کے لئے جانفشانی میں مشہور مجاہدین کرام سے قطعاً فروتر نہ تھا یہ محمد حسین تھا جس نے جماعتِ مجاہدین میں پہنچ کر محمد عمر نام اختیار کر لیا تھا۔

محمد حسین کا وطن کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ تھا۔ اس کا والد پیر محمد قوم ارائیں تھوڑی سی زمین کا مالک اور گاؤں کا نمبردار تھا۔

محمد حسین کا والد پیر محمد کتاب و سنت کا پابند، زاہد اور عزلت پسند تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ترکِ وطن کا خیال اس پر اس درجہ غالب ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ

باقی زندگی نام بدل کر جماعتِ مجاہدین میں گزاری یا کسی دوسری جگہ وفات پائی۔ قاضی کوٹ کے مقدمہ میں چمر کنڈ کے ایک مجاہد عبدالصمد عرف پیر محمد کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے وہی پیر محمد ہو جس کا ذکر ہم نے کیا ہے۔

محمد حسین کی پیدائش ۹۳-۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ گویا والد کی ہجرت کے وقت اس کی عمر صرف دو تین برس ہو گی۔ اس سے بڑے دو بھائی تھے اور ایک بہن۔ ایک بہن اس سے چھوٹی تھی جو والد کی ہجرت کے وقت شیر خوار ہو گی۔

فیصلہ ہجرت

۲-۱۹۰۱ء میں ضلع گوجرانوالہ اور آس پاس کے دیہات میں مولانا ولی محمد ساکن فتوحی والا ضلع فیروزپور اور سید اکبر شاہ ساکن سکھانہ ضلع سیالکوٹ کے دورے شروع ہوئے۔ یہ دونوں بزرگ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور جماعتِ مجاہدین کے سرگرم مبلّغ بہت سادہ انداز میں وعظ فرماتے۔ تاہم وعظ ایسے پُرتاثیر ہوتے کہ جو سنتا اس کے قلب میں اسلامیت کی روح بیدار ہو جاتی۔ سینکڑوں افراد راہِ حق میں جانبازی کے لئے تیار ہو گئے۔ محمد حسین کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی ہو گی۔ لیکن کلمۂ حق کی پذیرائی دل کی صفائی، جذبات کی پاکیزگی، اخلاق کی طہارت اور ذہن کی تنویر پر موقوف ہے۔ اس کیلئے ضروری نہیں کہ انسان شعور و سنین کی خاصی منزلیں طے کرلے اور علم کے دفاتر چاٹ لے۔ محمد حسین اوائل طفلی سے متاثر ہوتا رہا۔ ۱۲-۱۹۱۱ء میں جب اس کی عمر اٹھارہ انیس برس تھی، وطن سے ہجرت کر کے جماعتِ مجاہدین میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ افرادِ خاندان میں سے چھوٹی ہمشیرہ کے سوا اس کا کوئی رازدار نہ تھا۔ اٹھارہ انیس سال کا دیہاتی نوجوان اتنا بڑا فیصلہ کرتا ہے اور سولہ سترہ سال کی ہمشیرہ اس کی حامی و مویّد ہے۔ اس ہمشیرہ نے اپنا سارا زیور زادِ راہ کے لئے نذر کیا۔ گویا وہ بھی اپنی زندگی بھائی کی طرح خدمتِ خلق کے لئے وقف کر چکی تھی۔ البتہ عورت ذات ہونے کے باعث باہر نہ جا سکتی تھی۔

جماعت کا کام

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اسمست پہنچنے کے بعد محمد حسین کا نام محمد عمر رکھا گیا اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ ڈاک لے جائے نیز ہندوستان سے روپے اور آدمی مرکز میں پہنچاتا رہے۔ اس خدمت میں دوسرے اصحاب بھی اس کے ساتھ شامل تھے یوں تو دارالجہاد میں جماعت کا کوئی کام بھی سہل نہ تھا اس لئے کہ ہر کام میں جان ہتھیلی پر رکھنا پڑتی

تھی لیکن قاصد کی خدمات انجام دینے کا مطلب یہ تھا کہ زندگی کا ہر لمحہ پریشانی اور سراسیمگی میں گزرے۔ ہر لحظہ راز افشا ہو جانے کا اضطراب اور ہر وقت گرفتاری کا خطرہ۔ گرفتاری اور اسیری بظاہر جان دینے سے بڑی قربانی نہ تھی تاہم جن خوش نصیبوں کے دل عشق مقاصد سے لبریز تھے انہیں گرفتاری موت سے بڑھ کر تکلیف دہ نظر آتی تھی اوّل اس لئے کہ جماعت کے کام کو نقصان پہنچے گا۔ دوم اس لئے کہ ممکن ہے برطانوی خفیہ پولیس کے جلاّدوں کی باز پرس اور خوفناک اذیت رسانی میں کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے جو عہد اخفاء کے نقض کا باعث بن جائے یا ممکن ہے اچانک جماعت کی کوئی تحریر دشمن کے ہاتھ چلی جائے اور اس سے اصل کام میں خلل پیدا ہو یا بعض اہم راز افشا ہو جائیں۔ سوم اس لئے کہ زندگی کے جن اوقات کو ایک بلند نصب العین کے لئے وقف کیا تھا اس سے طویل بے تعلقی پیدا ہو جائے گی اور خدا جانے کتنی مدت قید و بند کی بیچارگی میں گزارنا پڑے۔ یہ سب کچھ درست تھا مگر کسی نہ کسی کو یہ کام انجام دینا ہی تھا اور جب محمد حسین کو اس فرض کے لئے منتخب کیا گیا تو اس کے لئے بساط کے مطابق بجا آوری کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

شانِ عزیمت محمد حسین کی شانِ عزیمت ملاحظہ ہو کہ رخصت ہوتے وقت چھوٹی ہمشیرہ کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر چار سال تک ہمشیرہ کے سوا کسی سے ملاقات پر راضی نہ ہوا۔ اُسے ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں والدہ اور بھائی اسے ترک ہجرت پر مجبور نہ کریں۔ اتنے عزیزوں سے اس قسم کا انقطاع گوارا کر لینا کھیل نہیں۔ خدا جانے محمد حسین کے دل نے یہ منزل طے کرنے میں کتنی زحمت اٹھائی ہو گی لیکن عزیزوں کے حلقۂ خاص میں پہنچ کر ان کے پیہم اصرار و الحاح کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ اس اثناء میں اس نے اپنی ہمشیرہ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ہمشیرہ نے آہستہ آہستہ والدہ اور بھائیوں کو راضی کر لیا کہ محمد حسین کو ترک ہجرت پر مجبور نہ کیا جائے۔ انہوں نے بھی یہ سمجھ کر اس واقعہ کو بہ صبر و شکر گوارا کر لیا کہ ان کا عزیز ایک شرعی فریضے کی بجا آوری میں مشغول ہے، اگر خود اس میں سرگرم شرکت و تعاون کا مقام عزیمت حاصل نہیں کر سکتے تو کم از کم اسے روکنے کا گناہ عظیم تو اپنے سر نہ لیں۔

اس کے بعد محمد حسین والدہ سے ملاقات پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ ایک سفر میں رات کے

وقت ملاقات کی جگہ اور ساعت مقرر ہوگئی۔ خدا جانے کس ذریعہ سے خفیہ پولیس کو بھی خبر ہوگئی اور اس نے محمد حسین کی گرفتاری کے انتظامات مکمل کر لئے۔ دوسری طرف محمد حسین نے بھی پولیس کی تگ و دو دیکھی تو اندازہ کر لیا کہ معاملہ خطرناک ہے۔ چنانچہ اپنے خاص ذرائع سے اس نے والدہ اور ہمشیرہ کو بھی اطلاع دے دی پھر رات کا بڑا حصہ مقامات اور اوقات کے تغیّر و تبدّل ہی میں گزر گیا۔ انجام کار ایک غیر معروف راستے میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی ملاقات کے بعد وہ پولیس کے چنگل سے بچتا ہوا بخیریت نکل گیا۔

دیکھا آپ نے یہ ایک دیہاتی نوجوان تھا جس کی تعلیم بھی زیادہ نہ تھی لیکن اس کے دل و دماغ کی بلندی، اس کی ہمت، عزیمت، دور اندیشی اور اندازہ شناسی ملاحظہ ہو کہ پولیس کی کوئی دام گستری اس کی سرگرمیوں پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

گرفتاری اور اسیری

وہ آٹھ سال تک جماعت کی خدمات انجام دیتا رہا۔ اسمست کی بجائے وہ چمرکنڈ کے مرکز سے متعلق ہو گیا تھا۔ پشاور سے ضروری سامان کی خرید و فروخت کا سارا کاروبار اس کے حوالے کر دیا گیا۔ اس لئے کہ وہ خفیہ راستوں سے واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ خطرے کے وقت بچاؤ کی کون کون سی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔

یاد ہو گا کہ ۱۸۶۳ء میں روپے اور آدمیوں کی بہم رسانی کا سراغ لگانے کے لئے مردان کے ایک پٹھان نے اپنے بیٹے کو ملکا بھیج دیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں بھی حکومت نے اپنے ایک کارندے کو مجاہد کے بھیس میں چمرکنڈ روانہ کر دیا جہاں وہ جماعت میں گھل مل گیا اور بھید معلوم کرتا رہا۔ ایک مرتبہ محمد حسین سامان خریدنے پشاور آیا تو یہ انگریزی جاسوس بھی رکن جماعت کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ اسباب خریدا جا چکا تھا اور واپسی کا وقت آیا تو بدبخت جاسوس نے محمد حسین سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں ایک آدمی سے مل آؤں۔ محمد حسین بہ اطمینان سامان کے پاس بیٹھا رہا۔ جاسوس نے پولیس کو خبر کر دی۔ یوں اچانک گھیرا ڈال کر محمد حسین کو بے خبری میں گرفتار کر لیا گیا۔ انھی دنوں جا بجا بم گرے تھے۔ مثلاً ڈین ہوٹل پشاور، رسالپور چھاؤنی، ایک بم راولپنڈی میں پولیس کے ایک بڑے افیسر کی کوٹھی پر گرا تھا۔ ان واقعات کو مجاہدین سے منسوب کر کے محمد حسین کو سات سال قید

بامشقت کی سزا سنادی گئی۔

مصیبت پر مصیبت

چونکہ محمد حسین کے پاس کوئی رقم نہ تھی اور نہ کوئی شخص اس کا شناسا تھا کہ دفاع کا خرچ برداشت کرے۔ غالباً مجاہدین کے سوا کسی کو اس واقعہ کا علم بھی نہ تھا اور مجاہدین اپنے خاص حالات کی وجہ سے کچھ کر بھی نہ سکتے تھے اس لئے عام قاعدے کے مطابق خیراتی فنڈ سے اپیل کی تجویز ہوئی۔ اس سلسلہ میں ضروری تھا کہ محمد حسین کے متعلق نیک چلنی کی ضمانت گوجرانوالہ کی پولیس سے حاصل کی جائے چنانچہ کاغذات گوجرانوالہ بھیج دیئے گئے۔ یہاں اس زمانہ میں قاضی کوٹ بم کا کیس چل رہا تھا اور پولیس کو محمد حسین عرف محمد عمر کی تلاش تھی۔ پہلی سزا کے خلاف اپیل کا معاملہ تو وہیں رُک گیا اور محمد حسین کو گوجرانوالہ لاکر قاضی کوٹ کے مقدمے میں چودہ سال قید بامشقت اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ اس لئے کہ استغاثے اور سلطانی گواہ کے بیان کے مطابق جو تین آدمی بم اور کارتوس وغیرہ جمرکنڈ سے لائے تھے ان میں سے ایک محمد حسین عرف محمد عمر بھی تھا۔

ہمت و استقامت

اب محمد حسین کی سزائے قید اکیس سال ہو گئی اور پانچ سو روپے جرمانہ۔ وہ زندگی کے اٹھائیسویں سال میں تھا اور مسلسل دس سال جماعت کی خدمات انجام دینے میں بسر کر چکا تھا۔ اس کے دل میں بھی راحت و آسائش، فارغ البالی اور کام جوئی کی وہ تمام آرزوئیں موجزن ہوں گی جو سلیم القویٰ جوانوں کے دل میں موجزن ہوتی ہیں۔ وہ امیر نہ سہی، اتنا غریب بھی نہ تھا کہ اطمینان کی زندگی بسر نہ کر سکتا پھر والدہ کے علاوہ چار ماں جائی ہستیوں کی آنکھیں اس کی راہ محبت میں بچھنے کے لئے تیار تھیں لیکن اس نے ہر چیزیں ایک بلند مقصد کے لئے قربان کر دیں جو اس کے نزدیک شرعی فریضے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر لحظہ تگ و دو، جانبازی یا اسیری کی زندگی پسند کر لی اور پوری مدتِ قید صبر و استقامت سے گزار دی۔

شیخ دین محمد صاحب جو سابق گورنر سندھ اور پھر وزیر امور کشمیر بھی رہے ہیں۔ انہوں نے محمد حسین کے حالات سے متاثر ہو کر بلا معاوضہ اپیل دائر کر دی اور نہایت دل سوزی سے کام لیا تاہم نتیجہ صرف یہ نکلا کہ ہائیکورٹ نے دونوں سزائیں بیک وقت شروع کرنے کا حکم صادر کیا۔ گویا

مجموعی سزا بہ اعتبار حبس چودہ سال رہ گئی اور جرمانہ معاف ہوگیا۔

آخری دور

۱۹۲۳ء میں آخری فیصلہ ہوا تو اسے دور دراز کے جیل خانہ میں بھیج دیا گیا یہاں تک کہ متعلقین سے ملاقات کی کوئی صورت نہ رہی اس کا زیادہ تر وقت جبلپور (وسط ہند) کے جیل خانہ میں گزرا۔ چار پانچ سال کے بعد ایک کارڈ آیا کہ جبل پور میں ہوں، بخیریت ہوں۔ دس سال میں ایسے کل تین چار خط آئے۔

۳۱-۱۹۳۰ء میں اس کی بائیں ران میں درد شروع ہوا اور ہڈی کا ناسور ہوگیا۔ ڈاکٹر کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دس سال میں قواعد جیل کے مطابق دو سال کی رعایت مل چکی تھی یوں چودہ سال میں سے صرف دو سال کی قید باقی تھی کہ مئی ۱۹۳۳ء میں حکومت نے پولیس کی زیر نگرانی اسے گوجرانوالہ بھیج دیا۔ وہاں سے اسے حسب ہدایت کوٹ بھوانی واپس پہنچا دیا۔ گویا حکومت کو یقین ہوچکا تھا کہ اب وہ تندرست نہ ہوگا اور ناسور اس کی جان لے کر رہے گا بیدردی ملاحظہ ہو کہ اس حالت میں بھی ایک پابندی یہ لگا دی گئی کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تحریری اجازت کے بغیر گاؤں سے باہر نہ جائے۔ دوسری یہ کہ ہر ہفتے قلعہ دیدار سنگھ تھانہ میں حاضری کی رپورٹ دیا کرے۔

اگرچہ اس غریب کے لئے چلنا پھرنا دو بھر تھا تاہم وہ صابرانہ ان احکام کی تعمیل کرتا رہا کچھ مدت کے بعد ناسور پھٹ گیا اور نقل و حرکت بالکل ممکن نہ رہی۔ اس وقت حکم صادر ہوا کہ چوکیدار اور نمبردار گاؤں میں محمد حسین کی موجودگی کی رپورٹ باقاعدہ دیتے رہیں۔ آخر ۱۹۳۳ء میں یعنی رہائی سے صرف ۴ ماہ بعد اس کی بوڑھی والدہ نے وفات پائی۔ صرف دو روز بعد مجاہد محمد حسین بھی راہئ ملک بقا ہوا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ سب انسپکٹر پولیس نے موقع پر آ کر محمد حسین کی موت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد اس مرحوم و مغفور کی نعش کو آغوش قبر میں سلا دیا گیا۔

جیل خانے کے زمانے کی بابت تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن زندگی کے جو آخری چار مہینے اس نے اقرباء میں گزارے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ بیماری کے باوجود اس کا دل ایک لمحے کیلئے بھی چمرکنڈ اور اسمست کے خیال سے غافل نہ ہوا۔ گویا انتہائی آرزو تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو وہاں پہنچ جائے کہ شاید اس حالت میں بھی کوئی خدمت انجام دے سکے۔

کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایسے کتنے بہادر و جانباز نوجوان تھے جنہوں نے اپنی بیش قیمت زندگیاں اسلامیت و آزادی کے لئے اس جہاد آرائی کی نذر کیں جس کی علمداری کا شرف ایک صدی تک جماعت مجاہدین کو حاصل رہا۔ آج جو لوگ حصولِ آزادی پر فخر و مسرت کے نعروں سے فضا کو ہنگامہ زار بنا دینے کے آرزومند ہیں۔ انہیں کبھی خیال آیا ہے کہ ان جوانمردوں کی یاد بھی تازہ کریں؟

ان مجاہدوں کے ذکرِ خیر کے ساتھ ہم مولوی محمود علی قصوری کے الفاظ لکھتے ہیں تا کہ محمد حسین کی اہمیت اور عظمت اور بھی بڑھ جائے۔

"جماعت مجاہدین میں قاصدوں کی خدمات انجام دینے کے لئے جن اصحاب کو منتخب کیا جاتا تھا وہ ایسے اوصاف کے مالک ہوتے تھے جو ہر شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ قاصد نہایت ہوشیار، زیرک اور معتمد ہوتے تھے۔ وہ بہروپ میں استاد اور اپنا حلیہ بدلنے میں مشاق ہوتے تھے۔ خفیہ پولیس اور اسپیشل پولیس کے آدمی ہر وقت ان کے تعاقب میں رہتے تھے لیکن جماعت مجاہدین کے قاصد انہیں چکمہ دیتے اور جنگل سے بچتے ہوئے روپیہ اور پیغامات اسمست تک پہنچانے میں شرلاک ہومز کے افسانوں کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ یہ لوگ عموماً ہری پور ہزارہ کے دوسرے مقامات یا پشاور سے حکومت ہند کی سرحد میں داخل ہوتے اور پنجاب، دہلی، یو پی بہار، کلکتہ، سی پی، رتلام، بمبئی، منگلور اور مدراس تک کے چکر لگا کر مختلف مراکز میں جمع شدہ رقمیں یا جماعت کے لئے نئے رنگروٹ ساتھ لے کر آتے تھے۔ جماعت کے کسی فرد کو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ کتنے اصحاب قاصدی کے خدمات انجام دیتے ہیں یہ عجیب و غریب طرز پر بھیس بدلتے تھے۔ کبھی یورپین لباس پہن لیتے تھے، کبھی کالج کے طالبعلم بن جاتے تھے۔ کبھی سرحد کے رئیس زادوں کی سی پوشاک زیب تن کر لیتے اور سر ہتھیلی پر رکھ کر کام کرتے تھے۔ ہندوستانی مراکز ان لوگوں کی جانبازی اور اعلیٰ سیرت سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ ان مجاہدوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہمیں ایمان کی دولت بخشے۔ آمین

سردار محمد شفیع

تحریک مجاہدین کے تیسرے ارائیں جانباز جن کا تذکرہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے، گنجہ کلاں (عثمان والا) ضلع لاہور کے مشہور ارائیں خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا خاندان وجاہت دولت، علم اور قومی ہمدردی میں اپنی مثال آپ ہے۔ قوم کی شیرازہ بندی اور سربلندی میں آپ کے آباؤ اجداد کی قربانیاں صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں۔ جناب حاجی نور برہان صاحب کا ذکر آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں وہ سردار صاحب کے جدِ محترم تھے۔

سردار صاحب کی عمر اس وقت پینسٹھ سال ہے۔ صحت نہایت عمدہ ہے۔ آجکل سیاست سے ریٹائر ہو کر جام صاحب ضلع نواب شاہ میں اپنا زراعتی فارم تیار کر رہے ہیں۔

آپ کی جوانی کا آغاز تحریک مجاہدین سے وابستہ رہا پھر احرار کے سالارِ اعظم رہے اور برادری کی تنظیم سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ اب ہم سردار صاحب کی خود نوشت ڈائری کا ملخص پیش کرتے ہیں جو ماہنامہ "تبصرہ" لاہور کے ۱۹۶۰ء کے کئی شماروں میں شائع ہوتی رہی تھی۔ اس سے آپ کو سردار صاحب کے کردار اور عزم کا اندازہ ہو جائے گا۔

" ۱۹۱۷ء میں میں پہلے اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مسلم ہائی سکول میکلوڈ روڈ لاہور میں پڑھتا رہا۔ ان دنوں بصرہ، بغداد، حجاز اور مکہ شریف کی تباہی اور ترکوں کی بربادی کی خبریں سن سن کر انگریز کے سخت خلاف ہو چکا تھا۔ میں گھنٹوں سوچا کرتا تھا کہ مسلمان کیوں لپک لپک کر انگریزی افواج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ آخر میں نے اپنے دل میں بغاوت کا فیصلہ کر لیا خواہ میرا کوئی ساتھ دے یا نہ دے۔ سب سے پہلے میں نے اپنے چچا زاد بھائی سردار عطا محمد (سردار محمد حسین ایم ایل اے کے بڑے بھائی جو مجھ سے تین سال بڑے اور دفعتہ ہائی میں پڑھتے تھے) کو شریک ہونے کا مشورہ دیا۔ ہم ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ میں اس وقت آٹھویں جماعت میں تھا۔

ہمارے کئی بزرگ خان بہادر، آنریری مجسٹریٹ اور ذیلدار تھے۔ جب ہم گاؤں جاتے تو ان کے اسلحہ سے بندوق اور پستول چلانا اور نشانہ لگانا سیکھتے تھے۔ ہم نے طلبہ میں سے بھی کئی

دوستوں کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ ایک روز لاہور کے اسی مکان میں مولانا فضل الٰہی صاحب کسی ذریعہ سے تشریف لائے اور دورانِ گفتگو انہوں نے فرمایا کہ جس دن چھٹی ہو میرے پاس وزیر آباد کے فلاں محلے میں آنا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو میری انگریز دشمنی کا حال کس نے بتایا! انہوں نے فرمایا: کچھ تو تمہاری برادری کے لوگوں نے اور کچھ طلبہ نے۔

میں جمعہ کی چھٹی میں وزیر آباد گیا۔ سارا دن مولانا کی خدمت میں رہا۔ انہوں نے مجھے چند کتابیں دیں جن میں سید احمدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی سوانح عمریاں بھی تھیں۔ انہوں نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسکول کی چھٹی میں تم یہیں آیا کرو۔ جب مجھے وہاں آتے جاتے کئی ماہ گزر گئے تو ایک دن انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان سے یاغستان میں پیغام لے جانے والے سبھی قاصد پکڑے گئے ہیں اور انگریز نے ان کو عمر قید کی سزا دے دی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قاصد کے فرائض ادا کرنے کے لئے میں تیار ہوں۔ آپ مجھے وہاں بھیجیں۔ وہ بولے۔ مجھے خطرہ ہے۔ تم شاید سختی برداشت نہ کر سکو اور راز کی باتیں نہ بتا دو کیونکہ تم امیر خاندان سے ہو اور تم نے ابھی کوئی سختی برداشت نہیں کی ہے۔ مگر میں نے ان کو یقین دلایا کہ میں یہ کام اچھی طرح کروں گا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر فرمایا: اچھا میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں خدا تمہیں ثابت قدم رکھے۔ جب تم ایک ہفتہ کی چھٹی کا بندوبست کر لو تو مجھے ایک ہفتہ پہلے اطلاع دے دینا اور چھٹی شروع ہونے سے ایک رات پہلے یہاں آ جانا — چنانچہ اگلی ملاقات پر میں نے انہیں تاریخ سے مطلع کر دیا اور وقت مقررہ پر ان کے مکان پر پہنچا۔ انہوں نے ایک آدمی سے میرا تعارف کرایا اور بتایا کہ یاغستان کے تمام راستوں سے واقف ہے۔

غرض ہم روانہ ہوئے اور سی آئی ڈی کی نظروں سے بچتے بچاتے دربند پہنچ گئے وہاں سے کشتی کے ذریعہ دریا پار کیا اور آزاد علاقہ میں پہنچ گئے۔ پھر پیدل سفر کرتے ہوئے شام کے وقت بمشکل اسمس (جو مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر تھا) میں پہنچے۔ وہاں جاتے ہی امیرِ جماعت مجاہدین نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر ایک چارپائی پر لیٹ گیا اور ایسا سویا کہ پھر صبح ہی آنکھ کھلی۔

میں امیر المجاہدین کی خدمت میں صبح کے وقت پھر حاضر ہوا اور کپڑے پر لکھے ہوئے خطوط جو

میری قمیص کے کفوں اور پشت کی پٹی کے اندر اوورکوٹ کے کالر میں سلے ہوئے تھے ادھیڑ کر نکالے اور پیش کر دیئے۔ دوسرے دن میں نے وہ تمام باتیں جو مولانا فضل الٰہی نے زبانی بتائی تھیں، امیر صاحب سے عرض کر دیں۔

یہ پیغام دینے کے بعد میں دو تین روز وہاں رہا۔ امیر المجاہدین نے اسی طرح میرے کپڑوں کے اندر خطوط سلوا کر دیئے اور اسی سفیر کے ساتھ مجھے واپس کر دیا گیا جو مجھے ہری پور ہزارہ تک چھوڑ گیا۔ وہاں سے میں وزیر آباد بخیریت پہنچ گیا۔ مولانا فضل الٰہی صاحب نے مجھے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اس کے بعد مجھ سے حالات دریافت کئے۔ میں نے خطوط نکال کر مولانا کو دیئے۔ سارا دن ان کے مکان پر رہا اور رات کی گاڑی سے واپس لاہور پہنچ گیا۔

حسب معمول میں ہر آٹھ دس دن کے بعد وزیر آباد مولانا کی خدمت میں جاتا رہا۔ وہ مجھ سے پارٹی کا کوئی راز نہ چھپاتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں وزیر آباد آیا، مولانا مکان پر موجود نہ ہوتے دروازہ پر دستک کی آواز سے ہی والدہ صاحبہ (مولانا کی بیوی) پہچان لیتیں کہ محمد شفیع آیا ہے۔ میں گھر کا ایک ایسا فرد تھا جیسے کہ ان کے صاحبزادے محمد سلیمان۔

مولانا فضل الٰہی صاحب کے حکم سے میں نے اوڈانوالی ضلع لائل پور میں میاں عطاء اللہ، فیروز پور میں حاجی نور محمد، فتوئی والا میں میاں حسین سے ملاقاتیں کیں اور انہیں یاغستان میں مجاہدین کے لئے روپے بھیجنے کی تاکید کی۔ مولانا کے مکان پر میری ملاقات حافظ عبدالمنان امیر جماعت مجاہدین بمبئی اور زین العابدین امیر جماعت مجاہدین صوبہ بہار سے ہوئی۔ وہیں اقبال شیدائی سے بھی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ یاغستان جانے کے لئے مولانا نے مجھے حکم دیا۔ چنانچہ ہم عبدالستار کو ملازم کی حیثیت سے ساتھ لے کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ (تفصیلات عمداً چھوڑ رہا ہوں۔)

پولیس اور سی آئی ڈی کی نگاہوں سے بچتے ہوئے بصد مشکل ہم منزل مقصود تک پہنچے۔ ہمارے پاس موٹے کاغذ پر ہندی الفاظ میں تحریر شدہ ایک محضر نامہ تھا جو مولانا فضل الٰہی صاحب نے امان اللہ خاں کو تخت نشینی پر مبارکباد دینے کے لئے مجاہدین کی ہندوستانی جماعتوں کی طرف سے دیا تھا۔ ایک سونے کی گھڑی تھی اور چند اور تحفے تھے۔ اس کے علاوہ کئی خطوط بھی

تھے۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ہم گرفتار ہو جاتے تو پھانسی کا پھندا یقیناً ہمارے گلے میں حائل ہوتا۔ ہم منزل پر پہنچے۔ مجاہدین نے میرا نام افضل پکارا۔ (مجاہدین کی فہرست میں میرا نام افضل تھا۔) اور تھوڑی دیر کے بعد امیر جماعت مجاہدین سید نعمت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی جہاں اقبال شیدائی کا تعارف کرایا گیا اور تحائف اور محضر نامہ مع خطوط امیر صاحب کے حوالے کر دیئے گئے۔ چند روزہ قیام کے بعد میں تو واپس آ گیا اور اقبال شیدائی صاحب اپنے پروگرام کے مطابق وہاں رہ گئے"۔

سردار صاحب نے ایسے کئی سفر کئے اور ہر بار قاصد کا کردار نہایت عمدگی سے ادا کیا۔

خطوط ہمیشہ لکھنے والے کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور تاریخی شخصیتوں کے خطوط تو قوموں کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم سردار صاحب کے چند قیمتی تاریخی خطوط سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے ہماری برادری اپنے ماضی کو جاننے کے علاوہ مستقبل میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔

"پاکستان بننے سے بیس سال پہلے ملک کے ارائیں نوجوانوں نے ایک پرجوش پارٹی "ینگ ارائیں ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی۔ خان بہادر اللہ بخش صاحب (چیف کمشنر ریٹائرڈ مغربی پاکستان) اور مسٹر حق نواز بیرسٹر کو صدر اور مجھے صدر الصدور بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں آل انڈیا ارائیں کانفرنس بڑے اہتمام سے ضلع بجنور میں منعقد ہوئی جس کا میں صدر تھا۔ اس کے بعد کوئی آل پاکستان ارائیں کانفرنس نہیں ہوئی۔ وہاں دیا ہوا میرا خطبہ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر ملک کے کونے کونے میں برادری کے ہاتھوں تک پہنچا۔ اس سلسلہ میں مزید عرض ہے کہ میرے دادا صاحب سردار حاجی نور محمد صاحب آنریری مجسٹریٹ گنجہ کلاں ضلع لاہور کی صدارت میں ۱۸۹۸ء میں پہلی ارائیں کانفرنس ضلع لاہور اور ضلع فیروز پور کی سرحد بمقام گنڈا سنگھ والا منعقد ہوئی۔ دو سال ہوئے، مارشل لاء کے دوران راولپنڈی کے مقام پر ایک ارائیں کانفرنس ہوئی جو مقامی برادری نے منعقد کی تھی۔ میرا چھوٹا بھائی سردار احمد علی ایم پی اے اس کا صدر تھا۔

کسی زمانہ میں صوفی اکبر علی نے "سلیم التواریخ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس کو تاریخ کا نام نہیں دیا جا سکتا اور وہ اس قابل ہی نہیں کہ دیگر اقوام میں اس کو پیش کیا جا سکے۔

مئی ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں مَیں دہلی گیا اور وہاں سات آٹھ محلّوں میں رائیوں کے اجتماعات ہوئے۔ اور ہر اجتماع میں مَیں نے ان کو واضح طور پہ کہا کہ آپ ہتھیاروں کا بندوبست کریں، عنقریب آپ شدید حملوں کا شکار ہونے والے ہیں ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ اگر ۳ جون کو وائسرائے تقسیم ملک کا اعلان کردے جو میں بتا رہا ہوں تو پھر آپ یقین کرلیں اور میری بات یہ بھی ٹھیک سمجھیں جو شدید حملوں کے متعلق بتا رہا ہوں۔ چنانچہ ۳ جون کو وائسرائے کا وہی اعلان ہوا جو میں نے بتایا تھا کیونکہ وائسریگل لاج کے ایک بہت بڑے ذمہ دار آدمی نے مجھے سب کچھ پہلے ہی بتا دیا تھا۔ چنانچہ میری اس ہدایت پر جو اعلان کی شرط کے ساتھ مشروط تھا وہ چوکنے ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار فراہم کئے، جن سے اگست کے مہینے میں کئی دن تک راشٹریہ سیوک سنگھ، اکالی دل اور حکومت ہند کی افواج کا مقابلہ کرتے رہے۔''

۱۹۴۸ء میں مَیں پاکستان سے دہلی گیا۔ میں نے پتہ کیا کہ ارائیں برادری سے کوئی آدمی دہلی میں تو نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ برادری کا ⅓ حصہ ابھی تک دہلی میں ہی ہے۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ ان کے مکانات اور زمینیں چھن گئی ہیں۔ میں نے شیخ عبداللہ کو حالات بتائے اور ان کے چھینے ہوئے مکان ہندوؤں کے قبضہ میں دکھائے۔ انہوں نے یہ بات جواہر لال نہرو تک پہنچائی۔ جس کے نتیجہ میں ان ارائیوں کو جو دہلی سے منتقل نہیں ہوئے تھے۔ ان کے مکان واپس مل گئے۔''

"مجھے لاہور کی انجمن ارائیاں کے ذمہ دار بھی ملے۔ میں نے ان کو بتایا کہ آپ کی انجمن قوم کو کچھ تقویت ضرور پہنچا سکتی ہے لیکن اس قوم کو سربلند نہیں کر سکتی۔ یہ کام آپ کی دسترس سے باہر ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ سرمایہ دار ارائیوں، عہدیداروں اور نمبرداروں کا ذکر کر سکتے ہیں۔ اور ایسی ہی تاریخ بھی پیش کر سکتے ہیں جو ارائیوں میں احساس کہتری کو ضرور کچھ کم کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔ لیکن جذبۂ بہادری پیدا نہیں ہو سکتا۔ نیز دیگر اقوام میں ہماری تذلیل اس لئے نہیں کہ ہم غریب ہیں۔ سب قومیں جانتی ہیں کہ ارائیں بڑے محنتی اور بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ وہ یہ احساس رکھتے ہیں کہ ارائیں غیر سیاسی مزدور لوگ ہیں۔ بہادرانہ

کارنامے ان کے ساتھ وابستہ نہیں ۔ آپ نے اپنی کتاب میں مولانا محمد جعفر کا ذکر کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے ۔ یہی وہ بات تھی جس کے پیش نظر میں ان کو کہا کرتا تھا ۔

جنہیں میں کہہ نہیں سکتا جنہیں تم سن نہیں سکتے
وہی باتیں ہیں کہنے کی وہی باتیں ہیں سننے کی

اگر ہم محمد بن قاسم سے لے کر ۱۸۵۷ء تک اور تحریک مجاہدین سے ۱۹۴۷ء تک کے ان بہادرانہ کارناموں کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیں جو ہماری برادری کے جانبازوں نے سرانجام دیئے ہیں تو ہماری برادری کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہو سکتی ۔

سردار صاحب تحریک مجاہدین ، احرار ، خلافت کمیٹی وغیرہ میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ برادری کی تنظیم میں بھی منہمک رہے اور اس قدر مشغول رہنے کے باوجود انہوں نے ایک پمفلٹ لکھا جس کا عنوان ہے ۔

" اناج ، غلّے کی قلّت اور قابل عمل حل "

جسے مکتبہ نوائے پاکستان لاہور نے شائع کیا ۔ یہ ایسا پُر مغز مقالہ ہے کہ اگر اس کی تجاویز پر عمل کیا جائے تو غلّے کی قلّت کا دُور ہونا نہایت آسان ہے ۔ اس پمفلٹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری برادری زراعت کی ترقی کے لئے کس قدر بالغ نظر اور دور اندیش ہے اور ملکی مسائل پر ان کی نظر اور ان کے حل پیش کرنے میں اس موضوع پر ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ۔ اس پمفلٹ کے آخر میں ایک اپیل شائع کی گئی ہے جو سردار صاحب کے دل کی آواز ہے ۔ ہم اس کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں ۔

قرون اولیٰ سے لے کر صدیوں تک مسلم سوسائٹی اور مسلم امراء عوام کی خدمت غرباء کی امداد اور ایثار و قربانی کے محیر العقول نمونے دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور اب یہ جذبہ کم ہوتے ہوتے اس حد تک عنقا ہو چکا ہے کہ عوام تو دردناک حادثات کے وقت ہنگامی طور پر متاثر ہو کر کچھ ایثار کر لیتے ہیں لیکن افسوس کہ امراء میں یہ مادہ ہی نہیں رہا ۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران مشرکوں میں کئی دیال سنگھ اور گنگا رام پیدا ہوئے لیکن کسی مسلمان امیر کو غیر مسلموں کی طرح کسی ادارہ کو قائم کر کے چلانے کی ہمت نہ ہوئی ۔ پاکستان بن جانے

کے بعد ہزاروں مسلمان امیر کبیر بن گئے۔ ان کی بے پناہ دولت یورپ اور امریکہ کی سیروسیاحت عیاشی بہترین موٹروں، کوٹھیوں، تن آسانیوں میں صرف ہو رہی ہے۔ کسی امیر آدمی کو کسی قومی ادارہ کسی بڑے ہسپتال یا کوئی اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے چلانے کی ہمت نہ ہوئی۔

لکیر سے پار آج بھی مشرکوں میں مہاتما گاندھی کا چیلا ونوبا بھاوے بارہ لاکھ ایکڑ زمین امرا سے لے کر غرباء میں تقسیم کر چکا ہے۔ مشرک امراء کا یہ ایثار دیکھ کر ہمارے حال مست امراء اور بڑے بڑے مسلمان زمینداروں کو سبق لینا چاہیئے۔ پاکستان میں لاکھوں مسلمان جفاکش کسان بغیر زمین کے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ بڑے زمینداروں کو اپنے وسیع رقبہ کا کچھ حصہ انہیں دیکر کم از کم مشرکوں جیسی انسانیت ہی دکھانی چاہیئے۔ مسلمان ہونا تو بڑی بات ہے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایران، وہی تبریز ہے ساقی"

سردار صاحب کی زندگی کا واحد مقصد حکومت الٰہیہ کے قیام میں ہر ممکن جدوجہد کرنا ہے تاکہ ایک سپاہی کی مانند وہ اسلامی حکومت کے ادنیٰ کارکن بن سکیں۔ حکومت الٰہیہ کا تصوّر انہوں نے تحریک مجاہدین سے لیا اور زندگی بھر اس راہ میں جہاد کرتے رہے۔ وہ معاشرہ کو برائیوں سے مغلوب دیکھ کر اکثر آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور جس مجلس میں ہوتے ہیں، انفرادی اور اجتماعی بھلائیوں کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کے حامل اور علمبردار ہیں۔

خاندان صوفی محمد اکبر علی صاحب

(مصنف سلیم التواریخ)

اس خاندان کے بزرگ نواح سرسہ میں آباد تھے۔ اور ہر طرح سے فارغ البال تھے۔ لیکن ۱۷۸۳ء کے قحط میں نقل مکانی کرنی پڑی۔ اور دریائے ستلج کے پار نورمحل میں آباد ہوئے سکھوں کے عہد میں ایک سکھ سردار ان کا محبوب گھوڑا ازبردستی لینا چاہتا تھا۔ بزرگ خاندان بابا دُلّا نے گاؤں چھوڑنا منظور کیا لیکن گھوڑا نہ دیا۔ اور اپنی آن نہ چھوڑی۔ پھر ضلع ہوشیارپور

میں آکر بہرام سرشتہ میں ایک نیا گاؤں آباد کیا جو عوام میں تلونڈی دُلاّ مشہور رہوا۔ لیکن سرکاری کاغذات میں تلونڈی راعیاں لکھا جاتا تھا۔ اس خاندان میں دینداری کا بہت چرچا تھا چنانچہ بابا دُلاّ کا پوتا حافظ کریم بخش اپنے دینی درس کی وجہ سے مشہور رہوا۔ دور دراز سے طالب عالم آکر ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور قرآن شریف حفظ کرتے تھے۔ حافظ کریم بخش کا پوتا میاں نور بخش آسودہ حال زمیندار تھا۔ بڑا طاقت ور اور شہ زور اور تنا ور تھا۔ اس کی شہ زوری کے قصے زبان زد عام تھے، لیکن نہایت متحمل مزاج تھا۔ میاں نور بخش کے ہاں ۱۸۶۳ء میں دوسرا بیٹا تولد ہوا۔ جو بعد میں مولوی محمد اکبر علی صوفی محقق جالندھری کے نام نامی سے موسوم ہوا صوفی صاحب نے ابتدائی تعلیم بہرام میں پائی۔ اس کے بعد لاہور جاکر ٹریننگ کالج سے معلمی کی تربیت حاصل کی۔ چونکہ عربی، فارسی، اردو میں اعلیٰ قابلیت پیدا کر لی تھی۔ محکمہ تعلیم کے مدرسۃ المعلمین میں شعبہ زباندانی ان کے سپرد ہوا۔ تیس برس تک اپنے فرائض باحسن طریق انجام دینے کے بعد پنشن پر چلے گئے۔

حضرت صوفی صاحب کو ۱۸۸۳ء میں اپنی قوم یعنی قوم راعیان میں رسومات قبیح کی اصلاح کا شوق پیدا ہوا۔ اور ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا۔ اسی اثناء میں دل میں خلش پیدا ہوئی کہ جس قوم کی اصلاح رسوم کرنی چاہتا ہے یہ ہیں کون؟ ان کا حسب نسب کیا ہے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم کس کی اولاد ہیں۔ اور ہمارے سلف کون ہیں۔ چنانچہ اس تحقیق میں جس قدر قدم اٹھائے، مایوسی ہوئی۔ دیگر زراعت پیشہ اقوام اپنے متعلق کچھ نہ کچھ جانتی تھیں اور صحیح یا غلط یادداشت رکھتی تھیں لیکن قوم راعیں کے افراد عند الدریافت ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے تھے۔

اندریں حالات صوفی صاحب نے تحقیق کا بیڑہ اٹھایا اور ایک قومی چٹھی اپریل ۱۸۹۴ء میں شائع کر کے قوم کے افراد میں کثیر تعداد میں بانٹی۔ اس چٹھی میں ۱۶ دریافت طلب امور تھے مثلاً "ارائیں لفظ کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ کیا یہ لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے یا سیدوں، مغلوں، پٹھانوں کی طرح بیرونی قوم ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔ اس چٹھی نے قوم میں ہلچل ڈال دی۔ ہر پڑھے لکھے فرد نے اپنی استعداد کے مطابق جوابات بھیجے لیکن پھر بھی زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ دوسری قومی چٹھی دسمبر ۱۸۹۴ء کو جاری کی اور اس کے جواب میں کچھ نہ کچھ مفید مطلب مواد فراہم ہو گیا۔ نیز مستند

تاریخی شہادتوں، سرکاری رپورٹوں، بادشاہی فرمانوں، زبانی روائیتوں مقامی قرائن اور قومی خصائص کے گہرے مطالعہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس زمانہ میں مشہور کتب خانوں سے استفادہ کیا اور یہ تحقیق کا کام جاری رکھا اور یہ سلسلہ آٹھ صد صفحات پر مشتمل قومی تاریخ "سلیم التواریخ" کی اشاعت پر ۱۹۱۹ء میں ختم ہوا۔

حضرت صوفی صاحب کی متواتر کوشش سے پہلا قومی جلسہ شہر جالندھر میں ۱۸۹۶ء میں منعقد ہوا جس میں نئی دہلی کے علاوہ لاہور اور کرنال کے بزرگانِ قوم نے شرکت کی۔ اس میں طے پایا کہ ملازم رکھ کر قومی نقشے پُر کروائے جائیں۔ لیکن طاعون کی وبا پھیلنے کے باعث یہ کام چند ماہ سے زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ مگر حضرت صوفی صاحب کا حوصلہ پست نہ ہوا اور اگست ۱۸۹۷ء میں لاہور اور مزنگ میں برادری کے دو عظیم اجتماعات کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں میراثی بلوائے گئے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ میراثیوں کو چند پشتوں تک صحیح نام یاد ہیں اور اس کے بعد یہ لوگ جس سے چاہیں کرسی نامہ ملا دیتے ہیں۔ ستمبر ۱۸۹۷ء میں بمقام باغبان پورہ میں اجتماع ہوا۔ اس میں حضرت صوفی صاحب نے اپنی تحقیق کے متعلق برادرانِ قوم کو آگاہ کیا۔ اس اجتماع میں دیگر بزرگان قوم کے علاوہ قوم کے دو روشن ستارے یعنی مسٹر جسٹس شاہدین اور سر میاں محمد شفیع بھی شامل ہوئے۔ اسی طرح مختلف اوقات میں حضرت صوفی صاحب کی بدولت دیگر مقامات مثلاً ڈھولن وال گنج کلاں، کوٹلی قادر آباد، بٹالہ، راجہ سانسی، نور محل، پھلور، نکودر، ننگل انبیاءؑ، لدھیانہ، بسی، پٹیالہ، انبالہ، کرنال، پانی پت، دہلی، شملہ، بریلی، پیلی بھیت، سرسہ، ملتان، سندھ، اوچہ وغیرہ میں برادری کے اجتماعات ہوتے رہے۔ اور حضرت صوفی صاحب ان اجتماعات میں قوم کو گرماتے اور جگاتے رہے کہ یہ قوم محمد بن قاسم کی فوج کی حیثیت سے بصورت فاتحان سندھ میں داخل ہوئے اور بتدریج پنجاب اور یو۔پی میں پھیل گئی۔

حضرت صوفی صاحب کی اس انتھک مہم کا نتیجہ آخر کار ۱۹۱۵ء میں انجمن راعیان ہند کے قائم ہونے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اخبار الراعی جاری کیا گیا۔ اور تین چار سال کے اندر اندر راعی بلڈنگ تعمیر ہو گئی جو اب تک قومی مرکز کا کام دیتی ہے۔

جب حضرت صوفی صاحب کی مصنفہ تاریخ یعنی سلیم التواریخ جو آٹھ سو صفحات پر مشتمل

تھی۔ قوم کے سامنے چھپ کر ۱۹۱۹ء میں آئی تو انجمن راعیان ہند نے اس محسن قوم کا ۱۹۲۰ء کے سالانہ اجلاس میں ریزولیوشن کے ذریعہ شکریہ پیش کیا۔ اور مورخ قوم کا خطاب دیا اور ایک طلائی تمغہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلیم التواریخ انجمن راعیان کی طرف سے آفیشل تاریخ قرار پائی۔

حضرت صوفی صاحب علیگڈھ تحریک میں سرسید احمد خاں کے سرگرم معاون تھے۔ چنانچہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ تعلیم نسواں کی تحریک میں شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی کا دل و جان سے ساتھ دیتے رہے۔ حضرت صوفی صاحب کے بڑے بیٹے محمد علی نے علیگڈھ ہی میں تعلیم پائی تھی۔ بعد میں یہ خان بہادر آغا محمد علی صوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ فارن اینڈ پولٹیکل سروس میں ملازم تھے۔ انہوں نے عراق میں بھی خدمات انجام دیں۔ اور کئی برس بصرہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہے اور سروس مکمل کر کے اسسٹنٹ پولٹیکل ریذیڈنٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں بمقام جالندھر وفات پائی۔ خان بہادر کے اولادِ نرینہ نہ تھی۔ بڑی بیٹی محمودہ اختر کی شادی ڈاکٹر بشیر احمد سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی سے ہوئی تھی۔

حضرت صوفی صاحب کے دوسرے بیٹے خاں صاحب الحاج احمد علی صوفی زراعتی کالج لائل پور کے تعلیم یافتہ تھے۔ محکمہ زراعت پنجاب میں انہوں نے کارہائے نمایاں کئے اور ان کی خدمات کو حکومت عراق نے مستعار لے لیا۔ اور خوب فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ شاہ فیصل ان کو اپنے ذاتی دوستوں میں شمار کرتے تھے۔ عراق سے واپسی کے بعد حیدر آباد دکن میں بھی پانچ برس کام کیا اور کئی عمدہ فارم بنائے۔ ۱۹۶۲ء میں وفات پائی۔ ان کا بیٹا میاں رشید احمد صوفی علیگڈھ کا تعلیم یافتہ ہے اور اس نے زراعت کے میدان میں ضلع لائل پور میں اونچا نام پیدا کیا ہے۔ ان کی بیٹی مجیدہ اختر کموڈور اسلام باری سلیمی سربراہ محکمہ جہاز سازی کی بیگم ہیں۔ دوسری بیٹی سلیم اختر ایم بی بی ایس لیڈی ڈاکٹر ہیں اور آجکل اپنے شوہر کے ہمراہ انگلستان میں ہیں۔ بڑی بیٹی رشید اختر ایم۔ اے پاس ہیں اور ہیڈ مسٹریس کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ چھوٹی بیٹی ربیعہ بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔

حضرت صوفی صاحب کے تیسرے بیٹے مسٹر جسٹس محمود علی صوفی نے پنجاب یونیورسٹی اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ اور مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو کر انڈین سول سروس میں

ملازم ہوئے۔ ملتان میں ڈپٹی کمشنر رہے پھر جوڈیشل لائن میں جا کر بہت نام پیدا کیا۔ تقسیم ملک کے وقت انٹی کورپشن ٹریبونل کے سربراہ تھے۔ تقسیم کے بعد پنجاب میں کسٹوڈین برائے جائداد مہاجرین لیگل اور پھر مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں مستقل جج کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۵۸ء میں وفات پائی۔ ان کا بڑا بیٹا ضیاء اکبر صوفی مکینیکل انجنیئر ہے اور کراچی میں اعلےٰ عہدے پر فائز ہے۔ دوسرا بیٹا مظہر اکبر صوفی ولایت میں چارٹرڈ اکاؤنٹینسی سیکھ رہا ہے۔ ان کی بیٹی مصباح نے ایم۔ اے انگلش کیا تھا۔ تیسرا بیٹا سہیل ایم۔ اے میں تعلیم پا رہا ہے۔

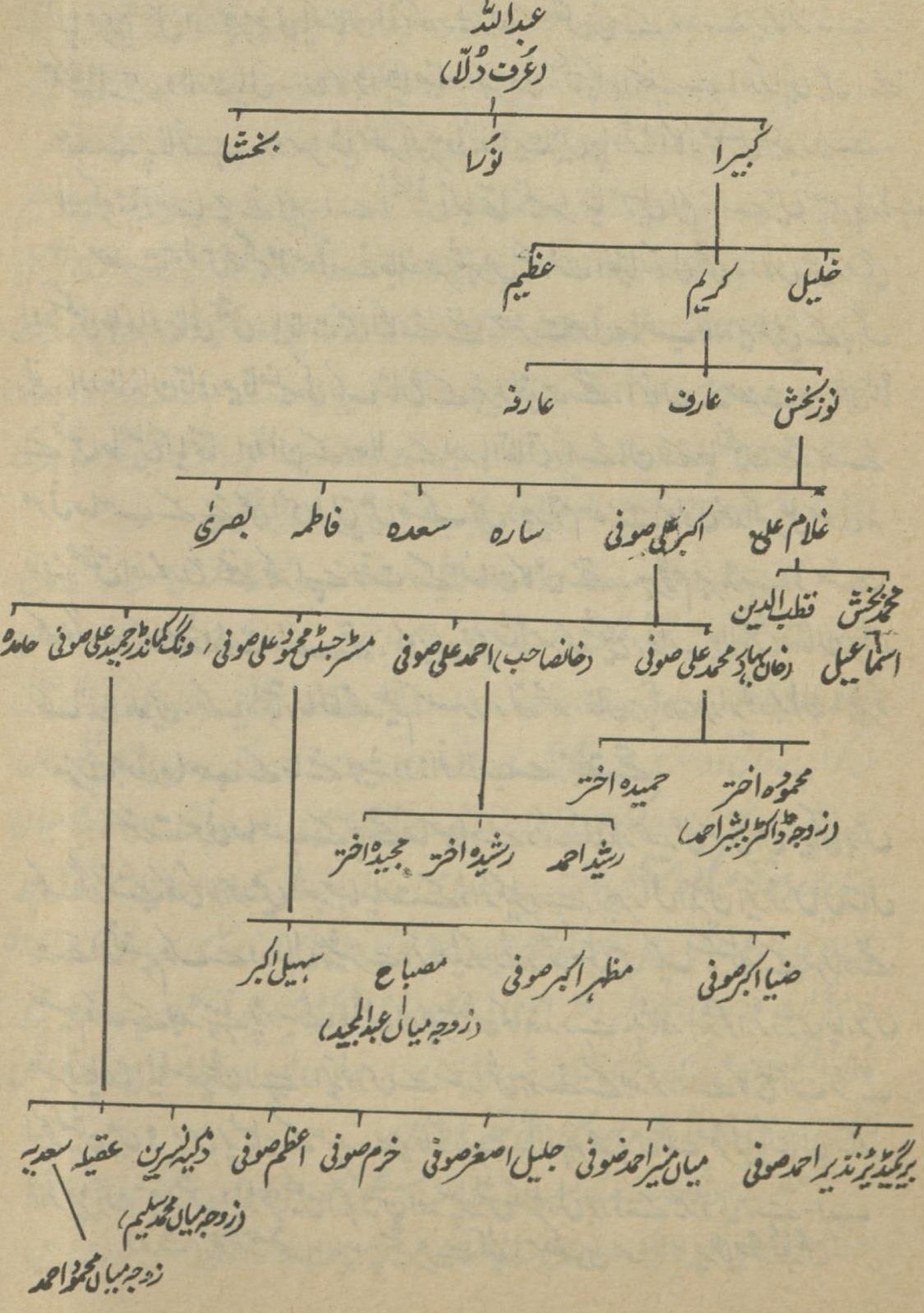
حضرت مولوی محمد اکبر علی صوفی نے جالندھر شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہاں ہی زرعی اور سکنی جائداد بنالی تھی۔ باغات بھی لگائے تھے۔ حضرت صوفی صاحب قادریہ طریق کے بزرگ تھے۔ اور خاندان قادریہ فاضلیہ کی ایک شاخ کے پیر طریقت تھے۔ انہوں نے حضرت پیر الٰہی شاہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور ان کے وصال کے بعد باتفاق رائے ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ صوفی صاحب کے بیٹے بھی اسی طریق میں منسلک ہیں۔ پیر قوم حضرت مولوی محمد اکبر علی صوفی نہ صرف محقق اور مورخ تھے بلکہ اپنے وقت کے انسان کامل تھے۔ ہر قوم ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کے حلقۂ ارادت منسلک تھے۔ اکابرین قوم مثلاً سر محمد شفیع، نواب مولا بخش، خان بہادر ملک تاج الدین۔ ملک التجار حافظ محمد حلیم، سردار نور محمد، خان بہادر سردار نور برہان وغیرہ حضرت صوفی صاحب کے سامنے ہمیشہ دو زانو ادب سے بیٹھتے تھے۔

حضرت صوفی صاحب کے چوتھے صاحبزادے ونگ کمانڈر حمید علی صوفی ہیں۔ یہ کئی برس تک گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ جسمانیات کے ڈائریکٹر رہے۔ پھر رائل انڈین ایئر فورس میں شامل ہوئے اور تقسیم ملک سے دو سال پیشتر سے ایئر ہیڈ کوارٹرز نئی دہلی میں ایک سیکشن کے سربراہ تھے۔ تقسیم ملک کے بعد پہلے پروسٹ مارشل اور پھر سٹیشن کمانڈر رہے۔ پشاور ہیڈ کوارٹرز میں چار برس افسر انچارج ایڈمنسٹریشن رہے۔ ایئر فورس سے سبکدوش ہونے کے بعد گورنمنٹ کالج آف فزیکل ایجوکیشن میں ۹ برس پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔ اور پھر چھ برس تک مغربی پاکستان کے ڈائریکٹر آف سپورٹس اینڈ فزیکل ایجوکیشن اور سپورٹس کنٹرول بورڈ کے سیکرٹری رہے۔ اب

(نوٹ) چونکہ صفحہ ۲۶۶ پر شجرہ ہے لہٰذا مضمون صـ ۲۶۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شجرۂ نسب

خاندان صوفی



ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے ذاتی فارم گلستان صوفیہ کے انتظام و انصرام میں مصروف رہتے ہیں۔ انہوں نے سپورٹس کے دائرہ میں پاکستان کی کئی دفعہ بیرونی ممالک میں نمائندگی کی ہے۔ یہ انجمن راعیان پاکستان کے کئی برس تک نائب صدر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا بریگیڈیر نذیر احمد صوفی پاکستان کے خاص فوجی افسروں میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرے بیٹے میاں نذیر احمد صوفی نے بزنس اور انڈسٹریل ڈویلپمنٹ میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ تیسرا بیٹا جمیل اصغر صوفی ایم اے ایڈمنسٹریشن کر چکا ہے۔ چوتھا خرم صوفی پاکستان آرمرڈ کور میں لیفٹیننٹ ہے۔ اور پانچواں بیٹا اعظم صوفی امریکہ میں انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ان کی بڑی بیٹی ذکیہ نسرین میاں محمد نسیم کی بیگم ہیں۔ یہ دس برس تک سیرالیون میں ہیرے کی کانوں کے بڑے افسر تھے۔ آجکل ایران میں کے افسر اعلیٰ ہیں۔ دوسری بیٹی عقیلہ میاں محمد سعید ایرپٹیسل منیجر سوئی گیس کی بیگم ہیں۔ تیسری بیٹی سعدیہ میاں محمود احمد کی بیگم ہیں۔ ان کا لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں وسیع کاروبار ہے۔

ان کی بیگم رضیہ جمیل صوفی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ رسمی تعلیم کے علاوہ انہوں نے فنون لطیفہ میں اعلیٰ تربیت ٹوکیو (جاپان) میں حاصل کی ہے۔ فن گڑیا سازی میں ان کا جواب نہیں۔ متعدد نمائشوں میں اول انعام حاصل کر چکی ہیں۔ ملکہ الزبتھ کے دورہ پاکستان کے موقعہ پر ان کی بنائی ہوئی "گرل گائیڈ" انہیں قلعہ لاہور میں تحفہ" پیش کی گئی تھی۔ خواتین کی بین الاقوامی انجمنوں کی روح رواں ہیں اور انجمن خواتین راعیاں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ اصلاح رسوم کی زور دار مؤید ہیں۔

(۱۱) میاں عبدالعزیز بیرسٹر مرحوم

میاں صاحب کی زندگی تاریخی کارناموں کا ایک دلکش مرقع ہے جس کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ انقلاب آفریں شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے عہد غلامی میں انگریزوں کیخلاف اس وقت بھی کلمہ حق کہا جب بڑے بڑے جوانمرد گوشہ نشین ہو جانے میں ہی مصلحت سمجھتے ہیں۔

میاں صاحب کا آبائی وطن لاہور ہے۔ آپ ۱۹ اگست ۱۸۷۲ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کی ننھیال تھی۔ بعد میں اپنے والد کے پاس پرورش پائی۔ آپ کے والد مولوی الٰہی بخش چیف کورٹ کے آخری اردو داں وکیل تھے۔ میاں صاحب نے ۱۸۹۲ء میں ہوشیارپور سے مڈل

کا امتحان پاس کیا - پھر لاہور آ گئے۔ ۱۸۹۲ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۹۵ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ ۱۸۹۸ء میں کامیاب ہو کر واپس آ گئے اور ہوشیارپور میں پریکٹس شروع کر دی۔ پھر میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی منتخب ہو گئے۔ انہوں نے مسلمان بچوں کی بہبود کی خاطر ۱۹۰۸ء میں وہاں اسلامیہ ہائی سکول کا اجراء کیا جس میں سکول، بورڈنگ ہاؤس اور مسجد کی تعمیر کی گئی۔ اس کا سنگِ بنیاد نواب وقار الملک نے ۱۹۰۸ء میں رکھا اور سر سید احمد خاں کے نبیرہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، میاں سر محمد شفیع، علامہ اقبال، جسٹس شاہ دین ہمایوں نے اس رسم میں شرکت کی۔

لاہور میں میاں صاحب نے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بڑا کام کیا بلکہ سیاسی پلیٹ فارم پر بحیثیت مجموعی ملک کی بڑی خدمت کی۔ ۱۹۱۸ء تک آپ صفِ اوّل کے کامیاب وکیل کی حیثیت سے پنجاب پر چھا چکے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ نافذ ہوا تو اس کے خلاف شدید احتجاج ہوا۔ اس موقع پر میاں صاحب نے بڑا کردار ادا کیا۔ کئی ہزار افراد پر مشتمل ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس ایکٹ کے خلاف آپ نے قرارداد تیار کی اور ایک نہایت زوردار تقریر کے بعد خود ہی اسے پیش کیا۔ اس وجہ سے اعلیٰ حکام اور میاں صاحب کے درمیان ٹھن گئی۔

انہی دنوں ہوشیارپور میونسپل کمیٹی کے انتخابات ہو رہے تھے جس میں حکومت اپنے طرفدار آدمیوں کو کامیاب کرانا چاہتی تھی۔ خلافت کمیٹی اور کانگرس دونوں ہی حکومت سے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر آئیں۔ چنانچہ ان کے تمام اجلاس میاں صاحب کے مکان پر انہی کی صدارت میں منعقد ہوتے رہے۔

انتخابات میں حکومت کو شکست ہوئی اور سارے قوم پرست عناصر منتخب ہوئے۔

اس وقت تک میاں صاحب کی پریکٹس کافی وسیع ہو چکی تھی۔ لہٰذا مقامی افراد کی مرضی کے خلاف آپ وسط نومبر ۱۹۱۹ء میں لاہور چلے آئے اور ہائیکورٹ میں پریکٹس شروع کی۔ دو سال میں ہی ہندوستان کے دوسرے صوبوں نے بھی آپ کی ذہانت اور قابلیت کا لوہا مان لیا۔

۱۹۲۰ء کے آخر میں میونسپل کمیٹی لاہور کے انتخابات ہوئے تو ان تمام امیدواروں کو قوم پرستوں نے شکست دی جن کی پشت پر انگریزی حکومت کی مدد تھی۔ میاں صاحب نہ صرف ممبر منتخب

ہوئے بلکہ میونسپل کمیٹی کے سینیئر وائس پریذیڈنٹ چُنے گئے۔ پریذیڈنٹ ڈپٹی کمشنر بلحاظ عہدہ ہوا کرتا تھا جو اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے کمیٹی کے اجلاسوں میں کم ہی آتا تھا۔ گویا اس طرح کمیٹی کا سارا کام میاں صاحب کے سپرد ہو گیا۔

۱۹۲۳ء میں پرنس آف ویلز کو (جو بعد میں شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم ہوئے) ہندوستان آنا تھا۔ اس زمانہ میں میونسپل کمیٹی لاہور نے دو اہم قراردادیں منظور کیں۔ ایک پرنس آف ویلز کی آمد پر کمیٹی کی طرف سے بائیکاٹ کی قرارداد تھی اور دوسری قرارداد لارڈ لارنس کا مجسمہ اٹھانے کے متعلق تھی۔ یہ مجسمہ مال روڈ پر نصب تھا اور اس کے نیچے انگریزی میں یہ حروف کندہ تھے۔

"تم پر قلم سے حکومت کی جائے یا تلوار سے؟"

ان قراردادوں کے منظور ہونے پر انگلستان میں تہلکہ مچ گیا اور وہاں کے اخبارات نے اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ قراردادیں لاہور میونسپل کمیٹی نے منظور کی تھیں اور لاہور کو ہندوستان میں خاص اہمیت حاصل تھی۔

حکومت کی انتہائی مخالفت کے باوجود آپ لاہور میونسپل کمیٹی کے تین مرتبہ پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اور دو مرتبہ میئر منتخب ہوئے۔

میاں عبدالعزیز پنجاب لیجسلیٹو کونسل اور پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے رہے درمیان میں ایک مرتبہ آپ نے اپنی نشست علامہ اقبال مرحوم کے لئے خالی چھوڑ دی اور خود کھڑے نہ ہوئے۔ علامہ اقبال کو کامیاب کرانے میں آپ نے بڑی مدد کی۔ علامہ اقبال سے آپ کے گہرے ذاتی مراسم تھے۔ اور فارسی کے مشہور شاعر مولانا گرامی کے تعلقات بھی میاں صاحب سے بہت گہرے تھے۔ ادھر علامہ اقبال مولانا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی علامہ صاحب میاں صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے۔

۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۶ء تک میاں صاحب متواتر پنجاب اسمبلی کے ممبر رہے۔ ۱۹۳۷ء کا الیکشن میاں صاحب نے مسلم لیگ کی حیثیت سے لڑا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس الیکشن میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر میاں عبدالعزیز اور ملک برکت علی ہی کامیاب ہوئے تھے۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں یونینسٹ پارٹی نے آپ کے کاغذات نامزدگی مسترد کرا دیئے تھے۔

میاں عبدالعزیز طویل عرصے تک انجمن ارائیان ہند کے پریذیڈنٹ رہے۔

بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ میاں عبدالعزیز انتہا پسند رہے ہیں اور انہوں نے زیادہ کام بائیں بازو میں کیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میاں صاحب انگریزی حکومت کا حصہ بن کر کام کرتے تو ان کی قابلیت ملک و ملت کے لئے زیادہ مفید ہوتی۔ یہ اپنا اپنا خیال ہے۔

جو بات وہ صحیح سمجھتے بے خوف کہہ دیتے اور اپنی بات کے پیچھے دلائل کی قطار کھڑی کر دیتے۔ کسی مسئلے پر کوئی ان سے اتفاق کرے یا نہ کرے مگر ہر آدمی کو ان کے خلوص اور عظمت کا قائل ہونا پڑتا۔

پاکستان بننے پر بھی مسلم لیگ ہماری مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے زعماء میاں صاحب کے مکان پر کانفرنسیں منعقد کرتے اور ان کے پاس ٹھہرتے رہے۔ قائداعظمؒ کے انتقال کے تھوڑا عرصہ بعد میاں صاحب کی آنکھوں کی بینائی زائل ہوگئی اور بیگی لیڈر سیاسی اقتدار کی چھینا جھپٹی میں مصروف ہو گئے۔ اس سے میاں صاحب کو کچھ فرصت میسّر آ گئی۔

میاں عبدالعزیز صاحب کے حالات زندگی کو پاکستان کی تحریک آزادی سے علیحدہ کر کے لکھنا ممکن نہیں اور اگر یہ حالات ان کے سیاسی پس منظر سمیت لکھے جائیں تو میاں صاحب کی سوانح عمری کئی جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

جب مسجد شہید گنج لاہور کا جھگڑا اچل رہا تھا اور سکھ اپنے قانونی حق سے دستبردار ہونے کے لئے کسی صورت میں تیار نہ تھے۔ اس دوران میں سکھوں نے پنجاب بھر سے جتھے منگوانے کا بھی انتظام کر لیا۔ چنانچہ لاہور میں ہر طرف سے جتھوں کی آمد شروع ہو گئی جو اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہوئے لاہور کے بازاروں سے گزرتے تھے جس سے سکھ مسلم کشیدگی نے انتہائی نازک صورت اختیار کر لی۔ مگر مسلمان اس اشتعال انگیزی کے باوجود پُر امن رہے کیونکہ حکمتِ عملی کا تقاضا یہی تھا۔

حکومت نے مسجد کے ارد گرد جانے والے تمام راستوں پر سخت پہرہ مقرر کر دیا اور یہ راستے مسلمانوں کے لئے قطعاً بند کر دیئے گئے تاکہ کہیں تصادم نہ ہو جائے۔

میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لاء نے قوم کی صحیح راہنمائی کی اور پروگرام بنایا کہ گورنر سر ایمرسن سے مل کر اس سلسلہ میں گفتگو کی جائے۔ چنانچہ میاں صاحب موصوف کی قیادت میں ایک وفد گورنر پنجاب سے ملا۔ میاں صاحب نے گورنر کے سامنے ہر قسم کے دلائل پیش کئے اور ہر ممکن طریقہ سے گورنر کو قائل کرنے کی پوری پوری کوشش کی مگر گورنر چونکہ درحقیقت مسجد کی شہادت چاہتا تھا اس لئے وہ ان کے دلائل کا قائل نہ ہوا۔

میاں صاحب چونکہ ایک بہت بڑے وکیل تھے انہوں نے گورنر کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے بلکہ دوسرا رُخ اختیار کیا تاکہ ملک کا امن و امان تباہ ہونے سے بچ جائے اور ذیل کی تین صورتیں پیش کیں۔

۱: حکومت اس مسجد کو زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری اپنی تحویل میں لے کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرا سکتی ہے۔

۲: حکومت اس مسجد کو دیگر آثار قدیمہ کی طرح اپنے قبضہ میں لے کر آثار قدیمہ کے سپرد کر دے

۳: حکومت مسلمانوں سے اس مسجد کی قیمت لے کر سکھوں کو ادا کر کے مسلمانوں کے حق میں آزاد کرا دے۔

میاں صاحب جب تیسری تجویز گورنر کو پیش کر رہے تھے۔ اس پر گورنر نے میاں صاحب سے سوال کیا کہ اگر سکھ اس مسجد کی بہت زیادہ قیمت کا مطالبہ کریں تو پھر کیا صورت ہوگی؟

میاں صاحب نے جواب دیا کہ اس وقت میری رہائشی کوٹھی لاہور بھر میں سب سے بڑی ہے جو بکی دروازہ کے باہر واقع ہے۔ جس میں لاکھوں کا گھریلو سامان بھی موجود ہے۔ اگر سکھ میری یہ کوٹھی مع ساز و سامان لے کر بھی مسجد آزاد کرنے کو تیار ہوں تو میری تمام جائیداد حاضر ہے اور میں اس کا قبضہ اسی وقت سکھوں کو دینے کو تیار ہوں۔ میاں صاحب نے بڑی جرات کے ساتھ کہا کہ میں ابھی اس پیش کش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوں۔

گورنر میاں صاحب کی اس پیش کش سے سخت گھبرا گیا کیونکہ میاں صاحب نے اپنی خداداد ذہانت اور ذکاوت سے گورنر کے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اس سے پیشتر گورنر تمام اخلاقی اپیلوں سے قطعاً متاثر نہ ہوا تھا۔ گورنر نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مجبور ہو کر

مسلمانوں کے وفد سے وعدہ کر لیا کہ ان کی یہ تجاویز سکھوں کے سامنے پیش کریں گے اور ساتھ ہی وعدہ کر لیا کہ مسجد کو فی الحال شہید نہیں کیا جائے گا۔

مگر گورنر نے مسجد کی شہادت سے پہلے راتوں رات شہید گنج کے تمام علاقہ کو فوج کے سپرد کر دیا۔ تمام اہم مقامات پر گورہ فوج متعین تھی۔ مسلمان کسی بھی راستہ سے مسجد تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ البتہ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ ریلوے روڈ کی اندرونی دیواروں سے مسجد کی شہادت کا دلسوز منظر نظر آتا تھا جسے دیکھ کر مسلمان آنسو بہاتے تھے۔

یہ دن اہل لاہور کے لئے قیامت سے کچھ کم نہ تھا۔ گورنر کی وعدہ خلافی کی وجہ سے مسلمان سخت برافروختہ تھے۔ ہر طرف ایمرسن کی بجائے "ایمر سنگھ" مردہ باد کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ مسجد سکھوں نے نہیں گورنر نے دھوکہ دے کر شہید کرائی ہے۔ علاوہ ازیں اس وقت ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ یہ سب کچھ سر فضل حسین کی سکیم کے تحت ہوا ہے۔

۱۱۔ جولائی کا دن اہل لاہور کے لئے قیامت کا دن تھا۔ سٹی کوتوالی کے سامنے گورا فوج موجود تھی۔ دہلی دروازہ، سرکلر روڈ، پل مصری شاہ ہر طرف مسلمانوں کا بے پناہ سمندر تھا۔ مسلمان بالکل نہتے اور پر امن تھے۔ گورا فوج نے ہر طرف بے تحاشا گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سینکڑوں آدمی شہید کر دیتے گئے۔ لاہور کی سڑکیں شہیدوں کے مقدس خون سے لالہ زار بن گئیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا صدر دفتر واقع برانڈرتھ روڈ بے شمار زخمیوں اور شہیدوں سے پر ہو گیا۔ تمام شہر کے ڈاکٹر آناً فاناً اس جگہ جمع ہو گئے جو زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ مگر گورا فوج برابر اپنی سفاکی کا ثبوت دے رہی تھی اور ہر طرف بے تحاشہ گولیاں برسا رہی تھی سڑکوں پر بے شمار لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

میاں عبدالعزیز نے جب گورا فوج کی یہ سفاکی دیکھی تو آپ سخت بے تاب ہو گئے۔ آپ نے گورنر کو فون پر صورت حال سے مطلع کیا اور فوری طور پر ملاقات کی اجازت چاہی۔ چنانچہ گورنر نے میاں صاحب کو گورنر ہاؤس پہنچنے کی تلقین کی۔

گولیوں کی بوچھاڑ میں میاں صاحب اپنی موٹر کار میں گورنر ہاؤس کے لئے سٹی کوتوالی سے گزرنے لگے تو آپ کی کار روک لی گئی۔ چنانچہ میاں صاحب نے فوجی افسروں کو بتایا کہ وہ گورنر

کو ملنے جارہے ہیں۔ میاں صاحب نے گورنر ہاؤس پہنچ کر گورنر کو بتایا کہ بے پناہ فائرنگ جاری ہے اور لوگ سخت غضبناک ہیں۔ چنانچہ گورنر کی مداخلت سے فائرنگ بند کر دی گئی

آج تک شہر لاہور میں جس قدر ہندو مسلم فسادات ہوئے میاں صاحب نے ہمیشہ قوم کی صحیح راہنمائی کی۔ ان کے مقدمات کی نہ صرف مفت پیروی کی بلکہ اپنی گرہ سے کافی خرچ بھی کیا کرتے تھے۔

قائد احرار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری فاتح قادیان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ ہائیکورٹ میں پیش ہوا۔ سرکار کی طرف سے وکیل مسٹر سلیم تھے اور ان کے مدِمقابل میاں عبدالعزیز نے اپنی قابلیت سے عدالت میں گواہوں پر ایسے انداز میں جرح کی کہ عدالت کو انہیں بری کرنا پڑا۔

خاکساروں کا خونی معرکہ جو ہیرا منڈی میں ہوا، اس مقدمہ کی تیاری میاں صاحب کی کوٹھی میں ہوتی رہی۔ اور جب تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا تو خاکساروں کی طرف سے میاں صاحب نے اہلِ کمیشن کو جس میں چیف جسٹس مسٹر ینگ اور جسٹس نعمت اللہ بھی شامل تھے، تمام جگہیں خود دکھائیں اور ثابت کیا کہ پولیس نے گھروں کے اندر جا کر گولیاں چلائی ہیں اور خاکساروں کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ ہیرا منڈی کی عنایت منزل میں بالکل اندرونی کمروں میں گولیوں کے نشانات اہل کمیشن کو دکھائے گئے اور اس طرح ثابت کیا کہ پولیس نے انتہائی تشدد سے خاکساروں کو قتل کیا ہے۔

چونکہ آج کا نوجوان طبقہ میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لاء کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ ایسے مردِ مجاہد، انگریزوں کے ازلی و ابدی دشمن، مسلمانوں کا درد رکھنے والے سیاستدان کا تھوڑا سا تعارف کرا دوں، جس کی زندگی کا مشن ہی فرنگی حکومت کی دیواروں کو لرزانا اور ہلانا تھا۔

میاں عبدالعزیز صاحب کے والد مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے بڑے نامی وکیل تھے۔ میاں صاحب نے وکالت میں اپنے باپ سے بڑھ کر نام پیدا کیا۔ ان کی شہرت فوجداری مقدمات کی وجہ سے ہوئی۔

وکالت کے ساتھ ساتھ میاں صاحب سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ آپ لاہور کی ارائیں برادری کے رکن اعظم ہیں۔ پاکستان سے پہلے ارائیں برادری رواج کی

پابند تھی۔ لڑکیوں کو شرعی حصہ جائیداد نہ دیتے تھے۔ میاں صاحب اس برادری میں پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے برادری کے اس رواج کے بت کو پاش پاش کیا اور کہا کہ شریعت محمدی سے انحراف کفر ہے۔ آپ نے رواج کی پابندی پہ لات ماری اور لڑکیوں کو شریعت کے مطابق جائیداد میں حصہ دیا۔ آپ کا یہ کارنامہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ آپ ایک موحّد خاندان کے فرد ہیں۔ مذہبی امور میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہزاروں روپے خرچ کرتے چلے آئے ہیں۔

میاں صاحب کی ذاتی کوٹھی جو بیرون یکی دروازہ واقع ہے، تحریک آزادی کا مرکز بنی۔ تمام نامور ہستیاں وہاں اکثر و بیشتر اکٹھی ہوتی رہتی تھیں جن میں علی برادران حضرت مولانا محمد علی مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، مولانا عبدالقادر قصوری، قائداعظم محمد علی جناح اور علماء میں سے حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد حسین بٹالوی، چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان۔

۱۹۲۹ء میں میاں صاحب میونسپلٹی کے صدر منتخب ہو گئے۔ ادھر ہندو سبھا کے صدر ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کو وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ بنا دیا گیا۔ ہندو مہاسبھا کا یہ وزیر میونسپلٹی میں مسلم اکثریت ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہندو اور مسلمان باری باری صدر ہوا کرے۔ میاں صاحب نے مہاسبھائی وزیر کی مخالفت کی اور اسے لوکل سیلف کی بجائے گوکل سیلف گورنمنٹ کا خطاب دیا۔

مہاسبھائی وزیر نے اپنے ترکش سے ایک تیر اور نکالا اور میاں صاحب پر بھرپور وار کیا لاہور کے ایڈیشنل کمشنر مسٹر ڈالسن کی صدارت میں سر ظفر علی اور راجہ سر دیا کشن کول پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کر دیا جس کے سپرد میونسپلٹی کے حسابات کی پڑتال کا کام کیا گیا۔ میاں صاحب کے حکم سے اس کمیشن کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ آپ نے اس کا جواز یہ پیش کیا کہ گورنمنٹ کے اعلان میں کمشنر لاہور کو صدر مقرر کیا گیا ہے اس لئے ایڈیشنل کمشنر صدارت کا مجاز نہیں لہذا یہ کمیٹی غیر قانونی ہے اور ہم اس کا بائیکاٹ کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اس اثناء میں لاہور میونسپل کمیٹی کے نئے انتخابات ہوئے۔ میاں عبدالعزیز نہ صرف منتخب

ہوئے بلکہ بھاری اکثریت سے دوبارہ صدر بھی چن لئے گئے۔ حکومت نے ان کی انگریز دشمنی کی بنا پر ان کا نام گزٹ کرنے سے انکار کر دیا۔ جب سر سکندر حیات مرحوم پنجاب کے قائمقام گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے میاں صاحب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ڈالسن رپورٹ ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی۔ میاں عبدالعزیز کی یہ ایسی فتح تھی جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

میاں صاحب کافی عرصہ تک پنجاب اسمبلی کے ممبر بھی رہے اور حکومت نواز ممبران کی اچھی طرح سرکوبی کرتے رہے۔

میاں صاحب میں جذبہ ایثار بہت بلند تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے کر ڈاکٹر محمد اقبال کو اپنے حلقہ سے ممبر کرا دیا۔

پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کا پہلا اجلاس ۳۶-۱۹۳۵ء میں میاں صاحب کے مکان پر ہی ہوا تھا۔ اس میں قائد اعظم، ملک برکت علی، علامہ اقبال، قائد ملت لیاقت علی خاں بھی موجود تھے۔

میاں عبدالعزیز ایک سچے مسلمان اور محب وطن ہیں۔ آپ انگریز بہادر کو مسلمان کا ازلی و ابدی دشمن قرار دیتے ہیں۔ میاں صاحب کے الفاظ ہیں کہ مجھے گلیڈسٹون کے الفاظ بہت دکھ رہے ہیں "جب تک قرآن باقی ہے دنیا کو امن نصیب نہیں ہو سکتا۔" آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ قوم ہماری دوست ہو سکتی ہے؟

میاں صاحب کو دو دفعہ حکومت کی طرف سے "نائٹ ہڈ" اور سر کا خطاب پیش کیا گیا جسے آپ نے پائے استحقار سے ٹھکرا کر خودداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ میاں صاحب کا اب انتقال ہو چکا ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر کیپٹن عبدالحفیظ

آپ لاہور کی تاریخی شخصیت میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے والد مولوی الٰہی بخش انجمن حمایت اسلام کے بانیوں میں سے تھے اور دہلی دروازہ کے رہنے والے تھے۔ لاہور منتقل ہونے سے پہلے انہوں نے ایک طویل عرصہ ہوشیارپور میں گزارا۔

ڈاکٹر حفیظ نے انجمن ہی کے اسکولوں میں تعلیم پائی اور مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ سے ایف۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے۔ وہاں برمنگھم

یونیورسٹی سے معدنیات اور طبقات الارض کے علوم میں ایم۔ ایس۔ سی کیا۔ اس کے بعد انہی علوم میں ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ انگریز کو چڑانے کے لئے انہوں نے امیر حبیب اللہ والیٔ افغانستان کے نام معنون کر دیا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ مقالہ منظور ہو جانے کے باوجود انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہ دی گئی۔ بہانہ یہ تراشا گیا کہ قواعد کے اعتبار سے ایم ایس سی کرنے کے پانچ سال بعد مقالہ پیش کرنا چاہیئے تھا بصورت دیگر ڈگری نہیں مل سکتی۔

انگلستان میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب کا ان تمام انقلاب پسند ہندوستانی نوجوانوں سے گہرا رابطہ تھا جو انگریز کو ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ مثلاً مسز سروجنی نائیڈو کے بھائی چٹو پادھیا اور دہلی کے ہردیال ان کے دوست تھے لیکن بنیادی طور پر آپ پان اسلام ازم کے حامی تھے۔

اسی دوران ان کی ملاقات "انور بے" سے بھی ہوئی۔ وہ بعد ازاں ترکیہ کی تاریخ کا ایک اہم کردار بنے اور انور پاشا کے نام سے مشہور ہوئے۔ انور پاشا اگرچہ ترکیہ کے سفیر کے فوجی اتاشی کی حیثیت سے جرمنی میں مقیم تھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب ان سے ملتے رہتے تھے حتیٰ کہ دونوں میں باہمی دوستی کا رشتہ پختہ ہو گیا۔ اور جب ایک سال ہندوستان میں گزار کر آپ دوبارہ یورپ گئے اور جرمنی کی لائپ یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تو وہاں ایک انقلابی انجمن بنائی جس میں ہردیال وغیرہ بھی خفیہ طور پر شامل تھے۔

ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد انور پاشا کی ہدایات پر شکاگو چلے گئے اور وہاں کیمیاوی اجزا تیار کرنے والے ایک ادارے ایبٹ ایلکے لاڈل کمپنی سے وابستہ ہو گئے۔ اس اثناء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ چکی تھی انور پاشا اپنے ملکی محاذ پر کام کر رہے تھے۔ انجمن اتحاد و ترقی جس میں ترکیہ کے تمام انقلابی اور جمہوریت پسند راہنما شامل تھے ترک نوجوانوں کا ذہن تبدیل کر دیا تھا۔ وہ سلطان عبدالحمید کو ملک میں دستوری حکومت قائم کرنے پر مجبور کر رہے تھے تاکہ شخصی ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو سکے۔ آخر کار اس انقلابی تحریک کے سبب سلطان عبدالحمید کو تخت چھوڑنا پڑا۔

یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ مصر اور فرانس جن کی سرحدیں طرابلس سے ملتی تھیں غیر جانبدار رہے۔ انور پاشا بھیس بدل کر طرابلس پہنچے۔ وہاں عربوں کو منظم کیا اور

۲۱، دسمبر کو شکست دی۔ اس سے قبل جنگ بلقان بھی چھڑ چکی تھی۔ بلغاریہ اور یونان بھی اعلان جنگ کر رہے تھے۔ انور پاشا فوراً قسطنطنیہ پہنچے۔ وہاں سے ۲۴، دسمبر کو شتلجہ گئے اور ترک فوجوں کی دوبارہ تنظیم کی۔ ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء کو ترکوں نے بلغاریہ اور یونان کو بھی شکست دیدی اب انور پاشا وزیر جنگ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

۱۴، اگست ۱۹۱۴ء کو پورا یورپ پہلی جنگ عظیم کی لپیٹ میں آگیا۔ ترک پچھلے دو سالوں میں طرابلس اور بلقان کی جنگ لڑ چکے تھے اور تھکے ماندے تھے۔ جنگ عظیم کے ابتدائی ایام میں ترکیہ غیر جانبدار رہا۔ انور پاشا کے ہم جلیس وزراء اور انجمن اتحاد و ترقی کے اکثر ارکان جنگ میں شرکت کے مخالف تھے مگر انور پاشا موید تھے۔ وہ ترک احرار کے جذبات سے آگاہ تھے جو جنگ طرابلس کے دوران ترک عساکر کو اٹلی کے مقابلے پر جانے سے روکنے کے باعث برطانیہ سے سخت بددل تھے۔

دریں اثناء حکومت ترکیہ نے برطانیہ کے ایک جہاز ساز کارخانے کو اپنے لئے دو جنگی جہاز تیار کرنے کا آرڈر دے رکھا تھا جنگ شروع ہوئی تو برطانیہ نے اپنی ضرورت کے تحت یہ دونوں جہاز روک لئے۔ ادھر جرمنی اپنا حلیف ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے موقع غنیمت جان کر اپنے دو جنگی جہاز ترکیہ کے حوالے کر دیئے اور ترکوں نے جرمنی کی طرفداری کا فیصلہ کر لیا۔

ان حالات میں انور پاشا نے مجھے[1] ترکیہ طلب کر لیا۔ میں استنبول پہنچا۔ وہاں تمام سرکردہ قائدین سے میں ذاتی طور پر متعارف تھا۔ انہوں نے مجھے ابتداء میں کچھ سیاسی نوعیت کا کام کرنے کو دیا جو بن غازی سے متعلق تھا۔ میں نے یہ کام چند ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں کیا۔ مجھے واپس بلا لیا گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ میں آسٹریا کے اسلحہ ساز کارخانوں میں کام کروں۔ چونکہ سول افسر کو بھیجا نہ جا سکتا تھا اس لئے مجھے کیپٹن کا فوجی عہدہ دے کر وی آنا بھیج دیا گیا۔ جہاں سے میں پہلی جنگ عظیم کے اواخر تک ترکیہ کو اسلحہ و بارود مہیا کرتا رہا۔

میں جس کارخانے میں بھیجا گیا تھا وہ وی آنا سے کچھ فاصلے پر تھا اور اس کا نام "بلوماڈ پاوڈر فیکٹری" تھا لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد سیاسی اور فوجی حالات تبدیل ہو گئے۔ میں نے

---

[1] ڈاکٹر عبدالحفیظ

وی آنا سے استنبول واپس جانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اب اسلحہ ساز کارخانے کا ڈائریکٹر تبدیل ہو چکا تھا لیکن وہ میری علمیت اور اس کام میں میرے تجربے سے بخوبی واقف تھا چنانچہ مجھے اس شرط پر دوبارہ چیف کیمسٹ بنا دیا گیا کہ ہفتے کے روز جب کارخانے کا سرکاری معائنہ ہوتا ہے میں کارخانے سے باہر رہا کروں۔

اس عرصے میں وی آنا کے ایک وضع دار اور علم دوست متوسط گھرانے سے میرے مراسم پیدا ہو گئے۔ خاندان کے سربراہ کا نام مسٹر نمراشتر تھا۔ وہ تثلیث کے تصوّر سے متنفر تھے اور کلیسا کو چھوڑ چکے تھے۔ ان کی بیٹی اینا نمراشتر سے میری شادی ہو گئی اور میرے دو بچّے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ میرا بچہ عارف اقموط آجکل فارن سروس میں ہے اور بیٹی حمیدہ ترکستان کے ایک ممتاز تعمیر دان نصیر الدین مراد بے کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے۔ یہ وہی مراد خاں ہیں جنہوں نے "یادگار قرار داد پاکستان کی تعمیر کا خاکہ تیار کیا تھا اور اب اپنی نگرانی میں اسے تعمیر کروا رہے ہیں۔

حالات سدھرنے پر میں واپس ترکیہ چلا گیا اور وہاں مجھے فوجی اسلحہ و بارود ساز کارخانے کے قیام کا کام سپرد کیا گیا اور چیف کیمسٹ کے عہدے پر فائز رہا۔ اس عرصہ میں مصطفےٰ کمال انگورا میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ ان کی جماعت نے ترک پارلیمان میں تنسیخ خلافت اور شاہی خاندان کی جلاوطنی کی تحریک پیش کی تو غازی رؤف پاشا جن کی بحری قابلیت سے انگریز ہر وقت دہشت زدہ رہتا تھا انور پاشا، خالدہ ادیب خانم اور دیگر محبانِ وطن نے اس سے اختلاف کیا اور اس بات پر زور دیا کہ ترکیہ سے مسلمانانِ عالم کے رشتے کو منقطع نہ کیا جائے مگر مصطفےٰ کمال رضامند نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلی جنگ عظیم نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو مسندِ خلافت سے کوئی شغف نہیں رہا ورنہ کیا وجہ تھی کہ وہ خلافتِ اسلامیہ کے احترام کے باوجود خلافتِ اسلام کے مقابل صف آرا ہوئے۔ انجام کار تنسیخ خلافت کی قرار داد منظور ہو گئی۔ انور پاشا، رؤف پاشا خالدہ ادیب خانم جن کے سپرد وزارت معارف تھی اور دیگر ممتاز شخصیتوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔

انور پاشا محب وطن تھے۔ مصلحت کا تقاضہ تھا کہ وہ خاموش رہیں لیکن ان کا تجزیہ تھا کہ مسیحیت کے نزدیک ترکیہ کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ توحید پرست اور عالم اسلام کا مرکز ہے اس کی مرکزیت کو ختم کر دینے سے اس کی اصل طاقت ختم ہو جائے گی۔ اور مصطفےٰ کمال نے تنسیخ

خلافت سے بالواسطہ انگریز کے مقاصد کو تقویت پہنچائی ہے۔ چنانچہ وہ بھی وزارت جنگ سے مستعفی ہو کر ترکیہ سے نکل گئے اور ترکستان (بخارا) میں نئی جمہوریت کے قیام کے بعد فوجی تنظیم کا کام ان کے سپرد کر دیا گیا اور وہ عثمان خسروزئی صدر جمہوریہ کے تعاون سے ایک بار پھر عالمگیر اتحاد اسلامی کے لئے کوشش کرنے لگے۔

اب میرے لئے ترکیہ میں قیام مشکل تھا کیونکہ میں بھی انہی رفقاء کے زمرے میں آتا تھا جو جلاوطن کئے گئے تھے۔ ادھر مجھے امیر امان اللہ خاں نے افغانستان بلا لیا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں افغانستان میں معدنی ذخائر کا سروے کروں اور پھر کابل میں اسلحہ و بارود کا کارخانہ قائم کروں۔ اس سلسلے میں مجھے ضروری سامان اور مشینری خریدنے کے لئے پیرس بھیجا گیا۔ میرے بعد افغانستان کے حالات میں بھی یکلخت تبدیلی آگئی۔ امیر امان اللہ خاں کے خسر طرزی انگریزوں کے ہاتھ میں کھیل رہے تھے۔ انہوں نے مشینری کے لئے رقم بھجوانے سے انکار کر دیا۔ نادر شاہ کو درپردہ جلاوطن کر دیا گیا۔ اور بالآخر امیر امان اللہ کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ میں دوبارہ انقرہ اور وہاں سے وی آنا چلا گیا۔

آپ کچھ کہیں میرا اب بھی ایمان ہے کہ ترکوں کی تقویت ہی میں عالم اسلام کی نجات ممکن ہے۔ ان کے بارے میں عربوں کا وطیرہ درست نہیں۔ خلافت اسلامیہ کا تصور کل بھی ضروری تھا اور آج بھی ضروری ہے۔ آپ ترک قوم کو تنہا نہ چھوڑیں۔

قصہ کوتاہ، پاکستان بن گیا اور میں یہاں چلا آیا۔ میں چالیس سال تک ملک سے باہر رہا اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بھولا کہ مادر وطن پر انگریزوں کا قبضہ ہے۔ عالم اسلام کے اتحاد کے سلسلے میں ہماری کوششیں اگر بارآور ہو جاتیں تو بخدا ریاض رسول کی مہک یہاں تک آتی۔

پاکستان آنے کے ایک سال بعد وزیر خزانہ غلام محمد نے مجھے کراچی بلایا اور کہا کہ آپ اس کمیشن میں شامل ہو جائیں جو فوجوں کے لئے اسلحہ ساز کارخانے کے قیام کے لئے بنایا گیا ہے میں نے اتفاق کیا۔ وطن کی خدمت کا جذبہ تو پہلے ہی حرز جان بنا ہوا تھا۔ مجھے ایک طویل عرصہ ملک سے باہر رہنے کے باعث یہ خوش فہمی بھی تھی کہ جس قوم نے انگریز کو ملک سے نکل جانے

پر مجبور کر دیا اس کا شعور پختہ اور تدبر بے مثال ہو گا لیکن خیال غلط نکلا چنانچہ میں مستعفی ہو گیا۔ استعفا کی بنیادی وجہ اس وقت کے ڈیفنس سیکرٹری اسکندر مرزا کا طرزِ عمل ہے جس میں مجھے حبِّ وطن کا فقدان نظر آیا، لیکن دوسرے اکابرینِ حکومت کا رویہ بھی مایوس کن تھا۔ مجھے صدمہ اس بات کا تھا کہ میرے پاس کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہے جو پورے برصغیر میں کسی کے پاس نہ تھی۔ میں اسلحہ ساز کارخانوں کے قیام میں کامیاب تجربے کر چکا تھا اور وی آنا کے اسلحہ ساز کارخانے میں تیس ہزار افراد کا عملہ میری تحویل میں تھا مگر یہاں ۱۹۴۸ء میں ۱۹۰۱ء کے تصورات کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے بن رہے تھے۔

خیر بیکار بیٹھنے والا تو میں بھی نہ تھا۔ راولپنڈی سے واپس آ کر پنجاب یونیورسٹی میں چار سال تک ترکی زبان پڑھاتا رہا۔ اس موضوع پر کوئی اچھی کتاب نہ تھی۔ میں نے دو جلدوں پر ترکی زبان کی گرامر لکھی مگر جب چھپی تو اس کا اصلی دیباچہ نکال دیا گیا تھا۔

اب میری صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ میری بیوی وی آنا میں تھی۔ میں اسے لینے کے لئے آسٹریا چلا گیا۔ وہاں ایک عرصہ قیام کرنے کے بعد بیوی کے ہمراہ واپس آیا۔ اس وقت پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا ہو چکا تھا۔ میں نے وی آنا اور میونخ میں بھی علاج کرایا مگر ہمارا زرمبادلہ ختم ہو چکا تھا اس لئے جلد واپس آنا پڑا۔ یہاں حکیم نیر واسطی نے جو ترکی زبان سیکھنے میں میرے شاگرد ہیں میرے علاج کے لئے دوڑ دھوپ کی اور اب اس مرض کے ممتاز ماہر ڈاکٹر عزیز کے زیرِ علاج ہوں۔ بیحد کمزور ہو گیا ہوں۔ آخر میری سرگذشت بھی تو تمام ہو گئی۔

ان کے بڑے بھائی میاں عبد العزیز نے بتایا کہ ڈاکٹر عبد الحفیظ مجھ سے دس سال چھوٹے ہیں اور وہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے اس وقت ان کی عمر بیاسی سال ہے۔ بھائی صاحب (وہ اپنے چھوٹے بھائی کا نام کمال ادب سے لے رہے تھے) کے قیام یورپ کے دوران ان کی تمام سرگرمیوں کی رپورٹ ہندوستان میں مرتب ہوتی رہی اور آخر اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل سی آئی ڈی سر چارلس کلیولینڈ نے مجھے شملہ بلوا کر مسل دکھائی جو بلا مبالغہ کاغذوں کے ایک انبار سے کم نہ تھی۔ ان کی بیرونِ ملک مصروفیات کو ہندوستان میں انگریز کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کا نام دیا گیا۔ میں خاموش رہا۔

اس دوران دوسری جنگ عظیم بھی ختم ہو چکی تھی۔ سب باغیوں کو واپس جانے کی اجازت مل گئی لیکن بھائی صاحب پر وطن کے دروازے بند تھے۔ پنجاب اسمبلی میں بھی اس سلسلے میں سوالات کئے گئے مگر حکومت یہ کہہ کر خاموش ہو جاتی کہ ہم اس کا جواب دینے کو تیار نہیں جب ۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو میں نے سردار پٹیل کو اس سلسلے میں لکھا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پھر پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے مشترک دوست رائے زادہ ہنسراج سوندھی کے ذریعے سردار پٹیل کو دہلی پیغام بھجوایا، تب کہیں جا کر انہیں وطن واپس آنے کی اجازت ملی۔ پاکستان آنے سے پہلے وہ ترکیہ میں ایک بار پھر ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔

آج مادرِ وطن کا یہ عظیم فرزند جس کا نام سنتے ہی ترکوں کی نگاہیں ادب سے جھک جاتی ہیں اپنے وطن میں یوں گوشۂ گمنامی میں زندگی کے آخری ایام گزار رہا ہے۔ جن ہاتھوں کو کبھی انور پاشا، رؤف پاشا اور امیر امان اللہ خاں ایسے لوگوں کے ہاتھ تھاما کرتے تھے آج ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اتنا کہنے والا بھی کوئی نہیں کہ اے برصغیر کے مایۂ ناز مجاہد! میں تیرے مبارک ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے چومتا ہوں تاکہ ان میں بھی وہی نور پیدا ہو سکے جس نے استنبول اور انقرہ کو جگمگا دیا تھا لیکن نہیں ہم اس قوم کے سپوت نہیں جو کسی کی زندگی ہی میں اس کی خدمات کا اعتراف کرنا جانتی ہو۔

افسوس ڈاکٹر صاحب کا انتقال ۱۰ جولائی بروز جمعۃ المبارک ۱۹۶۴ء کو ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

(۱۳) کیپٹن ظفر حسن ایبک

کیپٹن ظفر حسن ایبک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کے طالب علم تھے کہ جنگ عظیم اوّل شروع ہو گئی جس میں ترک قوم نے انگریزوں کے خلاف لڑنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے ہندوستان کے مسلمان بہت بے چین ہوئے۔ چنانچہ لاہور کے کالجوں کے چودہ نوجوان اپنے اپنے کالج چھوڑ کر افغانستان چلے گئے تاکہ وہاں سے ترکی پہنچ کر سلطان روم کی افواج میں شامل ہوں اور انگریزوں کے خلاف لڑیں۔ ظفر حسن ایبک اس وقت

ملک سے باہر ہیں۔ افغانستان، ایران اور ترکی و روس میں تمام عمر گزار دی اور اب ترک قومیت اختیار کی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے حالات تین حصوں میں لکھے ہیں۔ یہ چھپ کر تیار ہیں اور منصور بک ہاؤس کچہری روڈ لاہور سے مل سکتے ہیں۔

قوم کے نوجوان ایسے بزرگوں کے حالات پڑھ کر جتنا فخر کریں کم ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قبلہ میاں عبدالباری صاحب بی اے سابق ممبر نیشنل اسمبلی بھی ان چودہ نوجوانوں کی اس جماعت میں شامل تھے لیکن حوادثِ زمانہ نے آپ کو جبراً ہندوستان جلد ہی بھجوا دیا۔ آپ مولوی محمد جعفر تھانیسری کے قریبی بھتیجے تھے اور تھانیسر میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

(۱۴) میاں بشیر احمد بیرسٹر
(سابق سفیر ترکی)

میاں بشیر احمد ارائیں قبیلے کے ممتاز ترین خاندان یعنی باغبان پورہ کی میاں فیملی کے چشم و چراغ ہیں۔ اس فیملی کا سراغ سب سے پہلے مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ملتا ہے۔ اس خاندان کے اس زمانہ کے مورث محمد اسحاق تھے، عہد اکبری میں انہوں نے لاہور کے قریب ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام اسحاق پور رکھا گیا۔ بعد میں شاہی انجنیروں کو زمین کا یہ خطہ بہت پسند آیا اور انہوں نے اسحاق پور کا رقبہ شالامار باغ لگانے کے لئے چن لیا۔ چنانچہ لاہور کا شالامار باغ اسی جگہ واقع ہے جہاں اسحاق پور ہوا کرتا تھا۔ حکومت مغلیہ نے شالامار باغ کے قریب ہی محمد اسحاق کو زمین کا ایک خطہ دے دیا جس پر محمد اسحاق نے ایک نیا گاؤں باغبان پورہ کے نام سے آباد کر لیا۔

شاہجہان کے عہد میں اس خاندان کے مورث میاں محمد یوسف المعروف بہ مہر مہنگا تھے۔ حکومت نے ان کو شالامار باغ کا داروغہ بنایا۔ ان کا مزار باغبان پورہ میں موجود ہے۔

میاں محمد یوسف کے بیٹے کا نام میاں محمد فاضل تھا۔ اورنگ زیب کے دربار میں میاں محمد فاضل کا بڑا اعزاز تھا اور اورنگ زیب کی مہمات دکن میں یہ ان کے ہمراہ رہے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں ان کو نواب کا خطاب ملا اور بعد میں نواب محمد فاضل کے نام سے مشہور ہوئے۔

نواب محمد فاضل کے بیٹے میاں لطف اللہ اور میاں لطف اللہ کے بیٹے میاں عظیم اللہ تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام میاں رحیم بخش اور دوسرے کا میاں رحیم اللہ تھا۔ میاں

رحیم بخش کے بیٹے میاں قادر بخش نادر اور میاں کریم بخش تھے۔ میاں قادر بخش نادر وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایماء پر توپ سازی کا فن سیکھا۔ پھر ایک توپ فتح جنگ بنائی اور فن توپ سازی پر ایک کتاب "مفتاح القلعہ" لکھی۔ میاں قادر بخش نادر کے بیٹے میاں نظام الدین تھے اور میاں نظام الدین کے بیٹے جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں تھے۔

اس خاندان میں سب سے پہلے میاں ظہور الدین نے ترقی کی جو میاں شاہ نواز مرحوم کے باپ تھے۔ میاں ظہور دین بڑے ذہین اور طباع تھے شعر خوب کہتے تھے۔ ڈاکٹر لائٹنر ڈائریکٹر محکمہ تعلیم نے مولانا محمد حسین آزاد کے توسط سے "انجمن پنجاب" قائم کی تھی۔ اس انجمن کے ایک اجلاس میں میاں ظہور دین نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع تھا:

تو عندلیب جس کی محبت میں زار ہے
اب جھاڑیوں میں کھیل کر جاتی بہار ہے

ڈاکٹر لائٹنر کو یہ غزل بہت پسند آئی۔ میاں ظہور دین کا عنفوان شباب تھا۔ سرپرستی کے طور پر ڈائریکٹر صاحب نے میاں ظہور الدین کو ان کے شوق کے پیش نظر وکالت کا امتحان دینے کی اجازت دلا دی۔ وکالت پاس کرنے کے بعد میاں ظہور دین نے ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں پریکٹس شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ صوبہ سرحد کے یکتا وکیل شمار ہونے لگے اور دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ انہوں نے جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں مرحوم کو اور بعد میں میاں سر محمد شفیع مرحوم کو تعلیم کے لئے ولایت بھجوایا۔

جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں بچپن سے ہی بڑے جفاکش اور محنتی تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول رنگ محل میں پائی۔ اس لئے روزانہ باغبانپورہ سے پیدل رنگ محل تک آتے اور وہ بھی اس طرح کہ ایک روایت کے مطابق وہ علی الصبح ایک دودھ والے تیز رفتار ریڑھے کے ساتھ ساتھ باغبان پورہ سے دوڑتے اور ریڑھے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے اس طرح بھاگم بھاگ رنگ محل پہنچ جاتے۔ خان بہادر میاں تاج الدین مرحوم بھی ان کے ہمراہ ہوتے وہ بھی خوب دوڑتے۔

میاں شاہ دین مرحوم انیس برس کے تھے کہ بیرسٹری پاس کرنے کے لئے انگلستان

تشریف لے گئے۔ واپس آکر بائیس سال کی عمر میں پریکٹس شروع کی پچیس برس کی عمر میں انہیں سر سیدؒ احمد خاں مرحوم کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر چنا گیا۔ مسلم لیگ کے جس اجلاس (منعقدہ مارچ ۱۹۰۸ء) میں لیگ کا کانسٹی ٹیوشن بنا اس کی صدارت میاں شاہ دین ہمایوں نے کی۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلم لیگ کے سب سے پہلے صدر میاں صاحب مرحوم تھے میاں شاہ دین ہمایوں بیک وقت، شاعر، عالم، مفکرؔ اور ریفارمر تھے۔ خدا نے ان کی ذات میں کئی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں۔ دراصل میاں شاہ دین ہمایوں اندازِ فکر اور وسعت کے خیال کے لحاظ سے سر سید احمد خاں اور سیدامیر علی کے ہم پایہ تھے۔

یہ تھا وہ ماحول، وہ خاندان اور وہ ابو ہت جس میں میاں بشیر احمد کی پیدائش ہوئی، میاں بشیر احمد جمعرات کی صبح ۲۹، مارچ ۱۸۹۳ء کو اپنے ننھیال کے ہاں باغبانپورہ میں پیدا ہوئے اور چند سال وہیں رہے۔ آپ کے والد محترم بیرسٹری پاس کر کے آئے تو چند مہینے اپنے بھائی میاں ظہور دین کے پاس ڈیرہ اسمٰعیل خاں رہے۔ اس کے بعد لاہور واپس آگئے۔ موری دروازہ کے باہر ایک کوٹھی لے لی اور وہیں پریکٹس کرنے لگے اور اس میں بے حد منہمک ہوئے۔ لیکن ہفتے میں دو مرتبہ باغبان پورہ چلے جاتے تھے۔

میاں بشیر احمد بچپن میں بہت شرمیلے تھے اور اکثر گھر پر ہی رہتے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ اپنی سوسائٹی میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ آپ نے ایک سال تک الہٰ دین کی مسجد میں تعلیم پائی۔ پھر سنٹرل ماڈل سکول میں داخل ہوئے۔ سکول میں سائنس لازمی مضمون تھا۔ آپ کو ریاضی اور سائنس میں کبھی دلچسپی پیدا نہ ہوئی اور ان مضامین میں اکثر فیل ہوتے رہے۔ ریاضی کی کمزوری پر آپ کو افسوس کی بجائے ہمیشہ فخر رہا۔ عربی سے بہت لگاؤ تھا۔ انگریزی بھی خوب تھی۔ خاص دلچسپی تاریخ سے تھی۔ عربی اور تاریخ سے دلچسپی تمام عمر قائم رہی۔ نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن حکیم ختم کر لیا تھا اور اردو میں بہت رواں تھے۔ اپنے والد محترم کی اردو کتب چرا کر پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

پندرہ سال کی عمر میں آپ نے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا اور گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے۔ کالج میں عربی میں اوّل آتے رہے۔ ایف اے کرنے کے بعد جون ۱۹۱۰ء میں

انگلینڈ چلے گئے۔ وہاں آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ آنرز ان ماڈرن ہسٹری کے ساتھ آپ جون ۱۹۱۳ء میں بیس سال کی عمر میں گریجوایٹ ہوئے اور اوّل آئے۔ ایک مسلمان طالب علم اور وہ بھی ہندوستانی مسلمان طالب کا آکسفورڈ یونیورسٹی میں اوّل آنا یقیناً ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ساتھ ساتھ آپ نے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن بیرسٹری کی صورت میں یہ مجبوری پیش آگئی کہ قواعد کے مطابق اکیس سال سے کم عمر کا امیدوار بیرسٹر نہیں بن سکتا تھا۔ لہذا بیرسٹری کی ٹرم پوری کر لینے کے باوجود آخری امتحان دینے کے لئے آپ کو کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۱۴ء میں آپ بیرسٹر بنے۔

یہ قیصر ولیم کا زمانہ تھا۔ آسٹریا اور سربیا کے درمیان ۱۹۱۴ء جون میں ہی جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں۔ اسی سال پانچ اگست کو باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی جسے تاریخ پہلی عالمگیر جنگ سے موسوم کرتی ہے۔ اس صورت حال میں میاں شاہ دین ہمایوں نے میاں بشیر احمد کو بذریعہ تار واپس لوٹنے کی ہدایت کی۔ اس وقت تک سمندروں میں سرنگیں پھیلائی جا چکی تھیں۔ کوئی سمندری راستہ محفوظ نہ تھا جس جہاز میں میاں بشیر احمد سوار ہوئے اس کا تعاقب ایک جرمنی جہاز نے کیا مگر آپ اواخر ستمبر ۱۹۱۴ء میں بخیریت واپس پہنچ گئے۔ یہاں آٹھ مہینے آرام کے بعد آپ نے بیرسٹری کا کام شروع کیا۔

۱۷، نومبر ۱۹۱۷ء کو میاں بشیر احمد کی شادی میاں سر محمد شفیع مرحوم کی صاحبزادی محترمہ گیتی آرا بیگم سے اور میاں سر محمد شفیع کے صاحبزادے میاں محمد رفیع کی شادی میاں شاہ دین کی صاحبزادی اصغری بیگم سے ہوئی۔ میاں بشیر احمد نے اپنی بہن اصغری بیگم کو رازدار بنا لیا اور کہا کہ وہ ابا کو بتا دیں کہ مجھے بیرسٹری سے کوئی دلچسپی نہیں، میں پروفیسر بننا چاہتا ہوں۔ میاں شاہ دین نے اصغری بیگم کی زبان سے یہ ماجرا سُنا تو فرمایا:

"میں چاہتا تھا کہ بشیر ملک و قوم کے زیادہ سے زیادہ کام آئے اور یہ بیرسٹری ہی کے ذریعے ممکن تھا۔ بہر حال اگر اسے یہ منظور نہیں تو میں مخالفت نہیں کرتا۔"

اس وقت علی گڑھ میں ہسٹری کے پروفیسر کی آسامی خالی تھی۔ گھر میں یہ آسامی زیر بحث

آئی تو میاں بشیر احمد کی والدہ محترمہ زیب النساء لیڈی شاہ دین نے شدید مخالفت کی کیونکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اتنی دور بھیجنا نہیں چاہتی تھیں اس پر میاں شاہ دین ہمایوں نے مشورہ دیا کہ میاں بشیر احمد اسلامیہ کالج لاہور میں ہسٹری کے آنریری پروفیسر لگ جائیں اس شرط پہ کہ آئندہ قانون ساز اسمبلیوں میں جائیں اور ملک و قوم کی سیاسی عقدہ کشائی میں حصہ لیں۔

چنانچہ مارچ ۱۹۱۶ء میں انجمن حمایت اسلام کا جلسہ منعقد ہوا تو میاں سر محمد شفیع مرحوم نے میاں بشیر احمد کو سٹیج پر کھڑا کر کے اپنی طرف سے اور میاں شاہ دین کی طرف سے قوم کے حضور پیش کر دیا کہ آج سے یہ بغیر کسی معاوضہ کے قوم کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد میاں بشیر احمد اسلامیہ کالج کے آنریری پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اس دوران میں میاں بشیر احمد نے انگریزی میں دو نہایت معرکہ آرا مضامین "اسلام کی جمہوری اساس" اور "مغربی تہذیب پر اسلام کا اثر" لکھ کر شائع کرائے جو غیر معمولی طور پہ کامیاب رہے اور بین الاقوامی سطح پر انہیں بہت سراہا گیا۔

۱۹۱۷ء میں شاہ دین ہمایوں چیف جسٹس بنا دیئے گئے اور ۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

میاں بشیر احمد نے دو سال تک اسلامیہ کالج کی آنریری پروفیسری کی۔ ہسٹری اور پولیٹیکل سائنس پڑھاتے تھے۔ دو سال کے بعد آپ کو انجمن حمایت اسلام کی کالج کمیٹی کا سیکرٹری بنانے کا فیصلہ ہوا۔ انجمن کے دو گروہ ایک دوسرے سے متحارب تھے۔ لہذا آپ نے انجمن کی آنریری ملازمت سے استعفٰی دے دیا۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں میاں بشیر احمد نے مشہور اردو ماہنامہ "ہمایوں" جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ زیر ترتیب تھا کہ میاں بشیر احمد علامہ اقبال کے پاس گئے کہ وہ "ہمایوں" کے پہلے شمارہ کے لئے اپنا تازہ کلام دیں۔ اس زمانے میں علامہ اقبال انارکلی والے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ علامہ صاحب اس وقت نظم کا مطالبہ ٹال گئے لیکن ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ علامہ صاحب نے اپنی وہ مشہور درد انگیز نظم کہہ کر میاں شاہنواز مرحوم کے ہاتھ ارسال کر دی جس کا مطلع یہ ہے۔

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

ماہنامہ "ہمایوں" کا اجراء اس لئے ہوا کہ ہندوستان میں کسی ایسے بلند پایۂ اردو رسالہ کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جس کی بنیاد اخلاقی اقدار پر ہو۔ ملک کا یہ تقاضا میاں بشیر احمد نے ماہنامہ "ہمایوں" کے اجراء سے پورا کر دیا۔ میاں صاحب اس کے مالک تھے اور ایڈیٹر بھی۔ قدرتی بات ہے کہ "ہمایوں" کا معیار خود میاں صاحب کے ذوق کا آئینہ دار تھا۔ یہ رسالہ پینتیس برس نہایت باقاعدگی کے ساتھ ہر مہینے شائع ہوتا رہا اور اس کا جو معیار پہلے دن قائم ہوا وہ نہ صرف قائم رہا بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں زیادہ حسن پیدا ہوتا رہا۔ اس کے کل ۴۱۴ شمارے شائع ہوئے اور یہ پینتیس سال جاری رہنے کے بعد جنوری ۱۹۵۷ء میں بند ہوا۔ یہ رسالہ محض ایک رسالہ نہیں تھا بلکہ اصلاح و ادب اور تکمیل ذوق کے لئے ایک ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بیسیوں ہونہار ادباء اور شعراء نے اس کے ذریعے ذہنی تربیت پائی اور اس ادارہ کی بناء پر دنیائے شعر و ادب میں اپنا مقام پیدا کیا۔

مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے میاں صاحب نے پنجاب میں طوفانی دورے کئے اور شاندار کامیابی حاصل کی، جس کا اعتراف ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظمؒ نے بھی کیا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تھی اس کی استقبالیہ کمیٹی کا سیکرٹری بھی میاں بشیر احمد صاحب کو ہی منتخب کیا گیا۔ قائد اعظم ان کی تنظیمی صلاحیتوں سے اس قدر خوش ہوئے کہ ۱۹۴۱ء میں انہوں نے میاں صاحب کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت قبول کرنے پر مجبور کیا۔

اگست ۱۹۴۲ء میں قائد اعظم نے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنا دیا۔

جون ۱۹۴۹ء میں شہید ملت نے آپ کو ترکی میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا جہاں وہ اکتوبر ۱۹۵۸ء تک رہے۔ پاکستان اور ترکی کا ۱۹۵۱ء کا معاہدہ دوستی آپ ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔

آپ نے باغبان پورہ میں عوام کے لئے ایک خیراتی ہسپتال کھول رکھا ہے جس پر تقریباً چالیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ آتا ہے۔ ان کے صاحبزادے میاں منظر بشیر مشہور سماجی اور سیاسی

کارکن ہیں جنہوں نے حزب اختلاف کے لئے بہت کام کیا۔ میاں بشیر احمد صاحب کی عمر اس وقت تقریباً بہتر سال ہے۔ میاں منظر بشیر جسٹس پارٹی کے فاؤنڈر ہیں۔

ڈاکٹر عبدالعزیز

ڈاکٹر عبدالعزیز ۱۸۸۶ء میں ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس خاندان کا موروثی پیشہ زمینداری اور تجارت تھا مگر عبدالعزیز نے جالندھر میں ابتدائی تعلیم مکمل کر کے ۲۱ سال کی عمر میں لاہور سے امتیاز کے ساتھ ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کی اور دارجلنگ میں چند برس یعنی ۱۹۱۱ء تک ملازمت کی چونکہ ان کے دل میں غریبوں کا درد اور اسلام کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا۔ اور ان رفاہی کاموں میں ملازمت بری طرح مانع تھی اس لئے عبدالعزیز نے ملازمت ترک کر کے پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔ مگر اس طرح اپنی معقول آمدنی سے صرف گزارے کے قابل رکھتے باقی سب خدمت خلق پر صرف کر ڈالتے چنانچہ دارجلنگ میں دو مسجدیں اور ایک یتیم خانہ تعمیر کرایا۔ طلباء اور طالبات کے سکول ان کے علاوہ تھے، مسافر خانہ میں قیام اور طعام مفت تھا۔ ان اداروں کو اسلام کے نام پہ جاری رکھنے کے لئے انجمن اسلامیہ دارجلنگ قائم کی ۱۹۱۷ء میں قائد اعظم دارجلنگ گئے تو انہوں نے ڈاکٹر عبدالعزیز کے کارناموں کا تفصیلی جائزہ لے کر ان کو بیش قیمت مسلمان قرار دیا اور کہا کہ یہ دارجلنگ کے مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم زعماء نے ڈاکٹر عبدالعزیز کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ ان میں نواب سر عالی امام۔ نواب کے۔ جی۔ ایم فاروق۔ مہاراجہ بردوان۔ مہاراجہ سری لعل سنگھ راؤ۔ سر سریندر ناتھ نواب بسم اللہ، سر عبدالرحیم، ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور لارڈ کارمیل اور جو ہن آرتھر بنگال کے دو گورنر خواجہ ناظم الدین، مولوی فضل حق، مولوی تمیز الدین خاں، مولوی فرید احمد، نواب علی چوہدری بوگرا اور بہت سے عمائدین شامل ہیں۔ دارجلنگ ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۴۲ء تک وہاں کے غریب عوام کی بیش بہا خدمات انجام دینے پر لوگوں نے ان سے اظہار عقیدت کیلئے ایک سڑک کا نام عبدالعزیز روڈ رکھا۔ ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کے رکن اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے حکومت ہند کی جانب سے ان کو خان بہادر کا خطاب ملا اور گورنر بنگال کی مشاورت کمیٹی کے

ممبر ہو گئے۔

دار جلنگ کو خیرباد کہتے وقت ڈاکٹر عبدالعزیز نے اپنی تمام جائیداد رقم اور دوسری چیزیں یتیم خانوں اور مساجد کو دے دیں۔ اور خود اپنے وطن جالندھر چلے آئے۔ اس کے بعد ۵ برس تک لاہور اور لائل پور میں رہے۔ بالآخر ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں مستقل طور پہ آباد ہو گئے۔ جہاں ۲۳ جنوری ۵۶ء کو دکھی انسانیت کا یہ دلیر اور فیاض دوست اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گیا

حیدرآباد میں ان کے معمولی مکان پر گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی حیثیت سے خواجہ ناظم الدین کو جناب محمد علی بوگرا کو اور دوسرے بزرگوں کو آتے دیکھا۔ دراصل اس باوضع اور درویش صفت انسان کے تعلقات جس سے بھی تھے، بے غرضانہ اور پُر خلوص تھے۔ اس لئے ہر وادار انسان خواہ وہ جسٹس محمد شریف ہوں یا خواجہ شہاب الدین حیدرآباد میں آکر خان بہادر ڈاکٹر عبدالعزیز کے خاندان سے ملے بغیر جا ہی نہیں سکتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز مرحوم نے ۶ لڑکے اور ۴ لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ ان میں سے اکثر نے انتہائی کٹھن حالات میں حصول علم کی کوشش جاری رکھی چنانچہ ایک مخیر بزرگ کے ان بچوں کی اکثریت خود اپنی کوششوں سے اعلیٰ تعلیم مکمل کر چکی ہے اگرچہ ڈاکٹر عزیز کے ورثاء کے پاس کوئی جائیداد یا دولت نہیں پھر بھی ان کے عظیم والد نے اخلاص، سخت محنت اور انسان دوستی کی جو روایات چھوڑی ہیں وہ اس خاندان کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

(۱۶) میجر عصمت انور (مرحوم)

آپ نے سب سے پہلے آزاد کشمیر گورنمنٹ قائم کی اور آپ ہی کی قیادت میں مہاراجہ کشمیر کی فوجوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا گیا۔ آپ مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے سری نگر کے نواح میں شہید ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے اخبارات کی فائلیں ان کے کارناموں کی گواہ ہیں۔ آپ میاں نصیر الدین ممبر ایران پاکستان باؤنڈری کمیشن کے رشتہ دار تھے۔ مرحوم بہت بہادر، مخلص اور محب وطن تھے اور پکے مسلمان۔ ان کے کارناموں پر علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ قوم ان پر ناز کر سکے۔

(۱۷) مولوی عبدالغنی کرنالوی

آپ کرنال کے وکیل تھے اور آج سے چالیس پچاس سال قبل کرنال میں میونسپل کمیٹی کے صدر بھی تھے۔ ضلع بھر میں مسلمانوں میں آپ کی شخصیت سب سے نمایاں تھی۔ قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان نے بھی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ضلع کرنال ہی سے کیا تھا۔ آپ نے پہلا الیکشن مولوی عبدالغنی کے خلاف لڑا لیکن شکست کھائی۔ پھر کرنال چھوڑ کر یوپی چلے گئے اور یوپی کی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔ اس سے مولوی عبدالغنی صاحب کے اثر ورسوخ اور شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو خان بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔ آپ مولانا محمد جعفر تھانیسری اور کیپٹن ظفر حسن ایبک کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس خاندان کی قومی دینی اور سیاسی خدمات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔

ماضی قریب میں

اگر یہ مقولہ درست ہے کہ درخت اپنے پھل سے اور استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے تو برصغیر ہند و پاک میں حضرت بلھے شاہ صاحب، حضرت شاہ دولہ صاحب گجراتی، حضرت خواجہ سلیمان صاحب تونسہ شریف والے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ایسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کے مراتب، تصرفات اور روحانی مدارج کا ایک زمانہ معتقد ہے اور اب بھی ان کے ہزاروں عقیدت مند سرزمین پاکستان میں موجود ہیں۔ ان بزرگوں کے روحانی استاد سب ارائیں تھے۔ یعنی حضرت بلھے شاہ صاحب کے مرشد حضرت شاہ عنایت قادری قصوری، حضرت شاہ دولہ صاحب کے مرشد حضرت شاہ سیدامر مست سہروردی سیالکوٹی، حضرت خواجہ سلیمان صاحب کے مرشد حضرت میاں ولی محمد صاحب ڈیرہ غازی خاں والے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے استاد حاجی مولوی فتح محمد صاحب تھانہ بھون۔

ہماری برادری میں بڑے بلند پایہ اولیاء کرام ہو گزرے ہیں جنہوں نے تصوّف کی لازوال دولت سے مالا مال کر کے سینکڑوں دلوں میں عشقِ الٰہی کی شمعیں فروزاں کر دیں۔ ہم چند ایسے ہی بزرگوں کے سوانح حیات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ وہ بھی دین کی خدمت کا جذبہ لے کر اٹھیں اور عشقِ رسولؐ اور معرفتِ الٰہی کی شمعیں روشن کریں۔

(۱۸) حضرت شاہ عنایت قادری شطاریؒ لاہوری

آپ کا اسم گرامی محمد عنایت اللہ اور والد بزرگوار کا شیخ پیر محمد تھا۔ جو اپنے سسرال یعنی قصور ضلع لاہور میں رہتے تھے اور اپنے خسر کے انتقال کے بعد وہاں مسجد میں امامت کراتے تھے۔ وہیں حضرت شاہ عنایت پیدا ہوئے اور پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں فارسی اور عربی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ پھر ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم کی تکمیل کیلئے چلہ کشی بھی کرتے رہے اور حضرت شاہ محمد شطاریؒ قادری لاہوری کے مرید ہو گئے۔ جہاں تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے روحانی کمال حاصل کر لیا۔

خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر و مرشد کے حکم سے قصور میں رہنے لگے۔ جہاں حاسدوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ اور جب سیّد بلھے شاہ صاحب نے ان کی بیعت کی تو گویا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ حتےٰ کہ حسین خاں افغان حاکمِ قصور بھی آپ کا مخالف ہو گیا۔ جس کی وجہ سے آپ نے قصور چھوڑ کر لاہور میں ڈیرہ لگایا اور آخر دم تک یہیں ظاہری اور باطنی علوم کا فیض جاری رکھا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ شرح وقادیہ کے حواشی (غایۃ الحواشی) دو جلدوں میں لکھے۔ کنز الدقائق کی شرح بھی لکھی۔ ان کے علاوہ تصوّف کی دو معرکۃ الآراء کتابیں "دستور العمل" اور "لطائف غیبی" لکھیں۔

آپ کا رنگ گندمی اور قد میانہ تھا۔ چہرہ اس قدر بارعب تھا کہ دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ مگر آپ کے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ سنّت کے پابند تھے اپنے درس میں قرآن مجید، حدیث شریف، مثنوی مولانا رومؒ اور اشغال و افکار صوفیاء کا ذکر رکھتے تھے۔ محفل سماع بھی ہوتی تھی جس میں دیوان حافظ اور دیوان شمس تبریز اور دیگر عارفوں کا کلام پڑھا

جاتا تھا۔

آپ نے پچاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار لاہور میں چوہا گھر کے قریب ایک کوٹھی کے احاطہ میں موجود ہے۔ آپ کی اولاد اب تک لاہور میں بھاٹی دروازہ کے اندر آباد ہے۔ سرکاری ملازمین میں سے شیخ سراجدین صاحب پرسنل اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب بہت مشہور رہیں۔

آپ کے مریدوں میں سے حضرت بلھے شاہ صاحب بہت مشہور ہوئے ہیں۔ بلھے شاہ صاحب اپنی عارفانہ کافیوں کی وجہ سے اور وارث شاہ "ہیر رانجھا" جیسی لازوال تصنیف کی بدولت زندۂ جاوید ہیں اور تصوّف کا احوال تو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت بلّھے شاہ صاحب کو جب مرشد کی تلاش ہوئی تو بہت سے بزرگوں کے پاس گئے مگر تشفّی نہ ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ مُرشد ایسا ملے جو "ھوالظاہر" تو دکھاوے۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔ "میں خدا کی عبادت نہیں کرتا جب تک اسے دیکھ نہیں لیتا"۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ "خدا کی عبادت کر اسطرح گویا تو دیکھ رہا ہے"۔ پھر حسرت سے فرماتے ہیں: "ہائے وہ تو حاضر و ناظر ہے اور ہم غافل کہ اس کا جلوہ نہیں دیکھ پاتے"۔

اسی جذب و جنون کے عالم میں جب حضرت شاہ عنایت قادری کا شہرہ سن کر ان کے پاس قصور پہنچے تو انہوں نے فرمایا۔ "میاں بُلّھے شاہ کیا چاہتے ہو؟" "ھوالظاہر دیکھنا"۔ بس ایک تیر تھا کہ سینے میں گڑ گیا۔ دیوانہ وار پاؤں میں گرے۔ حضرت شاہ عنایت اٹھاتے تھے اور اور یہ پاؤں پہ گرتے تھے اور کہتے تھے "سائل کو نہ جھڑکو"۔ حضرت شاہ عنایت نے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ علیحدہ لے جا کر بیعت کی اور خدا جانے کان میں کیا پھونک دیا کہ حضرت بُلّھے شاہ صاحب نے باہر نکلتے ہی شور مچا دیا۔

ہُن میں لکھیا سوہنا یار، جس دے حُسن دا گرم بازار
جے کوئی اس نوں لکھیا چاہے، بابجھ وسیلے لکھیا نہ جائے
شاہ عنایت بھید بتائے تاں کھلے سب اسرار
ہن میں لکھیا سوہنا یار، جس دے حُسن دا گرم بازار

لوگوں میں چرچا ہوگیا کہ سیدؔ نے ارائیں کو مرشد بنا لیا ہے مگر بلھے شاہ صاحب نے ان کی پرواہ نہ کی۔ جاہلوں نے حضرت شاہ عنایت کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے مجبوراً قصور کو چھوڑا اور لاہور میں ڈیرہ لگا لیا مگر خیر و برکت بھی ساتھ ہی لے آئے حسین خاں حاکم قصور تباہ ہو کر مرا اور قصور پہ تباہی نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہمیں ان کی طرح اپنی معرفت عنایت فرمائے۔

(۱۹) حضرت شاہ سیدا سرمست سہروردی سیالکوٹی

آپ کا نام سیدا اور لقب سرمست تھا۔ آپ ملتان سے بارہ میل دور خانپور میں پیدا ہوئے خاندانی پیشہ زمینداری تھا۔ سارا خاندان دیندار تھا اور دین کا ہر وقت چرچا ہوتا رہتا تھا۔ جوانی کے عالم میں ایک روز کسی کھیت کی رکھوالی کر رہے تھے کہ حضرت شاہ لونگا رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں سے گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت سیدا پر توجہ دی اور فرمایا: "اس کھیتی کی رکھوالی تو کر رہے ہو کچھ اس کھیتی کی فکر بھی ہے جو آئندہ کام آئے گی۔" یہ بات تیر کی طرح ان کے قلب و روح میں اتر گئی کھیت چھوڑ کر اسی وقت حضرت شاہ لونگا کے ساتھ ہو لئے۔ کچھ عرصہ بعد مرشد کے حکم سے گھر بھی آئے مگر وہاں دل نہ لگا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہمیشہ کے لئے مرشد کے ساتھ چلے گئے۔

انہوں نے مرشد کے فیض صحبت سے بہت جلد باطنی کمال حاصل کر لیا۔ جس کے بعد مرشد نے سیالکوٹ میں جا کر فیضان جاری کرنے کا حکم دیا۔ آپ پہلے چونڈہ باجوہ پھر بن باجوہ اور اس کے بعد سیالکوٹ میں آ گئے۔ تصرف اور فتوحات میں کمال تھا۔ باطنی اسباق کے ساتھ ساتھ ظاہری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آپ نے ایک خانقاہ، حجرہ، مسجد، کنواں اور ڈیوڑھی تعمیر کرائی۔ اور وہیں رحلت کے بعد دفن ہوئے۔ آپ نے عہد جہانگیر یعنی ۱۶۰۶ء میں انتقال کیا۔ عمر ۹۰ سال تھی۔ ساری عمر مجرّد رہے۔ آپ کے چار مشہور خلفاء ہوئے ہیں۔

۱: حضرت شاہ دولہ گجراتی۔ جن کے چوہے شاہ سارے پنجاب بلکہ ہندوستان میں مشہور ہیں۔
۲: حضرت شاہ جمال ساکن گکھڑ چیمہ۔

۳ : حضرت شاہ زید ساکن راڈ کی ضلع گجرات .

۴ : حضرت شاہ ملوک جو حضرت شاہ سید اسر مست کے بھتیجے ہیں .

چونکہ آپ پر ہمیشہ جذب و سر مستی کی حالت طاری رہتی تھی اور ہمیشہ مسرور نظر آتے تھے اس لئے آپ سید اسر مست کے نام سے مشہور رہیں .

(۲۰) شاہ الٰہی بخش صاحب قادری فاضلی جالندھری

المعروف پیر الٰہی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

آپ موضع مُولی ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے . والد کا نام میاں اللہ دین تھا . آپ بچپن ہی سے طاقت ور اور ہوشیار تھے . ورزش اور تیراکی کا بہت شوق تھا . آپ کا خاندان علماء اور اولیاء کا خاندان تھا . اس لئے لڑکپن ہی سے طبیعت تصوّف کی طرف مائل تھی . پہلے سائیں مکھن شاہ اور پھر میاں بگّے شاہ جالندھری سے بیعت کی . آپ ہمیشہ عمدہ لباس پہنتے اور وجاہت سے رہتے تھے . ہمہ اوست کے قائل تھے . ساری عمر مجرّد رہے . مرتاض ، عابد ، زاہد اور عالم تھے . روحانی صفائی کیساتھ ساتھ ظاہری صفائی کے بھی بڑے دلدادہ تھے اور فرمایا کرتے تھے -

م مرت نہیں اوہناں مورکھاں نوں سواہ لبڑے نوں کہندے سنت ہے جی
جھیڑا گدھے وانگوں وچہ روڑی لیٹے اوہنوں آکھدے بڑا مہنت ہے جی
جھیڑا گھگو وانگوں کن بند بیٹھے اوہنوں آکھدے بڑا بے انت ہے جی
سائیں لوکو ایہ کوئی فقر نائیں مایا روپی سارا جنت ہے جی

آپ کے مرید بہت تھے . غیر مسلم بڑے معتقد تھے . فتوحات بہت تھیں . روحانی تصرف بڑا وسیع تھا . اکثر مشکل مسائل کو چٹکیوں میں حل کر دیا کرتے تھے . ۵ ، دسمبر ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا .

ہم ذیل میں ان کے چند روحانی اور علمی فضائل کا تذکرہ کرتے ہیں .

۱ : کسی نے آیت یخرج الحیّ من المیت و یخرج المیت من الحیّ پڑھی تو فرمایا " دیکھو بھینس زندہ ہے اور گوبر مردہ . پھر اسی گوبر سے کرم کیسے زندہ ہو کر چلنے لگتے ہیں -

۲ : ایک دفعہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب " کشف المحجوب " کا تذکرہ ہوا تو کسی

نے کہا بعض عالم شعراء کو بُرا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "آٹا اچھا ہونا چاہیئے پھر روٹی تنور میں لگاؤ یا توے پر پکاؤ"۔ یعنی مضمون اچھا ہونا چاہیئے، عبارت نظم ہو یا نثر۔

۳۔ شیخ کریم بخش عہد سکھاں میں جالندھر کا حاکم تھا۔ اس نے چاہا کہ آپ اس کے پاس آئیں تو روزینہ مقرر کر دے مگر آپ نے فرمایا "ہم گداگری کے لئے فقیر نہیں ہوئے۔ ہم تو مولا کے فقیر ہیں"۔ آپ کو اس قدر فتوحات ہوئیں کہ دوسروں کو بہت کم ہوئی ہوں گی۔

۴۔ ایک دفعہ راستے میں مرکھنا سانڈ آ گیا۔ لوگوں نے گھبرا کر بھاگنا چاہا۔ آپ عصا لے کر آگے بڑھے اور اس کے مقابلے میں کھڑے ہو کر فرمایا "درویشوں سے مقابلہ کرتے ہو"۔ سانڈ راستہ چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔

۵۔ ایک دفعہ حکیم صدرالدین کے ہاں کسی مرید کو دوا پوچھنے کے لئے محمد بخش حجام کے ساتھ بھیجا، جو آپ کا مرید صادق تھا۔ حکیم صاحب نے طعنہ دے کر کہا کہ خدا کہلاتے ہیں اور دوائیاں مجھ سے پوچھتے ہیں۔ محمد بخش نے آ کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا محمد بخش خدا تم کو علم نصیب کرے گا، تم آج سے کسوت اتار دو، حجام کا کام چھوڑ دو اور علم و حکمت پڑھو۔ آج سے تمہارا نام حکیم محمد بخش ہوا۔ خدا کی شان تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جالندھر کا مشہور طبیب ہو گیا۔

آپ نے ایک آریہ سماجی سے سوال کیا کہ تم کہتے ہو یہاں کے کرم کا پھل اگلے جنم میں ملے گا۔ اب اس جہان میں کس جنم کا پھل بھوگتے ہو۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق جنم ہوتا ہے کرم کے مطابق۔ اور کرم بغیر جنم کے ہو نہیں سکتا۔ تو پہلے کرم مانا جائے یا جنم؟ (یعنی جب سب سے پہلی بار پیدا ہوئے تھے تو آخر اس وقت کون سے گناہ کئے تھے جن کی سزا میں جنم ہوا؟)

(۲۱) سائیں بلاقی شاہ صاحب ابوالخیر لاہوری

آپ لاہور کے مشہور ارائیں خاندان "کارداراں" کے ممتاز فرد تھے۔ حضرت شاہ عنایت قادری کی اولاد میں سے شیخ غلام قادر کے مرید تھے جو رشتہ میں آپ کے نانا بھی تھے۔ آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ مریدوں کی تعداد بے شمار تھی۔ آپ کی مجلس سماع میں حضرت بلھے شاہ صاحب کی کافیاں گائی جاتی تھیں۔ آپ ۱۲، اکتوبر ۱۹۰۴ء کو ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

اور اپنے ہی مکان میں دفن ہوئے۔ آپ زمیندار بھی تھے۔ لائل پور میں چار مربعہ اراضی تھی۔ پیری مریدی آپ کا ذریعہ معاش نہ تھا۔

حافظ اللہ بخش صاحب موضع ڈھولنوال ضلع لاہور

آپ سیف زبان تھے اور حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی شرقپوری کے مرید تھے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے ابیات کہے ہیں۔ جید عالم اور متقی تھے۔ آپ کے صاحبزادے منشی رحیم بخش پہلوان تھے

مولوی غلام مرتضیٰ صاحب لاہوری

آپ میاں بدرالدین صاحب ارائیں سے طریقہ نقشبندی میں مرید تھے۔ حلیم، عابد، عالم اور زمیندار تھے۔ مریدوں کی تعداد بہت تھی۔ اکثر وظیفہ پڑھتے یا ذکر اذکار کرتے ہوئے گھنٹوں تک خود بھی گریہ وزاری کرتے اور حاضرین مجلس کو بھی رلاتے تھے۔ آپ کا انتقال ۲۲ فروری ۱۹۰۲ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزار بادامی باغ ریلوے اسٹیشن کے سامنے ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے مہر محمد صوبا بہت مشہور ہیں۔

میاں خاکی شاہ ولد حسن ہوشیارپوری

آپ خانپور ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوئے۔ ساری عمر مجرد رہے۔ چشتی سلسلہ میں بیعت تھے بڑے کامل بزرگ تھے۔ اپنے مرشد حضرت حسن علی شاہ کے ساتھ مدت تک سیاحت کرتے رہے پاؤں میں کھڑاویں اور لباس گیروا پہنتے تھے۔ بہت سے ہندو آپ کے معتقد تھے۔

بابا ماہی شاہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور

یہ حضرت بھی ساری عمر مجرد رہے۔ زیادہ عالم نہ تھے مگر عامل اور مرتاض بے حد تھے۔

آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ فتوحات اور تصرفات میں بہت کامل تھے۔ ایک سو پانچ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۲۶) حضرت میاں نصراللہ صاحب

آپ کا روضہ میانی افغاناں ضلع ہوشیارپور میں ہے۔ آپ پیر درس والے کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ عالم متبحر تھے اور فاضل اجل تھے۔ ساری عمر دینی اور روحانی علوم کی تدریس میں گزاری ان کے درس میں بہت دور دور سے طلبہ آتے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی طرف سے اراضیات معافی بنام مسجد اور درس عطا ہوئی تھیں۔ ان کے درس میں کھانا طلبہ کو مفت ملتا تھا اور رہائش کی ہر ممکن سہولت تھی۔

(۲۷) حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ صاحب نقشبندی

آپ کی پیدائش موضع بھلینی نزد شرق پور ضلع شیخوپورہ میں ہوئی لیکن آپ نے زندگی کا زیادہ حصہ قلعہ لال سنگھ میں گزارا۔ دارالعلوم عباسیہ بہاول پور سے آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد دینی خدمت شروع کی۔ آپ نے فرق باطلہ کے ہر عالم کو مناظروں میں شکست دی۔ آپ اپنے ہاتھ سے کاشت کاری کرتے تھے۔ آپ کے مرشد حضرت صدرالدین بڑے پائے کے بزرگ کامل تھے۔

حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ نے ۲۲ فروری ۱۹۰۳ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار بادامی باغ ریلوے سٹیشن کے قریب ہے۔

آپ نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے بہت سے خلفا چھوڑے ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ پیر نور محمد صاحب بڑے کامل بزرگ اور عالم تھے۔ آپ کے اکثر مضامین "الفقیہ" امرتسر میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔

(۲۹) شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی شرقپوری

آپ ۱۸۶۵ء میں میاں عزیز دین صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ کمسنی میں کھیل کود سے الگ رہتے اور اکثر کھوئے کھوئے پھرتے۔ تنہائی پسند فرماتے۔ عموماً قبرستان چلے جاتے۔ جب والدہ پوچھتیں

تو کہتے بزرگوں سے ملنے گیا تھا۔ مدرسہ میں صرف پرائمری تک تعلیم حاصل کی لیکن مسجد میں قرآن حکیم کے بعد معقولات و منقولات پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ گھر سرچشمۂ معرفت تھا۔ آپ کے نانا حضرت مولانا غلام رسول اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آبائی پیشہ خطاطی تھا۔ اس فن میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ ابتدا میں اللہ اور محمدؐ کے الفاظ بطور خاص مشق فرمائے۔ ذکر و فکر کا شغف بھی تھا۔ فطری طور پر سخی تھے۔ اگر جیب خالی ہوتی تو قرض لے کر بھی سائل کی حاجت روائی کرتے۔

آپ کا قد میانہ اور جسم نحیف و نزار تھا۔ رنگ گورا، ریش مبارک سیاہ اور سر کے بال لمبے تھے۔ سادہ اور صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔ طبعی شرافت اور شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ بازار اور محلہ میں نظریں نیچی کئے گزر جاتے اور پڑوس کی عورتیں ازراہِ مذاق کہا کرتیں: "شیر محمد تو لڑکیوں کی طرح منہ چھپائے پھرتا ہے۔"

آپ نے حضرت خواجہ امیر الدین سے طریقۂ نقشبندی میں بیعت کی۔ جب مرشد نے ذکر خفی کی تلقین فرمائی تو محویت بڑھ گئی۔ وجدانی کیفیت کی شدت سے تڑپتے لوٹتے پھرتے تھے۔ آپ نے نہایت قلیل مدت میں اشغال نقشبندیہ اور لطائف شش گانہ میں کمال حاصل کر لیا۔ راہِ سلوک میں نفی و اثبات اور سلطان الذکر کی منزلیں طے ہو گئیں۔ اتباع سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پابند تھے۔

نماز اشراق کے بعد بچوں کو کلام مجید کا درس دیتے۔ دوپہر کو قیلولہ فرماتے۔ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے۔ طلبِ سوال سے منع کرتے۔ کسب حلال اور اکلِ حلال پر زور دیتے۔ مہمان نواز، ہمدرد اور خندہ رو بزرگ تھے۔ اعلائے حق میں کسی کی رُو رعایت نہ کرتے۔ فرمایا کرتے تھے: مسلمانوں کے لئے فلاحِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کا واحد ذریعہ کتاب و سنت پر عمل ہے اور تزکیۂ نفس کے لئے اتباع سنت ہی کافی ہے انگریزی بود و باش اور مغربی تہذیب و تمدن کے سخت مخالف تھے۔

میاں سر محمد شفیع باغبان پورہ والے آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ جب لاہور تشریف لاتے تو ان کی کوٹھی مزنگ روڈ پر قیام فرماتے اور ان کو انگریزی طرز معاشرت پر تنبیہہ کرتے۔ حضرت علامہ محمد اقبال کو آپ سے ملاقات کا بہت اشتیاق تھا۔ بڑی مشکل سے باریابی ہوئی تو آپ نے فرنگی وضع قطع پر علامہ صاحب کو ٹوکا۔ انہوں نے عرض کیا: حضرت گناہ سے نفرت ہونی چاہیئے گناہ گار سے نہیں۔ سرکار دو عالمؐ کی ذات گرامی شفیع المذنبین بھی ہے اور رحمۃ للعالمین بھی۔ آنحضورؐ کا اسم گرامی

آیا تو شیر ربّانی بھی آبدیدہ ہوگئے اور علامہ اقبال بھی بامراد لوٹے۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ انور پاشا نے ایک ملاقات کے بعد فرمایا: "یہ عالم ربّانی ہیں۔"

چلّہ کشی کو منع فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ہی کافی ہے — ہم اسوہ حسنہ کی پیروی جانتے ہیں، فقیری نہیں جانتے۔ افسوس لوگ مسلمان نہیں بنتے فقیر بنتے ہیں۔

آپ عمر بھر احیائے دین کے لئے کوشاں رہے۔ آپ روپیہ پیسہ نذر نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔

آپ کی تصانیف میں سے "خزینہ معرفت" اور "تذکرہ اولیائے نقشبندیہ" بہت مشہور ہیں۔

آپ کا وصال اگست ۱۹۲۸ء کو ۶۳ سال کی عمر میں ہوا۔ مضافات شرقپور میں آپ کا مزار ہے۔

(۲۹) حضرت سائیں کرم الٰہی (کانواں والی سرکار)

آپ کا نام کرم الٰہی تھا جو آپ کے والد نے آپ کی پیدائش پر رکھا تھا۔ بعد میں سائیں کانواں والی سرکار کے نام سے مشہور ہوئے۔ کیونکہ آپ کو کوؤں سے بہت ہی پیار تھا لوگ وہاں جو نیاز لاتے، سائیں صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب کچھ کوؤں کے آگے ڈال دیا کرتے۔ اگر آپ کے پاس اس وقت اور آدمی بیٹھے ہوتے تو جس پر نگاہ التفات پڑتی اس کو بھی تھوڑا بہت حصہ دے دیا کرتے۔ ان کے والد بزرگوار مہر غلام محمد جن کا پیشہ زمینداری تھا بہت ہی سیدھے سادے انسان تھے۔ لوگوں میں اپنی شرافت و سادگی کی وجہ سے مشہور تھے۔ اہل خاندان اور عام لوگ آپ کی چشم بصیرت سے کئی اہم معاملات میں فیض یاب ہوتے۔ سائیں صاحب کی والدہ محترمہ بھولاں بی بی بہت ہی پاکدامن اور نیک خاتون تھیں۔ گجرات کی سرزمین جسے ہمیشہ سے یہ فخر رہا ہے کہ وہاں بہت سے صاحب کمال اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ آپ کا ظہور بھی اسی سرزمین سے ہوا۔ سائیں کرم الٰہی صاحبؒ کی ولادت بتاریخ ۳ اپریل ۱۸۳۸ء محلہ اندرونی کابنا والی میں ہوئی۔ شروع سے ہی سائیں صاحب کا رجحان فقیروں اور درویشوں کی طرف تھا اور نماز روزہ کے سختی سے پابند تھے اور تلاوت قرآن پاک بھی ہر روز صبح سویرے کیا کرتے اور عموماً رات اور دن زیادہ تر عبادت میں مشغول رہا کرتے۔ آخر کار سائیں کرم الٰہی کا ملاپ ایک مرد کامل سے ہوا۔ جن کا نام پیر امام شاہ تھا جن کا دربار آج بھی جمن جھنڈا لا میں ہے اور لوگ دور دور سے

آپ کے مزار کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ جس وقت سائیں کرم الٰہی صاحب کی ملاقات اس مرد کامل سے ہوئی تو حکم ہوا آپ فوراً دہلی پیدل جانے کا قصد کریں۔ مرید کے لئے یہ حکم بہت ہی اہمیت رکھتا تھا۔ فوراً دہلی جانے کا قصد کیا۔ راستے میں جن دشوار گزار منزلوں سے گزرنا پڑا۔ گزرے اور آخر کار دہلی جا پہنچے۔ وہاں جس آدمی کے پاس جانا تھا اس کے پاس گئے اس نے دیکھتے ہی یہ حکم دیا کہ آپ ابھی کشمیر جانے کا قصد کریں۔ وہاں سے جو کچھ آپ کو ملنا ہے، ملے گا اور پیدل ہی آپ کشمیر تشریف لے جائیں۔ آخر کار پھر انہی دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں دریائے جمنا کو پار کرنے کے لئے تین میل تک پانی سے گزرنا پڑا۔ آخر کار وہ دن آگیا جب آپ کشمیر اس آدمی کے پاس پہنچے جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو وہ فرمانے لگے کہ اچھا ہوا۔ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ میں دو دن سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ جو کچھ دینا تھا دیا اور اونٹ پر بٹھا کر گجرات پہنچنے کا حکم دیا۔ جب مرشد کے پاس پہنچے تو انہوں نے نگاہ باطن سے دیکھ لیا کہ اب مرید نے تمام کٹھن مرحلے طے کر لئے ہیں اس لئے فرمایا کہ آپ جھنگی میں ہی ڈیرہ لگالیں۔ جہاں آپ کا کنواں تھا جو کہ بعد میں سائیں کانواں والے کی جھنگی کہلائی۔ سائیں صاحبؒ نے جب وہاں ڈیرہ لگایا تو لوگ جوق در جوق آپ کے پاس زیارت کے لئے آنے لگے۔ چونکہ باطن روشن ہو گیا تھا اس لئے ہر بات کو دیکھ لیتے تھے۔ جسے جی میں کچھ آیا دے دیا۔ عموماً جو بھی آیا یہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر گیا سائیں کرم الٰہی عموماً چاہ سیالاں میں جو کہ ان دنوں سیال کالونی کے نام سے بھی مشہور ہے گھومتے رہتے تھے۔ جو کہ آپ کی جھنگی سے ملحقہ علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا تمام ارائیں خاندان آباد ہے اور وہ اس زمین کے مالک ہیں۔ ایک دن سائیں کرم الٰہیؒ مہر فتح دین (جو کہ مشہور صاحب طرز ادیب و شاعر ثمر گجراتی کے نانا ہیں)، کے کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مہر فتح دین نے اپنے داماد مہر نور الٰہی سے کہا کہ آپ سائیں صاحبؒ سے کہیں کہ اس کنوئیں میں پانی کم ہے لہذا آپ دعا فرمائیں۔ اس پر داماد نے سائیں کرم الٰہی کے سامنے عرضداشت پیش کی۔ سائیں صاحبؒ مسکرائے اور مہر نور الٰہی سے جن کی عمر اس وقت بیس سال کی تھی کہا کہ اٹھ جوان کنوئیں کو چلا۔ مہر نور الٰہی نے حکم کی تعمیل کی۔ جب مہر صاحب کنواں چلا رہے تھے تو سائیں صاحبؒ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ لے جوان اب پانی کبھی کم نہ ہو گا۔ آج

بھی وہ کنواں موجود ہے اور مہر فتح دین اور نور الہٰی زندہ ہیں۔ پانی میں کمی نہیں آئی۔ آپ کی بہت سی کرامات ہیں۔ طوالت کے خوف سے درج نہیں کرتے۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔ اور آپ کی نگاہ معرفت سے فیض پاتے تھے۔ سائیں کرم الہٰی کوئی بات پوشیدہ طور پر نہیں کہتے تھے۔ سائیں صاحبؒ کا فیض روحانی ہندوستان سے بھی باہر پہنچ چکا تھا۔

سائیں کرم الہٰی صاحب کی وفات ۱۸ر جولائی ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال کی تھی اور غسل پیر ولایت علی شاہ صاحب نے دیا جو کہ سائیں کرم الہٰی صاحبؒ کے بہت ہی عقیدتمند ہیں۔ سائیں کرم الہٰی صاحب کا مزار ان کے اپنے کنوئیں پر ہی ہے۔ جو کہ سائیں کانواں والے کی جھنگی کہلاتی ہے۔ زائرین کو گجرات ریلوے سٹیشن پر اترنا پڑتا ہے۔ گجرات ریلوے سٹیشن سے سائیں کرم الہٰی صاحب کے مزار کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ میل ہے۔ میلہ پر جو لوگ آتے ہیں ان کے قیام و طعام کا بندوبست بھی وہیں ہوتا ہے۔

پیر ولایت شاہ صاحب کا ارشاد گرامی

پیر سید ولایت شاہ صاحب نے فرمایا کہ سائیں کرم الہٰی صاحبؒ قطب الاقطاب جناب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے بھی حضوری تھے اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی۔

بیسویں صدی

بیسویں صدی کے اس گئے گزرے دور میں بھی جبکہ خالص مادہ پرستی کا زور ہے اور لوگ علم دین سے بے بہرہ ہو رہے ہیں بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ آج کے دور میں مغرب کی نقالی میں مذہب کو متروک سمجھا جاتا ہے۔ ہماری برادری کے بزرگوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس دور میں بھی دین کی شمع کو فروزاں رکھنے میں نہایت استقامت کا ثبوت دیا ہے۔ آج کسی مکتب یا دینی مدرسے کا اجراء کس قدر حوصلہ شکن ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی دینی تحریکوں میں کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ آج کل نعوذ باللہ خدا سے زیادہ دولت کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے دولت ہی زندگی کا مقصد ہے۔ پھر جلب زر کی اس افراتفری میں اس بات کا ہوش کسے ہے کہ دینی

مدارس کی مالی امداد کی۔ جا نئے وہ لوگ نہایت قابل قدر مجاہد ہیں جو تنگدستی کے باوجود دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں۔

۳۰۔ خیر المدارس ملتان :۔ مغربی پاکستان میں مدرسہ اسلامیہ خیر المدارس بیرون دہلی گیٹ ملتان ہزاروں طلباء کو دینی علوم کی نعمت سے مالا مال کر رہا ہے۔ اس وقت تقریباً چھ سو طلباء اور تین سو طالبات زیر تعلیم ہیں۔

آج سے تیس سال پیشتر اس کی بنیاد جالندھر شہر میں ایک ارائیں عالم مولانا خیر محمد صاحب نے رکھی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے ملتان میں اس مدرسہ کو قائم کیا اور اب اس کا شمار پاکستان کے منتخب دینی مدارس میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب اس کے مہتمم ہیں اور آپ کے صاحبزادے حافظ رشید احمد صاحب استاد القراء ہیں۔ نسیم حجازی صاحب کے برادر نسبتی علامہ غلام ربانی صاحب چشتی نظامی بھی جو بڑے عالم ہیں وہاں موجود ہیں۔

۳۱۔ پسرور ضلع سیالکوٹ میں علامہ بشیر احمد صاحب نقشبندی قادری کا درس ہے۔ مولانا موصوف، بہت بڑے عالم، عابد، مناظر اور صوفی ہیں۔ آپ نے شیعہ کے ردّ میں بارہ مختلف رسالے بھی تصنیف فرمائے ہیں۔ آپ جامع مسجد پسرور میں خطیب ہیں۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ نے مولانا سیدّ عطاء اللہ شاہ بخاری کے دوش بدوش قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی حافظ احمد اللہ صاحب فاضل دیوبند اور فاضل ڈابھیل سورت بہت بڑے عالم اور مبلغ ہیں۔ آپ قاری بھی ہیں اور ہمہ تن دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا فتح محمد صاحب بڑے ولی اللہ ہو گذرے ہیں۔ آپ وہوا ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے ہیں۔

۳۲۔ حضرت مولانا امجد علی صاحب۔ آپ نے "بہار شریعت" لکھ کر دین کی بڑی خدمت کی ہے جو سترہ حصوں میں ہے۔ دین کے جملہ مسائل اور فقہ کی پوری تعلیم اس میں موجود ہے اس سے پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "بہشتی زیور" لکھ کر عورتوں کی رہنمائی کی تھی مگر بہار شریعت اس سے زیادہ ضخیم ہے۔

۳۳۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی۔ آپ بہت بڑے عالم، مبلغ اور مجاہد ہو گزرے ہیں۔ مجلس احرار ہند کے صدر بھی تھے۔ آپ کا سارا خاندان عالم دین ہے۔ آپ نے دینی اور اور سیاسی تحریکوں میں جس قدر نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔

۳۴۔ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب سلیم آباد ضلع خیرپور میرس۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد سلیم صاحب بڑے عالم ہیں اور زمیندار بھی۔ مولانا خلیل اللہ صاحب بلند پایہ عالم ہیں۔ ٹنڈو آدم اور منصورہ وغیرہ کے دینی مدارس میں صدر معلّم بھی رہے ہیں۔ آج کل اپنے گاؤں سلیم آباد میں درس (اورنٹیل کالج) کھولنے کی فکر میں ہیں۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب جائداد کے لحاظ سے بھی رئیس ہیں۔ ان کے تینوں بیٹے مولوی فاضل اور مختلف عربی مدارس کے صدر مدرس ہیں۔ حضرت مولانا کی عمر اس وقت اسّی سال ہے۔ آپ کی بیگم محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ بڑی عالم دین ہیں۔ حج کے بعد آپ نے پنجابی زبان میں چند اشعار لکھے ہیں جو عشق رسول صلی اللہ وسلم کا مظہر ہیں۔

۳۵۔ قاری محمد طفیل صاحب۔ مہتمم مدرسہ رحمانیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد نہایت جاں سوزی سے تبلیغ دین میں محو ہیں۔

۳۶۔ قاری فتح محمد صاحب شکارپور میں درس دیتے ہیں۔

۳۷۔ حضرت خواجہ محمد عبداللہ صاحب درخواستی۔ مشہور مفسرؒ، عابد، مقرر اور مناظر ہیں۔ آپ نے مرزائیوں کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا ہے۔ آجکل خان پور ضلع بہاول پور میں دینی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ جمعیت العلمائے اسلام پاکستان کے صدر بھی ہیں۔

۳۸۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری۔ آپ تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن ہیں۔ مرزائیوں کیخلاف جہاد کرتے ساری عمر گزری ہے۔ آپ شعلہ بیان مقرر اور عمدہ خطیب ہیں۔

۳۹۔ مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی۔ آپ آجکل گوجرانوالہ میں مقیم ہیں، مشہور عالم، مفتی اور مقرر ہیں اپنا درس قائم کر رکھا ہے۔

۴۰۔ مولانا ابوظفر پیر غلام رسول صاحب قادری۔ حیدرآباد میں ہیرآباد کی اکبری نکونی مسجد میں خطیب ہیں۔ آپ کے تصنیف کردہ پندرہ تبلیغی رسالے نہایت مفید ہیں جو آپ نے شائع

کرانے کے بعد مفت تقسیم کئے ہیں۔ آپ وہوا ضلع ڈیرہ غازی خاں کے رہنے والے ہیں۔

۴۱۔ تحصیل ڈگری ضلع تھرپارکر میں ارائیوں کا ایک گاؤں "چک حافظاں" کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اسّی فیصد لوگ حافظ قرآن ہیں۔

۴۲۔ جماعت اسلامی نے جس طرح دین کی خدمت کی ہے۔ اس سے کوئی صاحب دل انکار نہیں کرسکتا اس جماعت نے اسلام کی تبلیغ اور بدعت کے ردّ میں نہ صرف قابل قدر لٹریچر بہم پہنچایا ہے بلکہ ہزاروں پیاسی روحوں کو تسکین بخشی ہے اور مادیت کی زد سے نکالنے میں خضر راہ کا کام کیا ہے۔ یوں تو اس جماعت میں بے شمار ارائیں برادری کے کارکن ہیں اور بیشتر ضلعی امرار بھی ارائیں ہیں مگر چوہدری غلام محمد امیر جماعت اسلامی کراچی اور مولانا جان محمد بھٹو امیر جماعت اسلامی سندھ مشہور ہستیاں ہیں۔ دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر دونوں حضرات نے نوکریاں چھوڑیں، جیلوں کی ہوا کھائی مگر ان کے قدم راہِ حق پر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ چوہدری غلام محمد صاحب تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ ارض القرآن میں بارہا جا چکے ہیں۔ اور مؤتمر عالم اسلامی میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں حضرات کے مختصر سوانح حیات بھی پیش کرتے ہیں۔

۴۳۔ **چودھری غلام محمد:**۔ آپ جماعت اسلامی کراچی کے سربراہ، تحریک کے قدیم کارکن محنتی، منتظم اور مستعد ہیں۔ صاحب فکر اور ذہن رسا رکھتے ہیں۔ عمر ۴۸ سال کے لگ بھگ ہے۔ ۱۹۴۴ء میں جماعت میں شامل ہوئے۔ سندھ میں جماعت اسلامی کی تنظیم کرنے اور اسے آگے بڑھانے کے لئے آپ نے بے حد کام کیا ہے۔ آپ دکوہا سیداں ضلع جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی سے آپ ہی نے جاری کیا تھا۔ وہ پوری طرح تحریک اسلامی میں گم ہیں۔ ملاقاتیں، دفتری کام، تقسیم لٹریچر، ترجمہ سندھی یہ سب انہی کا کام ہے۔ اسکیمیں سوچنے اور منصوبے بنانے میں ان کا ذہن بڑا زرخیز ہے۔ لاہور میں جماعت اسلامی کے جس اجتماع میں گولی چلی اور اللہ بخش شہید ہو گیا تھا اس کا سارا انتظام چوہدری صاحب کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا۔ اس انتظام نے پورے پاکستان میں دھاک بٹھا دی تھی۔ کراچی میں جماعت کو کامیاب کرانے میں چوہدری صاحب کی کوششوں کو دخل ہے۔ تحریک اسلامی کے دوگل پاکستان

اجتماعات کراچی میں چودھری صاحب کی نظامت میں منعقد ہو چکے ہیں۔

بیرونی ممالک میں تحریک اسلامی کے ہمہ پہلو تعارف اور تحریک کے خارجی امور کی تنظیم و توسیع کی ذمہ داری بھی چودھری صاحب پہ رہی ہے جس کی انہیں کافی مہارت ہو گئی ہے۔ کئی بار حج کیا۔ رابطہ اسلامی کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی۔ عالم اسلامی کی نمایاں علمی اور دینی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور تحریک اسلامی کے تعارف کے لئے اردو اور انگریزی میں متعدد پمفلٹ شائع کئے۔ آپ نہایت خلیق، حلیم اور باحوصلہ رفیق ہیں انہیں دیکھ کر تحریک اسلامی کا تصوّر خود بخود ذہن میں اجاگر ہوتا ہے۔

۴۴۔ مولانا جان محمد بھٹو:۔ آپ عالم دین ہیں۔ پہلے مختلف اسکولوں میں عربی ٹیچر اور معلّم دینیات کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ کئی جگہ بورڈنگ ہاؤسوں کے ہاؤس ماسٹر رہ کر بچوں کی تربیت نہایت کامیابی سے کر چکے ہیں۔ اب دارالعلوم ڈیپر (اورنٹیل کالج منصورہ ضلع حیدرآباد) میں ہیں۔ بہترین مقرر ہیں۔ علاقہ سندھ میں جماعت اسلامی کی توسیع کرنے میں آپ نمایاں شخصیت ہیں۔ جماعت اسلامی کے کسی حلقہ کا امیر ہونا اس شخص کے کردار اور دینی جمعیت کا ثبوت ہے۔ مولانا بہت مقبول اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک ہیں۔ سُنت یوسفی بھی ادا کر چکے ہیں۔

۴۵۔ مولوی نور محمد صاحب حقّانی لدھیانوی۔ آپ نے لدھیانہ میں مدرسہ حقّانی شروع کر رکھا تھا۔ پادریوں کے اخبار نور افشاں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے اپنا اخبار "نور النور" جاری کر رکھا تھا۔ کچھ عرصہ تک اس کوشش میں بھی رہے کہ مسجدوں کے اماموں کو ٹرینڈ کیا جائے تاکہ یہ لوگ اچھی طرح اس فرض کو انجام دیں۔ اور وعظ و تبلیغ کے ذریعے دین پھیلائیں۔ انہوں نے کئی مفید رسالے بھی لکھے ہیں۔ آخر میں چک نمبر ۴۸۴ تحصیل سمندری ضلع لائلپور میں منتقل ہو گئے تھے۔

۴۶۔ حکیم محمد ابراہیم ولد میاں مستقیم فیروزپوری۔ آپ نے دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ فیروزپور کے دیہات میں انگریزی حکومت کی طرف سے حکیم بھی مقرر ہوئے۔ پھر نظام الدین خاں والی ممدوٹ کے ذاتی معالج بھی رہے۔ بہت قابل اور عالم دین انسان تھے۔

۴۷۔ مولوی حافظ محمد عبدالسّلام ساکن ٹوہانہ ضلع حصار۔ آپ دیو بند کے فارغ التحصیل ہیں۔ ہندوستان کے مشہور مدارس میں درس بھی دیتے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ تک نواب صاحب ڈھاکہ کے صاحبزادوں کے اتالیق بھی رہے اور پھر کوٹ عبدالخالق ضلع ہوشیارپور کے مشہور مدرسہ خالقیہ میں عربی کے مدّرس ہو گئے تھے۔

۴۸۔ مولوی حکیم عبداللہ شاہ صاحب کرنالی۔ آپ کا اصلی وطن جلال آباد ضلع مظفر نگر تھا۔ آپ قادری، چشتی اور نقشبندی سلسلے میں صاحب کمال تھے۔ بہت جید عالم تھے۔ آپ نے "تعلیمات رحیمی" اور "اشغال و اورادِ تصوّف" وغیرہ کئی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور مدتوں لوگوں کی روحانی اور جسمانی بیماریاں دور کرتے رہے۔

۴۹۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب کرنالی۔ آپ کے والد زمیندار اور چودھری تھے۔ آپ نے بہت سے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور حاجی حافظ قاری عبدالرحمن صاحب محدّث پانی پتی سے بیعت کر کے نقشبندی اور قادری سلسلہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا اور حج کرنے کے بعد ہمہ تن دین کی خدمت میں لگ گئے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں تفریح الاخوان، شرف و شرافت، شرف الحرمین، مسئلۃ الحجاب وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا انتقال یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو ہوا۔

۵۰۔ مولوی احمد ساکن نوآباد ضلع سانگھڑ۔ آپ کھنڈہ ضلع گورداسپور کے مشہور ارائیں خاندان مہر روڈا کے چشم و چراغ ہیں۔ اس کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت محمد نور بخش صاحب پھلتن شریف والوں سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی سے بھی خلافت حاصل کی۔ آپ کے مریدوں کی تعداد بہت ہے۔ عابد، مرتاض اور عالم ہیں۔ محکمہ ریلوے میں سٹیشن ماسٹر ہیں۔ دین کی خدمت کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

۵۱۔ مولوی حافظ مظہر الدین صاحب۔ آپ ضلع گورداسپور کے قصبہ سنکوہا کے مولوی نواب الدین صاحب کے فرزند ارجمند اور نسیم حجازی کے برادر نسبتی ہیں۔ عالم دین، صوفی کامل اور مرتاض انسان ہیں۔ خلیق اور ہمدرد ہیں۔ روزنامہ کوہستان لاہور میں "نشان راہ" کے عنوان سے دینی مضامین لکھتے ہیں جو اس قدر مقبول اور مؤثر ہیں کہ قاری کو عشقِ رسول اور عشقِ الٰہی میں

جذب ہو جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک مجموعہ ان مضامین کا "نشانِ راہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ شاعر بھی ہیں، نقشبندی سلسلہ میں بیعت ہیں۔

۵۲۔ حکیم رحیم اللہ صاحب۔ ان کا گاؤں گڑھی رحیم اللہ تحصیل و ضلع لاہور ہے۔ چونکہ آپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے شاہی طبیب تھے۔ اس لئے پورا گاؤں آپ کو ——— جاگیر میں ملا تھا۔ آپ بلند پایۂ طبیب اور عالم تھے۔ نہایت زندہ دل بھی تھے۔ ان کی قابلیت کے چند واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ان کے پڑوس میں ایک جولاہا مر گیا۔ جب اسے دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لے گئے تو اتفاقاً حکیم صاحب نے اسے دیکھا اور مبتلائے مرض سکتہ پایا۔ اٹھوا کر گھر لے آئے، علاج کیا اور چند گھنٹوں کے بعد وہ تندرست ہو گیا۔

(۲) ایک بیمار لایا گیا جس کی زبان بند تھی اور بولتا نہ تھا۔ آپ نے اس کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے بعد اس کے سامنے ناچنا شروع کر دیا۔ چند گھنٹوں کے بعد مریض شفایاب ہو کر بولنے لگا۔

(۳) ایک حاملہ عورت ان کے پاس لائی گئی۔ جس کے رحم میں شدید درد تھا۔ آپ عورت کی لاعلمی میں اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور بندوق داغ دی۔ جنین ہل گیا اور رحم کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

(۴) ایک لڑکے نے زہر پی لیا تھا۔ آپ نے اسے گھی اور دودھ پلوایا اور پھر بندوق بھر کر اس کے پیچھے بھاگے کہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ تم نے کیوں زہر پیا تھا؟ لڑکا خوف کے مارے آگے آگے بھاگتا رہا اور حکیم صاحب پیچھے پیچھے۔ حتےٰ کہ سارا زہر پسینہ اور اسہال کی راہ خارج ہو گیا۔

(۵) ایک روز بازار میں بیٹھے تھے کہ ایک مزدور وزن اٹھائے پاس سے گزرا۔ جب آپ کی نگاہ پڑی تو کہا دیکھو مردہ بوجھ اٹھائے جا رہا ہے۔ لوگ آزمائش کے لئے اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ جب اس نے کچھ دور جا کر بوجھ اتارا تو گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

۵۳۔ حکیم مہر مراد بخش لاہوری۔ آپ جید عالم تھے۔ اکثر رؤسا کے لڑکوں کے اتالیق بھی تھے

حکیم بھی تھے۔ بڑے بڑے رئیس آپ سے علاج کراتے تھے۔ اگر کوئی رئیس آپکے فرمان کے مطابق دوائی کا استعمال نہ کرتا تو اسے دیکھنے سے انکار کر دیتے تھے۔ آپ کے بہت سے شاگردوں نے آپ سے حکمت سیکھ کر لاہور میں شاندار کاروبار شروع کر دیا تھا۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں آپ نے فارسی کا ایک اخبار بھی نکالا تھا۔ آپ کی وفات ۱۲ اگست ۱۸۹۷ء کو ہوئی۔ آپ خاندان کٹار بنداں سے تعلق رکھتے تھے۔

۵۴۔ حکیم مولوی غلام رسول صاحب آدان گھوڑے شاہ ضلع ہوشیار پور۔ آپ کے والد میاں نور احمد صاحب عالم، حکیم اور زاہد تھے۔ اور تدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ حکیم غلام رسول کی پیدائش ۲۰-۱۸۱۹ء میں ہوئی۔ آپ شروع سے ہی ذہین اور علم دوست تھے۔ آپ نے دہلی میں بڑی عسرت اور پریشانی کے عالم میں علم حاصل کیا۔ طب کا علم حکیم محمد شریف صاحب سے حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی کتابیں ساتھ لئے پیدل ہی واپس آئے۔ آپ نے گاؤں میں درس قائم کیا اور اس میں فلسفہ، طب، تفسیر قرآن اور علم تصوف کی تعلیم دینے لگے۔

آپ نے ۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۲ء تک اس شان سے درس کا سلسلہ قائم رکھا کہ دور دور تک اس کی شہرت پہنچ گئی۔ غدر کے بعد جب حالات درست ہوئے تو آپکو ہوشیار پور میونسپل کمیٹی کی طرف سے سرکاری طبیب مقرر کیا گیا۔ آپ نے ضلع ہوشیار پور کے ہر قصبہ میں دیسی شفاخانے کھلوائے جن میں اپنی پسند کے طبیب رکھے۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۲ء تک آپ نے ہوشیار پور، جالندھر اور کپورتھلہ وغیرہ میں سینکڑوں لاعلاج مریضوں کے علاج کئے۔ پھر ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۵ء تک اپنے گاؤں میں مطب کرتے رہے۔

۱۸۷۵ء میں میاں غلام جیلانی صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست کپورتھلہ کے صاحبزادے میاں تاج محمد صاحب کا علاج کیا جن کو ڈاکٹروں اور حکیموں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ جب ان کو شفا ہوئی تو سارے علاقہ میں حکیم صاحب کی دھوم مچ گئی۔

۱۸۹۲ء میں بیگم صاحبہ نواب بہاولپور کا علاج کیا اور خداوند تعالیٰ نے انہیں شفا دی تو نواب صاحب نے آپ کو سرکاری طبیب مقرر کیا جہاں اڑھائی سال تک آپ نے خدمات سرانجام

دیں۔ اس عرصہ میں آپ کی شہرت دہلی سے کابل تک پھیل چکی تھی اور تمام رؤسا اور راجگان آپ ہی سے علاج کراتے تھے۔ ۱۸۹۵ء میں آپ بیمار ہو کر گھر آ گئے۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی مریض پنجاب چھوڑ کر دہلی جاتا تو حکیم محمود خاں صاحب فرماتے کہ تم مولوی غلام رسول کو چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟

میانی افغاناں میں ایک لڑکی بیمار تھی۔ بہت سے حکماء اس کا بلغم پانی میں ڈال کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اسے سل نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اسے یقیناً سل ہے۔ حکما نے کہا کہ اس کا بلغم پانی میں تیر رہا ہے مگر آپ نے اسے مسل کر اس کی ریح نکال دی اور بلغم پانی میں ڈوب گیا۔ آپ نے فرمایا: بلغم کا تیرنا ریح کی وجہ سے تھا، لڑکی یقیناً مدقوق ہے۔ آپ نے اس کا علاج کیا تو وہ چند ہفتوں میں بالکل تندرست ہو گئی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئ کشمیر کی دادی کو شام کے تین بجے ½ ۹۹ ٹمپریچر ہو جاتا تھا ڈاکٹروں نے تپ دق قرار دیا مگر آپ نے کہا اسے تبخیر ہے۔ چنانچہ آپ کا علاج کرنے پر وہ تندرست ہو گئی۔

آپ احکام شریعت کے بڑی سختی سے پابند تھے، فرماتے تھے، جس کو روحانیت سے مس نہ ہو وہ چلتا پھرتا مردہ ہے۔ نیز انسان علوم شریفہ سے اس وقت تک منور نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل سے خسیس خطرات دور نہ ہو جائیں۔ آپ کی وفات ۳۰ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو ہوئی۔

۵۵۔ **حکیم مولوی محمد بخش**:۔ آپ حکیم مولوی غلام رسول صاحب کے چچا زاد بھائی تھے اور ان کی غیر حاضری میں ان کا درس اور مطلب چلایا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ سارا کام یہی کیا کرتے تھے۔ بہت جید عالم اور بلند پایہ طبیب تھے۔ انگریزی عہد میں سرکاری طبیب بھی رہے تھے۔

۵۶۔ **حکیم نظامی صاحب**: آپ کا اصلی نام اللہ بخش ہے۔ آپ علامہ طالوت (مولانا عبد الرشید صاحب) کے بھائی ہیں۔ ملتان میں مطب کرتے ہیں۔ جنسی امراض میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی تیار کردہ ادویہ تقریباً سارے مغربی پاکستان میں مستعمل ہیں۔

۵۷۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار صاحب صدر ویسٹ پاکستان میڈیکل پریکٹیشنرز ایسوسی ایشن گوجرانوالہ ۔ آپ دھاریوال ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ نہایت قابل حکیم اور ڈاکٹر ہیں۔ ماہنامہ "ڈاکٹر" کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

۵۸۔ حکیم قاضی رحمت اللہ صاحب انبالوی ۔ آپ حکیم، عالم اور زاہد تھے۔ شاہ جی حضرت عبداللہ تھانیسری کے نواسے تھے۔

۵۹۔ حکیم مولوی ابراہیم ولد صدیق شاہ پور تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان۔ آپ کی قابلیت اور بزرگی کا یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ نواب صاحب بہاول پور کے مرشد اور برصغیر کے مشہور صوفی شاعر اور اہل اللہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب ساکن مٹھن کوٹ بھی آپ ہی سے علاج کراتے تھے۔ خود بہاول پور کے عمائدین ریاست بھی ہر مرض میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اُچہ والے سادات کے حکیم بھی آپ ہی تھے۔ آپکی پیدائش ۱۲۵۰ھ اور وفات ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔

۶۰۔ میاں ولی محمد صاحب تونسوی ضلع ڈیرہ غازی خاں

آپ بزرگ کامل اور عالم بے ریا تھے۔ حضرت خواجہ سلیمان صاحب تونسہ والوں کے استاد تھے۔ آپ کے فیوض کی برکات سے کئی گمراہوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہوئی۔

۶۱۔ سائیں قطب شاہ و سائیں غوثے شاہ جالندھر شہر

دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ساری عمر مجرد رہے۔ میاں غلام محی الدین صاحب برکی قادری کے مرید ہوئے۔ دونوں کامل بزرگ تھے۔

۶۲۔ میاں عالم شاہ۔ نور محل

آپ کی طبیعت پر سکر غالب رہتا تھا۔ کرامات بھی ظہور میں آئیں۔ باپ کا نام مراد تھا ساری عمر مجرّد رہے۔ نور محل میں دفن ہوئے۔

بابا مقیم شاہ

۶۳۔ جگراؤں میں پیدا ہوئے۔ قادری سہروردی طریق میں سید محمد بخش صاحب جالندھری کے مرید ہوئے۔ دو حج کیے۔ سو سال کی عمر تھی۔ درویش بھی تھے۔

۶۴۔ حافظ مولوی محمد بخش۔ کنگرہ

حافظ، عالم اور طبیب تھے۔ اور دونوں میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ نابینا تھے لیکن اکثر کتب فارسی زبانی یاد تھیں۔

۶۵۔ مولوی محمد مسلم۔ گڑھا وہنداں

نہایت قابل پنجابی شاعر اور مصنّف تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ تقویت الاسلام خاص طور پر مشہور رہے۔ جالندھر شہر میں تاجرِ کتب تھے۔

۶۶۔ فیضے شاہ نور محل

سیف زبان تھے۔ عالم اجلّ تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ حضرت میراں سیّد بھیکھ کے خلیفۂ اعظم تھے۔

مولوی محمد ابراہیم ساکن بوٹ (کپورتھلہ)

۶۷۔ والد کا نام غلام حسین تھا۔ بہت عالم تھے۔ درس و تدریس اور طبابت کا سلسلہ جاری رہا مہاراجہ کپورتھلہ کے اتالیق مقرر ہوئے تھے۔ آپ کے بیٹوں میں مولوی غلام محی الدین ہفت زبان کے نام سے مشہور تھے۔ جو حکیم شاعر اور مصنّف بھی تھے۔

۶۸۔ خلیفہ ابراہیم موضع بوٹ (کپورتھلہ)

مشہور اہل حدیث عالم تھے۔ ریاست میں بدعات کے خلاف بہت جہاد کیا۔ اولاد میں سب اہل علم ہیں۔

۶۹۔ مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانہ

بہت عالم تھے۔ دہلی میں کافی عرصہ رہ کر علم حاصل کیا۔ نہایت خوش الحان تھے۔ تلاوتِ قرآن سن کر لوگ رونے لگ جاتے تھے۔ شاہ زمان والیٔ کابل کی درخواست پر لدھیانہ شہر میں آگئے تھے۔ امیر دوست محمد والیٔ کابل کے لئے دعا کی تھی کہ شاہ شجاع قتل ہوگا۔ اور حکومت پھر آپ کو ملے گی۔ قبر آپ کی سمانہ میں ہے۔ اولاد بھی عالم فاضل ہے۔

مولوی محمد صاحب لدھیانہ

۷۰۔ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے دوسرے فرقوں کی تردید میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں

انتصار الاسلام بہت مشہور ہے۔ فتاویٰ قادریہ آپ کی آخری تصنیف ہے۔

۷۱۔ **مولوی عبداللہ صاحب لدھیانہ**

غیر مقلد اور مرزائی آپ سے بہت خوفزدہ رہا کرتے تھے۔ مرزا قادیانی کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا صاحب کے مخالف ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سہارن پور میں فوت ہوئے۔ وہیں قبر ہے۔

۷۲۔ **مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانہ**

احکام الٰہی کی تبلیغ میں ساری عمر گزار دی۔ مدارس اسلامیہ جاری کیے۔ فتویٰ دینے میں بھی بہت کامل تھے۔ اپنے بزرگ باپ مولوی عبدالقادر سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ ۴ دسمبر ۱۹۰۱ء کو انتقال کیا۔

۷۳۔ **شیخ اللہ داد صاحب سرسہ ضلع حصار**

خاندان چشتی میں حضرت نظام الدین صاحب نارنول سے بیعت کی تھی۔ عہد اکبری کے مشہور مشائخ اور علماء میں سے تھے۔ اکبر بادشاہ نے سو بیگہ اراضی آپ کی خانقاہ کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ سرسہ ریلوے سٹیشن کے مغربی جانب آپ کا مقبرہ ہے۔ اسی جگہ آپ کا پرانا گاؤں خواجہ کھیڑہ ارائیاں واقع تھا جو دریائے سرسوتی کے سیلاب کے باعث تباہ ہو گیا تھا۔ آپ کی اولاد کے کچھ افراد موضع رانیہ میں آباد ہو گئے تھے اور کچھ پپلی بھیت، جالندھر اور ہوشیارپور کی جانب نقل مکانی کر گئے۔ وہاں بھی "خواجہ کھیڑیا" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شیخ صاحب علیہ الرحمۃ کی درگاہ پر ہی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کنگن پوری تمام عمر درس و تدریس کے سلسلہ میں مصروف کار رہے۔ مقامی مسلمانوں نے انجمن اللہ دادیہ کے زیر اہتمام ایک ایک اسلامیہ مڈل سکول بھی قائم کر رکھا تھا جو انقلاب ۱۹۴۷ء تک بخوبی قائم تھا۔

۷۴۔ **مولوی محمد سلیمان صاحبؒ**

آپ موضع کنگن پور نزد سرسہ ضلع حصار کے رہنے والے تھے (آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ مہر منگو کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) آپ نے سائیں توکل شاہ صاحب انبالویؒ سے بیعت کی تھی اور انہی کے خلیفہ تھے۔ اگرچہ موضع کنگن پور میں دو صد بیگہ زمین اور باغات

کے مالک تھے مگر تمام عمر حب دنیا سے بے نیاز ہو کر درویشانہ زندگی گزاری۔ آپ کا حلقہ مریدی بڑا وسیع تھا۔ نوابان پاٹودی اور مالیر کوٹلہ بھی آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔ باشندگان علاقہ خصوصاً اور دور دراز علاقہ کے خواص عموماً آپ کے روحانی فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ کا مزار اقدس درگاہ خواجہ عبدالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ ہرسوی کے مزار کے مقابل مسجد میں ہے۔

۷۵۔ حاجی سیدا

موضع رانیہ ضلع حصار کے حاجی سیدا صاحب مشہور اہل حدیث، جیّد عالم اور متدین بزرگ تھے۔ انہوں نے قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے میں اپنی تمام زندگی وقف کر رکھی تھی۔ قبیح رسم و رواج کی اصلاح میں آپ نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور ہمیشہ احکام خداوندی کی ترویج میں کوشاں رہے۔ آپ نے ایک بہت بڑا کتب خانہ جمع کر رکھا تھا۔ علاقہ سوتر کے مولوی نور محمد صاحب (مصنف پنجابی کتاب موسومہ "شہباز") آپ ہی کے ہمعصر تھے۔

۷۶۔ حافظ پیر محمد چشتی نظامی ریاست پٹیالہ

آپ سیف زبان اور صاحب کشف تھے۔ کشف القبور میں خاص کمال حاصل تھا۔ میاں محمد شاکر صاحب سامانوی سے بیعت تھے۔ ان کے صاحبزادے خلیفہ غلام حیدر صاحب وکیل راجپورہ ریاست پٹیالہ بہت معزز اور نیک شخص تھے

۷۷۔ حضرت حاجی شاہ جی میاں عبداللہ شاہ صاحب تھانیسری

صاحب تصرف اور باکرامت بزرگ تھے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت موسیٰ مانک پوری کے مرید تھے۔

ضلع مظفر گڑھ

مولوی اللہ بخش ساکن خان گڑھ، حاجی کریم داد ساکن جتوئی، مولوی محمد صالح ساکن جتوئی بڑے کامل بزرگ، حکیم اور عالم ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے قوم ارائیں میں دین کو زندہ

کرنے کی پوری کوشش کی۔

ریاست بہاول پور

میاں صالح ساکن موضع پیرن بہوٹہ تحصیل احمد پور، مولوی عبدالستار صاحب، حضرت شریف محمد صاحب موضع شدائی تحصیل خان پور بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ حکیم مولوی امام بخش صاحب نواں کوٹ بھی مشہور بزرگ تھے۔

ضلع پیلی بھیت

حکیم غلام معصوم ساکن خاص پیلی بھیت، حکیم خلیفہ احمد علی ساکن کرگھنا، مولوی شیخ غلام مصطفیٰ ابن عبدالواحد ساکن امکھیڑہ، میاں شیر محمد ساکن ہنوکٹیا میاں ضلع بریلی بہت کامل بزرگ ہو گزرے ہیں۔

ان کے علاوہ حافظ خدا بخش ساکن مظفر نگر، حافظ رحیم اللہ ساکن جلال آباد کرانہ ضلع مظفر نگر بہت متدین بزرگ تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔

میاں علی بخش صاحب سبزی منڈی موضع سا ڈھورا میں مشہور ولی اللہ ہو گزرے ہیں مولوی حافظ رحیم بخش صاحب کرنال میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔

ضلع لاہور

خلیفہ علم الدین، خلیفہ معراجدین، حکیم غلام ہاشم ساکنان بھاٹی دروازہ، سائیں مہر صوبہ دہلی دروازہ ولی اللہ، میاں غلام دستگیر ولد حافظ مولوی ساکن کھیم کرن، مولوی شرف الدین باغبانپورہ، حکیم حسن بخش چونیاں، حکیم سردار علی ساکن برج کلاں بہت مشہور و معروف ہستیاں ہو گزری ہیں۔

ضلع گورداسپور

۷۸۔ مولوی نواب دین صاحب ستکوہا

مشہور عالم، مقرر، درویش اور ولی اللہ تھے۔ آپ رمداس ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے

اکثر سیاحت کرتے اور واعظانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مولوی سراج الحق صاحب سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی تھی۔ سخی تھے۔ بڑی لمبی لاٹھی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور وعظ کے دوران میں کبھی جہاد بھی کر لیا کرتے تھے۔ بڑے وجیہہ جوان تھے۔ مشہور ناول نگار نسیم حجازی ان کے داماد ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔

ضلع جالندھر

میاں محمد ابراہیم عرف میاں جی پنوں شاہ صاحب ساکن علاول پور مولوی جان محمد ساکن آدم پور، مہر اسماعیل عرف چپ شاہ جالندھری، مولوی امام دین صاحب آورمان، مہر محمد بخش جالندھری اور کئی دوسرے بزرگ مشہور عالم، حکیم اور ولی ہو گزرے ہیں جن کا تذکرہ بخوف طوالت نہیں کیا جا سکتا۔

۷۹۔ حضرت صوفی علی احمد صاحب نقشبندی مجددی

آپ قصبہ کھنڈ نزد دھاریوال دہہاں ایجرٹن وولن ملز کے نام سے گرم کپڑے کا بہت بڑا کارخانہ ہے) ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد مہر خدا بخش، مہر بڈھا کے بڑے صاحبزادے تھے جو ارائیں برادری کے مہر باغ علی عرف باگو کے خاندان سے تھے۔ انہوں نے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۳۹ء میں والٹن ٹریننگ سکول لاہور میں سٹیشن ماسٹر گروپ پاس کر کے ڈرگ روڈ کراچی میں ملازمت اختیار کر لی اور تیس سال تک ملازمت کر کے ۱۹۷۰ء میں بطور سٹیشن ماسٹر ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں ٹنڈو آدم میں سکونت پذیر ہو گئے جہاں مہر بڈھا کے دوسرے صاحبزادے مہر عطا محمد مقیم ہیں۔

بیعت آپ نے گاؤں بھکن تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں حضرت خواجہ محمد نور بخش کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مجھے بھی ۱۹۵۲ء میں حضرت موصوف سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارے مرشد بہت زندہ دل، خوش مزاج اور حاضر جواب تھے آپ کا انداز بیان اتنا موثر ہوتا تھا کہ سامعین بے خود ہو جاتے تھے۔ آپ طب کی

دوکان کرتے تھے۔ فرماتے لوگ جسمانی بیماریوں کا علاج تو کراتے ہیں لیکن روحانی بیماریوں کا مطلق احساس نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی روحیں مسخ ہو رہی ہیں۔ لوگ تعویذ لینے آجاتے ہیں لیکن اللہ اللہ کرنا کوئی نہیں سیکھتا۔ ۱۹۵۵ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

حضرت علی احمد صاحب کو اپنے مرشدؒ سے ۱۹۵۱ء میں خلافت ملی۔ مرشدؒ نے اپنی دستار اور واسکٹ عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ کی ریاضت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ رات کو آرام کم کرتے۔ زیادہ وقت درود شریف اور وظائف پڑھنے میں صرف کرتے۔ کھانا کم کھاتے فرماتے: وظائف پورا کرنے کے لئے کم خوری ضروری ہے۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی سے بھی بیعت کی جو اپنے پیر بھائی حضرت خواجہ نور بخشؒ کی وفات کا سن کر مدینہ سے پاکستان تشریف لائے تھے۔ مولانا مدنی مدظلہ نے صوفی صاحب کے لئے دعا فرمائی اور مقامات طے کرنے کی اجازت دے دی۔ جس سے باطن کھل گیا۔ حضرت مدنیؒ نے خلافت بھی عطا فرما دی۔

راہِ سلوک

آپ حلال کھانے کا بہت احترام کرتے ہیں۔ آپ کی اہلیہ باوضو کھانا تیار کرتی ہیں۔ وظیفہ مقفل مکان میں بیٹھ کر پڑھتے۔ وضو کے لئے ضرورت ہوتی تو ان کو تالا کھولے بغیر باہر دیکھا۔ اہلیہ نے راز دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کے پیچھے نہ پڑو اپنا کام کرو۔

آپ نے ریلوے سٹیشن کے سامنے ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی ہے۔

ارشادات:-

(۱) تبلیغی جماعت والے سپاہی بناتے ہیں اور صوفیاء کرام درباری۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ علماء ظاہر کو درباریوں پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے کیونکہ درباریوں کے حال اور کیفیت سے یہ لوگ بے خبر ہیں۔ جب یہ بھی دربار میں داخل ہو جائیں گے تو ان کو حقیقت معلوم ہو گی۔ باہر بیٹھ کر اندر کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

(۲) شیطان انسان کو اس وقت تک تنگ کرتا ہے جب تک وہ گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ جب گھر میں آکر گھر والوں کا ساتھی بن جاتا ہے تو شیطان کا حملہ ناکام رہتا ہے جس طرح

کتا گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجنبی پر بھونکتا ہے لیکن جب وہ گھر والوں سے مل جل جاتا ہے تو کتا واقف سمجھ کر خاموش رہتا ہے۔

(۳) اس راہ میں آزمائش ضرور آتی ہے۔ شکر ہے کہ ہم کو فاقہ نہیں آیا۔

(۴) آدمی محنت کرے اور پیر کامل ہو تو اسے جلدی کھینچ کر اوپر لے جاتا ہے۔

(۵) جس طرح تشریعی بزرگوں کے درجات ہیں اسی طرح تکوینی بزرگوں کے بھی درجات ہوتے ہیں۔ ان میں بھی یہی تقسیم ہوتی ہے مگر ان پر کون کے اسرار زیادہ کھلتے ہیں اور اِن پر اسرار الٰہی زیادہ کھلتے ہیں۔ یہ افضل ہیں۔

(۶) میری طبیعت تو یہ ہے کہ جو بزرگ شریعت کا پابند نہیں ہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

(۷) ولی کو مرنے کے بعد اپنے مرید پر پوری توجہ ہوتی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت خواجہ نور بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ولی کو مرنے کے بعد اس کی روحانیت میں اور زیادہ ترقی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ دنیا کے معاملات سے یکسوئی حاصل کر لیتا ہے۔

آپ درمیانہ قد، نورانی چہرہ، سفید ریش بزرگ ہیں۔ چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ انگلیاں تسبیح کے دانوں کو ہر وقت گردش میں رکھتی ہیں۔ صحت بفضلِ ایزدی بہت اچھی ہے۔ مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور جو بھی اس حلقہ میں شامل ہو گیا، تائید ربانی سے فلاح پا گیا۔

۸۰۔ حافظ رحیم اللہ صاحب جلال آباد کرانہ ضلع مظفر نگر

حافظ صاحب صالح، عالم اور نہایت متشرع بزرگ گذرے ہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رح کے شاگردوں میں سے تھے۔ سترھویں صدی کے اخیر میں وفات پائی۔ ان کا خاندان جلال آباد میں خاندانِ حافظاں کے نام سے مشہور رہے۔ ان کا فیض جاری ہے۔ اَن گنت لوگوں نے علم حاصل کیا۔ اور حافظ بھی ہوئے۔ اس خاندان میں مستورات بھی حافظ ہیں۔

اسی خاندان میں سے مولانا حافظ علاؤ الدین صاحب المتخلص بہ فرخ، جناب نواب میجر محمد نصر اللہ خاں صاحب ریاست بھوپال اور ان کے برادر اصغر نوابزادہ محمد حمید اللہ

خاں بہادر، دونوں کے اتالیق منتخب ہوئے اور دس سال تک اس فرض کو بطریقِ احسن سرانجام دیا۔ علم وفضل اور دینداری اس خاندان کی مسلّم ہے۔

۸۱۔ **حکیم کریم بخش صاحب باغبانپورہ لاہور**

آپ باغبان پورہ کے مشہور میاں خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ حکیم اور بزرگ تھے۔ اسی سال کی عمر پائی۔ ان کے بڑے بھائی میاں قادر بخش عالم اور شاعر تھے۔ نادر تخلص کرتے تھے۔ نہایت زیرک اور فن قلعہ کشائی میں ماہر تھے۔ ایک کتاب مفتاح القلعہ تصنیف کی تھی۔

۸۲۔ **مولوی ابراہیم صاحب ساکن منگالا ضلع حصار**

آپ تفسیر حدیث اور فقہ کے جیّد عالم تھے۔ طبیب بھی تھے۔ آپ پکے حنفی تھے۔ غیر مقلّد علماء کے جواب اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کی حمایت میں دو زبردست رسالے شائع کئے جن میں سے "حق البیان فی ازالۃ البہتان" بہت مشہور ہے۔

۸۳۔ **حاجی مولوی فتح محمد صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر**

آپ جملہ علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کی قابلیت اور دینداری کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، مولوی محمد ابراہیم، مولوی حکیم عبداللہ شاہ کرنالی جیسے بڑے بڑے کامل بزرگ اور شہرہ آفاق شخصیتیں آپ کی شاگردی کا فخر رکھتی ہیں۔ ستر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

۸۴۔ **منشی خاں سندھی صفی**

آپ نے ہوشیار پور سے پہلے اخبار "سفیر" جاری کیا۔ پھر "کوہ نور" لاہور کے ایڈیٹر مقرر ہوئے جو اس وقت پنجاب کا نہایت مشہور اخبار تھا۔ پھر بھیرہ ضلع شاہ پور میں اخبار "دوست ہند" کے ایڈیٹر ہوئے۔ اس کے بعد تاج الاخبار راولپنڈی کو ایڈیٹ کرتے رہے۔ اور بعد میں "سرحدی اخبار" جاری کیا۔ ۱۸۹۶ء میں اراضی بطور جاگیر مل گئی اور آپ اسے آباد کرنے میں مشغول ہوگئے۔

۸۵۔ **صوفی اکبر علی جالندھری**

آپ برادری کے وہ مایہ ناز سپوت ہیں جنہوں نے نہایت کاوش سے ۱۹۱۹ء میں سلیم التواریخ

لکھ کر قوم کی بہت بڑی خدمت کی۔ یہ قوم پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

۸۶۔ منشی محمد ابراہیم محشرؔ ابنالوی

آپ نے ۱۹۲۲ء میں ارائیں برادری کے لئے "آلِ ذوالعین" تاریخ لکھی۔ جس پر تبصرہ گزشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔

۸۷۔ قاضی فتح محمد صاحب ابنالوی

آپ "سفیر" اور "الراعی" لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ شاعر بھی تھے، قاضی تخلص کرتے تھے۔

۸۸۔ مولوی نور محمد حقانی لدھیانوی

آپ نے لدھیانہ میں ایک دینی مدرسہ "مدرسہ حقانی" جاری کر رکھا تھا۔ ان دنوں لدھیانہ میں عیسائیوں کا ایک رسالہ "نور افشاں" نکلتا تھا۔ جو مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ آپ نے اس کا جواب دینے کے لئے اخبار "نور النور" جاری کیا اور معترضین کے دانت کھٹے کر دیئے۔ آپ کی تحریر بڑی وزن دار اور ٹھوس ہوتی تھی۔

۸۹۔ "فلک پیما"

آپ کا نام میاں عبدالعزیز تھا اور "فلک پیما" کے نام سے مضامین لکھتے تھے۔ ہمارے ملک کے وضع دار بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے ساری عمر ایک ہی رسالے یعنی "ہمایوں" میں اپنے رشحاتِ قلم چھپوائے۔ زندگی کا جیتا جاگتا گہرا شعور ہمیں فلک پیما کے مضامین میں ملتا ہے، اس کی مثالیں اس دور کے لکھنے والوں میں اگر ہیں تو بس خال خال۔ "فلک پیما" مرحوم کے اسلوب کی شگفتگی اور طنز کی چبھن واقعی اپنی نظیر آپ ہے۔ "ہمایوں" لاہور پڑھنے والوں پر "فلک پیما" کی عظمت ثابت ہو چکی تھی۔ ان کے مضامین کا مجموعہ "مضامین فلک پیما" کے نام سے آئینۂ ادب چوک انارکلی لاہور نے شائع کیا ہے۔ جس کی قیمت دس روپے ہے۔

۹۰۔ مولانا عبدالرشید نسیم المعروف بہ علامہ طالوت صاحب

علامہ اقبال کے قریبی دوست اور مولانا حسین احمد مدنی کے خاص شاگرد تھے۔ علم و ادب سے شناسائی اور دلچسپی رکھنے والوں کے لئے علامہ طالوت کا نام بڑی جاذبیت رکھتا

تھا۔ ان کے مضامین اور اشعار ہند و پاک کے تقریباً تمام اچھے رسائل میں شائع ہوتے تھے وہ مورخ بھی تھے۔ افسوس کہ انہوں نے اپنے مضامین کو کتاب کی صورت میں شائع نہ کرایا۔

ان کے چھوٹے بھائی شمس الاطباء حکیم اللہ بخش صاحب المعروف بہ حکیم نظامی صاحب ملتان میں "نشان زندگی" دواخانہ کے مالک و مہتمم ہیں اور اپنی قابلیت کی وجہ سے پاکستان بھر میں مشہور ہیں۔ انہوں نے "نشان زندگی" ایک پمفلٹ بھی لکھا ہے۔

۹۱۔ مولانا خلیل اللہ صاحب خیر پور میرس

آپ نے ارائیں برادری کے لئے ۱۹۵۳ء میں چند کتابچے شائع کرائے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا محمد سلیم صاحب بڑے قابل انسان ہیں۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی والدہ بیگم بلقیس صاحبہ بھی شاعرہ ہیں اور انہوں نے حج سے واپسی پر اپنے تاثرات کو حج نامہ کی صورت میں بزبان پنجابی منظوم لکھا اور شائع کیا۔

آپ دینی مدارس میں تعلیم دیتے رہے اور اب اپنی گوٹھ "سلیم آباد" میں دینی مدرسہ جاری کر چکے ہیں۔

۹۲۔ مولانا بشیر احمد صاحب پسرور ضلع سیالکوٹ

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ عالم، زاہد اور بزرگ انسان ہیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف زیادہ مشہور ہیں۔

بدعات محرم، قوت حیدری، داماد علیؓ و داماد نبیؐ، خلفائے ثلاثہؓ، اور اہل بیت، تحقیق متعہ فضائل اصحابؓ ثلاثہ، سیرت امامینؓ،

۹۳۔ مولانا امجد علی صاحب

آپ نے "بہار شریعت" لکھ کر گویا اسلامی فقہ، عقائد اور عبادات پر ایک انسائیکلوپیڈیا مکمل کر دیا ہے۔ آپ بریلوی خیالات کے عالم ہیں۔

۹۴۔ شمس الدین المعروف بہ شمس الراعی

آپ ضلع انبالہ کے مہاجر ہیں۔ مشہور شاعر اور مصنف ہیں۔ "شعاعِ شمس" اور "نسب نامہ الراعی" وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔

۹۵۔ پروفیسر محمد ظریف ایم اے

آپ نامور ادیب اور شاعر تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

۹۶۔ نسیم حجازی

آپ کا اصلی نام محمد شریف اور تخلص نسیم ہے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک نواب بہاول پور کے صاحبزدگان کے اتالیق بھی رہے۔ بیرانی ضلع سانگھڑ میں رئیس گوہر خاں کے اتالیق بھی رہے جبکہ آپ "محمد بن قاسم" کی تکمیل کے سلسلہ میں بیران کے پاس دلور میں منصورہ اور بھمن آباد کی جغرافیائی حدود کا مطالعہ کر رہے تھے۔

کراچی سے "تنظیم" اخبار جاری کیا۔ پھر میر جعفر خاں جمالی کی تحریک پر کوئٹہ چلے گئے اور "تنظیم" وہاں سے ایڈٹ کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی سے "تعمیر" اخبار جاری کیا۔ پھر کوہستان شروع کیا جو اس قدر مقبول ہوا کہ بیک وقت ملتان، لاہور اور راولپنڈی سے شائع ہونے لگا۔ اس اخبار (کوہستان) کے متعلق "اردو صحافت ہند و پاکستان میں"، کے صفحہ ۵۲۳ پر ڈاکٹر عبدالسلام لکھتے ہیں۔

'لاہور کی صحافت میں "کوہستان" کے اجراء اور نشو و ارتقاء نے تمام ہمعصر اخباروں کو متاثر کیا ہے۔ یہ اخبار پہلے راولپنڈی سے جاری ہوا تھا۔ پھر اس کا لاہور ایڈیشن نکلنے لگا۔ اس کے بعد ملتان ایڈیشن جاری ہوا لیکن پرچے کی اصل ترتیب لاہور میں ہی ہوتی ہے۔ اس کے مدیر مشہور ناول نگار اور اخبار نویس جناب نسیم حجازی ہیں۔ آپ نے ابتدا شاعری سے کی پھر اسے چھوڑ کر ناول نویسی اختیار کی اور بے شمار ایسے ناول لکھے جن کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ صحافت کا آغاز کوئٹہ سے کیا پھر روزنامہ "تعمیر"، راولپنڈی کی ادارت کرتے رہے۔ وہاں سے مستعفی ہو کر کوہستان جاری کیا۔

"کوہستان" پاپولر جرنلزم کا ایک نمونہ ہے اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے اخباروں نے بھی یہی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ "جنگ" کراچی کے بعد مغربی پاکستان کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار "کوہستان" ہے۔

صحافت کا قابل تقلید نمونہ پیش کرنے کے علاوہ آپ نے بہت سے ناول لکھے ہیں جن کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کوئی پڑھا لکھا گھرانا، ادارہ یا لائبریری ان ناولوں سے خالی نہیں ہے۔ بقول مولانا صلاح الدین احمد مرحوم ایڈیٹر "ادبی دنیا" لاہور: "مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابیں نسیم حجازی کے ناول ہیں۔"

چند مشہور ناول یہ ہیں۔

محمد بن قاسم۔ داستان مجاہد، انسان اور دیوتا، سو سال بعد، آخری چٹان، اور تلوار ٹوٹ گئی، آخری معرکہ، شاہین، سفید جزیرہ، ثقافت کی تلاش، پاکستان سے دیار حرم تک۔ قیصر و کسریٰ، خاک و خون، معظم علی۔

آپ کے ناولوں کا موضوع جہاد ہے اور خدا کے فضل و کرم سے خود بھی مجاہد ہیں۔ بلند قامت، مضبوط جسم، پُر رعب چہرہ جس پر مسکراہٹ کی لہریں ہر وقت دوڑتی رہتی ہیں۔ گھوڑ سواری، نشانہ بازی، تیراکی، چھلانگ لگانا اور تیز دوڑنا عہد جوانی کے چند مشاغل تھے اسلامی اخلاق کا مجموعہ ہیں۔

نسیم حجازی کی ادبی صلاحیتیں اپنا لوہا منوا چکی ہیں اور ہندوپاکستان میں ان سے زیادہ مقبول ناول نگار کوئی نہیں ہے۔

۹۷۔ صفدر سلیمی صاحب

آپ پہلے خاکسار تحریک میں پبلسٹی انچارج تھے۔ آجکل "طلوع اسلام" لاہور کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ رسالہ پرویز صاحب کی جماعت کا ترجمان ہے۔

آپ نے پہلے لائل پور سے "انصاف" اخبار جاری کیا تھا اور خاکسار تحریک کی سولہ سالہ جدوجہد پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ آپ کی تحریریں بڑی زوردار ہوتی ہیں۔

نوٹ: اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

۹۸۔ **عبدالرشید تبسم ایم۔اے**

آپ ارائیں برادری کے قومی آرگن "الراعی" لاہور کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آپ ایک کہنہ مشق ادیب، صحافی اور شاعر بھی ہیں اور ملک کے مختلف جرائد میں ان کے رشحات قلم وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔

۹۹۔ **حنیف رامے**

آپ ادیب کی حیثیت سے کم اور آرٹسٹ کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ پاکستان کے نامور آرٹسٹ ہیں جنہیں یورپین ممالک نے بھی انعامات دیئے ہیں اور ان کے آرٹ کی تعریف کی ہے۔ آپ ماہنامہ "نصرت" لاہور کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ کے اداریوں نے ایک نئی طرز تحریر کی راہ کھول دی ہے اور قارئین کے لئے غور و فکر کا سامان بہم پہنچایا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے اداریے اپنی مثال آپ ہیں۔ پیپلز پارٹی کے قیام میں آپ نے نمایاں کام کیا اور اس پارٹی کے آرگن 'مساوات' کے ایڈیٹر رہے۔ بعد میں صدر مملکت جناب ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں ان کی نمایاں خدمات کی وجہ سے پنجاب کی کابینہ میں لے لیا۔ وہ آجکل وزیر خزانہ ہیں۔

۱۰۰۔ **چودھری محمد اکبر**

آپ نے محکمہ تعلیم میں مختلف ذمہ دار جگہوں پر عرصہ تک کام کیا ہے۔ اس لئے بچوں کی تعلیم و تربیت آپ کا خاص موضوع ہے۔ آپ نے یوں تو کئی کتابیں لکھی ہیں مگر "ایام مدرسہ" اور "شاہراہِ اسکول" دو زیادہ مشہور اور مقبول کتابیں ہیں۔ آپ نے نئی نسل کی رہنمائی کے لئے اساتذہ اور والدین کو بھی ان کا فرض یاد دلایا ہے۔ آپ تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے لیکن آپ کا انتقال ہو گیا۔

۱۰۱۔ **مولانا محمد اسحاق نقشبندی**

آپ ہفت روزہ "نسیم" جہلم کے ایڈیٹر ہیں۔ بلند پایہ ادیب اور دیندار انسان ہیں۔ قوم میں یک جہتی اور دینداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

۱۰۲۔ علی اصغر چوہدری

راقم نے زیادہ تر جماعت اسلامی کے جرائد کی خدمت کی ہے۔ "ایشیا" اور "شہاب" کے لئے گذشتہ کئی سالوں سے لکھا ہے۔ چند تاریخی اور سماجی ناول بھی لکھے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

امیر اندلس۔ دوشیزۂ عرب۔ آخری جہاز۔ استاد پھکنا۔ آخری چراغ۔ منزل مراد۔

دینی خدمت کے لئے مندرجہ ذیل کتابچے شائع کر کے مفت تقسیم کئے۔

دعوتِ عمل، گھر کے اندر، اسلامی تہذیب۔ نوجوانوں کی راہنمائی کے لئے ایک گائیڈ "جوانی کی راہ میں" لکھی ہے جو زیر طبع ہے، جس میں نوجوانوں کے مسائل اور ان کا حل بتایا گیا ہے۔ قومی خدمت کے لئے "تاریخ قوم ارائیں"، لکھی جو آپ کے سامنے حاضر ہے۔ تازہ ترین تصنیف "دجّال اور دھماکے" اور سکون اور سکون کی راہ ہے

۱۰۳۔ میاں شاہ محمد عزیز

آپ مغربی پاکستان کے واحد تجارتی روزنامہ "ڈیلی بزنس" لائل پور کے ایڈیٹر ہیں، جس کے متعلق "اردو صحافت ہند و پاکستان میں"، صفحہ ۵۲۵ پر لکھا ہے۔

"لائل پور کے ایک روزنامے "ڈیلی بزنس رپورٹ"، کو یہ خصوصیت حاصل ہے ہے کہ یہ پاکستان کا واحد تجارتی روزنامہ ہے اور نہایت کامیاب ہے اس کے مدیر جناب شاہ محمد عزیز ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی نکلنے لگا تھا"

آپ نے "لائل پور سے ماسکو تک"، اپنے سفر کی ایک دلچسپ ڈائری بھی ترتیب دی ہے جس میں احیائے اسلام کے جابجا اشارے کئے ہیں۔

آپ نے "بزنس ڈائریکٹری"، مرتب کر کے تجارتی اداروں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اردو زبان میں غالباً یہی ایک ڈائریکٹری اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔

۱۰۴۔ میاں محمد شفیع سابق ڈپٹی کمشنر لاہور

آپ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے علاوہ علم و ادب کی بھی خدمت کرتے رہتے ہیں

چنانچہ آپ کا شاہکار "۱۸۵۷ء"، علمی، ادبی اور تاریخی حلقوں سے خراج تحسین وصول کرنے کے علاوہ حکومت پنجاب سے نقد انعام بھی حاصل کر چکا ہے۔ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور بطور سند پیش کی جا سکتی ہے۔ اس پر تبصرہ کی ایک سطر مندرجہ ذیل ہے۔

"میاں صاحب اس پُر آشوب دور میں ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کے دل قوم و وطن کے درد سے لبریز ہیں اور جن کے قلم اس درد کی عکاسی کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔"

۱۰۵) ڈاکٹر نذیر احمد (ہومیوپیتھ) (مرحوم)

ڈاکٹر نذیر احمد ولد الحاج میاں اللہ بخش مرحوم بلاک ۱۲، ڈیرہ غازی خاں، موضع انوکھ والی تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر (بھارت) ۲۹ مئی ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ ایف۔ اے ملتان ایمرسن کالج کر کے، ہومیوپیتھی کورس سنٹرل کالج لاہور سے کیا اور ۱۹۴۴ء سے جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے۔ اس تحریک کے بڑے مخلص کارکن تھے۔ ڈیرہ غازی خاں کو تحریک کا مرکز مولانا مودودی صاحب کے حکم سے کیا۔ مہاجر کیمپوں میں ریلیف کا کام بڑے خلوص سے کیا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک صوبہ بہار میں امدادی کام کیا۔ تحریک جماعت اسلامی میں انتہائی سرگرمی کی وجہ سے مختلف حکومتوں کے زیر عتاب رہے۔ جن میں پولیس کی نگرانی، وارننگ، مکان میں نظر بندی اور پے در پے گرفتاریاں اور مقدمات شامل ہیں۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے ہومیوپیتھک پریکٹس بھی کرتے تھے اور جماعتی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ مستحقوں کی مدد، تعلیم کے خواہشمندوں کے لئے تعلیم کا بندوبست اور علاقے کی انفرادی اور اجتماعی مسائل کے لئے بھرپور جدوجہد کرتے تھے۔ وہ اخلاص اور ایثار کا عملی نمونہ تھے۔

۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی کی نشست کے لئے جماعت اسلامی کی طرف سے انہیں کھڑا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔

ایثار کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اپنا سب کچھ دفاعی فنڈ میں دے دیا۔

۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان گئے۔ سقوط ڈھاکہ سے پہلے واپس آگئے تھے۔ بڑے مخیر اور ہمدرد انسان تھے۔ اور دوسروں کی مدد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

۸ر جون ۱۹۷۲ء کو دو نقاب پوشوں نے ان کی دوکان پر آکر آپ کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ آپ بے ہوش ہو کر کرسی سے گر گئے اور ہسپتال میں لے جائے گئے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی میاں محمد رمضان ایڈووکیٹ ہیں۔

گزارش

تاریخ ہند و پاک کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کا دور ساری دنیا کے لئے بالعموم اور اس برصغیر کے لئے بالخصوص بڑا ہنگامہ خیز تھا اس دور میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں اس قدر رنگین اور حیرت انگیز ہیں کہ قاری دم بخود رہ جاتا ہے۔ مغلوں کا زوال، مرہٹوں اور سکھوں کی تباہ کاریاں، انگریزوں کی مکاریاں، ہندوستان کی غلامی اور آزادی کے پروانوں کی جاں نثاریاں اوراق تاریخ پر اس طرح ثبت ہو چکی ہیں کہ ان کے مطالعہ سے اپنے کردار کا جائزہ لینا اور مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کچھ ہستیاں انگریزی استعمار کے خلاف آزادی کی دھن میں جانفروشی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں تو کچھ احباب اعلیٰ سرکاری مراتب پر فائز رہ کر بھی قومی مفاد کے تحفظ میں کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں مگر ہمیں خوشی ہے کہ ہماری قوم میں غدار وطن

نہیں ہیں۔ ہم اپنے سیاسی لیڈروں اور قومی خادموں کے ساتھ ساتھ ان اعلیٰ عہدیداروں پر بھی بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف ارائیں قوم کی سربلندی کو مدنظر رکھا بلکہ ملکی مفاد کے لئے حتی الامکان جد و جہد کرتے رہے۔

۱۰۶۔ کیپٹن انوار الحق شہیدؒ

گزشتہ پاک بھارت جنگ میں ملک کا دفاع کرنے والے جوانوں میں جواں سال اور خوبرو کیپٹن چوہدری انوار الحق بھی تھے۔ ان کے ذمہ موضع بھینی (واہگہ بارڈر) کے پل کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری تھی۔ دشمن نے ۷ ستمبر ۱۹۶۵ء کو شدید حملہ کیا لیکن ان کے جوابی حملوں کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ ۸ ستمبر کو دشمن تازہ دم فوج لے کر پھر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے مشین گن والے مورچے کی کمان خود سنبھالی، توپ خانے کو ہدایات دیں جس نے ٹھیک نشانے پر ایسی گولہ باری کی کہ دشمن پھر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس کو سخت نقصان پہنچا۔ لیکن بھاگتے ہوئے دشمن کے ایک ٹینک نے مشین گن کی پوزیشن دیکھ کر گولہ پھینکا جو کیپٹن انوار الحق کے کندھے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ موضع کھُرلہ کنگرہ (جالندھر۔ مشرقی پنجاب) کے مہاجر، راعی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج گوجرانوالہ سے بی۔ اے پاس کیا اور ۱۹۵۵ء میں فوج میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ شامل ہوئے اور کوئٹہ پشاور اور لاہور میں متعین رہے۔ آپ تھرڈ بلوچ رجمنٹ D پلاٹون کے کمانڈر تھے۔ گزشتہ دو سال سے آپ ملٹری کالج جہلم میں بطور کوارٹر ماسٹر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی زمین $\frac{218}{T.D.A}$ تحصیل لیہ میں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ہی آپ کے والد چوہدری سراج الدین اور چچا شاہ دین سب انسپکٹر پولیس انتقال کر گئے تھے۔

آپ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا، دو لڑکیاں اور ایک بیوہ چھوڑ گئے ہیں۔ لڑکا ملٹری کالج جہلم میں زیر تعلیم، اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر نئے عزم کے ساتھ اسلام اور قوم و ملک پر قربان ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔

آپ کا مرقد ملٹری قبرستان لاہور چھاؤنی میں ہے اور واہگہ بارڈر پر آپ کا نام شہداء

کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔

۱۰۷۔ چودھری محمد علی

آپ ۱۵ ،جولائی ۱۹۰۵ء کو جالندھر کی تحصیل نکودر کے گاؤں ننگل انبیاء میں پیدا ہوئے اسلامیہ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں کیمسٹری کے لیکچرار رہے۔ ۱۹۲۸ء میں انڈین آڈٹ اینڈ اکاونٹس سروس میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۳۲ء میں ریاست بہاول پور کے اکاونٹنٹ جنرل رہے۔ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ حکومت ہند کی ملازمت میں آگئے اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

آزادیٔ وطن کی تڑپ نے آپ کو ہمیشہ فعال رکھا۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بعد وائسرائے مسلم لیگ سے کئے ہوئے وعدوں سے انحراف کرکے کانگرس کو وزارت بنانے کی دعوت دے چکا تھا اور نہرو کلیدی اور اہم وزارتوں کو اپنی پارٹی اور اپنے لئے مختص کرنے کے بعد مسلم لیگ کو چند غیر اہم وزارتوں پر رضامند کرلینا چاہتا تھا۔ قائد اعظمؒ اس وقت عجب کشمکش میں مبتلا تھے۔ اور قریب تھا کہ کانگرس کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیتے کہ چودھری محمد علی جو اس وقت وزارتِ مالیات میں سیکرٹری تھے، قائد اعظمؒ کے پاس پہنچے اور یہ دعوت قبول کرلینے پر رضامند کرلیا۔ کانگرس کے منصوبے خاک میں مل گئے کیونکہ چودھری صاحب کے تعاون اور مشورہ سے شہیدِ ملت نے جو وزیر خزانہ تھے مالیاتی پالیسی کچھ اس انداز سے ترتیب دی کہ کانگرس منہ دیکھتی رہ گئی۔ اس کا ہر قدم "مالی گنجائش نہیں" (NO PROVISION IN BUDGET) کے الفاظ کی نذر ہوکر رہ گیا۔ آخر نہرو اور کانگرس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس مالیاتی پالیسی کے شکنجہ میں ایسی پھنسی کہ تقسیم ہند کے فارمولا کو ماننے پر مجبور ہوگئی۔ گویا چودھری صاحب نے یوں کاروانِ آزادی کو منزل کے قریب تر کردیا۔

آپ حکومت پاکستان کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں وزیر مالیات بنائے گئے۔ جون ۱۹۵۵ء میں آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اگست ۱۹۵۵ء میں

وزیراعظم مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت محنت و جانفشانی سے پاکستان کا بنیادی دستور تیار کیا اور دستور ساز اسمبلی سے اسے منظور کرایا۔

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان آزاد جمہوریہ اسلامیہ پاکستان بن گیا۔ آپ نے ون یونٹ کی سکیم منظور کر کے اسے نافذ کر دیا۔ جس سے علاقائی وحدت کو فروغ ہوا۔ مگر آمریت کے لئے جوڑ توڑ کرنے والوں نے آپ کو بے بس کر دیا۔ اس لئے آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد سے جمہوریت کی بحالی کے لئے آپ متواتر کوشش کرتے رہے ہیں۔

نظام اسلام پارٹی کے داعی کی حیثیت سے آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ آپ نے ہمیشہ حق بات کہی ہے اور کسی سے کبھی خائف نہیں ہوئے۔ آپ نے "قومی مسائل اور ان کا حل" ایک مقالہ "جنگ" کراچی میں شائع کر کے قوم کی بروقت رہنمائی کی۔ ایلن کیمبل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ تقسیم ملک کی اسٹینڈنگ کمیٹی میں مسلم لیگ کے نمائندہ چوہدری محمد علی پاکستان کے لئے ناگزیر ہیں۔ ان کی قابلیت قابل رشک ہے۔ کسی بھی ملک کی سول سروس میں ان کے شاندار مستقبل کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ ان میں متانت اور سنجیدگی ہے۔

آپ نے اپنے رسالہ A PROGRAMME FOR PAKISTAN (اردو ترجمہ: پاکستان کے لئے لائحہ عمل) میں پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لئے بڑی کارآمد تجاویز پیش کی ہیں جن پر عملدرآمد سے پاکستان خوشحالی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ آپ آج کل تحریک جمہوریت کے صف اول کے لیڈر اور نظام اسلام پارٹی کے کنوینر ہیں۔

۱۰۸۔ میاں محمد سلیم جاوید (تمغۂ جرات) شہید

میاں محمد سلیم جاوید شہید ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو لائل پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں نذیر مسلم ایڈووکیٹ (صدر بار ایسوسی ایشن ملتان) ہے۔

۱۹۵۴ء میں میٹرک، اور ۱۹۵۶ء میں انٹر پاس کر کے ۱۹۵۶ء میں بحریہ کے مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو کر کیڈٹ نیوی میں بھرتی ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں بحریہ میں کمیشن ملا اور (NAVAL COLLEGE

(DARTMOUTH ENGLAND) میں ٹریننگ کے لیے منتخب ہوئے۔ انگلینڈ میں ۲½ سال کی ٹریننگ کے بعد آپ کو کراچی شپ یارڈ میں متعین کر دیا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں نیوی کے لیے جہاز خریدنے والے وفد میں شامل ہوئے اور بحیثیت ڈپٹی کمانڈر امریکہ سے (P.N.S MOSHAL) خریدا گیا، (موشل سرنگیں صاف کرنے والا جہاز ہے) اس کارکردگی کے اعتراف میں متعلقہ جہاز پر جاوید شہید کا نام سرِفہرست کندہ ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں ہندوستان کی بندرگاہ "دوارکا" پر حملہ کرنے والے، نیوی کے افسران میں شامل تھے اور پی، این، ایس بابر میں بطور (NAVIGATING OFFICER)، لڑائی کے ایام میں معمور رہے، چنانچہ اسی جہاز نے بندرگاہ "دوارکا" اور ہوائی اڈہ کو تباہ کیا اور ہندوستان کی ہوائی فوج کے تین لڑاکا ہوائی جہازوں کو مار گرایا جنہوں نے اُن کے بحری جہاز پر بم برسانے کی کوشش کی۔ جنگ کے اختتام پر انہیں دو تمغہ جات ملے جن میں تمغہ جرأت شامل ہے۔

۱۹۶۷ء میں دوبارہ سپیشل ٹریننگ کے لیے منتخب ہوئے، اور بحری مواصلات کی خصوصی تربیت انگلینڈ سے حاصل کر کے ۱۹۶۸ء میں واپس آئے۔ اس خصوصی تربیت میں شاندار کارکردگی کی بنا پر انگلینڈ کے بحریہ کے تربیتی کالج سے آپ کو B.SC کی آنریری ڈگری عطا کی گئی۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۰ء تک مختلف جنگی جہازوں پر متعین رہے جن میں خاص طور پر تباہ کن جہاز طغرل اور خیبر شامل ہیں۔

ماہ نومبر ۱۹۷۰ء میں ڈھاکہ کے لیے خود اپنی خدمات پیش کیں، اور اسی اثناء میں ۱۹۷۱ء میں شاہ فیصل سعودی عرب نے اپنی نیوی کو قائم کرنے اور ہدایات کے لیے پاکستان سے چار افسران کے لیے درخواست کی۔ آپ فروری ۱۹۷۱ء میں GOOD WILL MISSION جہاز لیکر سعودی عرب گئے اور حج اکبر کی ادائیگی کی سعادت حاصل کی۔ بیت اللہ سے واپسی پر آپ کو چٹاگانگ بحریہ کے ہیڈکوارٹرز میں (2ND IN COMMAND) نائب کمانڈر نیول (ESTABLISMENT) متعین کیا گیا اور نیوی کی طرف سے (F U) کا تمغہ عطا ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں ساتھ ساتھ بطور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر چٹاگانگ اور بطور (EXECUTIVE OFFICAR) چھاؤنی چٹاگانگ کام کیا۔ چنانچہ بحریہ کی طرف سے اپنے کارہائے نمایاں سے لاتعداد سرٹیفکیٹ حاصل کیے۔ ۱۲/۱۲/۷۱ کو بھارت کی بے تحاشہ بمباری سے گودی میں پڑے ہوئے تجارتی جہازوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ آپ جیپ میں سوار ہو کر

اسکے سدِ باب کے لیے نکلے تو ہندوستانی لڑاکا جہازوں نے جیپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے جیپ چھوڑ کر ایک قریبی شیڈ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن بم شیڈ کو چیرتے ہوئے گزرے اور تمام ملبہ بھی آپ پر گر گیا اور شہید ہو گئے۔ ۱۲/۱۷ ۱۴ا کو آپ کو نیوی کے اعزاز کے ساتھ نیول ہیڈ کوارٹرز چٹاگانگ کی حدود میں دفن کیا گیا۔

۱۰۹۔ میاں نوراللہ

آپ کے آباؤ اجداد جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ میاں فتح دین مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں لائل پور کے قریب چک ۲۲۴ میں پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں بی کام کی ڈگری لندن سے حاصل کی پھر بارایٹ لاء اور پی ایچ ڈی میں داخلہ لے لیا۔ فیلو آف دی رائل سوسائٹی آف اکنامکس منتخب ہوئے۔ تمام یورپین ملکوں کا دورہ کیا۔

۱۹۳۵ء میں اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اسمبلی میں آپ کی تقریریں بہت زوردار ہوتی تھیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان منظور کرانے میں اہم پارٹ ادا کیا پہلی بار وزیر مالیات مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں وزارت ٹوٹنے پر سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد پے در پے کئی بار حج کیا۔ ۱۹۵۹ء میں اپنے خرچ پر تبلیغی جماعت کے ہمراہ امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے۔ لنڈن کے تبلیغی اجتماع میں شریک ہوئے ۱۹۶۲ء میں حج کے لئے گئے تو حکومت پاکستان کی اجازت سے ۵۰ ہزار روپیہ اپنے ساتھ لے گئے اور مدینہ منورہ میں ایک سرائے خرید کر حجاج کے لئے وقف کر دی۔ ۱۹۶۴ء میں اس سرائے کو مزید وسعت دی اور انتظامات بہتر بنائے۔

آپ دس سال تک فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی رہے۔ ڈین آف دی فیکلٹی آف کامرس بھی رہے۔ پنجاب میں پہلی بار دی لائل پور کاٹن ملز لگوائی اور اس کے ڈائریکٹر مقرر رہے۔

آپ کے چار لڑکے ہیں اور چاروں اعلیٰ تعلیمیافتہ ہیں۔ میاں طارق مصطفےٰ اٹامک انرجی کی ٹریننگ کے لئے امریکہ گئے۔ سیارکو میں جٹ سیبر طیارہ چلانے میں بہترین ہوا باز

ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں تمغۂ امتیاز ملا۔ نہایت متدین آدمی ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ میاں عمر فاروق ہوائی فوج میں ائیر مارشل کے A.D.C ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں آپ نے SWORD OF HONOUR حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں ماری پور میں جیٹ کنورٹنگ میں اوّل آئے۔

میاں نور اللہ کی صاحبزادی ڈاکٹر طاہرہ صدیق اور آپ کے داماد دونوں نہایت قابل ڈاکٹر ہیں اور سعودی عرب کے شہر ریاض میں پریکٹس کرتے ہیں۔

میاں نور اللہ صاحب کافی عرصہ سے سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنی خدمات دین کی تبلیغ کے لئے وقف کر چکے ہیں۔

۱۱۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز

یہ وہی محترمہ ہیں جو لنڈن گول میز کانفرنس میں میاں سر محمد شفیع کی سیکرٹری تھیں، جو سکندر وزارت میں اس وقت پارلیمانی سیکرٹری تھیں جب مسلمان عورت گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں نائب سپیکر بھی رہ چکی ہیں اور اب بھی مدت سے صوبائی اسمبلی کی ممبر ہیں۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر شاہنواز پاکستان میں واحد شخص ہیں جو ڈی ایس سی کیمیکلز ہیں اور اپنے ادارے کے ڈائریکٹر ہیں۔ میاں سر محمد شفیع کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ بیگم جہاں آرا نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ہمیشہ سیاست میں سرگرم رہیں۔

ان کے علاوہ خواتین میں سے بیگم گیتی آرا میاں بشیر، بیگم میاں سر محمد شفیع اور عائشہ عزیز لائلپوری بھی نمائندانہ صلاحیتوں کی مالک ہیں۔

۱۱۱۔ ایم۔ اے حمزہ

پاکستان کی صوبائی اسمبلی میں آپ کی تقریریں اور صوبائی اسمبلی میں نمائندگی نے آپکی شخصیت کو اجاگر کر دیا ہے۔ آپ کا آبائی وطن موضع آور مان تحصیل نکودر ضلع جالندھر تھا۔ آپ کی دادی صاحبہ لدھیانہ کے مشہور عالم دین مولانا حبیب الرحمٰن کی پھوپھی تھیں۔ آپ کے والد کا اسم گرامی مولوی عبداللہ تھا جو بے حد متقی اور پرہیزگار تھے۔ حق گوئی و بے باکی ان کا خاصا تھا۔ بہترین مقرر، مناظر اور عالم تھے۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی شخصیت کا پرتو تھے۔ جن کے

آباؤ اجداد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے اور بعد میں دین کی بے حد خدمت کی۔ اور آزادی ہند کے سلسلہ میں معرکۃ الآراء خدمات سرانجام دیں۔ احرار کے صدر بھی رہے۔

آپ کے والد مولوی عبداللہ صاحب لدھیانہ میں ہوزری اور فلورمل کے مالک تھے۔ حمزہ صاحب ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ گھر میں دینی تعلیم حاصل کی۔ تقسیم ملک کے وقت آپ بی۔اے کے طالب علم تھے۔ ہجرت کے بعد گوجرہ ضلع لائل پور میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے اقتصادیات میں ایم۔اے کیا۔ کالج کے زمانہ میں U.O.T.C کے سپیشل سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔

آپ فوج میں جانے کے خواہشمند تھے مگر گھریلو حالات کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ پھر آپ نے سی۔ایس۔پی کا امتحان پاس کیا اور جب حکومت نے مقامی افسروں سے ان کے متعلق رپورٹ طلب کی تو انہوں نے ان کی حق گوئی اور بے باکی سے خوفزدہ ہو کر انہیں باغی قرار دینے کی کوشش کی اور مولانا حبیب الرحمٰن کا حوالہ دے کر ثابت کر دیا کہ یہ خاندان ہمیشہ حکومت وقت کا مخالف رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری ملازمت کرنے میں ناکام رہے۔

اسی اثناء میں آپ کے والد کا ۱۹۵۷ء میں انتقال ہوگیا اور آپ نے ان کا کاروبار سنبھالا پھر غرباء اور مظلوموں کی دادرسی کے لئے ایک انجمن "خدمت خلق" بنائی جس نے گوجرہ میں بہت کام کیا۔ اس سے متاثر ہو کر لوگوں نے آپ کو بنیادی جمہوریت کا ممبر چنا پھر گوجرہ کے چیئرمین ہو گئے اور اسمبلی کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کر کے صوبائی اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ حالانکہ ان کے مقابلہ میں کروڑپتی لوگ تھے مگر ان کی خدمت خلق نے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا رکھا تھا اسمبلی میں بھی جس طرح آپ نے حق و صداقت کی آواز بلند کی اس سے پاکستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ پابند شریعت ہیں۔ اقتصادیات کے ماہر ہیں۔ کامیاب تاجر اور صنعت کار ہیں اور قابلِ رشک خوبیوں کے مالک تھے۔

۱۱۲۔ سابق ایڈمرل حاجی محمد صدیق چودھری

پاکستانی بحریہ کے سابق امیر البحر (کمانڈر انچیف) حاجی محمد صدیق چودھری ہلال پاکستان ایم.بی.ای.ایس۔ اس وقت پاکستان کی مشہورہ آفاق فرم بٹالہ انجنیئرنگ کمپنی (بیکو) کے ڈائریکٹر ہیں۔ آپ بٹالہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ پہلے ہندوستانی نوجوان ہیں جنہیں خداداد قابلیت کی بدولت برطانوی ہند کی بحریہ میں بحیثیت افسر منتخب کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ امپیریل ڈیفنس کالج لنڈن میں مزید ٹریننگ کے لئے منتخب ہوئے۔ آپ تیس سال تک بحریہ میں اپنی خداداد قابلیتوں کی بدولت کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ آپکو ساری دنیا میں سیر و سیاحت کی وجہ سے ہر علاقہ کے معاشی، معاشرتی اور ثقافتی احوال پر بصیرت حاصل ہے۔

گزشتہ جنگ عظیم میں آپ بحری اور بری جنگوں میں شامل ہوئے۔ متعدد بحری افواج کے مختلف دستوں کی کمان بھی آپ کے ہاتھ میں رہی۔ آپ نے تمام محاذوں پر جرائت اور ہوشمندی کا مظاہرہ کیا۔ ایک بار بحیرہ قلزم میں آپ کا جہاز بمباروں کی زد میں آگیا تو آپ مسلسل کئی گھنٹے سمندر کی موجوں سے برسرپیکار رہے۔ حتےٰ کہ ایک جہاز نے آپ کو بچا لیا۔

آپ پاکستان بحریہ کے وائس ایڈمرل کے عہدے پر چھ سال تک فائز رہے۔ اور اس کو جدید اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ نے ڈاک یارڈ اور تربیتی مرکز بنا کر پاکستانی بحریہ کو دوسروں کی امداد سے بے نیاز کر دیا۔

۱۹۵۸ء میں آپ پاکستانی بحریہ سے ریٹائر ہو گئے۔ اس کے بعد ترقی یافتہ ملکوں کا دورہ کر کے جدید کارخانوں کی کارکردگی کو بغور دیکھا اور پھر بیکو میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ آپ کو پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کا صدر بھی چنا گیا تھا۔

آپ کی سروسز کو امریکہ نے دو سال کے لئے مستعار مانگا تھا کیونکہ وہ آپ کی صلاحیتوں کا بیحد معترف ہے۔ مگر ملکی ضروریات کے پیش نظر آپ کو جانے کی اجازت نہ دی گئی۔

آپ کے متعلق صدر پاکستان نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ ایڈمرل چودھری کا بحریہ سے نکل آنا بحریہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا ہے لیکن آپ کا آنا ملک کے صنعتی

ارتقاء میں بلاشک وشبہ محسوس کیا جارہا ہے۔

آپ نے پاکستان نیوی کو اس قدر مضبوط بنا دیا تھا کہ آج دنیا بھر میں اس کا وقار قائم ہے اور اس کی بدولت ملک کے دونوں حصے یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ایک دوسرے کے بالکل قریب ہوگئے ہیں۔ آپ اعلیٰ کردار کے مالک ہیں ۱۹۵۶ء تک آپ سیٹو (SETO) میں پاکستان کے نمائندہ رہے اور فوجی مشیر کی حیثیت سے پاکستان کی نمائندگی کی۔ آپ نے بحیرہ عرب اور بحر ہند میں بین الاقوامی جنگی مشقوں کی قیادت کر کے دنیا بھر میں اپنی قابلیت، صلاحیت اور جوانمردی کا سکہ جما دیا۔

۱۱۳۔ میاں سر عبدالرشید

آپ باغبان پورہ لاہور کی مشہور میاں فیملی میں ۲۹ جون ۱۸۸۹ء کو میاں نظام الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے گریجوایٹ ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں لندن سے بیرسٹری پاس کی اور واپس وطن آگئے۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کی شادی نواب مولا بخش مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ دو لڑکے اور لڑکیاں آپ کی اولاد ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں آپ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جج مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک آپ فیڈرل کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس رہے۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء میں آپ قائمقام گورنر جنرل پاکستان بنائے گئے۔

آپ جس عہدہ پر بھی رہے حکومت اور عوام دونوں نے آپ کی غیر معمولی قابلیت اور دیانتداری کا لوہا مانا۔ آپ کی بے لوث خدمات کے پیش نظر انگریزی حکومت نے آپ کو سر کا خطاب دیا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے آپ کو سب سے بڑا سول اعزاز "ہلال پاکستان" ملا۔

آپ نے اپنے والد میاں نظام الدین، سر میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین ہمایوں سے بہت تاثرات لئے۔ پاکستان کے مسائل کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:۔

"اس وقت ہمارے سماج میں دھڑے بندی، پارٹی بازی، فرقہ پرستی بہت ہے۔ جس سے قوم وملت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیات کو چھوڑ کر ہر شخص

ضابطہ اخلاق کی پابندی سے آزاد سمجھتا ہے۔ کاریگر اور مزدور پورا وقت کام نہیں کرتے۔ پھر جتنا وقت وہ کام کرتے ہیں اس میں بھی محنت سے جی چراتے ہیں اور حیلے بہانے سے وقت پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی حال ادنٰے اور درمیانہ درجہ کے اہلکاروں کا ہے۔ اعلیٰ پوزیشن رکھنے والے جن افراد کے سپرد ان کی نگرانی ہے، ان کا زیادہ وقت اپنے کاروباری ادارہ سے باہر ذاتی مصروفیات میں صرف ہوتا ہے نگرانی ڈھیلی ہونے کی وجہ سے نیچے کئی قباحتیں پرورش پاتی رہتی ہیں جو رفتہ رفتہ پورے معاشرے کو کھانے لگتی ہیں۔ یہیں سے ہر قسم کی بددیانتی کے سوتے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اس لئے اصلاح اوپر کے طبقہ سے شروع ہو تو موثر ہوگی۔ اگر کاروباری ادارے یا شعبے اور کارگاہ کا سربراہ خود پہلے وقت کا پابند ہو، معاملہ فہمی میں دیانتدار اور کردار میں بلند ہو جائے اور پھر اپنے ماتحتوں کا احتساب سختی سے کرنے لگے تو اصلاح کا یہ نکتہ' آغاز بہت موثر ثابت ہو گا۔ اکثر لوگ اس وقت شعائر دعبادات کی ظاہریت پر شدت سے زور دیتے ہیں اور وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوکاندار نماز پڑھتا ہے مگر کاروبار میں بددیانتی کئے جاتا ہے۔ وہ کم تولتا ہے، اشیاء میں ملاوٹ کرتا ہے، قیمت زیادہ وصول کرتا ہے اور اس کے باوجود مطمئن رہتا ہے کہ اس نے نماز پڑھ کر خدا کو خوش کر لیا ہے۔"

میاں صاحب کے یہ ارشادات سنہری حروف سے لکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہیں

۱۱۴ الحاج محمد اسحاق حنیف مرحوم

آپ کا آبائی وطن امرتسر ہے۔ جہاں ارائیوں کی آبادی تینتیس فیصد تھی۔ آپکے خاندان نے امرتسر میں ہندوؤں اور سکھوں کو تجارت اور سرمائے میں مات دی اور مسلمانوں کو تجارت پر قابض کرایا۔

آپ نے انجمن اسلامیہ امرتسر کی بنیاد رکھ کر مسجد خیر دین میں ایک معمولی سا مکتب جاری کیا، جسے بعد میں ڈگری کالج کے درجے تک پہنچایا اور پھر کئی ہائی اور مڈل سکول کھلوائے۔ قیام پاکستان کے وقت اس انجمن کا سرمایہ سینتیس لاکھ روپے تھا۔

آپ کے پڑدادا میاں فتح دین صاحب بڑے نیک مسلمان تھے۔ ان کے پاس

قرآن مجید کی ایک ایسی جلد تھی جس پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مہر تھی، یہ قیمتی چیز ۱۹۴۷ء کے فسادات میں تلف ہوگئی۔ میاں فتح دین کے پوتے میاں امیر الدین نے عورتوں تک کو تعلیم دلائی اور ۱۹۴۷ء میں انتقال کیا۔

حاجی صاحب کے دادا میاں عزیز دین کے دو بیٹے تھے۔ میاں فیروز دین اور میاں محمد یعقوب۔ میاں فیروز دین جوانی میں ہی انتقال کر گئے۔ میاں محمد یعقوب کو زیادہ تعلیم نہ دلوائی گئی تھی۔ ان کے صاحبزادے حاجی محمد اسحاق حنیف ہیں۔ آپ امرتسر میں پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ انجمن ارائیاں امرتسر کو مضبوط اور فعال بنانا ان ہی بزرگوں کا کام تھا۔ اس انجمن نے غلط رسم و رواج کے خلاف خوب جہاد کیا اور بہت کامیاب رہی۔

ان بزرگوں کی جدوجہد اور انجمن اسلامیہ امرتسر کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر کی میوہ منڈی جو پہلے ہندوؤں اور سکھوں کی تھی، قیام پاکستان سے چند سال پیشتر مسلمانوں کی ملکیت ہوگئی اور صرف دو تین دوکانیں ہندوؤں اور سکھوں کی رہ گئیں۔ یہ تجارتی تفوق مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ انجمن کے لئے چندہ اکٹھا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ جو پھل منڈی میں فروخت کے لئے آتا اس پر محصول وصول کیا جاتا تھا۔ اسی سے انجمن کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ یہ کاروبار کابل سے مدراس تک پھیلا ہوا تھا۔

آپ یکم محرم ۱۳۳۸ھ بروز جمعہ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مسجد میں حاصل کی اور پھر ایم۔ اے۔ او ہائی سکول میں پڑھتے رہے۔ آپ نے زیادہ تعلیم حاصل کرنے کی بجائے کاروباری لائن اختیار کی اور ٹیکسٹائل کو اپنایا۔ چنانچہ کھڈیاں لگوا کر کپڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد سوت کی تقسیم میں جو تکلیفیں ہوئیں، ان کی وجہ سے آپ نے کوشش کر کے پاکستان انڈسٹریل کوآپریٹو بنک جاری کیا۔

۱۹۴۸-۴۹ء میں آپ نے نسبت روڈ لاہور پر ہوزری اینڈ ٹیکسٹائل ملز کے نام سے ایک کارخانہ جاری کیا۔ اس کے بعد لائل پور میں چناب وولن ملز کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس میں کمبل، کارپٹ، بلیزر، ٹویڈ، بکرم، وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ تقریباً پچیس لاکھ روپے سالانہ کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ آپ مندرجہ ذیل صنعتی، تعلیمی، ملّی اور

معاشرتی اداروں کے عہدیدار بھی ہیں۔

پریذیڈنٹ .. .. پاکستان وولن ملز اونرز ایسوسی ایشن
(ملک کی چودہ بڑی بڑی ملز اس ادارے کی ممبر ہیں)

جنرل سیکرٹری .. .. پاکستان انڈسٹریل کوآپریٹو بنک

فنانشل سیکرٹری .. .. انجمن ارائیان پاکستان

سینیئر وائس پریذیڈنٹ .. .. انجمن اسلامیہ امرتسر

آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے بہت متاثر تھے۔ سیاست میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو پسند کرتے تھے۔ آپ ایک درد بھرا دل رکھتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور صنعت میں دلچسپی کی وجہ سے زیادہ تر سیاست کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ آپ مشرقی تہذیب کے علمبردار تھے۔ برادری کے نوجوانوں سے وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ محنت کرو۔ اہل علم اور اہل ہنر کی صحبت اختیار کرو اور دیانتداری کو کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔

۱۱۵۔ حافظ محمد حلیم (ملک التجار)

موسع سبتی ریاست پٹیالہ میں حافظ امام بخش صاحب بڑے عالم ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے ایک دینی مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ ان کے تین بیٹے تھے، محمد بخش، امام دین اور عبدالرحیم۔

عبدالرحیم حاجی تھے اور تجارت کرتے تھے پہلے اجناس کی تجارت کی اور پھر چمڑے کا کاروبار کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان بھر میں "تاجر چرم" کے نام سے مشہور ہو گئے اور جلد ہی بڑی جائیداد پیدا کر لی۔ کانپور میں چمڑے کا کارخانہ تھا جو اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس کی شاخ ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں قائم ہو گئی۔ حاجی صاحب بڑے مخیر اور خلیق، مہمان نواز اور متدین شخص تھے۔ دو مرتبہ حج کیا۔ ایک ہزار روپیہ مدرسہ دیوبند کو دیتے تھے۔ علامہ شبلی مرحوم کو سیرت النبی مکمل کرنے کے لئے سات سو روپیہ دیا تین تین سو روپے کی رقوم مسجدوں اور کنوؤں کو آباد رکھنے کے لئے وقف کر دی تھیں۔

بسی میں دینی مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند حافظ محمد حلیم نے بڑا نام پایا اور کلکتہ، بمبئی مدراس، کراچی، شملہ اور کوئٹہ وغیرہ میں اپنی تجارتی ایجنسیاں قائم کیں۔ چنانچہ ان کارخانوں اور کوٹھیوں سے اُن دنوں چھ لاکھ روپے کی مالیت پیدا کی اور کانپور کے آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ آپ نے بسی میں ایک باغ "گلزار رحیمی" اور کوٹھی "قصر حلیمی" کے نام سے بنوائی۔ اپریل ۱۹۱۷ء میں انجمن ارائیان ہند کا دوسرا سالانہ جلسہ اسی کوٹھی میں ہوا تھا۔

آپ یو۔ پی کے درباری بھی تھے۔ شاہی دربار دہلی منعقدہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں آپ کو خاص نشست دی گئی تھی۔

۷، جنوری ۱۹۰۷ء کو امیر صاحب آف کابل نے دوران سیاحت ہند آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے امیر کو تین سو برس کا سنہری حروف کا لکھا ہوا قرآن مجید بطور تحفہ پیش کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ آپ کے صاحبزادگان کی شادی میں خود شریک ہوا۔

آل انڈیا ارائیں کانفرنس منعقدہ اپریل ۱۹۱۶ء بمقام لاہور اور انجمن ترقی تعلیم منعقدہ فروری ۱۹۱۸ء بمقام امرتسر کے جلسوں میں آپ ہی صدر منتخب ہوتے رہے

علی گڑھ کالج، مدرسۃ البنات کانپور، اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ، ندوۃ العلماء لکھنو، دارالعلوم دیوبند سہارنپور، انجمن ارائیان ہند لاہور، انجمن حمایت اسلام لاہور، انجمن اسلامیہ امرتسر، انجمن ترقی تعلیم امرتسر، یتیم خانہ کانپور وغیرہ سب ادارے آپ کی سخاوت اور امداد کے رہین منت ہیں۔ سرہند شریف میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب زائرین کے آرام و آسائش کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ بسی میں مسلم مریم یتیم خانہ اپنی والدہ کے نام پر بنوایا۔

حافظ صاحب ملک التجار کے لقب سے مشہور تھے اور سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں تو درکنار ہندوؤں میں بھی ان کے پایہ کا تاجر خال خال ہی ہو گا۔ انہوں نے تجارت سے جو کچھ کمایا اس میں سے بیشتر حصہ رفاہ عامہ اور دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے اسلام میں دولت مند کا کردار پیش کر کے آئندہ نسلوں کے لئے زندہ مثال قائم کر دی تاکہ مادیت

کے اس دور میں بھی ارائیں ان کی تقلید میں تجارت کر کے دولت کمائیں۔ غریب اور مفلوک الحال نہ رہیں اور پھر دولت کو اسلام کی بتائی ہوئی راہ میں خرچ کر کے اس کا حق ادا کریں۔

۱۱۵۔ میاں افتخار الدین مرحوم

آپ باغبان پورہ لاہور کی مشہور فیملی میاں کے چشم و چراغ تھے۔ جو اپنی قابلیت لیاقت اور علمی، ادبی سیاسی صلاحیت کی بدولت صفحۂ تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ آپ مشہور بیرسٹر، سیاستدان اور مقرر تھے۔ مسلم لیگ کے شعلہ بیان مقرر اور خضر حیات ٹوانہ کی یونینسٹ وزارت کے خاتمہ کا باعث تھے بقول پیر علی محمد راشدی "میاں افتخار الدین مرحوم کے پایۂ کا جری، بے غرض اور ترقی پسند قومی کارکن اگر کسی اور ملک میں پیدا ہوتا تو آج وہاں کے شہر شہر میں ان کی یادگار نظر آتی۔ لوگ ان کے کارناموں پر کتابیں لکھ ڈالتے۔ اور اخبارات ان کی برسی مناتے رہتے مگر مرحوم پاکستان کی پیداوار تھے، مسلمان قوم کے خادم تھے۔ جب تک زندہ رہے قوم ان کی خدمات سے مستفید ہوتی رہی۔ اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی خدمات کا وہی صلہ دیا گیا جو وہ اپنے اکثر مخلص خدمت گزاروں کو دیتی رہی ہے یعنی انہیں بھلا دیا گیا۔

ان کی زندگی بھر کی جدوجہد کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک میں غربت نہ رہے۔ خالص جمہوریت ہو، عوام پر کسی قسم کا تشدد نہ ہو۔ ہر اقدام عوام کی منشا کے مطابق ہو، انتظام چلانے میں ایمانداری اور انصاف کے اصول ملحوظ رکھے جائیں سیاست میں افسر شاہی کو دخل نہ دینے دیا جائے۔ انتظام اور انصاف سستا ہو، لوگوں پر محاصل کا بوجھ نہ بڑھنے پائے۔ آپ نے پاکستان میں سب سے پہلے بہترین پریس لگایا اور نہایت بلند پایہ اخبار امروز جاری کیا۔ جو اپنے وقت کا مقبول ترین اخبار تھا۔ آپ نے لوگوں کی خود غرضی اور ابن الوقتی دیکھ کر مسلم لیگ پارٹی کو بھی چھوڑ دیا۔ اور ہمیشہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑا اور کامیاب ہوتے رہے۔ آپ اسمبلی میں پیچھے کی نشست پر تنہا بیٹھتے۔

ہر بحث میں مکمل کردار انتہائی جرأت مندی سے حصہ لیتے تھے۔ عوامی زبان میں عوام کے دل کا ماجرا بیان کرتے تھے۔ ان کی تقریریں ہر لحاظ سے منفرد اور زوردار ہوتی تھیں۔ وہ بڑے سے بڑے سرکاری اہل کار کی غلط کاریوں پر پردہ نہیں ڈالتے تھے بلکہ سیاسی منافقوں موقع پرستوں اور افسر شاہی کو لتاڑتے رہتے تھے۔ آپ سوشلسٹ خیال کے آدمی تھے۔ لہذا سرمایہ داروں سے ان کی نہیں بنتی تھی۔

۱۹۴۷ء کی پہلی پنجاب وزارت میں آپ وزیر مہاجرین بھی رہے مگر حکومت کی غلط پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے مستعفی ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے میاں عارف افتخار بھی صوبائی اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں۔

۱۱۷۔ محترمہ لیڈی شفیع

آپ باغبان پورہ لاہور کے میاں نظام الدین کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نام محترمہ امیر النساء بیگم ہے۔ پاکستان کے پہلے چیف جسٹس میاں سر عبدالرشید آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد نے آپ کو عربی، فارسی اور انگریزی کی معقول تعلیم دلوائی۔ سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی میاں سر محمد شفیع سے کر دی گئی۔ آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ آزاد ماحول میں گزرا لیکن آپ نے نماز روزہ کبھی ترک نہ کیا اور سادہ زندگی بسر کی حالانکہ آپ کے خاوند ۱۹۱۹ء میں میاں سر محمد شفیع وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہو گئے تھے اور زیادہ تر دہلی اور شملہ میں رہتے تھے۔ اور آپ بھی ان کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں۔ آپ نے لاہور میں آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس میں بڑا کام کیا۔ عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ میاں شفیع ۱۹۳۲ء میں انتقال کر گئے لیکن بیگم صاحبہ نے حوصلہ نہ ہارا بلکہ ۱۹۴۶ء میں تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کے انتقال کے بعد بے شمار بیوائیں، یتیم اور مساکین دھاڑیں مار مار کر روتے رہے کیونکہ آپ ان کی سرپرستی فرمایا کرتی تھیں اور بہت مخیر خاتون تھیں۔

۱۱۸ حضرت مولانا قاضی محمد ابراہیم کرنالیؒ

آپ ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تعلیم قرآن شریف، صرف ونحو، معانی وبلاغت فلسفہ وحکمت، فقہ، علم کلام، حدیث، تصوف وغیرہ مختلف اساتذہ اور بزرگوں سے حاصل کی جن میں حضرت مولانا حافظ قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی قدس سرہٗ حضرت مولانا فتح محمد تھانوی قادری چشتیؒ بھی شامل ہیں۔ بیعت بھی حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب سے سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ سے لے کر ان کے خلیفہ بنے۔ ۱۳۰۴ھ میں حج بیت اللہ اور ۱۳۰۵ھ میں سیّد محمد و سیّد محمد امین اور حضرت مولانا عبدالحقؒ مہاجر سے سندات حاصل کیں۔ کرنال واپس آکر شیخ مستغیث الدین صاحب سے مل کر کرنال میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ جاری کیا۔ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا عبداللہ شاہ قادری نقشبندی، چشتی سہروردی کو جلال آباد سے کرنال بلا کر انہیں صدر مدرس بنایا۔

آپ نے راعی برادری سے متعلق گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ متعدد کتابیں لکھیں اور شائع کرائیں۔ ان میں "تفریح الاخوان اور ثبوت اہل عرب بودن قوم راعیان" "شرف المحترفین شرف الشرافت، فصل الخطاب شامل ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں آپ تحصیل وضلع کرنال کے قاضی منجانب حکومت برطانیہ مقرر ہوئے۔ آپ کا وصال یکم نومبر ۱۹۱۵ء کو ہوا آپکی دو نظمیں ضمیمہ میں شامل ہیں۔

۱۱۹۔ حاجی کالے خاں پانی پتی

آپ پانی پت میں بھی کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ اور سبزیوں کا بڑا وسیع کاروبار تھا کچھ اپنی زمین تھی، کچھ ٹھیکہ پر لے رکھی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت آپ کا اسی ہزار روپیہ کاروباری سلسلہ میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں لگا ہوا تھا اور آپ کے کئی ملازم بھی دور دراز علاقوں میں کام پر مامور تھے۔ جب ہجرت کرکے آپ لاہور آئے تو بالکل قلاش تھے۔ کچھ عرصہ تنگی سے گزرا پھر اطلاع ملنے پر اپنے بھائی اور دوسرے عزیزوں کے پاس چنیوٹ چلے گئے وہاں کبھی کارخانہ میں کام کرتے کبھی قلفیاں بیچتے۔ پھر ایک دوکاندار کی تین مربعہ زمین ٹھیکے پر لے لی۔ اگرچہ یہ زمین غیر آباد تھی مگر اس میں ایک ناکارہ سا ٹیوب ویل موجود تھا آپ نے کوشش کر کے اسے بنا لیا اور سخت محنت کر کے زمین کو بھی آباد کر لیا۔ اس میں

سبزیاں کاشت کرکے آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں آس پاس کے تمام علاقہ میں اپنی محنت اور عظمت کا لوہا منوا لیا۔ اور دور دور تک زمینیں ٹھیکہ پر لے کر سبزیاں لگوانے لگے خداوند تعالیٰ نے آپ کی محنت کا صلہ عطا فرمایا اور زرعی اراضی، شہرت دولت کے ساتھ ساتھ آپ کو سابق صدر محمد ایوب خاں نے آپ کو زرعی پیداوار بڑھانے پر تمغہ خدمت اور پانچ ہزار روپیہ انعام دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری طور پر غلام محمد بیراج میں ساٹھ مربعہ اراضی بھی آسان قسطوں پر الاٹ کر دی۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہماری برادری میں محنتی اور نیک نیت انسانوں کی کثرت ہے۔

۱۲۰۔ الحاج ملک محمد بشیر مرحوم

آپ سانده کلاں لاہور کی مشہور ملک فیملی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد ملک دین محمد مرحوم بہت خلیق اور مہمان نواز تھے۔ وہ انجمن ارائیان ہند کے جنرل سیکرٹری تھے ملک محمد بشیر نے اپنے والد محترم کی صفات کا بہت سا حصہ پایا ہے۔ آپ انتھک کام کرنے والے تھے۔ اور آج آپ کی پوزیشن یہ ہے۔

جنرل سیکرٹری	انجمن ارائیان پاکستان
جنرل سیکرٹری	سنٹرل کوآپریٹو بنک لاہور
وائس پریذیڈنٹ	سول سٹی مسلم لیگ لاہور
پریذیڈنٹ	انجمن امداد باہمی سانده کلاں لاہور

آپ میونسپل کارپوریشن کے ممبر اور پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔

آپ مارچ ۱۹۰۳ء میں سانده کلاں میں پیدا ہوئے۔ مسجد میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ سے میٹرک اور ایف سی کالج سے انٹر کیا۔ ۱۹۲۱ء میں آپ کی شادی ملک تاج الدین مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ۱۹۵۹ء میں آپ نے حج کیا۔

آپ نے سانده کلاں میں انجمن امداد باہمی کے ذریعے لوگوں کو قرضہ لینے اور ... بے روزگار رہنے سے نجات دلوائی ہے۔ چنانچہ سانده کلاں کی خوشحالی میں اس انجمن

کا بہت ہاتھ ہے۔ یہ بہت امیر جماعت ہے۔

آپ کا خیال ہے کہ اگر کسانوں کی حالت کو سدھارا جائے تو پاکستان زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک زرعی ملک ہے۔ آپ "مشترکہ زراعت" کے قائل ہیں کیونکہ اس طرح تھوڑی زمین والے بھی معقول کمائی کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی اراضی میں سبزیوں اور پھلوں کے بہت مفید تجربے کئے ہیں۔

آپ کے چچا زاد بھائی ملک منظور حسن نے واں رادھا رام میں ایک مثالی ایگریکلچر فارم قائم کر رکھا ہے جو اس قدر کامیاب ہے کہ لائل پور کی زرعی یونیورسٹی کے طلبار بھی اسے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

سردار احمد علی

۱۲۱۔

انجمن راعیان پاکستان کے نئے صدر

سردار احمد علی جنہیں مجلس عاملہ نے اتفاق رائے سے تین سال کے لئے انجمن راعیان پاکستان کا صدر منتخب کیا تھا۔ ملک کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں ایک مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ سردار صاحب گنجہ کلاں کے مشہور تاریخی خاندان جس نے تاتاریوں کے دور میں دیپال پور (ضلع ساہیوال) میں اپنی فرماں روائی کے نقوش یادگار چھوڑے ہیں کے چشم و چراغ ہیں۔ آج سے قریباً ۹۰ سال پہلے جب پہلی مرتبہ متحدہ ہندوستان کے ارائیوں کا پہلا قومی دربار گنڈا سنگھ والا ضلع لاہور میں منعقد ہوا تھا تو اس کی صدارت کا تاج سردار صاحب کے دادا محترم سردار نور محمد صاحب مرحوم و مغفور کے سر پر رکھا گیا تھا۔ قریباً ایک صدی کے بعد سردار مرحوم کے پوتے سردار احمد علی کے حصے میں ایک کروڑ ارائیان پاکستان کی قیادت آئی ہے جس طرح ان کے محترم دادا نے اپنے بے لاگ ایثار سے ارائیوں کی قومی تاریخ میں ایک تابناک باب کا اضافہ کیا تھا۔ اسی طرح آج کے بدلے ہوئے حالات میں جبکہ ارائیں ایک کاملاً آزاد اور خود مختار مملکت خداداد کے وفا شعار شہری ہیں۔ سردار احمد علی صاحب قومی تاریخ میں سنہری بابوں کے اضافہ کے لئے جوش عمل رکھتے ہیں۔ سردار صاحب

مرحوم نے ارائیوں کو غیر اسلامی رسوم سے محفوظ رکھنے کے لئے سماجی محاذ پر جہاد کا آغاز کیا تھا آج ان کے قابل فخر پوتے ایک کروڑ ارائیان پاکستان کو ملک کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں اسلام کی بلند ترین روایات کی روشنی میں اپنا بھرپور تاریخی کردار ادا کرنے کے لئے پیغام لے کر نکلے ہیں۔

سردار احمد علی صاحب پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ وہ مسلسل چودہ سال تک اسمبلی کے رکن رہے۔ اسی طرح وہ تین سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ لاہور کے چیئرمین کے عہدہ پر فائز رہے۔ وہ ۱۹۴۳ء سے آج تک سنٹرل کوآپریٹو بنک لاہور کے پریذیڈنٹ چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت میں انہوں نے کوآپریشن کے زریں اصولوں کے مطابق بے شمار لوگوں اور اداروں کو اقتصادی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دی سردار صاحب ایک ترقی پسند زمیندار ہیں۔ بلّوکی کے نزدیک ان کا فروٹ فارم جو کہ ۲۵ مربعوں پر مشتمل ہے صوبہ کا بہترین فروٹ فارم متصوّر ہوتا ہے۔

سردار احمد علی صاحب کی عمر ۱۵ سال ہے۔ ان کے چار صاجزادے ہیں۔ ان کے سب سے بڑے صاجزادے سردار آصف احمد علی نے آکسفورڈ سے بی۔ اے آنرز کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے دوسرے بیٹے سردار فاروق احمد علی ایڈووکیٹ ہیں۔ تیسرے صاجزادے ایم ایس سی کے طالب علم ہیں اور چوتھے صاجزادے سردار ہارون احمد علی ایچیسن کالج کے طالب علم ہیں۔

"ارائیں فاؤنڈیشن" قائم کرنے کے لئے آپ کی کوششیں بار آور ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جہلم اور میرپور آزاد کشمیر کے ارائیں حضرات نے تین ہزار روپیہ کا عطیہ اس فاؤنڈیشن کے لئے ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کو سردار صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فاؤنڈیشن کے لئے کل پچاس لاکھ روپیہ اکٹھا کیا جائے گا۔

۱۲۲۔ سی۔ ایم۔ لطیف

آپ بٹالہ ضلع گورداسپور کی مشہور مہر فیملی میں مہر میراں بخش کے ہاں ۴ مارچ ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بٹالہ میں حاصل کی اور انجنیئرنگ کی تعلیم مغلپورہ انجنیئرنگ کالج سے مکمل کی۔

اس وقت آپ پاکستان کے سب سے بڑے دھات کے کارخانہ بٹالہ انجنیئرنگ کمپنی (بیکو) کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں - آپ شروع سے ہی آزاد صنعتی کاروبار کے دلدادہ تھے - چنانچہ شروع شروع میں بٹالہ میں صابن بنانے کا کارخانہ بنایا جو بہت مشہور ہوا اور لوگ آپ کو صابن صاحب کہنے لگے ۔ مگر آپ کا مقابلہ لیور برادرز سے تھا جس نے ۱۹۳۱ء کی کساد بازاری میں یکایک قیمتیں اتنی گھٹا دیں کہ آپ کو مجبوراً کارخانہ بند کرنا پڑا ۔ اسوقت آپ کے بھائی چوہدری محمد صدیق (ایڈمرل پاکستان نیوی) کیمیکل ٹیکنالوجی کی ٹریننگ لے رہے تھے ۔ جب صابن کا کارخانہ فیل ہو گیا تو وہ نیوی میں چلے گئے ۔ یوں سمجھئے کہ قدرت نے دونوں کو ترقی کی راہ دکھانے کے لئے اس صابن سازی کے کارخانہ کو فیل کر دیا تھا ۔

آپ نے ۱۹۳۳ء میں تین دوستوں کو ملا کر چھ ہزار روپیہ اکٹھا کیا اور بٹالہ انجنیئرنگ کمپنی کی بنیاد رکھ دی جس میں ٹوکے ، بیلنے اور لوہے کے ہل بنانے شروع کئے ۔ تقسیم ملک کے وقت تک اس کمپنی کا کاروبار اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں یہ تیسری بڑی کمپنی تھی ۔

آپ یورپی ملکوں کا دورہ کر کے دھاتی کارخانوں اور ان کی ٹکنیک سے خوب واقفیت حاصل کر چکے ہیں - قیام پاکستان کے بعد آپ کو بادامی باغ میں "مکندی کا کارخانہ" الاٹ ہوا ۔ آپ نے اس کو خوب بڑھایا اور آپ کے دوسرے بھائی چوہدری محمد شریف انجنیئر بھی آپ کے رفیق ہو گئے ۔

آپ نے جرمنی سے چوبیس ماہروں کو اپنے کارخانہ میں بلا لیا ۔ ان میں بعض بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور ان کی فنی قابلیت سے آپ نے خوب فائدہ اٹھایا ۔ اس لئے بیکو پاکستان کا سب سے بڑا دھاتی کارخانہ ہے اور بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے ۔ لندن میں اس کا دفتر ہے ۔ امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں اس کے ایجنٹ اور دفاتر ہیں ۔ اس کمپنی کی ترقی مسٹر لطیف کی غیر معمولی ترقی اور فنی صلاحیتوں کی مرہون منت ہے ۔ انہوں نے لوہے اور فولاد کی مصنوعات کے علاوہ کسی دوسری صنعت کی طرف توجہ نہیں دی ۔ اس کمپنی کا ادا شدہ سرمایہ تین کروڑ ، محفوظ سرمایہ ایک

کروڑ اور زیر کار چودہ کروڑ ہے۔

یہ کارخانہ سالانہ چھ کروڑ روپے کی مشینری بناتا ہے، اس میں چھ ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ اب کوٹ لکھپت میں وسیع پیمانے پر بلڈنگ بن رہی ہے۔ اس میں خراد، بائیسکل، الیکٹرک موٹرز، زرعی آلات، ڈیزل انجن اور دوسری بے شمار چیزیں بنتی ہیں۔ آپ آل پاکستان ری رولنگ ملز ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں وزیر اعظم چین مسٹر چو۔این۔لائی نے بھی اس کارخانہ کو دیکھا اور بہت متاثر ہوئے اور مال سپلائی کرنے کا آرڈر دیا۔ اس وقت چودھری محمد صدیق ایڈمرل کارخانہ کے ڈائریکٹر ہیں۔

۱۲۳ میاں عزیز الدین

آپ پاکستان کے ایک کامیاب ترین صنعتی ادارہ "سرتاج انڈسٹریز لمٹیڈ" کے مینیجنگ ڈائریکٹر ہیں اور اپنے زہد و تقویٰ، راستبازی اور دیانت داری کی وجہ سے دنیائے صنعت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے کارخانہ کا سرمایہ کار ایک کروڑ روپے کے قریب ہے۔ یہ کارخانہ گلبرگ لاہور میں بائیس ایکڑ پر محیط ہے۔ گزشتہ سال اس کارخانہ میں چونتیس ہزار سلائی مشینیں اور تیس ہزار بائیسکل بنائے گئے تھے۔

آپ کا آبائی وطن جالندھر ہے، نورنگ پور میں آپ کا مکان تھا۔ آپ کے والد کا نام حاجی غلام محمد تھا۔ میاں عزیز الدین صاحب ۱۰ فروری ۱۹۱۰ء کو نورنگ پور میں پیدا ہوئے آپ بچپن ہی سے متدین تھے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے میٹرک پاس کیا اور سنگر سیونگ مشین کے سیلز مین بن گئے۔ پھر ۱۹۳۲ء میں آپ نے لدھیانہ میں محبوب ہوزری ملز قائم کی۔ ۱۹۳۹ء میں راما منڈی جالندھر میں "دوآبہ سیونگ مشین" کا کارخانہ قائم کیا۔ آپ نے اس قدر محنت اور دیانت سے کام کیا کہ ۱۹۴۶ء میں اس ادارے کا ادا شدہ سرمایہ ایک لاکھ پچپن ہزار تک پہنچ چکا تھا۔

تقسیم ملک کے بعد آپ نے لاہور میں مختلف کمپنیاں قائم کیں اور آخر کار ۱۹۴۹ء میں دوآبہ سلائی مشین کا کارخانہ کھولا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے اس کا نام "سرتاج انڈسٹریز" رکھا

اس وقت سرتاج انڈسٹریز کا ادا شدہ سرمایہ ساڑھے باسٹھ لاکھ ہے۔ یہ دراصل دو فرمیں ہیں سرتاج انڈسٹریز اور سرتاج انجنیئرنگ کمپنی۔ آپ نے اب جرمنی کی فرم پٹ کمپنی کو شریک کار بنا لیا ہے۔ دونوں نصف نصف سرمایہ سے کام کریں گے۔ اس سے ٹیکنیکل مشورے اچھے ملیں گے اور مشین کی کوالٹی بہتر ہو سکے گی۔ اس وقت مغربی پاکستان میں یہ فرم بہت مقبول ہے۔

میاں صاحب غریبوں کی امداد کے لئے مشینیں آسان قسطوں پر بھی فروخت کر رہے ہیں تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔ آپ اپنی لیبر کو بھی خوش رکھتے ہیں۔ اسی واسطے کبھی آپ کے کارخانہ میں ہڑتال نہیں ہوئی۔ ان کے فائدہ کے لئے ڈسپنسری قائم کر رکھی ہے اور کوارٹر وغیرہ بھی بنا دیئے ہیں۔

آپ کے خیال میں صنعت کاروں کو سیاست حصہ نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ یکسوئی سے اپنے کام کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت بھی ہیں اس لئے شریعت کے سختی سے عامل ہیں۔ آپ بچوں کو پہلے دینی تعلیم اور پھر دنیاوی تعلیم دلوانے کے حق میں ہیں۔ آپ "سلف میڈ" آدمی ہیں۔

۱۲۴ میاں فضل محمد عبد القیوم

میاں فضل محمد و میاں عبد القیوم جالندھر شہر کے مشہور لوہے کے کارخانہ دار ہیں اور ہندوؤں کے مقابلہ میں ان کا بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں لوہے کے رہٹ تیار ہوتے تھے تقسیم ملک سے چند سال پہلے انیمل (تام چینی) کا ایک کارخانہ بھی قائم کیا تھا۔ تقسیم ملک سے ان کے دونوں کارخانے ہندوؤں کے ہاتھ لگے۔ یہاں لاہور آ کر انہوں نے لوہے کا کام بادامی باغ میں شروع کیا اور لائل پور وغیرہ میں سریا کا کارخانہ قائم کیا۔ محنتی اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں فروغ دیا اور اب جالندھر جیسا کاروبار پھر میسر آ گیا ہے۔ لاہور، گوجرانوالہ اور لائل پور تینوں جگہ سریا، ٹی آئرن، اینگل آئرن اور زرعی آلات تیار ہوتے ہیں۔ لوہے کے بڑے بیوپاری ہیں۔ بٹالہ انجنیئرنگ ورکس کی ایجنسی بھی ان کے پاس ہے۔ سیمنٹ کے بڑے ڈیلر ہیں۔

میاں فضل محمد بڑے مخیر آدمی ہیں اور یتامیٰ و غرباء کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ مساجد اور رفاہی اداروں کو بھی عطیات دیتے رہتے ہیں۔ پچھلے سال انہوں نے انجمن فلاحِ راعیان کو ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا تھا اور قومی دفاعی فنڈ میں پچیس ہزار روپے۔ ایک دینی ادارہ "جامعہ فضلیہ" (ملتان روڈ لاہور) آپ کی زوجہ مرحومہ کے نام پر گزشتہ تین سال سے چل رہا ہے جس میں حفظِ قرآن پاک اور درس نظامی کا مکمل نصابِ تعلیم رائج ہے۔ میاں صاحب اس جامعہ کے سرپرست ہیں۔

میاں عبدالقیوم جالندھر کے ایک متمول اور اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی بڑے مخیر ہیں۔ جالندھر میں آپ نے مدرستہ البنات کو مبلغ دو ہزار روپے کا یکمشت عطیہ دیا تھا۔

۱۲۵ میجر جنرل افتخار احمد کنگروی

ملٹری کی خدمات میں آپ کو ایک مقام حاصل ہے۔ آپ یکم مئی ۱۹۱۷ء کو موضع کھرلہ کنگرہ تحصیل و ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ چوہدری شاہ علی صاحب بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، ریٹائرڈ کورٹ انسپکٹر پولیس، اچھرہ لاہور کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور جون ۱۹۴۲ء میں کمیشن حاصل کر کے بجائے سیپرز اور مائنرز۔ کرکی سے وابستہ ہو گئے۔ پھر نمبر ۶۱۴ سیکنڈ ای اینڈ ایم کمپنی میں تبدیل ہو گئے۔ ملٹری ایکٹو سروس آپ کی برما سے شروع ہوئی اور اس کے بعد اسی یونٹ کے کمانڈر کی حیثیت سے آپ کو میجر بنا کر ملایا بھیج دیا گیا۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں آپ واپس ہندوستان آ گئے۔ فروری ۴۹ء میں الیکٹریکل اور مکینیکل انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے دو سال انگلینڈ میں رہے۔ واپسی پر جون ۱۹۵۱ء میں آپ کو ترقی دے کر لیفٹیننٹ کرنل بنا دیا گیا۔ اور واہ فیکٹری میں بطور سی۔ ایم۔ ای۔ ایس متعین کئے گئے۔ اس کے بعد جون ۵۴ء میں آپ کو ملٹری سکول لائل پور میں بطور چیف انسٹرکٹر لگا دیا گیا۔ جون ۱۹۵۷ء میں آپ کو کرنل کے درجہ تک ترقی ملی اور بحیثیت چیف انجنیئر نمبر ۱ کارپس میں لگا دیئے گئے۔ اپریل ۱۹۶۰ء میں آپ کو بریگیڈیر کا عہدہ ملا اور ڈائریکٹر آف ورکس اور چیف انجنیئر (ملٹری) کی اسامی پر فائز کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپکو انجنیئرز کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا اور اب میجر جنرل کے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہو رہے ہیں۔

آپ نہایت شریف، محنتی اور دیانتدار افسر رہے ہیں اور قوم و ملک کی خدمت میں

دن رات کام کیا ہے۔

۱۲۶ بریگیڈیئر خورشید ربانی

خورشید ربانی صاحب موضع بوٹ تحصیل و ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب) کے مہاجر ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ ملٹری میں بھرتی ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۴۲ء میں کمیشن ملا۔ اسی سال دوسری عالمی جنگ کے دوران عراق اور شام چلے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں وہاں سے واپس آکر لیفٹیننٹ ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جنگ کشمیر میں شامل ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جن کے صلہ میں ستارۂ جرأت کا ایوارڈ ملا۔ اور کیپٹن کے عہدہ پر متعین ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں میجر ہوئے اور ۵۶ء میں لیفٹیننٹ کرنل بن گئے۔ ۶۴ء میں کرنل اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جوڑیاں مقبوضہ کشمیر کو فتح کرنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ۶۶ء میں بریگیڈیئر کمانڈر بنا دیئے گئے۔

۱۹۲۱ء میں بمقام شملہ میں پیدا ہوئے۔ دوآبہ ہائی سکول جالندھر سے میٹرک پاس کیا۔ ڈی اے وی کالج جالندھر سے انٹرمیڈیٹ اور ایف سی کالج لاہور سے بی اے کر کے فوج میں ملازمت کر لی۔ آپ کے والد چودھری غلام ربانی پولیس میں سب انسپکٹر تھے۔

(۱۲۷) چودھری محمد حسین

آپ ۱۹۰۸ء میں مزنگ لاہور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے کھیلوں کا بہت شوق تھا۔ ۱۹۲۶ء میں آپ نے میٹرک پاس کیا۔ اور آڑھت کا کام کرنے لگے۔ زیادہ تر پھل اور سبزیاں خریدتے اور فروخت کرتے تھے۔ آپ کے کاروبار اور ساکھ کا یہ عالم تھا کہ کانپور، لکھنؤ، سورت، کابل وغیرہ جہاں سے چاہتے، دو پیسے کا خط لکھ کر مال منگوا لیتے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ نے پھل، سبزی، گوشت، ٹرانسپورٹ اور عمارات کی ٹھیکیداری شروع کر دی جو اب تک جاری ہے۔

بچپن سے سیاست میں حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں مزنگ میں انجمن رفاہ عامہ کی بنیاد رکھی جس نے بہت کام کیا۔ اس انجمن کو گیارہ ہزار روپیہ سالانہ مرکزی حکومت اور چھ ہزار روپیہ سالانہ

صوبائی حکومت بطور گرانٹ دیتی ہے۔ آپ نے ارائیں برادری میں غلط رسم و رواج کو دور کرنے کے لئے بڑا جہاد کیا۔ اور کامیاب رہے۔ آپ انجمن اصلاح رسوم ارائیاں کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ جولائی ۱۹۶۱ء کو آپ پانچ سال کے لئے لاہور کارپوریشن کے وائس چیئرمین منتخب ہو کر لاہور کے اوّل شہری ٹھہرے۔ غیر ملکی حکومتوں کے بہت سے سربراہ آئے اور سب کا استقبال آپ نے لاہور کے اوّل شہری ہونے کی حیثیت سے کیا۔ آپ بہت سی انجمنوں اور اداروں کے پریذیڈنٹ بھی رہے ہیں۔ بہت امیر شخص ہیں۔ آپ کی پوزیشن حسب ذیل رہی ہے۔

وائس چیئرمین لاہور کارپوریشن

سابق ممبر قومی اسمبلی

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ (پاکستان ٹائمز اور امروز وغیرہ) کے ڈائریکٹر

سنٹرل کوآپریٹو بنک لاہور کے ڈائریکٹر

آپ "سلف میڈ" آدمی ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ آپ کی چاند تاروں والی کوٹھی "الفردوس" واقع فیروزپور روڈ میں بڑے بڑے زعماء آتے ہیں۔ وہ غریبوں کے مونس ہیں۔ آپ کے ارشادات ہیں۔ "ہمارا معاشرہ بہت خراب ہو چکا ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے سخت قوانین کی ضرورت ہے خصوصاً بچوں کے جرائم کے متعلق عبرت انگیز سزا دی جانی چاہیئے۔ ہمیں اتحاد کی ضرورت ہے اور خصوصاً معاشرہ میں دھڑے بندیوں کو دور کر کے اتحاد پیدا کرنا ضروری ہے۔"

چودھری جمال الدین

آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام باگیوال چک $\frac{197}{R\text{-}B}$ ضلع لائل پور میں پیدا ہوئے۔ معمولی ارائیں خاندان سے تعلق تھا۔ ۱۹۰۶ء میں والد صاحب انتقال کر گئے۔

جب ڈاکٹر فرید بخش صاحب نے چک نمبر $\frac{233}{\text{گ ب}}$ میں ۱۹۱۷ء میں انجمن غوثیہ کی بنیاد رکھی اور اس کے اہتمام سے غوثیہ اسلامیہ مڈل سکول قائم کیا تو چوہدری جمال الدین صاحب ان کے دست راست بن گئے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی کامیابی میں چودھری صاحب کی کوششوں

کا بھی بہت سا حصہ ہے۔ غوثیہ اسلامیہ مڈل سکول ہائی بنا اور پھر کالج، اور ان اداروں کو چلانے کے لئے روپوں کی فراہمی یہ سب کٹھن کام تھے۔ جن میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ چوہدری صاحب کی معیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ روپے کی فراہمی کے ساتھ لڑکوں کو تعلیم کے لئے آمادہ کرنا ایک اور مشکل کام تھا کیونکہ اردگرد غریب آبادی تھی۔ پھر ایک لڑکیوں کے سکول کا بھی اجراء کیا۔ یہ تمام کام فی سبیل اللہ کرتے رہے۔

آپ کے لڑکوں نے آپ کے نام پر مستحق طلبہ کو دو وظیفے دینے کا اعلان کیا ہے۔ جس کا نام جمال الدین سکالرشپ غوثیہ کالج چک ۲۲۳ گ۔ب ہے۔ یہ پچاس پچاس روپے کے دو مستقل وظیفے ہیں۔

جب ۱۹۴۷ء میں قائداعظم لائل پور تشریف لائے تو آپ اس وقت سے مسلم لیگ کے ہمہ وقتی ممبر بن گئے اور تحریک پاکستان میں دیوانہ وار کام کیا۔ خضر وزارت نے نمبرداری چھین لی اور دھمکیاں بھی دیں لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

مسلم لیگ وزارت کی بداعتدالیوں پر بھی آپ نے نکتہ چینی کی تو آپ کو نمبرداری سے معطل کر دیا گیا لیکن بالآخر حکومت کو ہی جھکنا پڑا۔

آپ نہایت سادہ مزاج تھے۔ ہمیشہ کھدر پہنا کرتے، پیدل سفر کو ترجیح دیتے۔

۱۳۰ ممتاز لیاقت

۲۰ راگست ۱۹۳۶ء کو ضلع لدھیانہ کے گاؤں ہمبڑاں میں پیدا ہوئے۔ ننھیال میں چوہدری حبیب اللہ حشری، محمد ابراہیم عرشی اور عبدالخالق عزمی ادب و تہذیب کے دلدادہ تھے۔ محمد ممتاز جب سن شعور کو پہنچے تو ممتاز لیاقت بن گئے۔ ۱۹۴۷ء میں خان پور ضلع ملتان میں اپنے والد چوہدری اسمٰعیل کے ساتھ آکر مقیم ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک اے۔ جی آفس میں ملازم رہے مگر ادبی ذوق کے آدمی کو یہ سرکاری پابندی راس نہ آئی۔ ایک عرصہ تک "اقدام"، "شہاب" اور "کوہستان" سے منسلک رہے۔ آجکل صحافی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور سماجی میدان کے مختلف شعبوں میں مصروف عمل ہیں۔

ملک و قوم میں اقدار اسلامی اور اخلاقِ عالیہ کی ترویج کی خاطر "مجلس فکر و عمل" کی اساس رکھی اور آج تک اس کے سیکرٹری ہیں۔ اردو کو سرکاری اور دفتری زبان نیز ذریعۂ تعلیم بنوانے کی خاطر ایک عرصہ تک انجمن ترویج اردو پاکستان سے وابستہ رہے اور مرکزی انجمن کے معتمد نشر و اشاعت بھی رہے۔

۱۹۶۲ء میں پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان تعلقات استوار کرنے کے لئے "اللجنۃ العربیہ الباکستانیہ" کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حزب اختلاف میں محاذ رائے شماری کی کنوینگ کمیٹی میں شامل رہے۔ لاہور کے علمی، ادبی، سماجی اور صحافتی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر چکے ہیں۔ آجکل آپ تصنیف و تالیف میں محو ہیں۔

۱۳۰ چودھری عبدالخالق عرشی

ضلع لدھیانہ میں موضع ہمراں کے چودھری نبی بخش کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور بی۔ اے کرنے کے بعد ایم۔ اے (اردو) کیا۔ یونیورسٹی کے "حلقہ ادب" کے صدر رہے۔ کچھ عرصہ اے۔ جی آفس میں ملازم رہے۔ آجکل گورنمنٹ کالج ملتان میں شعبۂ اردو کے صدر ہیں۔ صاحب طرز شاعر اور ادیب ہیں۔ اس وقت تقریباً بتیس سال کی عمر ہے۔

ان کے بھائی چودھری عبدالحمید دوسری جنگِ عظیم میں فوج میں تھے۔ سنگاپور پہنچ کر "انڈین نیشنل آرمی" میں شامل ہو گئے۔ اور کیپٹن بنا دیئے گئے۔ انہوں نے فوج سے واپس آکر مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اور ۱۹۴۷ء کے متوقع حالات کے پیش نظر "ملنگ پارٹی" بنائی۔ جس میں ان کے دوسرے بھائی چودھری محمد ابراہیم عرشی نے بہت اہم پارٹ ادا کیا۔ اس پارٹی نے تقسیم ملک کے فسادات میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و عصمت بچانے میں بڑی جانثاری اور جانبازی کا مظاہرہ کیا۔ اس پارٹی میں اکثریت ارائیوں کی تھی۔

۱۳۱ چوہدری عبدالحق صاحب بیرسٹر ایٹ لاء

چوہدری عبدالحق صاحب مرحوم بیرسٹر ایٹ لاء چیئرمین میونسپل کمیٹی فیروزپور و ممبر ورکنگ کمیٹی

پنجاب خلافت کمیٹی اور ان کے چھوٹے بھائی چوہدری عبدالستار صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ممبر میونسپل کمیٹی فیروزپور۔ یہ دونوں ارائیں برادری میں روشن چراغ کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ بہادرانہ جذبہ رکھتے تھے۔ بڑی آب و تاب سے چمکے۔ اور لاکھوں اشخاص کو متاثر کر کے اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔

چوہدری عبدالحق صاحب مرحوم گورنمنٹ ہائی سکول فیروزپور سے فسٹ ڈویژن میں میٹرک کرنے کے بعد لاہور اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد یہ انگریزی حکومت کی پالیسی تھی کہ کوئی باشعور مسلمان اپنی قوم کا ہمدرد یا آزادی کا حامی لڑکا تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ ملازمت کے دروازے بھی صرف انہی مسلمان لڑکوں پر کھلے رہتے جو دل سے انگریزی حکومت کے حامی ہوں اور اپنی قوم سے ذرا بھی ہمدردی کا جذبہ نہ رکھتے ہیں۔

چوہدری عبدالحق بڑے باشعور اور اپنی قوم کی ہمدردی کا پرجوش جذبہ رکھتے تھے۔ اس لئے زیادہ عرصہ تک انگریز پرنسپل کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔ ان کو کالج سے نکالنے کے لئے بہانہ کی ضرورت تھی۔ کئی دفعہ پرنسپل نے ان کو طلب کیا اور ان پر لڑکوں کا جتھا بنانے کا الزام لگایا۔ انہوں نے پرنسپل کو کہا کہ ہم نماز باجماعت کے لئے لڑکوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں ہم اس عظیم اسلامیہ کالج میں اکٹھے مل کر باجماعت نماز بھی نہ پڑھیں۔ پرنسپل ہچکچا کر رہ جاتا یہ کشمکش چلتی رہی جو بڑھتے بڑھتے اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب چوہدری عبدالحق صاحب کا نام بی۔ اے فائنل کے امتحان کے لئے یونیورسٹی میں جا چکا تھا۔ چوہدری صاحب نے اب پہلے سے زیادہ کھل کر لڑکوں میں اسلامی شعور اور قومی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش شروع۔ اس کے بعد تو انگریز پرنسپل کی پالیسی کو انہوں نے اعلانیہ طور پر بے نقاب کرنا شروع کیا۔ بی۔ اے کا امتحان دے کر انہوں نے اخبارات میں کئی آرٹیکل بھی دیئے جن میں انہوں نے واضح طور پر مثالیں دے کر پرنسپل کی حرکت کو بے نقاب کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہر ہفتے پرنسپل گورنر سے مل کر اسلامیہ کالج کی ڈائری دیتا ہے۔ جس لڑکے کی یہ سفارش کرے، وہی گورنمنٹ سروس میں لیا جا سکتا ہے اور یہ سفارش اسی کی کرتا ہے جو قومی ہمدردی کا جذبہ نہ رکھتا ہو، اور حکومت کا

شدّت سے حامی اور خوشامدی ہو۔ اس پر حکومت اور پرنسپل چودھری صاحب کے شدید مخالف ہوگئے۔ اتنے میں چوہدری صاحب کے امتحان کا نتیجہ نکل آیا اور چودھری صاحب فسٹ ڈویژن میں پاس ہوگئے۔ بی۔اے کرنے کے بعد یہ بیرسٹری کے لئے لندن گئے تو اس انگریز پرنسپل اور انگریزی حکومت نے انگلستان کی تمام یونیورسٹیوں کو لکھ بھیجا کہ ان کو بیرسٹری کے لئے کسی کالج میں نہ لیا جائے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ انگلینڈ کے کسی کالج میں ان کو داخلہ نہ مل سکا وہ مجبور ہو کر آئرلینڈ گئے اور ڈبلن کے کالج میں بڑی جدوجہد کے بعد انہیں داخلہ ملا۔

یہ بیرسٹری کر کے فیروزپور آئے اور پریکٹس شروع کی۔ ساتھ ہی فیروزپور شہر کے پراگندہ حال مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے اور ان کی اصلاح و تنظیم کی جدوجہد پر کمربستہ ہوئے۔ بہت جلد یہ مسلمانوں میں ہردلعزیز ہو گئے۔ یہ نہ صرف خود کامیاب ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اپنی پارٹی کو بھی میونسپل کمیٹی فیروزپور کے ممبر بنانے میں کامیاب ہوگئے اور چیئرمین میونسپل کمیٹی کے انتخاب میں یہ بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

پہلی عالمگیر جنگ کے اختتام پر مسلمانانِ ہند نے فیصلہ کیا کہ کوئی مسلمان فتح کے جشن میں حصہ نہ لے۔ چوہدری صاحب نے ترکوں کی تباہی اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے دردناک واقعات سنا سنا کر مسلمانانِ ضلع فیروزپور کی بڑی اکثریت کو جشنِ فتح کی سرکاری تقریبوں سے الگ رکھا۔

میونسپل کمیٹی فیروزپور کا پھر الیکشن ہوا تو یہ خود تو بلامقابلہ ممبر بن گئے۔ دو تہائی سیٹوں پر اپنے آدمیوں کو بھی کامیاب کرا دیا۔ یہ دوبارہ صدر میونسپل کمیٹی منتخب ہوئے۔ اسی عرصہ میں خلافت تحریک شروع ہوگئی۔ انہوں نے ضلع فیروزپور میں خلافت کمیٹی نہ صرف شہر میں بنائی بلکہ ضلع کی ہر تحصیل اور ہر قصبہ میں خلافت کمیٹیاں جا جا کر قائم کیں۔ یہ ضلع فیروزپور کی خلافت کمیٹی کے صدر اور پنجاب خلافت کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔

اسی دوران میں انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کو فیروزپور آنے کی دعوت دی وہ فیروزپور تشریف لائے۔ چوہدری صاحب نے میونسپل کمیٹی کے ہال میں میونسپل کمیٹی کی

طرف سے ان کو ایڈریس دیا۔ یہ ہندوستان بھر میں پہلا مقام تھا جہاں کسی سرکاری ادارے میں کسی ایسے لیڈر کو جو حال ہی میں نظر بندی سے رہا ہو کر آیا ہو، اور حکومت کی نگاہ میں باغیوں کا سرغنہ سمجھا جاتا ہو اس کو ایڈریس دیا گیا ہو۔ پھر ضلع فیروزپور تو وہ ضلع تھا جو جنگ عظیم میں پنجاب بھر میں فوجی بھرتی میں اوّل رہا تھا۔ اسی شہر میں انگریز کی ہیبت مسلط رکھنے کے دو بڑے نشان یعنی پنجاب میں سب سے بڑی چھاؤنی اور سب سے بڑا قلعہ بھی موجود تھا۔ انگریز کے دبدبہ اور اس کی ہیبت کی دھجیاں اڑانے کے لئے چوہدری صاحب کی دھواں دار تقریریں اور سرکاری ادارہ میں ایک عظیم باغی لیڈر کو ایڈریس دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ انگریز نے اپنے رعب اور دھمکیوں کے سب حربے استعمال کئے لیکن مقابلہ شیر دل چوہدری عبدالحق سے تھا۔ وہ انگریزی وضع کے لباس کی بجائے کھدر پوش بن چکے تھے اور ضلع بھر میں خلافت کمیٹیوں کے لئے دھواں دار تقریروں کے ذریعے کئی بڑے معرکے بڑی بے خوفی کے ساتھ سر کر رہے تھے۔

ان کی تقریروں سے متاثر ہو کر کئی سرکاری ملازم میدان عمل میں آئے۔ ان میں ایک آتش بیان سید بر جیس بھی تھا جو ملازمت چھوڑ کر چوہدری عبدالحق صاحب کی ہدایت پر جگہ جگہ جلسے کرتا۔ انگریز کے مظالم کو دردناک انداز سے بیان کرتا، خود بھی روتا اور جلسوں کے سامعین کو بھی رلاتا ملک بھر میں تحریک خلافت کا جوش وخروش اور زور دیکھ کر کانگرس بھی ساتھ ہو لی لیکن جلد ہی ہندو قوم نے محسوس کر لیا کہ اس تحریک میں پیش پیش مسلمان ہیں اگر ملک میں اب انقلاب آیا تو سیاسی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی۔ اس لئے ہندو چاہتا تھا کہ چونکہ ہندو قوم ابھی تیار نہیں ہوئی اور مسلمان تحریک پر چھا گیا ہے۔ اس لئے یہ تحریک کسی نہ کسی طرح ختم کی جائے۔ تحریک کے عین شباب میں ہندوستان کے کسی قصبہ چورا چوری کے تھانہ میں پولیس کے چند سپاہی جلوس کے ہنگامہ میں زخمی ہو گئے یا مارے گئے گاندھی جی کے ہاتھ بہانہ آ گیا کہ عدم تشدد کی تحریک میں تشدد کا اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے اس تحریک کو سخت دھکا لگا اس کے بعد تو ہندوؤں نے آریہ سماج کو آگے بڑھایا تا کہ ہندو مسلم فساد برپا کر کے اس تحریک

کا رخ انگریزی حکومت سے ہٹایا جا سکے۔ ہر تحریک میں ہندوؤں کا یہ پرانا طریقہ تھا کہ مسلمان کو چھوڑ کر انگریز سے جا ملتا۔ چنانچہ انگریز اور ہندو کی اس ملی بھگت میں خلافت کی عظیم تحریک فیل ہو گئی۔ ہندو آریہ نے آگرہ کے علاقہ میں مسلمان ملکانہ راجپوتوں کو ہندو بنانے کا اعلان کر کے شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع کر دی۔ یکایک ہندو اخبارات کا رویہ ہی بدل گیا۔ مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز بیانات دینے کا انہوں نے سلسلہ شروع کیا "کہ ہم ادم کا جھنڈا مکہ پر لہرائیں گے"، وغیرہ جیسی سرخیوں کے ساتھ بیان آنے لگے تو چوہدری عبدالحق صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی عبدالستار بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کو ایک جتھا دے کر آگرہ جہاں یہ تحریک ہندوؤں نے اٹھا رکھی تھی" بھیجا جو کافی عرصہ تک وہاں رہ کر کام کرتے رہے۔

چوہدری عبدالحق صاحب کئی سال میونسپل کمیٹی کے چیئرمین رہے ہر اسلامی تحریک کی ایک بہادر رہبر و کی طرح رہنمائی کرتے رہے۔ ایک دفعہ سنٹرل اسمبلی کے الیکشن میں (گنجہ کلاں) والوں نے فیصلہ کیا کہ ہم چودھری ظفر اللہ کے مقابلہ میں شیخ صادق حسن صاحب مرحوم رئیس امرتسر کی مدد کریں گے۔ ضلع لاہور کے علاوہ ضلع فیروزپور بھی اسی حلقہ میں تھا۔ وہاں تو چودھری ظفر اللہ کی دال نہیں گلتی تھی۔ خطرہ ضلع فیروزپور سے تھا۔ اس لئے گنجہ کلاں والوں کی طرف سے سردار محمد شفیع ضلع فیروزپور میں گئے تاکہ چوہدری ظفر اللہ کی بجائے شیخ صادق حسن کو کامیاب کرایا جائے۔ چوہدری عبدالحق صاحب بھی شیخ صادق صاحب کے حامی تھے۔ دونوں نے ضلع فیروزپور کا دورہ کیا چوہدری عبدالحق صاحب کی شخصیت کوئی معمولی نہیں تھی۔ ان کا ضلع کے گوشہ گوشہ میں اثر تھا۔ انہوں نے بڑی اکثریت سے شیخ صاحب کو متعارف کرایا۔

چودھری عبدالحق صاحب کو نہ حکومت ڈرا سکی اور نہ ہندو مرعوب کر سکا۔ کوئی بھی ضلع فیروزپور کی سیاست اور میونسپل کمیٹی میں دم نہ مار سکا لیکن موت نے ان کو خاموش کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد چوہدری عبدالستار صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ممبر میونسپل کمیٹی بڑی جرأت سے آگے آئے۔

چودھری عبدالحق، چودھری عبدالستار اور چودھری عبدالسلام تین بھائی تھے۔ ان کے والد صاحب کا نام چودھری علاؤالدین اور ان کے دادا کا نام چودھری ہاشم دین تھا۔ دراصل

یہ خاندان دہلی کے قریب قصبہ تہاڑ کا رہنے والا بڑا بہادر خاندان سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان کے بزرگوں نے سب سے قصبہ تہاڑ میں انگریز کے خلاف جنگ آزادی کا جھنڈا بلند کیا۔ دہلی کے پہاڑی مورچہ پر ان کا جتھہ بڑی بہادری سے انگریز کیخلاف لڑتا رہا۔ اگر وہاں خوراک کی قلت محسوس ہوتی تو یہ دہلی کے معرکہ میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والوں کو خوراک بھی بہم پہنچاتے۔ جب آزادی کی تحریک فیل ہو گئی اور انگریز نے دہلی پر قبضہ کر کے قتل عام شروع کیا تو ان کو خطرہ پیدا ہوا کہ اب تہاڑ کی بھی اینٹ سے اینٹ بجے گی اور دہلی کی طرح یہاں بھی قتلِ عام ہوگا تو یہ خاندان وہاں سے روپوش ہو گیا۔ جو گرفتار ہوئے وہ پھانسی پا گئے۔ بقیہ خاندان مصیبتیں جھیلتا، کٹھن منزلیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ طے کرتا ہوا فیروزپور کی طرف آیا۔ جب جنگ آزادی کا ہنگامہ ختم ہوا اور ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے معافی کا عام اعلان ہوا تو یہ ظاہر ہوئے اور فیروزپور شہر کے جنوب کی طرف انہوں نے ڈیرہ لگا کر اپنی الگ بستی بنائی جو ان کے سابقہ قصبہ تہاڑ کے نام سے منسوب ہوئی لیکن تہاڑ کا نام عام بول چال میں بگڑتے بگڑتے پنجابی لہجہ کی بدولت تہاڑ والی بستی کی بجائے اُسے دیہاڑیاں والی بستی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ممدوٹ کے قریب وسیع زمین پر قبضہ کر کے انہوں نے ایک گاؤں بھی آباد کیا جو تہاڑ کی بجائے دیہاڑیوں والے چک کے نام سے پکارا جانے لگا۔

چوہدری عبدالحق صاحب اور چوہدری عبدالستار صاحب کے چھوٹے بھائی چوہدری ... عبدالسلام سابق میونسپل کمشنر فیروزپور آجکل دھینگ شاہ نزد عثمانوالہ تحصیل قصور میں رہتے ہیں وہ وسیع پیمانہ پر ٹریکٹر کے ذریعے بہت اچھی کاشت کراتے ہیں۔ اس خاندان کے کئی وکیل بھی ہیں۔ چوہدری عبدالرحیم صاحب چونیاں میں وکالت کرتے ہیں اور اچھے خاصے باشعور اور باوقار فرد ہیں۔

۱۳۲ خان بہادر میاں محمد یوسف

میاں محمد یوسف ۱۸۹۷ء میں اپنے آبائی گاؤں تندوالی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت متانت، شائستگی اور مذہب کی طرف مائل تھی۔ شریر بچوں سے کبھی گھل مل

نہ سکے ۔ آپ نے ۱۹۱۵ء میں مسلم ہائی سکول انبالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔ یہ سکول نیا نیا قائم ہوا تھا ۔ اس سکول کے طلباء نے پہلی بار اسی سال میٹرک کا امتحان دیا تھا ۔ اس اعتبار سے آپ مسلم ہائی سکول انبالہ کے قدیم ترین طالب علم ہیں ۔

آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۱۷ء میں ایف ۔ اے اور ۱۹۱۹ء میں بی ۔ اے پاس کیا پھر لاہور کے لاء کالج میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں وکالت کی ڈگری حاصل کی ۔ آپ نے انبالہ میں وکالت کی پریکٹس کی جس میں بڑے کامیاب رہے ۔ آپ کی ہابی فٹ بال کھیلنا اور شکار کھیلنا تھی ۔ چنانچہ سکول اور کالج میں فٹ بال کی ٹیم کے باقاعدہ ممبر رہے ۔ کسبِ معاش سے آپ کا جو وقت بچتا رہا اُسے خدمت عوام میں صرف کرتے رہے ۔ آپ کی مصروفیتوں اور خدمات کو سات شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔

۱۔ آپ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۲ء تک میونسپل کمیٹی کے ممبر رہے ۔ اس عرصہ میں سے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک چھ سال اس میونسپل کمیٹی کے سینئر وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوتے رہے ۔ اس طرح ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈسٹرکٹ بورڈ انبالہ کے ممبر منتخب ہوتے رہے اور ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۱ء تک برابر بارہ سال اس کے سینئر وائس چیئرمین رہے ۔ میونسپل کمیٹی کے انتخابات کی طرح ڈسٹرکٹ کے انتخابات بھی ہر سال ہوتے تھے ۔ ان دو عوامی اداروں میں آپ کی خدمات عوام اور حکومت دونوں میں بہت ہی مقبول رہیں ۔

۲۔ اصلاح دیہات اور زمینداروں کی بہبود و فلاح کے لئے بھی آپ نے بہت کام کیا ۔ ۱۹۲۵ء سے لے کر قیامِ پاکستان تک آپ رورل کمیونٹی کونسل اور زمیندارہ ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری رہے ۔ انبالہ کے ضلعی اخبار "اصلاح دیہات" کے آپ آنریری ایڈیٹر تھے ۔ اس کے علاوہ آپ زمیندارہ بنک انبالہ شہر کے پریذیڈنٹ سنٹرل کوآپریٹو بنک انبالہ کے ڈائریکٹر ۔ انجمن امدادِ باہمی کفایت شعاری کے پریذیڈنٹ اور پنجاب کوآپریٹو یونین کے ڈائریکٹر تھے ۔

ان اداروں کے توسط سے آپ نے ضلع انبالہ کے کسانوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے

اور معاشرہ میں اصلاح کے لئے بڑا کام کیا۔ اس میدان میں بھی عوام اور حکومت دونوں ہی آپ کی بے لوث خدمات سے بہت متاثر ہوتے رہے۔

۳۔ قیدیوں کی بہبود سے آپ کو عمر بھر دلچسپی رہی ہے اس سلسلہ میں بھی آپ نے بہت کام کیا۔ انجمن رہا شدہ قیدیاں ضلع انبالہ اور بارکہ ہوم انبالہ کے آنریری مجسٹریٹ اور انجمن رہا شدہ قیدیاں پنجاب کی انتظامیہ کمیٹی کے بڑے سرگرم ممبر رہے۔ ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آپ انبالہ جیل کے غیر سرکاری وزیٹر رہے۔ پھر رہا شدہ قیدیوں کی نگہداشت کے لئے آپ پروبیشن آفیسر مقرر کئے گئے۔

۴۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ بنی نوع انسان کی عام خدمت بھی پوری سرگرمی سے کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں غیر معمولی سیلاب سے بعض علاقے بری طرح تباہ و برباد ہوئے۔ اس موقع پر ریلیف فنڈ کھولا گیا۔ آپ ضلع انبالہ کی فلڈ ریلیف کمیٹی کے آنریری سیکرٹری منتخب کئے گئے۔ آپ نے ضلع کے طول و عرض میں دیہات کا دورہ کیا اور سیلاب زدہ لوگوں کو خود اپنے ہاتھ سے نقدی، اناج، کپڑا تقسیم کیا۔ اسی طرح زلزلہ بہار کے موقع پر آپ نے بہار ریلیف فنڈ کمیٹی میں نمایاں حصہ لیا۔

آپ لمبا عرصہ انبالہ کی ضلعی سکاؤٹس ایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ رہے۔ فائسن پبلک لائبریری اور ادارہ درس قرآن کے بھی پریذیڈنٹ تھے۔

۵۔ ۱۹۳۷ء میں سر سکندر حیات مرحوم نے پنجاب کی وزارت بنائی تو اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ غریب اور مقروض کسانوں کو جہاں تک ہو سکے ساہوکار کے پنجے سے نجات دلائی جائے۔ اس مقصد کے لئے کئی قوانین بنائے گئے۔ ان ہی قوانین میں سے ایک قانون کے تحت صوبے بھر میں ضلعی سطح پر مصالحتی قرضہ بورڈ بنائے گئے۔ صورت حال یہ تھی کہ مقروض زیادہ تر اور بعض صورتوں میں سو فیصد مسلمان تھے اور ساہوکار ہندو تھے۔ اس لئے مصالحتی بورڈ کا کام ہمیشہ نکتہ چینی کا سبب بنتا تھا۔ اس وجہ سے ہر ضلع میں اس بورڈ کا چیئرمین مقرر کرتے وقت حکومت کو بہت ہی چھان بین سے کام لینا پڑتا تھا۔ چنانچہ ضلع انبالہ کے مصالحتی قرضہ بورڈ کے چیئرمین میاں محمد یوسف مقرر کئے گئے

آپ کی انصاف پسندی، وسعتِ نظر اور پختگی کردار کی بڑی شہرت تھی۔ اس لئے ساہوکار گھبرا گئے اور مخالفت نے ایک منظم صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ لالہ دنی چند ایم۔ ایل۔ اے نے اسمبلی میں اس تقرر پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس وقت تک میاں صاحب کچھ کام کر کے دکھا چکے تھے۔

ان سوالات کا جواب سر چھوٹو رام نے دیا۔ انہوں نے ایوان کو بتایا کہ کارکردگی کے لحاظ سے میاں محمد یوسف پنجاب بھر میں بہترین چیئرمین ثابت ہوئے ہیں اور ضلع انبالہ میں یہ کام جس دیانتداری اور قابلیت سے کیا گیا ہے۔ وہ دوسرے اضلاع کے لئے قابل تقلید ہے۔ میاں صاحب کے تقرر فروری ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں آپ کو انبالہ کمشنری کا ڈویژنل پبلسٹی آفیسر بھی بنا دیا گیا۔

علاوہ ازیں آپ مندرجہ ذیل جمعیتوں سے منسلک رہے اور ان اداروں میں روح عمل پیدا کی۔

(۱) وائس پریذیڈنٹ مارکیٹ کمیٹی انبالہ
(۲) پریذیڈنٹ مسلم لائبریری و دارالمطالعہ انبالہ
(۳) آنریری سیکرٹری حصار فیمن ریلیف کمیٹی
(۴) ممبر ایگزیکٹو کمیٹی ریڈ کراس و سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن انبالہ
(۵) جائنٹ سیکرٹری انبالہ سپورٹس ایسوسی ایشن
(۶) وائس پریذیڈنٹ کھیت سُدھار بورڈ پنجاب
(۷) نان آفیشل ممبر، ڈویژنل سب سلیکشن بورڈ انبالہ

(۶) میاں محمد یوسف کی سیاسی، تعلیمی، ملّی اور معاشرتی خدمات بہت ہیں۔ آپ ضلع انبالہ کے ایک مشہور ترین مسلمان لیڈر رہے ہیں چنانچہ جب مسلم لیگ کی تنظیم نو ہوئی تو آپ اس کے وائس پریذیڈنٹ منتخب کئے گئے۔ اور تنظیم کے میدان میں آپ نے خوب کام کیا اور ضلع کے مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونک دی۔ اس کے علاوہ آپ انجمن اسلامیہ ضلع انبالہ کے سرگرم ممبر اور انبالہ کی وار پبلسٹی کمیٹی اور ڈسٹرکٹ وار بورڈ کے آنریری سیکرٹری رہے۔

آپ گزشتہ ۲۵ سال سے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے سرگرم ممبر اور پنجاب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس منتظمہ کے رکن ہیں۔

ان تمام مصروفیتوں کے باوجود میاں محمد یوسف اپنے قبیلے کو نہیں بھولے۔ اس کیلئے بھی جو خدمت ممکن ہو سکی ہمیشہ کرتے رہے۔ آپ انجمن ارائیاں ضلع انبالہ و کرنال و ریاست ہائے کلیسہ و نا ہن کے پریذیڈنٹ رہے۔ ۱۹۳۱ء میں انجمن ارائیان ہند نے لاہور میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کیا تو آپ نے اس کی صدارت کی۔ اس سے پہلے آپ انجمن ارائیان ہند کے وائس پریذیڈنٹ رہے۔ اور میاں سر محمد شفیع مرحوم اور ملک تاج الدین مرحوم کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے۔

• میاں محمد یوسف کی جن خدمات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ بحیثیت مجموعی کسی بڑی انجمن کی طرف منسوب کی جائیں بلکہ انہیں دس پندرہ انجمنوں پر بانٹ دیا جائے تو یوں معلوم ہو گا یہ انجمنیں بڑی کامیاب رہیں اور انہوں نے اتنا تعمیری کام کر کے اپنے وجود کو حق بجانب قرار دے دیا لیکن یہ کام انجمنوں نے نہیں کیا بلکہ ایک فرد نے کیا ہے اور وہ فرد اس لئے اس سطح پر پہنچ کر کامیاب رہا کہ اس میں ایمان کی حرارت، کردار کی بلندی اور غیر معمولی قابلیت موجود تھی۔ ان خدمات کا اصل اجر میاں محمد یوسف کو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا اور وہ حضور سرور کائنات کے حضور میں سرخروئی سے پیش ہوں گے۔ لیکن عوام نے بھی ان کی بے پناہ عزت کی ہے اور حکومت نے ان خدمات کے ہلکے سے اعتراف کے طور پر آپ کو ۳۲-۱۹۳۱ء میں کچھ جاگیر دی۔ ۱۹۳۴ء میں خان صاحب کا خطاب دیا اور ۱۹۴۱ء میں آپ کو خان بہادر بنا دیا گیا۔

۷: ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو آپ انبالہ کو خیر باد کہہ کر لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں آپ ماڈل ٹاؤن میں مقیم ہوئے اور ابھی تک ماڈل ٹاؤن ہی میں رہائش پذیر ہیں۔ یہاں نومبر ۱۹۴۷ء میں لاہور کا افسر بحالیات مقرر کیا گیا لیکن آپ کی حسن کارکردگی اور معاملہ فہمی کی بنا پر جلد ہی ترقی دے کر ڈپٹی کمشنر بحالیات کے عہدہ پر فائز کیا اور سیالکوٹ میں تقرر ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں مارشل لا نافذ ہوا اور لاہور کے بعض اداروں کی چھان بین ہوئی تو محسوس

کیا گیا کہ لاہور میں بالخصوص زیادہ دیانت دار افسروں کی کمی ہے۔ چنانچہ آپ کی دیانتداری کے عملی اعتراف کے طور پر آپ کو لاہور تبدیل کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی مدتِ ملازمت ختم ہونے پر آپ کو توسیع دی گئی۔ آپ کلیمز آفیسر بنائے گئے۔ پھر لاہور کے ڈپٹی سیٹلمنٹ کمشنر بنے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ ریٹائر ہوئے اور حج کے لئے تشریف لے گئے۔

اس وقت آپ مندرجہ ذیل اداروں کے عہدیدار یا ممبر ہیں۔

(۱) صدر ادارہ درس قرآن دربار حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہور

(۲) ممبر انتظامیہ کمیٹی جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

(۳) ممبر دار القراء لاہور

(۴) سرپرست۔ مدرسہ خیر المدارس ملتان

میاں محمد یوسف نے یوں تو سینکڑوں میدانوں میں کام کیا اور اس طرح کیا کہ جس میدانِ عمل میں آپ ہوتے وہاں کچھ اس طرح چھا جاتے کہ ہر طرف آپ ہی آپ نظر آتے کوئی دوسرا آدمی میلوں تک پیچھے نظر نہ آتا۔ تاہم دیہات سدھار کا کام آپ کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن کر رہ گیا۔ کھیتوں کی اصلاح، اور طریق کاشت کو سائنٹیفک اصول پر ڈھالنے کی تلقین کرنا۔ اصلاح شدہ بیج کو دیہات میں رواج دینا۔ دیہی عوام کو صحت کے اصول پر زندگی بسر کرنے پر زور دینا آپ کی زندگی کا مشن رہا ہے۔ انگریز ڈپٹی کمشنر غیر ملکی حکمران ہونے کے باوجود اضلاع کے دیہات سے گہرا رابطہ رکھتے تھے۔ ضلع انبالہ کے انگریز ڈپٹی کمشنر دورہ دیہات میں جاتے تو ان کی خواہش ہوتی کہ میاں محمد یوسف ان کے ہمراہ چلیں تاکہ اہل دیہات کی ذہنی تربیت کی جائے میاں صاحب جب بھی اس مقصد کیلئے وقت نکال سکتے ڈپٹی کمشنر کے ہمراہ ہو لیتے۔ دورہ کے مقام پر آپ کا خیمہ الگ نصب ہو جاتا اور آپ اہل دیہات سے گھل مل کر انہیں اس طرح بہتر زراعت اور بہترانہ زندگی کے متعلق مشورہ دیتے کہ یوں معلوم ہوتا کہ ایک نیا سقراط دیہات میں آنکلا ہے۔

قدرت اللہ شہاب

آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا اور وہ گلگت کے گورنر تھے۔ اور اس سے پہلے کچھ عرصہ تک علی گڑھ یونیورسٹی میں انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرار بھی رہے تھے۔

شہاب صاحب ۱۹۲۵ء میں گلگت میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سری نگر اور جموں میں حاصل کی جب وہاں پلیگ کا زور ہوا تو آپ کے والد صاحب نے آپ کو اپنے آبائی گاؤں چمکور صاحب ضلع انبالہ میں بھیج دیا۔ وہاں خالصہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ پھر جب ایف۔ ایس۔ سی اور بی۔ ایس۔ سی کے امتحانات پرنس آف ویلز کالج جموں سے دیئے۔ اسی زمانہ میں انگلستان کی ایک علمی انجمن نے انگریزی مضمون نویسی کا ایک بین الاقوامی مقابلہ منعقد کیا۔ شہاب صاحب نے بھی ۵۰ صفحے کا ایک مضمون بھیج دیا۔ کوئی ۱۹ ہزار مضامین میں سے ان کا مضمون سب سے بہتر قرار دیا گیا اور انہیں اوّل انعام ملا۔ اس موقع پر قائد اعظم، مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو کے علاوہ دیگر ممالک کے مشاہیر نے بھی انہیں مبارکباد کے خط لکھے۔

بی۔ ایس۔ سی کے بعد انہوں نے سائنس چھوڑ کر گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کیا اور ۱۹۴۱ء میں آئی۔ سی۔ ایس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ ملازمت کا آغاز صوبہ بہار سے ہوا۔ لیکن جونہی بنگال میں سیلاب اور قحط کی قیامت آئی۔ آپ نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات وہاں منتقل کروالیں۔ اس کے بعد دو سال اڑیسہ میں رہے آزادی کے بعد جب کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو آپ آزاد کشمیر چلے آئے اور سیکرٹری جنرل کا عہدہ سنبھال کر آزاد کشمیر کی پہلی حکومت کی تنظیم و تشکیل میں نمایاں حصہ لیا۔ کشمیر کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا تو آپ مزید تعلیم کے لئے ہالینڈ چلے گئے۔ وہاں ایک برس رہ کر ۱۹۵۳ء میں واپس آئے راستے میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ اس کے بعد تین عمرے بھی کر چکے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں گورنر جنرل کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور قومی سیاست کا زیروبم دیکھتے ہوئے ۱۹۶۲ء تک صدر مملکت کے پرنسپل سیکرٹری رہے۔ پھر ۱۹۶۳ء کے اخیر میں پاکستان کے سفیر بنا کر ہالینڈ بھیج دیئے گئے۔ آج کل آپ مرکزی محکمہ تعلیم کے سیکرٹری ہیں۔ آپ تقسیم

ملک کے بعد کچھ عرصہ تک صنعتوں کے ڈائریکٹر بھی رہے۔

آپ اپنی تخلیق "ماں جی" کو اپنا شاہکار سمجھتے ہیں۔ آپ کی کتاب "یا خدا" جو ۱۹۴۷ء کے انسانیت سوز روئیوں کا ایک رُخ ہے بہترین کتاب ہے اور اپنے موضوع پر بلا مبالغہ بڑا شاہکار ہے۔ رائٹرز گلڈ کے بانی آپ ہی ہیں۔ اس طرح آپ نے گویا ادیبوں کی تنظیم کر کے ان کے لئے مستقبل کی تابناکی کے مواقع فراہم کئے۔ ان کی تحریر اور تقریر دونوں ہی بہت سحر آفرین ہیں آپ پکے نمازی ہیں اور معاشرہ میں اسلامی اقدار کے استحکام کے خواہشمند ہیں۔ اسلام سے محبت کا اندازہ آپ کی اس ایک آرزو سے کر لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"اس وقت سب سے بڑا انقلاب وہ ہاتھ لا سکتے ہیں جو انتظامیہ کو چلا رہے ہیں۔ میرا مفید مشورہ ہے کہ ملازمین حکومت کے "کریکٹر رول" میں اس شق کا اضافہ کیا جائے کہ نماز روزے کی پابندی کا کیا عالم ہے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ترقی دیتے وقت انتظامی صلاحیتوں کے برابر پابندی صوم و صلوٰۃ کو اہمیت دی جائے۔ جب کوئی شخص سرکاری ملازمت کے لئے درخواست دے اسے ابتدا ہی سے یہ احساس ہو کہ وہ ایک ایسی ریاست کا رکن بننے والا ہے جس میں ستھرا کردار اور نماز روزے کی پابندی اہمیت رکھتی ہے۔"

آپ نظامِ تعلیم میں بھی اسلامی انقلاب لانے کی خواہش مند ہیں اور آپ کا کہنا ہے کہ سیرت رسولؐ، تحریک پاکستان کے بنیادی فلسفہ اور اسلامی تاریخ کے بغیر نظام تعلیم سے ہم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ۱۹۴۷ء میں جب آپ اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکرٹری تھے اور سری ہری کشن مہتاب وزیر اعلیٰ تھے، آپ نے ان کی کنفیڈینشل (خفیہ) بیگ سے وہ تحریر حاصل کر لی تھی جس میں کانگرس ہائی کمان نے مسلمانوں کی تباہی کی سکیم تیار کی تھی۔ یہ تحریر آپ نے دہلی جا کر قائداعظمؒ کو دے دی اور انہیں پورا واقعہ بھی بتا دیا۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کی بہبود اور مسلم لیگ کی وفاداری کی خاطر اپنے آپ کو انتہائی خطرہ میں ڈال دیا۔ پھر جب سری ہری کشن مہتاب نے اس تحریر کے گم ہونے کے متعلق پوچھا تو آپ نے صاف صاف اور سچ سچ ساری بات بتا دی۔ اس سے آپ کے کردار کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کس قدر نڈر اور مخلص مسلمان ہیں۔

آپ "ترقی پسند ادب" کی تحریک کے مخالف ہیں۔ اس تحریک میں دین اور ملک کی تحقیر کا انداز شامل ہے۔ جو آپ کو ہرگز پسند نہیں۔

گورنر جنرل غلام محمد مرحوم کے سامنے استعفا کے کاغذات رکھنے کی کسی میں ہمت نہ ہوتی تھی اور کابینہ کے کہنے پر آپ نے ہی اس کٹھن ڈیوٹی کو ادا کیا۔ چنانچہ جب غلام محمد مرحوم اس پر یکلخت برہم ہو گئے اور کابینہ کے ارکان کو گالیاں دینے لگے۔ آپ نے کہا۔

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر آپ نے ازخود استعفےٰ نہ دیا تو کابینہ آپ کو برطرف کر دے گی۔"

اس پر غلام محمد نے اپنے استعفا پر دستخط کر دیئے۔ اور جس کام کو سرانجام دینے سے ہر شخص ڈرتا تھا اسے آپ نے نہایت وقار سے ادا کیا۔

آپ کردار، قابلیت اور صلاحیتوں کے اعتبار سے منفرد مقام کے حامل ہیں اور آپ کی ادبی سیاسی اور انتظامی خدمات کا ہر کسی کو اعتراف ہے۔ آپ یحییٰ خاں کے عہد صدارت میں حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے لندن چلے گئے۔ آپ نے ایک عرب اور ایک انگریز کا روپ بدل کر اسرائیل کی جاسوسی بھی کی ہے جو انتہائی خطرناک اور کٹھن کام ہے۔

عبدالحمید امر

آپ ایک مشہور پنجابی شاعر ہوئے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں ضلع امرتسر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے لاہور میں آکر میٹرک، پنجابی فاضل اور منشی فاضل پاس کیا پھر ہومیوپیتھی میں دسترس حاصل کی۔ استاد محمد رفیق محجوب کو اپنا استاد بنایا۔ انہیں کے ہاں رہتے تھے۔ بادامی باغ واٹر ورکس میں بھی کام کیا کرتے تھے اور ڈرین صاحب جو انچارج تھا انہیں بہت پسند کرتا تھا۔ وہ انہیں انگلینڈ بھی لے جانا چاہتا تھا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔

آپ نے بزم وارث، پنجابی پرہیا، پنجابی دربار وغیرہ کی بنیاد رکھی اور بڑے کامیاب مشاعرے کرائے۔ رائٹرز گلڈ کے ممبر ہوئے۔ مجلس حسینؓ کی بنیاد رکھی۔ پنجابی ادبی سنگت کے مشاعروں کی روح رواں رہے۔ آپ کا کلام امروز، ملت، سفینہ، مجاہد، ہلال پاکستان پنجابی، پنجابی ادب،

پنج دریا اور لہراں میں شائع ہوتا تھا۔ آپ ہفت روزہ پنچایت اور ماہوار پنجابی ادب اور لہراں کے ایڈیٹر بھی رہے۔

آپ بڑے ہنس مکھ، ملنسار اور خوبصورت جوان تھے اور ہر مجلس میں بڑی عزت سے بلائے جاتے تھے۔ ۳۱ جنوری ۱۹۶۸ء کی شام کو سانده جاتے ہوئے ایک ریہڑے سے ٹکر ہو گئی سکوٹر سے گر گئے اور اسی حادثہ میں گنگا رام ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ آپ کی قبر پر پنجابی سب رائٹرز گلڈ نے پھولوں کی چادر چڑھائی۔ پنجابی زبان اور اس کی شاعری پر آپ کے بہت سے احسانات ہیں۔

(۱۲۵) چودھری محمد اسلم سلیمی

آپ ہندوستان میں ریاست کپورتھلہ کے گاؤں تلونڈی چودھریاں میں ۷ جنوری ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد سے گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم، حدیث شریف، فقہ اور اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ آپ ایک بہترین مقرر بھی ہیں۔

۱۹۴۶ء میں تحریک اسلامی سے روشناس ہوئے اس وقت سے اب تک جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں اور انتھک کارکن ہیں۔ صائب الرائے، ذہین اور جرأت مند ہیں۔ حق بات کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ ۱۹۵۲ء سے مختلف اوقات میں جماعت اسلامی کے شہری اور ضلعی تنظیم کے امیر رہے ہیں۔ آجکل جماعت اسلامی پاکستان کے نائب قیم ہیں۔ آپ نے ایوبی آمریت کے زمانہ میں مادرِ ملت کی انتخابی مہم میں بہت اہم کام کیا ہے۔ تحریک کشمیر، جداگانہ انتخاب اور دستوری مہم میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، کئی بار جیل یاترا بھی کی ہے ۱۹۶۳ء میں اجتماع لاہور کے موقع پر جب جماعت کے جلسہ میں حکومت کی طرف سے غنڈہ گردی کرائی گئی تھی اور اس کے چند ماہ بعد مرکزی مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے ساتھ چودھری صاحب کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ۹½ مہینے جیل میں رہ کر اکتوبر ۱۹۶۴ء میں رہا ہوئے۔ چودھری صاحب نے پاکستان تحریک جمہوریت میں شہری تنظیم کے صدر کی حیثیت سے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے جلسے جلوسوں اور تقریروں کے ذریعے سے آمریت کے قصر

کے قصر کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس دور میں دو بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے لیکن اس مردِ آہن کے عزم اور استقلال میں کوئی کمی نہ آئی۔ دوسرے مارشل لاء کے بعد سیاسی سرگرمیاں بحال ہوئیں تو آپ نے سوشلزم کے خلاف مہم میں بھرپور حصہ لیا اور رائے عامہ کو بیدار کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ آپ متعدد کتب کے مؤلف بھی ہیں۔ "اسلام یا سوشلزم"، "معاشی مسائل اور ان کا حل"، خاندانی منصوبہ بندی کیوں؟" "سید مولانا مودودی کے خلاف فتویٰ بازی کا جائزہ" اور خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی نگرانی میں ایک ادارہ "اصلاحِ ملت" قائم ہے، جس کی زیرِ نگرانی ایک ہائی سکول چل رہا ہے۔ جس کا شمار شہر کے بہترین سکولوں میں ہوتا ہے۔ یہ اسکول ملت ہائی سکول کے نام سے مشہور ہے۔ چودھری صاحب ایک بے داغ ماضی کے حامل سیاست دان کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ نے نائب قیم جماعت اسلامی کی حیثیت سے بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔

(۱۳۶) مولانا جان محمد بھٹو

آپ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۶ء کو ضلع سکھر کے گاؤں زندہ دیہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد مبارک مرحوم علاقہ کے خدا ترس اور متوکل زمیندار تھے۔ آپ درس نظامی کے فارغ التحصیل بڑے ہی فاضل دین ہیں۔ آپ دینی اور سیاسی مسائل پر بصیرت رکھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ سندھی آپ کی مادری زبان ہے، اردو میں بھی اچھے مقرر ہیں۔ انگریزی کا پرائیویٹ مطالعہ کیا ہے آپ تحریک اسلامی کے ان تھک کارکن ہیں۔ آپ نے تحریک کی اشاعت و تبلیغ دین کے لئے سندھی زبان میں کئی پمفلٹ تصنیف کئے ہیں۔ اسلام جی شروعات، دعوت فکر اور سوشلزم جی حقیقت قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل اور تفہیم القرآن، سورہ بقرہ، آل عمران، نور کا ترجمہ بھی سندھی زبان میں شائع کیا۔ آپ کے پاس بیس ایکڑ زمین ہے اور اپنی زمین مزدوری پر کاشت کرواتے ہیں۔ ادارہ تعمیر ملت منصورہ کے نائب صدر اور کام کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا وہاں سے بھی الاؤنس ملتا ہے۔ مولانا صالح مزاج آدمی ہیں۔ تحریک کی چند ہی کتب سے اتنے متاثر ہوئے کہ جماعت اسلامی کے باقاعدہ رکن بن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور اس وقت جماعت اسلامی

صوبہ سندھ کے نائب صدر رہیں۔ ایک مومن کی زندگی کا نصب العین "رضائے خداوندی" کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور خدا نے ہمیشہ اپنے نیک بندوں کو آزمایا ہے۔ مولانا صاحب بھی ایسے ہی مومن ہیں جنہیں رضائے خداوندی کے لئے آٹھ ماہ دس دن جیل یاترا کرنی پڑی۔ آپ عوام میں تعلیم پھیلانے کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ آپ کے ہی مشورہ اور محنت و کاوش سے ادارہ تعمیر ملت شاہ ولی اللہ کالج اور مدرسہ البنات منصورہ، نیا مدرسہ نواب شاہ قائم ہوئے۔ تعمیر ملت شفا خانہ منصورہ بھی آپ کی عوام دوستی کا زندہ ثبوت ہے۔ آپ عوام کے بہی خواہ اور غم خواہ ہیں۔

آپ کی رائے میں اشتراکیت کے پروپیگنڈہ پر ضرور پابندی عائد ہونی چاہیئے۔

(۱۳۷) میاں محمد شوکت

آپ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے مولد و مسکن سرہند شریف کے قریب قصبہ بسی میں ایک خود کاشت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خدا بخش مرحوم ہے وہیں سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی بعد ازاں متواتر تین سال مطالعہ میں مصروف رہے اور آپ نے قرآن حکیم حدیث شریف اور تاریخ اسلامی پر عبور حاصل کر لیا۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہندو مسلم فسادات میں آپ کے گھر کے لوگ شہید ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قافلے کے ساتھ پاکستان پہنچے۔ تین سال لالہ موسیٰ قیام رہا پھر تین سال سکھر اور اس کے بعد آج تک حیدر آباد میں مقیم ہیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کی کش مکش کے دوران جماعت اسلامی کی دعوت سے روشناس اور متاثر ہوئے اور اپنے علاقے میں تحریکی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ آپ پر جوش اور مستعد کارکن ہیں۔ پاکستان میں آکر تحریکی کاموں کو ہر طبقہ تک پہنچا دیا ہے۔ ضلع سکھر کے امیر مقرر ہوئے تو اپر سندھ کے دور دراز دیہات تک تحریک کے لئے تین سال تک جانفشانی سے کام کیا۔ کاروبار کی وجہ سے حیدر آباد منتقل ہوئے تو جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں آپ کے سر ڈال دی گئیں تو انہوں نے یہاں بھی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

میاں محمد شوکت حیدرآباد کے عوامی اور مزدور حلقوں میں بڑے مقبول ہیں۔ آپ میونسپل کونسلر کی حیثیت سے ایک طویل عرصہ شہر اور اپنے علاقہ میں رفاہی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ متعدد تعلیمی، رفاہی اور دینی اداروں میں ذمہ دارانہ کام کیا اور آپ ادارہ تعمیر ملت حیدرآباد اور اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی کے ممبر ہیں۔

آپ نے لطیف آباد میں یونین کونسل کے زیر اہتمام ایک لائبریری قائم کی ہے، جہاں ہند و پاکستان کے منتخب ناشروں کی شائع کردہ کتب کا نہایت اعلیٰ درجہ کا انتخاب موجود ہے۔ شہر حیدرآباد اور اپنے علاقہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ یہی آپ کی مستقل مصروفیت ہے۔

حیدرآباد کی شہری زندگی میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپ نے ہمیشہ عوامی اور جمہوری تحریکوں کا ساتھ دیا۔ تحریک جمہوریت کی آپ نے ہی راہنمائی کی اور محترمہ فاطمہ جناح کے صدارتی الیکشن کے سلسلہ میں ساری مہم اپنی زیر نگرانی منظم کی۔

۱۹۵۸ء میں پہلی دفعہ مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں جب مجلس شوریٰ کے تمام اراکین کو ۹ ماہ کے لئے نظر بند کیا گیا تو آپ نے پابندیٔ سلاسل کے مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ اشتراکیت کے بارے میں آپ کی رائے بھی اپنے دیگر ساتھیوں سے مختلف نہیں آپ کی عمر پچاس سال ہے، سادگی پسند ہیں۔ حیدرآباد میں بڑے اثر رسوخ کے مالک ہیں۔ عوام سے رابطہ اور ان کی مشکلات کا دور کرنا آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔

آپ جماعت اسلامی صوبہ سندھ کے سیکرٹری ہیں۔

چودھری محمد سلیم

آپ ۱۹۲۴ء میں جالندھر کے نواحی گاؤں نورپور میں ایک متوسط ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چودھری قطب الدین علاقہ کے بااثر زمیندار تھے۔ ملک تقسیم ہوا تو ہجرت کر کے ضلع سرگودھا میں آباد ہو گئے۔ آپ نے ۱۹۴۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد پرائیویٹ طور پر اسلام اور جدید علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ تعلیم سے فراغت پا کر فوج میں ملازمت

کرلی۔

آپ نے ۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کی طرف سے شروع کردہ اسلامی دستور کی مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ تحریک کے نظریات کو سمجھنے کے بعد آپ ۱۹۵۱ء میں باقاعدہ رکن بنے۔ ۱۹۵۳ء میں ضلع سرگودھا کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور پچھلے سولہ سال سے اسی حیثیت سے پورے ضلع میں جماعت کو منظم کرنے کے لئے نمایاں کام کر رہے ہیں۔ آپ پہلے ۱۹۵۷ء میں پھر ۱۹۶۸ء میں تیسری بار ۱۹۷۰ء میں مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ رفاہی اور بہبود کے کام بڑی لگن سے کرتے ہیں۔ آپ نے بحالی جمہوریت اور جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں نمایاں کام کرکے عوام دوستی کا ثبوت دیا۔ آپ بہی خواہ اور ہمدرد رفیق ہیں۔ آپ کا نظریہ ہے کہ اشتراکیت کی تبلیغ پر پابندی ہونی چاہیئے۔

(۱۳۹) میاں طفیل محمد

۱۹۱۴ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۳ء میں آپ نے الیف۔ایس۔سی (انجنیئرنگ) فرسٹ کلاس میں پاس کرکے گورنمنٹ سکالرشپ حاصل کیا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے فزکس میں اعزاز کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں بی۔اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں لاء کالج لاہور سے فرسٹ ڈویژن میں قانونی شہادت اور ریونیو اور لینڈ لاز میں خصوصی اعزاز کے ساتھ ایل ایل بی کی ڈگری لی اور یونیورسٹی میں دوسرا انعام حاصل کیا۔ وکالت کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد جناب شیخ محمد شریف (جو ۱۹۳۸ء میں جالندھر میں ایک نامور وکیل تھے اور پھر سپریم کورٹ پاکستان کے جج کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے) سے ایک سال وکالت کی تربیت حاصل کی اور علیحدہ اپنا وکالت کا کام شروع کیا۔

۱۹۳۹-۴۰ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دعوت سے متاثر ہوئے اور ۲۶ راگست ۱۹۴۱ء کو جب جماعت اسلامی کی تاسیس ہوئی تو پہلے ہی روز اس میں شریک ہو گئے۔ ۲۳ رجنوری ۱۹۴۴ء کو جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے اور ۳۱ ردسمبر ۱۹۶۵ء تک سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ یکم جنوری ۱۹۶۶ء کو امیر جماعت اسلامی مغربی پاکستان منتخب کئے

گئے اور یکم مئی ۱۹۷۰ء سے نائب امیر جماعت اسلامی اور پھر قائمقام امیر جماعت اسلامی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

فروری ۱۹۶۶ء میں لاہور میں منعقدہ کل پاکستان نیشنل کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے بالاتفاق صدر مقرر ہوئے اور اس حیثیت سے میاں صاحب نے خداداد انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اور ملک میں پہلی مرتبہ تمام مکاتیبِ فکر کے راہنماؤں کو ایک نمائندہ قومی پلیٹ فارم پر جمع کرکے آمریت کے خلاف متحدہ جدوجہد کی بنیاد ڈالی۔

۶۸-۱۹۶۹ء میں جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی نے اپنی بیماری اور علاج کے سلسلے میں جماعت کی امارت سے ایک سال کی رخصت لی تو جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے آپ کو قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان منتخب کیا۔ اس دوران میں آپ تحریک جمہوریت پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ اور جمہوری مجلس عمل کی مرکزی عاملہ میں شریک رہے۔ آپ تحریکِ اسلامی کی جان تصور کئے جاتے ہیں۔ آپ نے نہایت پرکٹھن راہوں میں اقامتِ دین کی خاطر تحریک کے ساتھ وابستہ رہ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔

آپ نے پاکستان کے قیام کے بعد فروری مارچ ۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کے مطالبۂ نظام اسلامی کا پرچم بلند کیا اور اس کے لئے ملک گیر تحریک کا آغاز کیا۔ اس مطالبۂ نظام اسلامی کے مقدس جرم کی پاداش میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ہمراہ سیفٹی ایکٹ پنجاب کے تحت ۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو نظر بند کئے گئے اور بیس ماہ بعد ہائیکورٹ کے ایک فیصلے کے تحت رہا ہوئے۔

آپ تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت کے دوسرے راہنماؤں کے ساتھ ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو گرفتار ہوئے اور گیارہ ماہ تک نظر بند رہے۔ ایوب خاں کے نافذ کردہ فیملی لاز آرڈی ننس کے خلاف شریعت حصوں پر برملا تنقید کی اور اس جرم میں ۹ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو نظر بند کئے گئے۔ اور آخر ہائیکورٹ میں رٹ کے نتیجے میں ۲۳ جون ۱۹۶۲ء کو رہا ہوئے اپریل ۱۹۶۳ء میں ایوب حکومت نے آپ کے اور اپوزیشن کے ۸ دوسرے قومی راہنماؤں کے خلاف بغاوت کا مقدمہ بنایا اور گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا۔ تقریباً دو ہفتے بعد ضمانت پر رہا ہوئے اور عدمِ ثبوت کی بنا پر حکومت کو اپنا مقدمہ واپس لینا پڑا۔ ۱۹۶۳ء میں ایوب گورنمنٹ نے

آفیشل سیکرٹس ایکٹ کے تحت ایک اور بے بنیاد مقدمہ رجسٹر کر کے گرفتار کر لیا اور ایک ایک لاکھ روپے کی دو ضمانتوں پر رہا کیا۔ جماعتِ اسلامی اور اس کے قائدین سے انتقام لینے کے لئے جنوری ۱۹۶۴ء کو حکومت نے جماعتِ اسلامی کو خلافِ قانون قرار دے دیا اور جماعت کی مجلس شوریٰ کے دوسرے ارکان کے ساتھ آپ کو بھی گرفتار کر لیا۔ ۹ ماہ کے بعد سپریم کورٹ کے حکم سے رہا ہوئے۔

آپ لاء گریجوایٹ ہیں اور تحریک کے ایک اہم اور ذمہ دار عہدہ پر فائز ہیں۔ مگر آپ سادگی پسند، تکلفات سے آزاد، حق گوئی و بے باکی کا پیکر، مخلص اور ہر دلعزیز ہیں۔ قرآن، حدیث، فقہ کے علوم پر عبور حاصل ہے۔ کوئی مسئلہ لے لیجئے۔ فاری کی سوچ اور علم کے مطابق حل کریں گے۔ رضائے الٰہی پر شاکر صبر و قناعت کا مجسمہ، منزل کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہوئے اس انقلابی کارواں کے ساتھ جرأت ایمانی سے چل رہے ہیں۔ اشتراکیت کے پروپیگنڈہ پر پابندی کے بارے میں آپ صائب الرائے ہیں کہ اگر دنیا کی دوسری نظریاتی مملکتوں میں ان کے نظریہ کے خلاف حق گوئی جرم ہے تو پاکستان میں بھی پابندی عائد ہونی چاہیئے۔ آپ اس مادی دور میں وہی شخصیت ہیں جس نے ہر ظلم کے خلاف کلمہ حق بلند کیا اور بار بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے حضرت داتا گنج بخش کی مشہور عالم تصنیف "کشف المحجوب" کا اردو میں ترجمہ کر کے اس پر نہایت بیش قیمت حواشی لکھے ہیں۔

آپ آجکل امیر جماعتِ اسلامی پاکستان ہیں۔

(۱۴۰) ظفر حسن ایبک

کرنال کے رہنے والے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد کابل چلے گئے۔ بعد میں ترکی گئے اور وہاں کرنیل بن گئے۔ چند سال ہوئے ٹرکش ڈیلیگیشن کے ساتھ آئے تھے۔ ترکی میں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے کچھ حالات چٹان کے کسی شمارہ میں شائع ہوئے تھے۔ آپ مولانا محمد جعفر تھانیسری کے قریبی عزیز تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات تین جلدوں پر مشتمل "آپ بیتی ظفر حسن ایبک" کے نام سے منصور بک ڈپو لاہور نے شائع کئے ہیں۔ ان کا مطالعہ ہر اہلِ ایمان کے لئے ضروری ہے۔

چودھری عبد الغفور

آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور کے رہنے والے ہیں۔ آپ یونائیٹڈ ایڈورٹائزرز کے ڈائریکٹر

ہیں جس کا شمار ملک کی ممتاز ترین ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں میں ہوتا ہے۔ کراچی میں بڑے رسوخ کے آدمی گنے جاتے ہیں۔ گزشتہ دو سال سے پاکستان کی ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن کے صدر رہیں تین سال سے گھارو ضلع ٹھٹھہ میں غلام محمد بیراج کے داہیں کنارے کے زمینداروں کی انجمن کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ بہت عمدہ مقرر ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں۔

(۱۴۲) جناب ارشاد احمد

آبائی وطن جالندھر ہے۔ ایف۔ اے میں علیگڑھ یونیورسٹی میں اول آئے تھے قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۲۴۹ گ۔ ب موروثی پور ضلع لائل پور میں مقیم ہو گئے۔ بی۔ اے میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ سی۔ ایس۔ پی میں کامیاب ہونے کے بعد ڈپٹی کمشنر ہو گئے۔ آجکل کمشنر صوبہ بلوچستان ہیں۔ بڑے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک ہیں۔ زندگی میں سادگی کا عنصر غالب ہے۔

(۱۴۳) خان بہادر میاں اللہ بخش (مرحوم)

آبائی گاؤں انوکھروال ضلع جالندھر ہے۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد محکمہ جنگلات کے چیف کنزرویٹو کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ پابند شریعت ہیں۔ بڑے زمیندار ہیں۔ زراعت جدید آلات سے کراتے ہیں۔ ان کے باغ کی آمدنی ہی لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ بیحد فیاض، یتیم پرور اور غریب نواز ہیں۔ اعلےٰ درجہ کے حکیم اور ڈاکٹر بھی ہیں۔ مفت دوائی دیتے ہیں، ہزاروں غریب ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ غوثیہ اسلامیہ کالج فرید آباد کے بڑے مربّی اور خزانچی ہیں۔ آجکل چک نمبر ۷۶ گ۔ ب نزد بیر محل ضلع لائل پور میں مقیم ہیں۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

(۱۴۴) میاں منظور حسین ایڈووکیٹ

انجمن ارائیاں (رجسٹرڈ) لائل پور کے صدر ہیں۔ انہوں نے دو کتابیں شائع کی ہیں "تعمیر ملت" جس میں قوم و ملک کے لئے ٹھوس پروگرام اور ترقی کی معقول تجاویز اور قابل عمل ترقی کی راہیں پیش کی ہیں۔ دوسری کتاب "ارتقائی انقلاب" ہے جس میں موجودہ حکومت کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چوہدری حبیب اللہ

پیپلز کالونی لائل پور میں رہائش ہے۔ ادیب ہیں اور بلند کردار کے مالک ہیں، علمی تحقیقات کا ذوق ہے۔ ان کی ایک کتاب "جماعت اسلامی کا رخ کردار" شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

۱۴۶) چودھری محمد صدیق راگی

ضلع جالندھر کے مہاجر ہیں، پاک و ہند کے پنجابی زبان کے مشہور شاعر اور گویے ہیں۔ ان کے ریکارڈ ریڈیو پاکستان سے اکثر بجائے جاتے ہیں۔ ریڈیو میں محمد صدیق قوال کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ آجکل لائل پور میں مقیم ہیں۔

۱۴۷) مسکین علی حجازی

نکودر ضلع جالندھر کے مہاجر ہیں، میٹرک میں پنجاب یونیورسٹی میں دوم آئے تھے۔ منشی فاضل میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہے۔ ایم۔ اے جرنلزم میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ پھر ایم۔ اے اردو کیا۔ چھ سال تک "چٹان" میں کام کرتے رہے۔ "زمیندار" اور "آفاق" میں بھی کام کیا۔ آجکل کوہستان" میں کام کر رہے ہیں۔ اور پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ صحافت میں پروفیسر ہیں۔ سادہ مزاج اور نیک انسان ہیں چک نمبر ۶۸/۱۶۱ گ۔ ب تہ دیپر محل ضلع لائل پور میں مقیم ہیں آپ نے فن صحافت پر دو قابل قدر کتابیں شائع کی ہیں۔

۱۴۸) ڈاکٹر محمد طاہر

آپ ۱۹۲۷ء میں موضع اکبر پور کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار چودھری رحمت علی نازش اردو فارسی کے ادیب اور نامور استاد ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم انہی کے زیر سایہ اسلامیہ ہائی سکول ننگل انبیا ر میں ہوئی۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی

سکول جالندھر سے پاس کیا۔ اور بی۔ ایس۔ سی تک دوآبہ کالج جالندھر میں پڑھتے رہے۔

تقسیم ملک کے بعد اپنے والدین کے ہمراہ لائل پور میں آباد ہوئے۔ آپ نے علم کیمیا میں ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اور مغربی پاکستان کے محکمہ تعلیم میں بطور لیکچرر علم کیمیا ملازمت اختیار کرلی۔ بطور لیکچرر، گوجرانوالہ، سرگودھا اور گورنمنٹ کالج لائل پور میں ۱۹۵۸ء تک اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اسی سال کے اخیر میں محکمہ تعلیم سے رخصت لے کر اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلے گئے۔

برمنگھم یونیورسٹی میں پروفیسر ایم سٹیسی اور پروفیسر جے سی ٹیٹلو کے ساتھ نامیاتی کیمیا میں تحقیق شروع کی۔ دو سال کیمیا کے عطری مرکبات اور فلورین پر تحقیقاتی کام کیا۔ جسے برطانیہ کی دفاعی تجربہ گاہوں نے بہت سراہا۔ اس پر حکومت برطانیہ نے انہیں تیسرے سال وظیفہ عطا کیا تاکہ وہ اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ ۱۹۶۱ء میں ان کے اس کام پر برمنگھم یونیورسٹی نے انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

پاکستان واپس آئے تو محکمہ تعلیم نے انہیں گورنمنٹ کالج حیدرآباد میں پروفیسر اور صدر شعبہ کیمیا کے منصب پر متعین کیا اور قریباً ایک سال بعد انہیں گورنمنٹ کالج لائل پور میں پروفیسر اور صدر شعبہ کیمیا کی حیثیت سے واپس بلا لیا گیا۔ ۱۹۶۳ء کے اخیر تک آپ اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔ اور زرعی یونیورسٹی لائل پور میں آنریری خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔

اردو سے محبت آپ کو ورثہ میں ملی ہے اور آپ اس نظریہ کے پرزور حامی ہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایسے مساعد حالات پیدا کئے جائیں کہ ہمارے طلباء کیمیائی مسائل کو اپنی زبان میں سمجھیں چنانچہ اس سلسلہ میں وہ پہلے مسلمان مترجم و مؤلف ہیں جنہوں نے اپنے فاضل دوست مسعود الحسن کے ساتھ مل کر ۱۹۶۳ء میں ایف۔ ایس۔ سی میں علم کیمیا کی درسی کتابیں اردو میں منتقل کر کے پاکستانی یونیورسٹیوں کے طلبہ سے خراج تحسین وصول کیا۔

۱۹۶۴ء سے آپ پاکستان کے محکمہ دفاع کی ڈیفنس ریسرچ آرگنائزیشن لیبارٹریز راولپنڈی سے منسلک ہو گئے ہیں۔ اس تجربہ گاہ میں آپ نے کیمیائی تجربہ گاہ کی بنیاد رکھی اور اسے خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے۔ گزشتہ ستمبر ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں ان کے کیمیائی سیکشن نے اپنی

ان تھک کوششوں سے مؤثر کردار ادا کیا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو ۱۹۶۶ء میں ترقی دے کر پرنسپل ریسرچ آفیسر بنا دیا گیا ہے اور اس سال حکومت پاکستان راکٹ کی تحقیق کے سلسلہ میں انہیں جرمنی بھیج رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ملک کے ان خاموش کارکن نوجوانوں میں سے ہیں جو اپنی خداداد صلاحیتوں، شبانہ روز محنتوں اور ذہنی کاوشوں کو بروئے کار لاکر ٹھوس ترقیاتی نتائج پیدا کرنے کے متمنی ہیں۔

(۱۴۹) ڈاکٹر محمد سعید زاہد

آپ ۱۹۲۳ء میں بمقام جالندھر پیدا ہوئے۔ آجکل ڈیفنس ریسرچ آرگنائزیشن منسٹری آف ڈیفنس میں پرنسپل ریسرچ آفیسر ہیں۔ تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر اور گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کی۔ اور اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی کی انسٹیٹیوٹ آف کیمسٹری میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۵۷ء میں سر جان فلپ بکسٹر کے ساتھ ڈاکٹریٹ کے لئے کام کیا اور کیمیکل انجنیئرنگ میں امتیازی ڈگری پی۔ ایچ۔ ڈی حاصل کی۔ سر جان اٹامک انرجی کمیشن آف آسٹریلیا کے چیئرمین اور نیو ساؤتھ ویلز یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب چند ماہ کے لئے واپس پاکستان آئے اور پھر نیوکلیر انجنیئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ تشریف لے گئے جہاں ان کا کام بہت سراہا گیا۔ مختلف ممالک میں آٹھ سال گزارنے اور کئی ٹیکنیکل سندات حاصل کرنے کے بعد وطن کے لئے مراجعت کی اور اٹامک انرجی کمیشن آف پاکستان کی پلاننگ کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا۔ انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور کے کیمیکل انجنیئرنگ کے شعبہ کی بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھی۔ پاک بھارت جنگ کے زمانہ میں ڈیفنس ریسرچ آرگنائزیشن سے منسلک ہو گئے۔

ڈاکٹر زاہد کی تصنیفات امریکہ، آسٹریلیا اور پاکستان میں شائع ہوئی ہے۔ مختلف ممالک کی انڈسٹری کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور پاکستان کی انڈسٹری کے متعلق مختلف رپورٹوں کے مصنف بھی ہیں۔

کالج کے زمانہ میں شعر و شاعری سے بھی گونہ دلچسپی رکھتے تھے اور کالج میگزین کی ادارت کے فرائض بھی ان کے ذمہ تھے۔ بہترین مقرر ہیں۔ انکسار اور شگفتہ مزاجی ان کا خاصہ ہے۔

(۱۵۰) مسٹر امتیاز احمد

ایک معزز ارائیں خاندان قصبہ آدم پور دوابہ ضلع جالندھر کے فرد ہیں۔ آپ ۸ ستمبر ۱۹۴۴ء کو جالندھر شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ چوہدری عبدالغنی سپرنٹنڈنٹ محکمہ زراعت لاہور کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد سول لائن گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۵۹ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۴ء میں بی۔ ایس۔ سی (فارمیسی) اعزاز کے ساتھ پاس کی۔ اس کے بعد برطانوی فرم EVANS میں کام کیا۔ جون ۱۹۶۶ء میں آپ کو لیبیا کی حکومت نے (حکومت پاکستان کی وساطت سے) کنٹرولر آف ڈرگز حکومت لیبیا بن غازی کے عہدہ کے لئے منتخب کر لیا اور آج کل آپ وہیں پاکستان کا نام روشن کر رہے ہیں۔

(۱۵۱) نذیر احمد چودھری

آپ کے والد کا نام چودھری شاہ محمد اور وطن موضع رساپور کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر ہے آپ نے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول نکودر سے میٹرک اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے ریاضی فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لے کر پاس کیا۔ اس کے بعد ایم۔ اے (اقتصادیات) کی فرسٹ کلاس ڈگری بھی حاصل کی۔

آپ ۱۹۴۹ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ ریاضیات میں بطور پروفیسر کام کرتے رہے اس کے بعد سٹیٹ بنک آف پاکستان میں اعداد و شماریات (STATISTICS) کے شعبہ کے نگران مقرر ہوئے۔ آپ نے بنکاری کے سلسلے میں دہلی، بنکاک اور لندن میں متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے اور پاکستان شماریاتی ایسوسی ایشن کی کراچی برانچ کے صدر بھی رہے ہیں۔ ان علمی خدمات کے صلہ میں آپ کو ۱۹۶۶ء میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی طرف سے "مظفر گولڈ میڈل" دیا گیا۔ آج کل آپ ڈائریکٹر شماریات سٹیٹ بنک آف پاکستان سنٹرل ڈائریکٹوریٹ کراچی ہیں۔

(۱۵۲) عبدالغفور چودھری

آپ کے والد کا نام حاجی عبداللطیف ہے۔ آپ ۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو موضع رسول پور کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن پھلور ضلع جالندھر تھا۔ تعلیم پہلے گورنمنٹ کالج لاہور میں حاصل کی۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی (فزکس) کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز کی ڈبل ڈگری حاصل کی اور ٹیچرز ڈپلوما کا امتحان پاس کیا۔

ملازمت پہلے ٹیچرز ٹریننگ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۹ء تک کی۔ اس کے بعد پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۱ء تک رہے پھر پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج لائل پور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک رہے اور اب سینیئر سبجیکٹ سپیشلسٹ ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کے عہدہ پر فائز ہیں۔

آپ اسلامی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ محکمہ تعلیم پنجاب نے آپ کی تصنیف کردہ متعدد کتابیں منظور کر کے رائج کیں۔ آپ ۱۵۔ اے سانده روڈ لاہور میں مقیم ہیں۔

(۱۵۳) ڈاکٹر میاں امداد حسین

آپ ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء کو موضع بلاسور تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام خانصاحب ہیرا خاں تھا۔

آپ نے میٹرک اور بی۔ اے خالصہ کالج امرتسر سے پاس کیا اور ایم۔ اے (انگلش) گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کر کے عازم انگلستان ہوئے۔ وہاں ایڈنبرا یونیورسٹی سے ۱۹۳۴ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی ان انگلش لٹریچر کی ڈگری حاصل کر کے واپس انڈیا تشریف لائے۔ ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے لیکچرر مقرر ہوئے اور ۱۹۴۰ء تک اس کالج میں کام کیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۲ء تک اسلامیہ کالج پشاور میں بطور انگریزی لیکچرار کام کیا۔ ۱۹۴۲ء میں آگرہ تشریف لے گئے

وہاں آگرہ کالج میں بطور پروفیسر انگریزی کام کیا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے اپنی خدمات گورنمنٹ آف انڈیا نیو دہلی کو بطور اسسٹنٹ ایجوکیشن ایڈوائزر سپرد کر دیں۔

تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان گورنمنٹ نے آپ کی خدمات حاصل کر کے بطور اسسٹنٹ ایجوکیشن ایڈوائزر پاکستان اتاشی امبیسی پاکستان، واشنگٹن ڈی۔سی۔ امریکہ مقرر کیا اور وہاں آپ ۱۹۵۲ء تک رہے۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۶ء تک کراچی میں بطور ڈپٹی ایجوکیشنل ایڈوائزر ٹو گورنمنٹ آف پاکستان کام کیا۔ پھر ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۹ء تک لندن (انگلینڈ) میں بطور ڈپٹی ایجوکیشنل ایڈوائزر متعین رہے۔ ۱۹۵۹ء میں آپ واپس وطن تشریف لائے اور ۱۹۶۰ء تک اسی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۶۰ء میں آپ کو گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور ہیڈ آف انگلش ڈیپارٹمنٹ چنا گیا، جہاں آپ اب تک کام کر رہے ہیں۔ آپ بڑے قابل، محنتی اور شریف الطبع انسان ہیں۔ آپ کا شمار پاکستان کے چوٹی کے انگریزی دانوں میں ہوتا ہے کیونکہ انگریزی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پاکستان بھر میں صرف دو تین آدمیوں کے پاس ہی ہے۔

(۱۵۴) پروفیسر محمد رفیع انور

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹ اپریل ۱۹۲۱ء ہے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء میں ایم۔اے (سیاسیات) پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ اس کے بعد مختلف سرکاری محکموں سے منسلک رہے۔ ۱۹۴۹ء میں مرے کالج سیالکوٹ میں سیاسیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں گورنمنٹ کالج منٹگمری میں بطور لیکچرار تقرر ہوا۔

۱۹۵۸ء میں مانچسٹر یونیورسٹی میں بسلسلہ تعلیم گئے اور ۱۹۶۰ء میں وہاں سے ایم۔اے (سیاسیات) کر کے وطن واپس آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور لیکچرار سیاسیات کام شروع کیا۔ ۱۹۶۳ء میں ان کا انتخاب بطور پروفیسر سیاسیات ہو گیا اور اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ سیاسیات سے منسلک رہے۔ ۱۹۶۶ء میں ان کا انتخاب بطور سینئر پروفیسر سیاسیات ہوا۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور صدر شعبہ سیاسیات متعین ہو گئے۔ آجکل آپ گورنمنٹ کالج ملتان

میں پرنسپل کے عہدہ پر ترقی دے کر تبدیل کر دیا گیا ہے۔

شہریت اور سیاسیات پر مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں جن کو مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

شہریت اور سیاست حصہ اوّل و دوم۔ اس کتاب میں خواجہ محمد اسلم پرنسپل اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور آپ کے ساتھ شامل ہیں۔

(۱۵۵) چودھری شیر محمد

آپ تحصیل نکودر ضلع جالندھر کے ایک گاؤں رسالپور کلاں میں ۴ اپریل سنہ ۱۹۳۰ کو پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر اور امتحان میٹرک فرسٹ ڈویژن میں این اے ہائی سکول بورے والا سے ۱۹۴۷ء میں پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں بی۔ ایس۔ سی (آنرز) گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ ایم۔ اے (شماریات) گورنمنٹ کالج لاہور اور شعبہ شماریات پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۵۴ء میں فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن لے کر پاس کیا۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور لیکچرار مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۶۴ء سے آپ اسی کالج میں بطور پروفیسر شماریات تعینات ہیں۔ آپ بڑے شریف النفس، محنتی اور قابل آدمی ہیں اور ملک کی خدمت کے متمنی۔

(۱۵۶) پرویز۔ اے۔ شاہی

آپ کا پورا نام پرویز احمد تخلص شاہی، اردو اور انگریزی دونوں کے ادیب اور شاعر ہیں۔ انگریزی کلام نثر و نظم روزنامہ 'ڈان'، کراچی میں ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۹ء چھپتا رہا اور چیدہ چیدہ اصلاحی اور سماجی مضامین انگریزی کتاب- ASSORTED THOUGHT CREEPAND HOT اس کتاب پر فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خاں صدر پاکستان نے نقد انعام عطا فرمایا۔ اور ان کے سیکرٹری نے کتاب لکھنے پر مبارکباد پیش کی۔

آجکل سندھ یونیورسٹی میں شعبہ تعلیم میں ریڈر یا اسسٹنٹ پروفیسر کلاس اوّل ریلیکشن

گریڈ) ہیں۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور کے گریجوائیٹ، سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی اور لارنس کالج گھوڑا گلی میں ہیڈ ماسٹر بھی رہے ہیں۔ بعد میں ٹیچرز کالج کولمبیا نیویارک امریکہ سے شعبہ تعلیم میں ایم۔ اے فرسٹ ڈویژن میں کیا۔ گورنمنٹ آف پاکستان کی سفارش پر امریکی وظیفہ پر ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۴ء میں امریکہ رہے۔ ۱۹۴۵ء سے پہلے گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو ان کے آبائی وطن قصبہ ترنتارن ضلع امرتسر کا تین سال کے لئے میونسپل کمشنر نامزد کیا۔

آپ کے والد مرحوم کو خان بہادر کا خطاب تھا اور آسام بنگال میں یہ سب انجنیئر تھے۔ ریٹائرمنٹ پر ایک ماڈرن قسم کا فروٹ فارم قائم کیا اور دس سال تک نامزد میونسپل کمشنر بھی رہے۔ آپ کا پورا نام خان بہادر میاں ہیرا خاں تھا۔

آپ کے دو بڑے بھائی یہ ہیں (۱) ڈاکٹر میاں امداد حسین ہیڈ ڈیپارٹمنٹ آف انگلش گورنمنٹ کالج لاہور۔

(۲) میاں غلام حسین مرحوم سابق ایکس۔ای۔این ریلوے ملتان۔

(۱۵۷) میاں منظور احمد

آپ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فاضل عربی، ایم۔ اے عربی (گولڈ میڈلسٹ) ایم۔ اے علوم اسلامیہ (گولڈ میڈلسٹ) اور فاضل دیو بند ہیں۔ فنِ تفسیر و حدیث میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد خاص اور فن خطابت میں خاص ملکہ ہے۔ آجکل جامع سیکرٹریٹ لاہور کے خطیب بھی ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں پروفیسر کے عہدہ پر تعینات تھے۔ اب آپ کا تبادلہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ ہو گیا ہے۔

سیالکوٹ سے جانب مشرق تقریباً دس گاؤں ارائیوں کے آباد ہیں۔ موضع درگانوالی انہی میں سے ایک ہے۔ اس گاؤں کی غالب آبادی ارائیوں کی ایک گوت ہانسی پر مشتمل ہے افراد خاندان مختلف محکموں میں ملازم ہیں۔ اکثر افراد کاشتکار ہیں۔ میاں منظور احمد ایم۔ اے کا تعلق اسی گاؤں کی ارائیں برادری سے ہے۔

(۱۵۸) چوہدری محمد اصغر

آپ جالندھر کے ایک غیر متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ دورانِ تعلیم مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ ایف۔ ایس۔ سی میں صوبے بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ پھر بی۔ ایس۔ سی میں فرسٹ ڈویژن حاصل کر کے فزکس ایم۔ ایس۔ سی میں بھی یونیورسٹی بھر میں اوّل رہے اس کے بعد سی۔ ایس۔ ایس کی تیاری کرنے لگے۔ اور اس دوران ۱۹۵۹ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ سی۔ ایس۔ ایس میں کامیاب ہونے کے بعد اٹامک انرجی کمیشن میں شامل ہو گئے اس کے بعد مختلف ملکوں میں اٹامک انرجی کی اعلیٰ تعلیم پانچ سال تک حاصل کرتے رہے۔ آجکل دوبارہ بیرونِ ملک تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۱۵۹) میاں عبد العزیز گورداسپوری

آپ بٹالہ ضلع گورداسپور کے ایک معزز ارائیں خاندان میں حاجی جلال الدین صاحب کے گھر ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ وراثتی اثرات کے باعث ایک زیرک اور بلند پایہ انجنیئر بنے۔

آپ نے پہلے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کیا۔ پھر رڑکی کالج سے ۱۹۳۲ء میں انجنیئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور صوبہ سندھ کے محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کر لی دوسری عالمگیر جنگ کے دوران آپ نے صوبہ سرحد میں متعدد اہم سڑکیں بنوائیں۔ ایک عرصہ تک حکومت پنجاب میں انڈر سیکرٹری اور پھر پرنسپل انجنیئرنگ کالج کے عہدوں پر فائز رہے۔ ہندوستانی انجنیئروں کے ایک وفد میں شامل ہو کر امریکہ گئے حسن کارکردگی کے اعتراف میں حکومت ہند نے آپ کو M-B-E کا خطاب اور ایک تمغہ عنایت کیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے علاقہ تھل میں سڑکوں کا جال بچھانے کی خدمات سرانجام دیں۔ قیام وحدت مغربی پاکستان کے بعد سڑکوں کی توسیع، بہم رسانی اور نکاسِ آب وغیرہ کی متعدد نئی سکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔ دار الخلافہ اسلام آباد کے محلِ وقوع کی جانچ پڑتال اور

سرکاری عمارات کی تعمیر میں بھی ایسا قابل قدر کام سرانجام دیا کہ حکومت نے آپ کو "تمغہ پاکستان" عطا کیا۔ آپ مغربی پاکستان انجنیئرز ایسوسی ایشن کے بھی صدر رہیں۔ حال ہی میں آپ چیف انجنیئر کے منصب سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کے بڑے دو صاحبزادے بھی انجنیئر ہیں اور تیسرا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

(۱۶۰) چودھری الطاف حسین

آپ کے والد کا نام چودھری مولا بخش مرحوم تھا اور آبائی وطن جنڈ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب) ہے۔ آپ اعلیٰ درجے کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لی۔ کچھ عرصہ تک ضلع ہوشیارپور میں وکالت کی تقسیم ملک کے بعد ضلع ساہیوال کے چک ۹۔ ۱۸۶/ایل میں آباد ہوئے اور وہاں اراضی حاصل کی۔ ۱۹۵۳ء میں وکالت کی غرض سے رحیم یار خاں تشریف لے گئے اور چند مہینوں میں ہی آپ وہاں کے ممتاز وکلا میں شمار ہونے لگے۔ اور آپ نے دیوانی اور مال کے مقدمات میں خاصی شہرت حاصل کی۔

کئی سال تک آپ مسلسل رحیم یار خاں بار ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء تک آپ ڈسٹرکٹ کونسل رحیم یار خاں کے نامزد رکن رہ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بہاولپور ڈویژن جج کمیٹی اور سیٹلائٹ ٹاؤن الاٹمنٹ کمیٹی ضلع رحیم یار خاں کے بھی نامزد رکن رہ چکے ہیں آپ نے ۱۹۶۱ء میں سلسلہ وکالت لاہور منتقل کر لیا اور ۱۴۸/۵ ونگنگٹن مال لاہور چھاونی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ صنعتی قوانین میں آپ نے بہت بلند مقام حاصل کیا ہے اور اس پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ صنعتی تنازعات اور دیوانی اور مال کے مقدمات کی پیروی کے لئے آپ کا شمار ملک کے چوٹی کے وکلاء میں ہوتا ہے۔

(۱۶۱) میجر محمد افضل ملک شہید

میجر محمد افضل ملک شہید فرنٹیئر فورس کے مجاہد شکر گڑھ کے محاذ پر داد شجاعت دیتے

ہوئے قربان ہوئے، جنہوں نے سب سے پہلے گولیوں کو اپنے سینے پر روکا اور دشمن کی جارحیت کو کچل کر رکھ دیا۔ شہید محمد افضل لاہور کے معزز ارائیں گھرانے میں پیدا ہوئے جناب حنیف رامے ایڈیٹر مساوات اور حفیظ چوہدری پروپرائٹر مکتبہ پاکستان سے ان کی قریبی عزیزداری تھی بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور والدہ نے گھر پر دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ وہ بچپن میں 'بوبی' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ان کا لڑکپن مذہبی ماحول میں گزرا۔ اس وجہ سے اپنے ساتھیوں میں صوفی مشہور تھے۔ شہید نے ۱۹۶۶ء میں کمیشن حاصل کیا اور امتیازی حیثیت سے تمام امتحان پاس کئے۔ میجر محمد افضل کے کمانڈر اعلیٰ نے ان کی بہادری، جرأت اور جانثاری کی بہت تعریف کی ہے۔

(۱۶۲) مسٹر جاوید الطاف

آپ کا آبائی وطن موضع جنڈ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب) ہے اور چودھری الطاف حسین صاحب ایڈووکیٹ لاہور کے صاحبزادے ہیں۔

آپ نے ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے (فلسفہ) نہ صرف فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا بلکہ یونیورسٹی بھر میں اوّل رہ کر ریکارڈ قائم کیا۔ اسی سال آپ کامن ویلتھ یونیورسٹی سکالرشپ لے کر آکسفورڈ یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان روانہ ہو گئے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے وہاں سے فلسفہ کے مضمون میں امتیازی طور پر آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ دوران تعلیم ۱۹۶۴ء میں آپ نے لندن سے سی۔ ایس۔ پی کے امتحان میں شرکت کی اور پاکستان سول سروس کے لئے منتخب کر لیئے گئے۔ پاکستان سول سروس اکیڈمی سے ٹریننگ کی تکمیل کے بعد آپ سرگودہا میں بطور اسسٹنٹ کمشنر متعین ہوئے۔ آپ آجکل سروس سے ریٹائر ہو کر لاء کی پریکٹس کر رہے ہیں۔

(۱۶۲) مسٹر ظفر الطاف

آپ کا آبائی وطن موضع جنڈ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب) ہے۔ آپ

چودھری الطاف حسین صاحب ایڈووکیٹ لاہور کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ کرکٹ کے میدان میں آپ نے خاص شہرت حاصل کی ہے۔ اور پاکستان نیشنل کرکٹ ٹیم کے معروف کھلاڑی ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں آپ نے نیشنل ٹیم کے ساتھ بھارت کا دورہ کیا تھا۔ ۱۹۶۴ء میں آپ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے سائیکلوجی کا امتحان پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں سائیکلوجی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ آپ نے اپنا طالب علمی کا زمانہ بھی اسی کالج میں گزارا۔ آپ ۱۹۶۵ء میں سی۔ ایس۔ پی کے مقابلے کے امتحان میں شریک ہوئے اور امتیازی طور پر کامیابی حاصل کی۔ اور پاکستان سول سروس کے لئے منتخب ہوئے۔ آج کل آپ راولپنڈی میں متعین ہیں۔

(۱۶۴) محمد بشیر حسین (مرحوم)

ایم۔ اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان، لاہور میں پریکٹس کرتے تھے اور سنت نگر میں رہائش پذیر تھے تقسیم ملک سے قبل ان کا خاندان چک تسکور ضلع جالندھر کا ایک نہایت معزز خاندان سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ایک بیٹی اور چار بیٹے ہیں۔ لڑکی بی۔ ایس۔ سی (فائنل) میں ہے۔ دو لڑکے گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ ایک بی۔ ایس۔ سی (نان میڈیکل) اور دوسرا ایف۔ ایس۔ سی (میڈیکل) میں ہے۔ دو لڑکے چھوٹی جماعتوں میں ہیں۔

ان کے ایک بھائی اکرام محی الدین ایم۔ ایس۔ سی جو انسٹی ٹیوٹ آف بیالوجی راولپنڈی میں انٹمولوجسٹ ہیں، پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے کینیڈا گئے ہوئے ہیں۔ دوسرے بھائیوں میں محمد نصیر حسین انکم ٹیکس کے محکمہ میں ہیں۔ اور باقی دو بھائی محمد حنیف حسین اور ریاض محی الدین زمیندار ہیں۔ آپ پچھلے سال وفات پا گئے۔

(۱۶۵) غفور بیگم صوفی

آپ لاہور میں لارنس روڈ پر رہائش پذیر ہیں اور ایم۔ اے، بی ٹی ہیں۔ چودھری نواب علی ریٹائرڈ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز کی دختر ہیں اور مسٹر جسٹس ایم۔ اے صوفی کی بیوہ، نہایت دیندار ہیں۔ سیاست اور مذہب پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ تحریر اور تقریر کے فن میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔ لڑکی بی۔ اے میں زیر تعلیم

ہے۔ایک لڑکا بی۔ایس۔سی زنان میڈیکل، دوسرا ایف ایس۔سی (میڈیکل) اور تیسرا میٹرک میں زیر تعلیم ہے۔ نہایت جانفشانی سے ان کی تعلیم میں حصہ لیتی ہیں۔

(۱۶۶) حکیم محمد شریف جامعی

آپ کا آبائی وطن موضع کھرکہ کنگرہ ضلع جالندھر ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور ضلع ساہیوال کے مشہور گاؤں "حضرت کرماں والا" میں آباد ہو گئے۔ آپ کافی عرصہ مغربی ممالک میں گزار چکے ہیں۔ مشرقی اور مغربی علوم میں دسترس حاصل ہے۔ جدید و قدیم علم طب کا کافی مطالعہ کیا ہے اور اسی تجربہ کی بنیاد پر آپ پتھالوجی یعنی ماہیت الامراض پر دو ضخیم کتابیں اردو زبان میں مرتب کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ۴۵ ہزار طبی اصطلاحات کے مترادف ترتیب وار اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ دنیائے طب میں ہی عظیم نہیں ہے بلکہ اردو زبان میں بھی گرانبہا اضافہ کا موجب ہے۔ آپ ڈاکٹری تعلیم کو اردو زبان میں رائج کرنے کے حامی ہیں۔

(۱۶۷) ڈاکٹر چوہدری حسن عزیز

آپ چوہدری عبدالغفور صاحب سابق پرنسپل ٹریننگ کالج لائل پور کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے ایم بی۔بی۔ایس لاہور سے کیا اور برطانیہ سے ایم۔آر۔سی۔پی کی ڈگری اور LEADS میں بطور رجسٹرار کام بھی کرتے رہے۔ بڑے ذہین ہیں۔ دماغی امراض کے ماہر ہیں اور کراچی میں پریکٹس کرتے ہیں۔

(۱۶۸) چوہدری الٰہی بخش

چوہدری صاحب طویل قامت، دوہرے مضبوط بدن اور باوقار چہرے پر چمکتی آنکھوں سے زندگی کی ستر بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے گریجوایٹ ہیں۔ اردو، فارسی انگریزی، عربی، ملائی، چینی، تامل، گورمکھی، ہندی اور پنجابی زبان کے ماہر ہیں۔ مرکزی حکومت کے پنشن یافتہ اور کھاتے پیتے زمیندار ہیں۔

سابقہ سکونت موضع بھگو پورہ تحصیل پٹی ضلع امرتسر میں تھی۔ اب چک نمبر آئی۔ آر۔ اے حلقہ رینالہ خورد تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال میں اپنی باقی برادری کے ساتھ آباد ہیں۔ اپنے علاقے میں برادری کی تعلیمی، دنیوی اور معاشرتی ترقی کے لئے ہر لحظہ کوشاں رہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے شاہین کی صفات رکھتے ہیں۔

آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ آپ چوہدری صاحب کو برادری کی بہبود اور ترقی کے لئے ہر لحظہ تیار پائیں گے۔ میاں سر شاہنواز، میاں محمد شفیع، میاں عبدالعزیز، میاں افتخار الدین، میاں عبدالحق اور مولانا علم الدین سالک کے ہم جلیس ہیں۔ ضلع ساہیوال اور تحصیل اوکاڑہ میں برادری کے منفرد افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے چار بیٹے ہیں۔

پہلا لڑکا محمد رفیع احمد پاک فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ انہی خدمات کے صلہ میں اسے زرعی اراضی دی گئی ہے۔ فی الحال گلیکسو لیبارٹریز میں اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہے چوہدری صاحب کا دوسرا لڑکا محمد اقبال احمد محکمہ سنٹرل ایکسائز اینڈ کسٹمز میں افسر ہے۔ تیسرا لڑکا عبدالعزیز خالد پاک فضائیہ میں مصروف کار تھا کہ ہوائی حادثہ سے متاثر ہو گیا۔ حکومت نے زرعی اراضی دے کر اس کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ چوہدری صاحب کا چوتھا لڑکا قمر الزماں ایم۔ اے (فائنل)، کا طالب علم ہے۔ لاء کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

(۱۶۹) محمد طفیل

اردو کے مشہور ادیب حکیم احمد شجاع نے اپنے ایک بیحد مقبول مضمون "لاہور کے چیلسی" میں طفیل صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

" محلہ جوگیاں (اندرون بھاٹی گیٹ لاہور) میں ایک اور مکان ہے جس میں محمد طفیل ایک نوعمر صاحبزادے رہتے تھے۔ ان کو خوش نویسی کا بڑا شوق تھا۔ ان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ آگے چل کر انہوں نے اس محلے سے "نقوش" کے نام سے اردو کا ایک مشہور اور کئی لحاظ سے لاثانی مجلہ (۱۹۴۸ء) میں شائع کرنا شروع کیا جو آجکل کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور سے شائع ہوتا ہے،

یہ رسالہ اپنی ضخامت، مضامین کے تنوع اور کتابت کے تکلف کے اعتبار سے اپنے تمام پیشرو رسائل سے مختلف اور ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بعض شمارے تو ایسے ہیں کہ زمانہ مستقبل میں ایک تاریخی مقام حاصل کر لیں گے۔ اور ان مصنفین کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے جنہیں موجودہ اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے میں حوالوں کی ضرورت ہو۔"

نقوش کے علاوہ آپ نے کراچی کے رسالہ "روحِ ادب" کی بھی کچھ عرصہ ادارت کی یہ رسالہ بھی اپنے وقت کا مشہور رسالہ تھا۔ نقوش اور روحِ ادب کی ادارت کے علاوہ آپ کئی ایک کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔ جن میں صاحب، آپ، جناب تو اسکیچوں کے مجموعے ہیں جن میں مشہور ادیبوں کے بارے میں ان کے تاثرات ہیں اور یاترا سفرنامہ ہے جو سندھ کے مشہور صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ذات سے اور سندھ کی تاریخ سے متعلق ہے۔

ان کا ایک مشہور پبلشنگ ہاؤس بھی ہے جو ادارہ فروغ اردو کے نام سے معروف ہے جس نے بڑے اہم ادبی موضوعات پر بڑے کام کی کتابیں چھاپی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک پریس بھی ہے۔ نقوش پریس، جس میں ہر قسم کی جدید مشینری موجود ہے۔

غرض طفیل صاحب کی علمی و ادبی خدمات کو ہر پڑھے لکھے شخص سے لے کر صدر مملکت تک نے سراہا ہے۔

آپ ۱۵ اگست ۱۹۲۳ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں عمر الدین ہے جو بیحد مخیر انسان تھے۔

(۱۷۰) چوہدری فتح محمد شیفتہ

آبائی وطن موضع حسین پور تحصیل و ضلع جالندھر ہے۔ آپ کا تعلق اعلیٰ متوسط درجہ کے زمیندار خاندان سے ہے۔ والد محترم کا نام حاجی محمد اسماعیل ہے۔

آپ نے اوائل میں حکومت ہند کے آرمی ڈیپارٹمنٹ میں بطور اسسٹنٹ ملازمت حاصل کی۔ تقسیم ملک سے قبل آپ کا شمار مرکزی حکومت کی مشہور و معروف شخصیتوں میں ہوتا تھا آپ کو مرکزی حکومت میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں امتیازی درجہ حاصل تھا۔

بلکہ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ تقسیم ملک کے وقت مرکزی حکومت کے دفاتر خاص طور پر آرمی ہیڈکوارٹرز میں مسلمان ملازمین میں نوّے فیصد کی ملازمت چوہدری فتح محمد شیفتہ کے وجود کی مرہونِ منّت تھی۔

آپ نے خداداد قابلیت، ذہانت اور محنت سے بہت جلد ترقی حاصل کر لی اور دوسری جنگ عظیم میں اسسٹنٹ کنٹرولر آف سپلائی مقرر ہوئے اور اس کے بعد متعدد اعلیٰ آسامیوں پر فائز ہوئے۔ آپ ۱۹۵۳ء میں مرکزی حکومت کے ڈپٹی چیف کنٹرولر امپورٹ و ایکسپورٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد ان کی زیادہ تر رہائش "فیروزہ" جمشید روڈ کراچی میں رہی ہے۔

(۱۷۱) چودھری بدر الدین

لمبے چھریرے جسم، چمکتی ہوئی آنکھوں اور سفید چاندی ایسے بالوں والے چودھری بدر الدین بعمر ۲۷ سال تقریباً ۵۴ سال سے انجمن ارائیاں پاکستان لاہور سے منسلک ہیں۔ سابقہ سکونت کنیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر تھی۔ اب میاں چنوں میں اپنے دوسرے عزیزوں کے ہمراہ آباد ہیں۔

ان کو سر میاں محمد شفیع، خان بہادر ملک تاج الدین، میاں محمد شاہنواز اور دوسرے بانیان انجمن کے ساتھ مل کر قومی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہ دبیر، ایڈیٹر اور سفیر انجمن کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔ ساری برادری ان سے واقف ہے، یہ ساری برادری کے شناسا ہیں برادری کے جتنے بھی اجتماعات ہوتے ہیں۔ ان کا وجود ہر اجتماع میں ناگزیر رہا ہے۔

آپ نہایت فرض شناس، معاملہ فہم، دور اندیش اور سینے میں برادری کا درد رکھتے ہیں نہایت سلجھے ہوئے ذوق اور اعلیٰ اوصاف کے حامل ہیں۔ مرنجان مرنج طبیعت اور باغ و بہار آدمی ہیں۔ ارائیں برادری کی موجودہ صدی کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں۔ چودھری صاحب کو تاریخ اور ادبیات سے خاص شغف ہے۔

الراعی بلڈنگ اور چودھری بدر الدین لازم و ملزوم ہیں۔ بلڈنگ کا انتظام و انصرام بھی انہی کے ذمہ ہے۔ بلڈنگ ہذا میں رہنے والے برادری کے طلبہ کی اخلاقی اقدار کا چودھری

صاحب کو ہمیشہ خیال رہا ہے۔

انجمن، برادری اور بلڈنگ کے مفاد کو انہوں نے اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے۔ نادم تحریر ضعیف العمری کے باوجود برادری کی بہتری اور ضرورت کا کوئی کونہ بھی ان کی عقابی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ آجکل چودھری صاحب پنشن پر ہیں۔

چودھری صاحب کی نجی زندگی صاف ستھری، بے داغ بے لوث اور خاص وضعداری سے گزر رہی ہے۔ ان کی اس درویشانہ زندگی میں بھی ایک شانِ استغنا ہے۔ علامہ اقبال رح کی زبان میں چودھری صاحب کی یہ درویشی ہی سلطانی ہے۔ خوشامد اور لالچ کے الفاظ ان کی لغت میں ہی نہیں ہیں۔

چودھری صاحب کا صاحبزادہ محمد امین میاں چنوں میں اپنا نجی کاروبار کرتا ہے اور چار ننھے مُنّے بچوں کا باپ ہے۔

آپ کے چچا زاد بھائی چودھری فتح محمد، حشمت علی، عظمت علی اور کنبہ کے دیگر افراد میاں چنوں میں زیادہ تر کاروبار کرتے ہیں۔

(۱۷۲) محمد منیر عالم شہریار

آپ بورڈ آف ریونیو لاہور میں ملازم ہیں۔ ابھی کالج میں ہی زیرِ تعلیم تھے کہ میوزک کا شوق شدت اختیار کر گیا۔ چند فلموں میں میوزک دے کر بہت مشہور ہوئے۔ فلمی دھنیں بنانے میں آپ کا انداز بالکل انوکھا ہے۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ نے انہیں بھی متاثر کیا اور چند قومی نغموں کی دھنیں ترتیب دیں جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور رہیں۔

۱۔ اے وطن کے سجیلے جوانو، میرے نغمے تمہارے لئے ہیں۔

۲۔ میں ہوں موسیقار وطن کا

(۱۷۳) لیفٹیننٹ جنرل سلیم احمد میاں

ایس۔ کیو۔ اے، ایم۔ بی۔ ای، ایچ۔ ایس پی

آپ ۱۵ جنوری ۱۹۰۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ایم، بی، بی، ایس پنجاب یونیورسٹی سے

۱۹۳۲ء میں پاس کر کے ایل۔ آر۔ سی۔ پی (لندن) اور ایم۔ آر۔ سی۔ پی (انگلینڈ) کی ڈگریاں ۱۹۳۳ء میں اور ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کی ڈگری ۱۹۳۶ء میں حاصل کی۔

آپ کو انڈین میڈیکل سروس میں کمیشن ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ملا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ کو ماہر سرجری کا اعزاز ملا اور اسی حیثیت سے آپ ۱۹۴۹ء تک مختلف ہسپتالوں میں بطور آفیسر کمانڈنگ کام کرتے رہے۔ آپ ایم۔ بی۔ ای ۱۹۴۲ء میں بنائے گئے اور ۱۹۴۴ء میں آپ نے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدہ تک ترقی کرلی۔ ۱۹۴۹ء میں آپ کا تقرر بطور مشیر سرجن عمل میں آیا اور کرنل بنا دیئے گئے پی۔ اے۔ ایم۔ سی سکول میں آپ بطور چیف انسٹرکٹر کام کرتے رہے اور ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۹ء تک اکثر اوقات پاکستان آرمی میڈیکل کارپس کالج کی ہائی کمان بھی آپ کے ہاتھ رہی۔ ۱۹۵۸ء میں بریگیڈیئر کے عہدہ تک ترقی ملی اور آرمڈ فورسز میڈیکل کالج کا آپ کو سرجری میں چیف انسٹرکٹر بنا دیا گیا۔ جہاں آپ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک رہے۔

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ نے بطور ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیکل سروسز نمبر ا کارپس کام کیا اور پھر ۱۹۶۳ء تک بطور کمانڈنٹ اے۔ ایف۔ ایم کالج راولپنڈی میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس وقت آپ ڈائریکٹر آف آرمڈ فورسز میڈیکل سروسز کے عہدہ پر متمکن ہیں۔

آپ کی بلند پایۂ خدمات کے عوض حکومت پاکستان نے ۱۹۶۵ء میں آپ کو ستارۂ قائد اعظم کا تمغہ عطا فرمایا۔

آپ بڑے محنتی اور بلند اخلاق انسان ہیں۔ قوم اور ملک کی خدمت کا جذبہ آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اسلام سے آپ کو بڑی محبت ہے۔

(۱۷۸) لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر ایم قمر الدین

آپ میاں جمال الدین مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ موضع کھرلہ کنگرہ نزد جالندھر شہر بتاریخ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملایا میں پائی جہاں آپ کے والد بزرگوار ریلوے سروس میں بحیثیت انسپکٹر فائز تھے۔ میٹرک جالندھر سے پاس کرنے کے بعد ایف۔ ایس۔ سی (میڈیکل) رندھیر کالج کپور تھلہ سے کر کے میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

کی ڈگری ۱۹۴۰ء میں حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں انڈین میڈیکل سروس میں کمیشن ملا اور دوسری عالمگیر جنگ میں پائی فورس کے ساتھ اڑھائی سال تک سروس میں رہے۔

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ نے آزادی کشمیر کی جنگ میں کئی بار اہم حصہ لیا۔ ۱۹۵۰ء سے آپ مختلف یونٹوں کی موٹر کمانڈ کر رہے ہیں۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ ایک فیلڈ ایمبولینس کی کمانڈ کرتے رہے۔ اور سیالکوٹ کے محاذ پر بہت اہم خدمات انجام دیں۔ آپ نہایت شریف اور متحمل مزاج انسان ہیں اور قوم اور ملک کی خدمت کرنا اپنا نصب العین تصور کرتے ہیں۔

(۱۷۵) ڈاکٹر میاں بشیر احمد (مرحوم)

ایم۔ ایس۔ سی، پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) ایل۔ ایل۔ ڈی (کیمبرج) ایف۔ آر۔ آئی۔ سی، ایف۔ این۔ آئی، سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

آپ میاں نصیر احمد چیئرمین پبلک سروس کمیشن کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ بہت بڑے سائنسدان تھے۔ جنہوں نے لندن، زیوریچ، برلن، پنجاب اور جان ہاپکن انسٹی ٹیوٹ یو۔ ایس۔ اے کی یونیورسٹیوں میں ریسرچ کا بہت بڑا کام کیا۔ بایوکیمسٹری اور پلانٹ پروڈکٹس پر تحقیقات کیں ڈیڑھ سو سے زائد نامور سائنسی رسالوں میں آپ کے مضامین چھپتے رہے۔

آپ نہ صرف سائنس کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ ایک بہت بڑے منتظم اور ڈویلپمنٹ اور پلاننگ کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ولیسٹ پاکستان ریجنل لیبارٹری کے ڈائرکٹر ہونے کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی میں آرگینگ کیمسٹری کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری کے ڈائریکٹر تھے۔ آخر میں آپ بطور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کام کرتے رہے۔

(۱۷۶) میاں الطاف شوکت

آپ قصبہ شاہ کوٹ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم۔ اے اسلامیہ کالج لاہور سے کیا اور گورنمنٹ ہیلی کالج آف کامرس کے ساتھ منسلک ہو گئے اور اب تک

وہیں ہیں۔

آپ نے مختلف اسلامی، قومی اور فلاحی اداروں میں کارہائے نمایاں کئے ہیں اور اب تک مستقل مزاجی سے اسی خدمت قوم و ملک میں لگے ہوئے ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ نے انٹر کالجیٹ تحریک کی قیادت کی، جس کا مقصد طلبہ میں خدمتِ خلق کے جذبات کی نشوو نما تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مسجد شاہ چراغ میں مجلس تعمیر ملت کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اسلام کی سربلندی اور لادینیت والحاد کے سیلاب کی روک تھام ہے۔ اس ادارہ کے آپ جنرل سیکرٹری ہیں۔ یہاں اشاعت اسلام اور احیاء دین پر تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ایک اسلامی لائبریری جو اس ادارہ سے منسلک ہے اس کے آپ سربراہ ہیں۔

یوم اقبالؒ کی تقریب منانے کی تحریک کے آغاز کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ ویسٹ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن کے بھی جنرل سیکرٹری ہیں۔

جامعہ فضلیہ (نواں کوٹ) لاہور کا قیام و بقاء آپ ہی کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

(۱۷۷) میاں عطاء الحق

آپ ایک متوسط ارائیں خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے دادا چودھری محمد حاجی محکمہ مال میں گرداور قانونگو تھے۔ اور والد بزرگوار چودھری محمد عبداللہ اپنی زمینداری کے علاوہ پولیس افسر رہے ہیں۔

میاں عطاء الحق صاحب موضع ڈھڈہ ضلع جالندھر میں ستمبر ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں دوآبہ ہائی سکول جالندھر شہر سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا اور اس کے بعد "ہومیوپیتھک ڈاکٹری" کی طرف متوجہ ہوئے لیکن جنوری ۱۹۳۲ء میں ملازمت اختیار کر لی اور ۱/۲ پنجاب رجمنٹ میں شامل ہو گئے۔ جنگ عظیم کے دوران فرسٹ پنجاب رجمنٹ میں مختلف مقامات پر رہے۔ دوران ملازمت انہوں نے ۹ عدد جنگی تمغات حاصل کئے۔

۱۹۴۵ء میں آپ آرمی ایجوکیشن کور میں چلے گئے۔

دوران ملازمت میں ہی انہوں نے پورے مضامین لیکر ایف۔اے اور بی۔اے کے امتحانات

بطور پرائیویٹ امیدوار پاس کئے اور لاء کالج لاہور سے ایل۔ایل۔بی۔کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد صوبیدار کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اس وقت لاہور کے ممتاز وکلاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کنٹونمنٹ بورڈ لاہور چھاؤنی اور کئی لمیٹڈ کمپنیوں کے قانونی مشیر ہیں اور ڈسٹرکٹ آرمڈ سروس بورڈ لاہور اور ٹی بی ایسوسی ایشن لاہور کی انتظامیہ کمیٹیوں کے سرگرم رکن ہیں۔

آپ کی رہائش ۲۰۸ رام گڑھ کالونی اور دفتر ۴ مزنگ روڈ لاہور میں ہے۔

(۱۷۸) چودھری محمد اسلم

بی۔اے (آنرز) ایل ایل بی، ڈبلیو۔پی۔ایس۔ایس

آپ ۱۹۳۵ء میں بمقام رسالپور تحصیل نکودر ضلع جالندھر پیدا ہوئے۔ پرائمری سے لے کر بی۔اے تک نہ صرف اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتے رہے بلکہ سرکاری وظائف بھی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۶۰ء سے بطور سیکشن آفیسر حکومت مغربی پاکستان سول سیکرٹریٹ لاہور میں کام کر رہے ہیں۔

(۱۷۹) چودھری فضل محمد فضل جالندھری

آپ جالندھر کے مہاجر ہیں۔ محکمہ جنگلات میں ملازم تھے اور پچھلے دنوں سپرنٹنڈنٹ دفتر جنگلات کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ ایک بہت اچھے شاعر ہیں۔ آپ نے شاعری کو نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یا قومی فلاح و بہبود کی نظموں میں ہی محصور کر لیا ہے۔ آپ کی ایک کتاب معجزات رسولؐ (منظوم) شائع ہو چکی ہے جو بڑی مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے چند اصلاحی پمفلٹ (منظوم) بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے اخلاقِ رسولؐ (منظوم) کتاب بھی لکھی ہے وہ ابھی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اسی طرح ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران آپ نے ایک کتابچہ "معرکہ حق و باطل" نظم میں لکھا، جو ابھی تک چھپا نہیں۔ امید ہے یہ جلد چھپ جائیں گے۔

(۱۸۰) چودھری سلطان احمد (مرحوم)

چودھری سلطان احمد نے ایل۔ ایل۔ بی کرنے کے بعد عملی سیاست میں قدم رکھا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور آخر دم تک اسی پارٹی سے وابستہ رہے۔

چودھری سلطان احمد کی عمر ۵۲ سال تھی۔ موضع بسم اللہ لائل پور میں پیدا ہوئے۔ گزشتہ انتخابات میں آپ نے حلقہ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے لئے انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئے۔ اس علاقہ میں آپ نے مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے جس محنت اور عزم کے ساتھ کام کیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ آپ سنٹرل کوآپریٹو بنک کے سیکرٹری اور کئی سرکاری کمیٹیوں کے ممبر بھی رہے ہیں۔ آپ لائل پور انجینئرنگ کمپنی (لیگو) کے مالک تھے اور کافی خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔

چودھری سلطان احمد مرحوم کا پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک کے لوگوں کے دلوں میں بھی بہت احترام تھا۔

(۱۸۱) مولوی محمد علی لاہوری (مرحوم)

اگرچہ عقیدے کا اختلاف ہے۔ مولوی محمد علی صاحب لاہوری احمدیہ جماعت کے امیر تھے اور ارائیں برادری کے ایک فرد۔ لاہوری اور قادیانی جماعتوں کے اختلاف عقائد سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ لہٰذا ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

مولوی صاحب نے قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی میں کیا اور تفسیر بھی لکھی۔ اردو میں بھی تفسیر لکھی جن میں مخصوص عقائد کو چھوڑ کر بہت سی کام کی باتیں بھی لکھی ہیں۔ انگریزی میں اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انگریزی میں اسلامی لٹریچر پر ان کی کتابوں کی تعداد خاصی طویل ہے۔

(۱۸۲) سرور سلیم ایل۔ ایل۔ ایم۔ بیرسٹر ایٹ لاء

سرور سلیم صاحب چوہدری برکت علی ریٹائرڈ سرکل ہیڈ ڈرافٹسمین محکمہ نہر کے صاحبزادے

ہیں جو ریٹائرمنٹ کے بعد چک نمبر ۱۹۴-آر-بی ڈاکخانہ کھڑیاں والا ضلع لائل پور میں مقیم ہیں -
چوہدری صاحب مذکور موضع کامل پور تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کے مہاجر ہیں۔

سرور سلیم صاحب گریجوایشن کے بعد لاء کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ وہیں سے انگلینڈ چلے گئے۔ اور لنڈن کے لنکنز ان سے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور پھر مانچسٹر یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔ایم کی ڈگری حاصل کی —— مانچسٹر میں محنت مزدوری اور بس ڈرائیوری کر کے تعلیم کے اخراجات پورے کرتے رہے۔ اب انگلینڈ کے شہر لیڈز میں ان کا اپنا دفتر ہے اور وہیں پریکٹس کرتے ہیں۔

ان کے ایک بھائی اسلام آباد میں فارم مینجر ہیں جن کا نام رشید اختر ہے۔ رشید اختر صاحب باکسنگ کے مشہور کھلاڑی ہیں۔ پنجاب میں تین سال چیمپین شپ جیتی۔ زراعتی کالج اور پنجاب کی باکسنگ کی ٹیموں کے کیپٹن تھے۔

ان کے ایک اور بھائی ریاض حیدر صاحب نے بھی بڑی جدوجہد اور پرائیویٹ نوکریاں کر کے ایم۔ایس سی کیمسٹری کی ڈگری حاصل کی اور اب لیبیا چلے گئے ہیں۔

(۱۸۳) میاں نصیر احمد سی ایس پی (مرحوم)

میاں نصیر احمد سی۔ایس۔پی جو کہ مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین کے عہدہ سے ۳۰ مارچ ۱۹۶۷ء کو ریٹائر ہوئے، بلحاظ فرض شناسی، دیانت داری اور قابلیت کے اپنی سروس میں ممتاز ترین حیثیت اور قابل رشک شہرت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ میاں صاحب ضلع جالندھر کے مردم خیز خطہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جہاں ان کا خاندان دنیاوی جاہ و چشم میں منفرد تھا۔ میاں صاحب کے والد میاں رحمت الٰہی سول سرجن تھے۔ لیکن میاں صاحب کی تعلیم و تربیت میں زیادہ حصہ آپ کے تایا صاحب کا تھا جو اہل اللہ میں شمار ہوتے تھے۔ میاں نصیر احمد صاحب کے ایک چھوٹے بھائی میاں بشیر احمد صاحب پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے پر متعین تھے۔ اگر موت نے انہیں مہلت دی ہوتی تو کچھ عجب نہیں کہ ان کی ریسرچ سے سائنس کی دنیا میں نئے نئے راز کھلتے۔

میاں صاحب نے مقابلے کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی ملازمت کا آغاز ضلع میانوالی سے کیا جہاں انہیں بندوبست میں وسیع تجربہ حاصل ہوا۔ میاں صاحب اپنی متنوع دورِ ملازمت میں مختلف اضلاع کی ڈپٹی کمشنری کے علاوہ پنجاب کے ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے عہدے پر مامور رہے۔

آزادئ وطن کے بعد میاں صاحب نے مہاجرین کے انخلاء کے سلسلہ میں مہتم بالشان خدمات انجام دیں۔ بعد میں وہ مرکزی حکومت میں انڈسٹری کے محکمہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ میاں صاحب کچھ عرصہ چیف سیٹلمنٹ کمشنر کے عہدے پر فائز رہے۔ پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے وہ مغربی پاکستان کے بورڈ آف ریونیو کے سینیئر رکن تھے۔

میاں نصیر احمد صاحب اعلیٰ درجہ کے سپورٹس مین رہے ہیں۔ آپ پنجاب ہاکی فیڈریشن کے صدر تھے۔ آپ کی کوششوں کا یہ ثمر تھا کہ عالمی اولمپک کھیلوں میں پاکستان کی ہاکی ٹیم نے دنیا کی تمام ٹیموں کو شکست دے کر گولڈ میڈل حاصل کیا تھا۔

محترمہ نفیس اقبال (۱۸۴)

آنسہ نفیس اقبال ملک کے ممتاز ناشر جناب محمد اقبال سلیم گاہندری صاحب مالک نفیس اکیڈیمی کراچی کی بیٹی ہیں۔ آپ کو بچپن سے گڑیوں سے کھیلنے کا بیحد شوق تھا اس لئے بعض اوقات ان کے دوسرے عزیز اور چھوٹے بڑے بہن بھائی ان کو کہہ دیتے تھے کہ نفیس تو پڑھ ہی نہیں سکتی لیکن نفیس بڑی معصومیت سے جواب دیتی۔ "کھیل کے وقت کھیل اور پڑھائی کے وقت پڑھائی"۔ نفیس بہت ذہین تھی، اسکول میں جو کچھ پڑھتی اسی وقت ذہن نشین ہو جاتا۔ اور ہمیشہ سالانہ امتحان میں اول آتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفیس نے بی۔ اے اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ والدین نے نفیس کا شوق دیکھتے ہوئے اسے ایم۔ اے کرنے کی اجازت دے دی۔ ایم۔ اے میں سیاسیات لینے پر لوگوں نے ایک بار پھر کہا کہ نفیس جیسی لڑکی جس کو شعر و شاعری اور افسانہ و ادب سے دلی لگاؤ ہے۔ اپنے مضمون کے انتخاب میں دھوکا کھا گئی ہے۔ نفیس اقبال نے سیاسیات جیسے خشک مضمون میں ایم۔ اے نہ صرف درجہ اول میں پاس کیا بلکہ جامعہ سے طلائی تمغہ

حاصل کر لیا۔ نفیس اقبال کا کہنا ہے کہ انہوں نے ابن خلدون کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے نظریہ عمرانیات پر تحقیقاتی مقالہ لکھیں گی۔ اور وہ اس سلسلے میں باہر جانے سے نہیں گھبراتی ہیں۔ نفیس اقبال کو افسانہ نگاری کا بڑا شوق ہے اور بڑے صاف ستھرے اور پاکیزہ افسانے لکھتی ہیں۔ وہ افسانہ میں رومان اور شعر و شاعری کی دلدادہ ہیں۔ ان کی آٹو گراف بک میں ملک کے تمام بڑے ادیبوں، شاعروں اور لیڈروں کے دستخط ہیں۔ مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ وہ ہر ماہ ایک نئی کتاب خرید لاتی ہیں اور اس کو پڑھے بغیر چین نہیں آتا۔ اس کے علاوہ اپنے والد محترم کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی علمیت میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے اپنا ذریعہ تعلیم ہمیشہ اردو رکھا ہے۔ آجکل جامعہ کراچی کے میگزین کی اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی ہیں۔

شاہکوٹ کے دو معزز خاندان

۱۔ خاندان ماسٹر خیر الدین (مرحوم) ماسٹر صاحب بڑے باخلاق، دیندار، محنتی آدمی تھے۔ ہمیشہ اپنے شاگردوں کو سکول کے بعد مفت پڑھاتے تاکہ لڑکے نہ صرف امتحان میں کامیابی حاصل کریں بلکہ قابل بھی بنیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں:۔

(۱) چوہدری نیاز علی احمد جو آج کل ملٹری میں صوبیدار ہیں اور منگلہ میں متعین ہیں۔

(۲) چوہدری غلام محی الدین گراونڈ انجینئر (پی۔ آئی۔ اے) آج کل راولپنڈی ائیرپورٹ پر متعین ہیں۔

۲۔ خاندان ماسٹر غلام بھیک (مرحوم) یہ بھی بڑے نیک، خلیق، خدمتِ خلق کے دلدادہ اور قابل اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے چار صاحبزادے ہیں۔

۱۔ میاں اعجاز احمد اوورسیر شیخوپورہ ہیں۔

۲۔ میاں افتخار احمد۔ ایم۔ ایس سی انجینئرنگ (بیروت یونیورسٹی) آج کل ملتان میں بطور ہیلتھ انجینئر ملتان میں متعین ہیں۔

۳۔ میاں ابرار احمد پروپرائیٹر "ابرار بک ڈپو" شاہ کوٹ میں کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

۴۔ سب سے چھوٹے لڑکے کالج میں زیر تعلیم ہیں۔

(۱۸۷) (ا) میاں اللہ بخش سابق چیف کنزرویٹو جنگلات

آپ نے پیر محل میں ایک فری ہومیوپیتھک ہسپتال ۱۹۶۵ء میں قائم کیا جس سے دور دنزدیک کے بے شمار مریض استفادہ کر رہے ہیں اس کی تفصیلات ان کی اپنی زبانی سُنیئے۔

ہسپتال کے قیام کا پس منظر: ۱۹۱۹ء میں مجھے لاہور کے ہومیوپیتھک ڈاکٹر نظام الدین کے زیر علاج رہنے کا اتفاق ہوا۔ میں ان کے طریق علاج اور ذاتی حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔ رفتہ رفتہ ڈاکٹر صاحب سے میرے گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں جب میں تعلیم کے لئے انگلینڈ روانہ ہوا تو میری روانگی کے موقع پر انہوں نے ایک چھوٹا سا دوائیوں کا بکس اور ایک چھوٹی سی کتاب دی اور فرمایا کہ بوقت ضرورت یہ کتاب اور ادویات کام آئیں گی ہمیں اپنی تعلیم کے سلسلہ میں فرانس میں بھی جانا پڑا۔ وہاں ایک ہوٹل میں قیام کے دوران سردی کی وجہ سے آدھی رات کے وقت مجھے کھانسی کی تکلیف ہو گئی۔ سونے کی بہت کوشش کی مگر کھانسی کی شدت سے نیند غائب ہو گئی۔ غیر ملک میں زبان اور ماحول کی اجنبیت سے رات بھر جو تکلیف ہوئی اس کا اندازہ لگا لیجئے۔ لیکن مجھے ڈاکٹر نظام الدین کا بکس اور کتاب یاد آگئی۔ گو میں طریق علاج سے نابلد تھا۔ تاہم انڈکس میں لفظ کھانسی اور پھر خشک کھانسی دیکھ کر خود ہی "برائی اونیا" تجویز کیا۔ دوا استعمال کرنے کے چند منٹ بعد نیند آگئی اور رات بھر خیریت رہی۔ اس واقعہ نے میرے دل و دماغ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ہومیوپیتھک طریق علاج کی افادیت کے متعلق میرا خیال یقین میں بدل گیا اور مجھے اس کا لٹریچر پڑھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

ولایت سے واپسی پر میں نے ہومیوپیتھی کے متعلق چند اور کتابیں خرید لیں اور ان کا بنظر عمیق مطالعہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ خدمت خلق کے جذبہ کے تحت عوام کو مفت دوا دینے لگا۔ میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اپنے تجربات اور مشاہدات میں ان ادویات کو نہایت مؤثر اور زود اثر پایا۔ میری شادی کے بعد میری بیوی نے بھی اس طریق علاج میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور وہ مستورات کو تمام عمر خدمت خلق کے جذبہ کے تحت مفت دوا دیتی رہیں۔ ان کا انتقال ۲۶، اکتوبر ۱۹۶۸ء کو ہوا۔ اِنّا للّٰہ واِنا الیہ راجعون۔

ضمیمہ (۱)

اس ضمیمہ میں بعد میں موصول ہونے والے

کوائف درج کیے گئے ہیں۔

خدمت خلق کا دوسرا اِدارہ

سستا شفاخانہ کرشن نگر۔ لاہور

زیر اہتمام انجمن رفاہِ عامہ کرشن نگر۔ لاہور

یہ شفاخانہ ۱۹۵۹ء میں اس کتاب کے پبلشر حاجی سردار محمد نے محلہ داروں کے تعاون سے شروع کیا تھا اور اب اس شفاخانہ کی اپنی عمارت پچیس ہزار روپیہ کے صرف سے بن چکی ہے۔ ایک ہمہ وقتی ریٹائرڈ ڈاکٹر صاحب بمشاہرہ ایک ہزار روپیہ ماہوار اور ایک سندیافتہ کمپاؤنڈر بمشاہرہ ۲۴۰/- روپے ماہوار اور ایک ملازم بمشاہرہ ۱۴۰/- روپے ماہوار پر کام کرتے ہیں۔ دوائی کی قیمت نہیں لی جاتی صرف پچیس پیسے پرچی پر دوائی دی جاتی ہے۔ مشورہ کا کچھ نہیں لیا جاتا۔ کوشش کی جاتی ہے کہ دوائی اچھی دی جائے۔ غربا سے پچیس پیسے بھی نہیں لئے جاتے۔ بلکہ بعض اوقات قیمتی ادویہ اپنے پاس سے خرید کر بھی دی جاتی ہیں۔ اردگرد کے محلوں کے عوام اور غریب لوگ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ

ایم بی بی ایس۔ ڈی پی ایچ۔ پی ایچ ایس (1)
سول سرجن و اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز (ریٹائرڈ)

آپ ۶۸ سال قبل ۵ مئی ۱۹۰۵ء میں موضع شیر گڑھ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے جلد ہی بعد ان کا خاندان بار آباد ہونے پر موضع خان پور چک نمبر ۳۹۲ ج ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں منتقل ہو گیا اور آپ کا بچپن وہیں گزرا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی ۱۹۲۴ء میں کیا اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ۱۹۲۹ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگریاں حاصل کر کے ایک سال بطور ہاؤس سرجن، کرنل بروچہ کے ساتھ کام کیا۔ چند سال افغانستان میں بطور سرکاری ڈاکٹر کے کام کرنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں

پنجاب سِول میڈیکل سروس میں بطور اسسٹنٹ سرجن کے منتخب کر لیے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسر و میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے طور پر تعینات ہوئے اور ۱۹۵۷ء میں آپ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز بنا دیئے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ کے تالاب بازار میں رہائش پذیر ہیں اور وہیں پریکٹس بھی کرتے ہیں۔ فون نمبر ۳۰۵ ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد

ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو ڈھوگری ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میٹرک اوکاڑہ میں کیا اور ایف ایس سی گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کر کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری حاصل کی۔ جناح پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سنٹر کراچی سے ایم۔فِل کی ڈگری حاصل کی اور کراچی یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ اس کے بعد انڈیانا یونیورسٹی (امریکہ) سے بایوکیمسٹری میں ایم۔اے کیا۔ آج کل آپ پنجاب میڈیکل کالج لائل پور میں فزیالوجی کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے حال ہی میں بایوکیمسٹری کے مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے جو میڈیکل کالج کے سٹوڈنٹس میں بہت مقبول ہو رہی ہے۔ علمی کتاب خانہ نے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم محمود سلیم

ڈاکٹر سلیم محمود ڈاکٹر عبداللہ ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز حال ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صاحبزادے ہیں۔ اب سے ۳۷ سال قبل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ نشتر میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد وہیں بطور ڈیمانسٹریٹر کے کام کیا پھر امریکہ کا ECFMG امتحان پاس کرنے کے بعد امریکہ چلے گئے۔ امریکہ کے سات سال کے قیام کے دوران ملازمت اور پڑھائی جاری رکھی اور

کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ پہلے پاکستانی ہیں جن کو یہ اعزاز ملا ہے۔ اس کے علاوہ FACS کی ڈگری بھی حاصل کی۔ آپ امراض ہڈی، جوڑ، پٹھ کے ماہر ہیں۔ نشتر میڈیکل کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر اور فوج میں میجر کے طور پر کام کر چکے ہیں اور اب ۲۰ ایف۔سی۔سی گلبرگ IV لاہور میں اپنے پاک ہسپتال میں پرائیویٹ پریکٹس کر رہے ہیں۔ ان کا فون نمبر ۸۱۸۴۲ اور ۸۲۰۹۲ ہے۔

ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع (مرحوم)

آپ ۱۰ مارچ ۱۸۶۹ء کو باغبانپورہ نزد شالامار باغ لاہور میں پیدا ہوئے۔ شالامار باغ شاہجہان نے ان کے آباؤاجداد سے ان شرائط پر حاصل کیا تھا کہ باغ کا متولی یہ خاندان ہو گا اور تولیت وراثت کے طور پر اس خاندان کے پاس رہے گی، اور دو گاؤں کی زمین مالیہ معاف کے طور پر دی۔

شاہراہِ اعظم پر ایک نیا گاؤں آباد کر دیا گیا جس کا نام باغبانپورہ رکھا گیا، جو شالامار سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

ان کے والد کا نام میاں دین محمد تھا ان کے بھائی میاں نظام الدین تھے، جن کی لڑکی کی شادی بعد میں میاں سر شفیع سے ہوئی۔ نظام الدین کا سب سے بڑا لڑکا ظہور الدین تھا، جس نے ایل ایل بی کر کے ڈیرہ اسماعیل خان میں پریکٹس شروع کی۔

اس کے چھوٹے بیٹے میاں شاہ دین کو بی۔اے کے بعد ولایت بھیجا گیا۔

میاں دین محمد کے دو لڑکے تھے عطا محمد اور محمد شفیع۔ محمد شفیع رنگ محل سکول سے میٹرک اور ایف۔اے فارمن کرسچین کالج سے کر کے انگلینڈ چلے گئے، جہاں مڈل ٹمپل میں بار میں داخلہ لیا اور کنسٹی ٹیوشن لاء میں وظیفہ حاصل کیا۔

انگلینڈ میں ان کے اور میاں شاہ دین کے ہم عصر اُس وقت گاندھی جی، پنڈت موتی لعل نہرو، لارڈ سنہا، سید علی امام، سید حسین امام، سر عبدالرحیم، سر ابراہیم رحمت اللہ اور مولوی رفیع الدین احمد تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جنہوں نے بعد میں ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں کام کیے۔

لندن میں انجمن اسلامیہ کی داغ بیل بھی ان دو نے ہی ڈالی جس کے پریذیڈنٹ سر عبدالرحیم اور وائس پریزیڈنٹ میاں شاہ دین بنائے گئے۔ سنہ ۱۸۹۰ء کو میاں محمد شفیع اس کے پریذیڈنٹ چنے گئے۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں آپ کو سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا بنا یا گیا۔ آپ نے اُس وقت اخبار لندن آبزرور میں ایک مضمون میں مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ کی تجویز پیش کی۔

میاں ظہور الدین کے لڑکے میاں محمد شاہنواز جو ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے، گورنمنٹ کالج سے بی۔اے کر کے کیمبرج میں ڈاکٹر محمد اقبال اور میاں فضل حسین سے جا ملے۔ وہاں انہوں نے فرسٹ کلاس بیرسٹر کی ڈگری حاصل کی۔

میاں محمد شفیع نے میاں ظہور الدین، جو اس وقت جالندھر میں ڈسٹرکٹ جج تھے، کے مشورہ سے ہوشیار پور میں پریکٹس شروع کی اور دو سال وہاں رہے اور پھر دوستوں کے مشورہ سے لاہور آ گئے۔ سترہ سال کی عمر میں آپ کی شادی میاں شاہ دین کی ہمشیرہ سے ہو گئی۔ لیکن جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان سے ایک لڑکے میاں رفیع الدین ہوئے۔ دوبارہ ان کی شادی میاں نظام کی لڑکی امیر النسأ سے ہوئی۔

لاہور میں آ کر میاں محمد شفیع نے بڑا نام پیدا کیا۔ میاں شاہ دین اور میاں محمد شفیع نے جلد ہی سر سید احمد خان کے ساتھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں شمولیت کر لی جس کا مقصد مُسلمانوں کو بیدار کرنا تھا کہ اُن کو ہندوؤں سے پیچھے رکھا جا رہا ہے۔ ان دونوں نے انجمن حمایت اسلام کی ترقی میں بھی روپیہ اور وقت دے کر نمایاں کام کیا۔

۱۹۰۶ء میں میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین اس وفد میں شامل تھے جو لارڈ منٹو وائسرائے ہند کو مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے کے لئے گیا تھا۔ اس وفد کے لیڈر سر آغا خان تھے۔

۱۹۰۷ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ڈھاکہ میں ایک نئی پولیٹیکل پارٹی تشکیل کی گئی جس کا نام میاں محمد شفیع کی تجویز پر مسلم لیگ رکھا گیا۔ پنجاب میں بھی اس کے لیڈروں کا اجتماع ہوا جس میں میاں شاہ دین کو اس کا پریزیڈنٹ اور میاں محمد شفیع کو اس کا سیکرٹری چُنا گیا۔ اسی سال کے آخر میں میاں شاہ دین کو پنجاب چیف کورٹ کا جج بنایا گیا۔ یہ سب سے بڑا عہدہ تھا جو کسی ہندوستانی کو اُس وقت ملا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی صدارت خالی ہو گئی جس کو میاں محمد شفیع نے پُر کیا۔ میاں صاحب اپنے خاندان کی امداد کے علاوہ علی گڑھ کالج، انجمن حمایت اسلام، مُسلم لیگ اور یتیموں اور غریبوں کی دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ سیاسی اختلافات کے باوجود پنڈت موتی لال نہرو اور سید حسن امام میاں صاحب کے ان اچھے دوستوں میں سے تھے۔

میاں صاحب نے ارائیں برادری کی بیداری کے لئے بھی بہت کام کیا۔ ایک بڑی ارائیں کانفرنس بلائی گئی اور ۱۹۲۰ء میں الراعی بلڈنگ تعمیر کی گئی اور ایک اخبار ہفتہ وار "الراعی" کا اجراء کیا گیا۔ اس کانفرنس میں پنجاب سے بیشتر برادری کے لیڈروں نے شمولیت کرکے اسے کامیاب بنایا۔ میاں صاحب نے خاص جدوجہد کرکے ارائیں برادری کے لئے فوجی ملازمتوں کا دروازہ کھلوایا جو کچھ عرصہ پہلے انگریزوں نے بعض غلط فہمیوں کی بنا پر بند کر رکھا تھا۔ مارچ ۱۹۰۸ء میں میاں شاہ دین نے علی گڑھ میں مسلم لیگ کی صدارت کی۔ مسلم لیگ کے آئین میں ضروری ترمیمات کی گئیں اور پنجاب لیگ کا الحاق اس کے ساتھ عمل میں آیا اور اس کی شاخیں میاں صاحب نے تمام صوبے میں پھیلا دیں۔

۱۹۰۷ء میں افواہ پھیلی کہ اصلاحات کی نئی سکیم میں ہندوستانیوں کو مزید اختیارات دیئے جائیں گے۔ میاں محمد شفیع کو تشویش لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیسے ممکن ہوگا جب کہ انتخابات مخلوط ہوں گے کیونکہ مسلمان صرف آبادی کا ایک حصہ تھائی تھے بچاؤ کی صرف ایک صورت نظر آتی تھی جب اقلیتوں کے لئے جداگانہ انتخاب ہو۔ علی گڑھ گروپ اور دوسرے عام مسلمان اس کی حمایت میں تھے۔ لیکن ایک اور مصیبت بھی درپیش تھی کہ صرف پنجاب کے مسلمان ہندوؤں کے ڈیڑھ کروڑ روپے کے مقروض تھے۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مخلوط انتخابات میں ہندوؤں سے مار کھا جائیں گے مغربی ممالک کے حالات ہندوستان سے مختلف تھے۔ وہاں مذہب اور نسل کی مماثلت پائی جاتی ہے، لیکن ہندوستان میں حالات بالکل مختلف تھے۔ مذہب کے اختلاف کے علاوہ نہ صرف نسلی اختلافات تھے بلکہ اسی ملک کے ایک طبقہ کو اچھوت قرار دیا جاتا تھا۔ میاں صاحب اور سر سید گروپ اور دوسرے ہم خیال مسلمانوں کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ منٹو مارلے اصلاحات کی رو سے جداگانہ انتخابات برائے اقلیات کو تسلیم کر لیا گیا اور یہ ۱۹۰۹ء میں ہوا، اگرچہ مخلوط انتخابات کو تقویت دینے والے اُس وقت ہندوؤں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد مسٹر محمد علی جناح علی برادران، میاں فضل حسین، حکیم اجمل خان ڈاکٹر انصاری اور مسٹر آصف علی انصاری جیسے اہم مسلم لیڈر بھی تھے۔ ہندو لیڈروں

نے برٹش پارلیمنٹ کے بعض لیبر لیڈروں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لی تھیں۔ لیکن میاں محمد شفیع نے بھی ہندوستان کے تمام حصّوں کے مسلمانوں کی طرف سے ہر قسم کے عملی اقدامات کرائے، جلسے، اخباری بیانات، وائسرائے، برٹش پارلیمنٹ، وغیرہ کو ہزاروں تار دلوا کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن اسی کش مکش میں مسلم لیگ کی صدارت ایم۔ اے جناح گروپ کو چلی گئی۔ لیکن میاں صاحب اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔

اس کامیابی کے بعد جب پُونا میں اُردو کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۱ء میں میاں صاحب شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو جلوس کی شکل میں پونا کی گلیوں میں سے گذارا گیا۔ طلبہ نے تو حد کر دی۔ جب اُنھوں نے اصرار کیا کہ وہ گھوڑوں کی جگہ گاڑی کو خود کھینچیں گے۔ بعینہٖ ایسا ہی استقبال آپ کا بمبئی میں بھی ہوا۔

میاں صاحب کی مساعی سے کوئین میری سکول کا اجراء ہوا جس میں شرفا کی لڑکیاں لاہور اور بیرون جات سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

۱۹۰۹ء میں آپ کو پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ نے جارج پنجم کی تاجپوشی میں شرکت کی اور آپ کو وائسرائے کی امپیریل کونسل کا ممبر چُنا گیا۔ اس کے بعد آپ کو مدراس ہائی کورٹ کی ججی کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں میاں محمد شفیع کی صدارت میں منعقد ہوا اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا گیا:

"ہندوستان کے لئے ایسی سیلف گورنمنٹ کا حصول جو تاج برطانیہ کی حفاظت میں ہو اور آئینی ذرائع سے حاصل ہو، جس کے تحت موجودہ طرزِ حکومت میں مسلسل اصلاحات کی جائیں، جس سے قومی اتحاد میں استحکام، ہندوستان کے لوگوں میں قومی جذبات کی پرورش اور مختلف قوموں کا باہمی تعاون اس مقصد کے لئے پیدا کیا جائے۔"

اسی اجلاس میں مسلم لیگ نے ایک اور ریزولیوشن پاس کیا۔

"مسلم لیگ کو اس بات پر یقین ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی تعمیر و ترقی کا

انحصار اس بات پر ہے کہ مختلف فرقے یکسانیت اور اتحاد سے کام کریں اور اُمید ہے کہ سب لیڈر اکٹھے ہو کر لوگوں کی بھلائی کے لیے باہمی متحدہ طور پر کام کریں گے۔"

اس کے بعد علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کے لیے کام شروع ہوا۔ مسلم ایجوکیشن کانفرنس کا اجلاس لاہور میں سر آغا خان کی زیرِ صدارت بُلایا گیا۔ پنجاب میں میاں محمد شفیع نے اس مہم کی تنظیم کا کام سرانجام دیا۔ تمام پنجاب سے معقول رقم اکٹھی ہوئی اور عورتوں نے بھی اس نیک میں ہاتھ بٹایا۔ عورتوں میں چندہ فراہمی کا کام بیگم شاہنواز نے لیڈر کی حیثیت سے کیا۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں کلکتہ میں کانگرس اور مسلم لیگ (جس کی صدارت ایم اے جناح کر رہے تھے) منعقد ہوئی۔ اس میں گورنمنٹ اصلاحات کے بارے میں جو سکیم منظور ہوئی اسے دسمبر ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ کے کانگرس لیگ سیشن میں پیش کر کے منظور کیا گیا اور اس کا نام لکھنؤ پیکٹ رکھا گیا۔ اس پیکٹ کے اثرات یہ پڑے کہ پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی ۱۳٪ اور پندرہ فی صد علی الترتیب کم ہو گئی حالانکہ ان دونوں صوبوں میں حکومت بنانے کا حق مسلمانوں کو تھا۔ یہ کانگرس لیگ معاہدہ گورنمنٹ برطانیہ کو غور کے لئے پیش کیا گیا۔ کانگرس اور لیگ نے اپنے اجلاس ۲۸ جولائی ۱۹۱۷ء کو بمبئی میں منعقد کئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ چار نمائندوں (جن میں ایم اے جناح بھی شامل تھے) کا ایک وفد انگلینڈ بھیجا جائے جو آئینی اصلاحات کی وضاحت کرے اور گورنمنٹ برطانیہ پر زور دے کہ ان کو منظور کیا جائے لیکن گورنمنٹ برطانیہ نے یہ وفد بھیجنے سے انکار کر دیا۔

جب مسٹر ایم اے جناح لیگ کے پریذیڈنٹ بنے تو انہوں نے میاں محمد شفیع کا جواب طلب کیا کہ مسلم لیگ اور پنجاب کے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے خلاف کیوں کام کیا۔ جس کا نہ صرف میاں صاحب نے جواب دیا بلکہ اُلٹا دُوسرے گروپ کو اس بات کا مجرم گردانا لیکن انہوں نے میاں صاحب کے الزام کو مسترد کر دیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگر اس وقت لکھنؤ پیکٹ کے مطابق اصلاحات

نافذ ہو جاتیں تو مسلمان کبھی پاکستان کو الگ مملکت کے طور پر بنانے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ بعد میں مسٹر ایم۔ اے جناح (قائداعظمؒ) نے جو چودہ نکات مسلم لیگ کے پیش کئے، ان میں میاں صاحب ہی کی بات کو دُہرایا گیا تھا۔ کیونکہ ان خوش فہم مسلمانوں کو بھی ہندو ذہنیت کا اچھی طرح سے تجربہ ہو گیا تھا اور وہ بھی جداگانہ انتخابات چاہنے لگے تھے لیکن کافی عرصے بعد۔

بعد میں میاں فضل حسین کے لڑکے میاں عظیم حسین نے بھی برملا اعتراف کیا کہ "مسلمانوں کے مطالبات کے سلسلہ میں بیشتر کام میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین نے ہی کیا تھا۔"

حقیقت یہ ہے کہ میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین اور سر سید گروپ نے مسلم مفادات کے لئے جو کام کیا وہ تاریخ پاکستان کا ایک درخشاں باب ہے۔

یہ کانگرس اور لیگ اتحادی گروپ جہاں اپنے مطالبات منوانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، متعصب ہندوؤں نے ہندو مسلم فسادات، ایسے صوبوں میں، جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، شروع کر دیئے۔ آئے دن یہ فسادات ہوتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی جان و مال تباہ ہوتے رہے۔ ۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں جب ان فسادات کی مذمت کی تو اُن کو ہندوؤں کی طرف سے خاموشی پر سخت حیرت ہوئی۔

۱۹۱۸ء میں جسٹس میاں شاہ دین کے انتقال پر میاں محمد شفیع کو اُن کا یہی عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے اس بناء پر انکار کر دیا کہ پھر قوم کی خدمت نہ ہو سکے گی۔

ایک دفعہ گورنر پنجاب سر میلکم ہیلی نے دورانِ ملاقات ایک ٹیڑھا سوال پُوچھا: "شفیع بتاؤ یہ کیا بات ہے کوئی برٹش آفیسر، ہندو یا سکھ کوئی بات کرتے ہیں تو دوسری قوموں کے افراد کے خلاف کہتے ہیں، لیکن مسلمان اپنے ہی ہم قوموں کے خلاف کہتے ہیں، کیا ایسی قوم پنپ سکتی ہے جہاں اپنوں ہی کے خلاف اس طرح زہر اُگلا جائے؟" اس بات سے آپ کو بے حد صدمہ ہُوا کیونکہ آپ نے کبھی اپنے بھائیوں کے خلاف ایسی باتیں نہ کی تھیں۔

پہلی جنگِ عظیم میں مسلمانوں نے انگریزوں کی کافی مدد کی تھی۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر صلح کے بعد ترکوں کے خلاف سخت تر اقدامات سے گریز نہ کیا اگرچہ مسلمانوں نے اپنے جذبات انگریز حکومت تک پہنچا دیئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون (از گاندھی) شروع ہوئے۔

۱۹۱۹ء میں مانٹیگ چیمسفورڈ اصلاحات شائع ہوئے جن کی رُو سے حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں کے بیشتر حقوق سلب کر لیے۔ اہم محکمے اپنے پاس رکھے۔ ووٹ کا حق صرف جائیداد پر رکھ دیا گیا جس سے ۶۷ فی صد آبادی ووٹ کی اہل بنتی تھی۔ قومی تنظیموں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تمام ملک میں بدامنی کی فضا پیدا ہو گئی۔ ایک دو یورپین لاہور اور امرتسر میں مارے گئے۔ گورنر نے ایک فوری میٹنگ بلائی۔ میاں محمد شفیع اور دُوسرے ماڈریٹ لیڈروں نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ تحمل سے کام لے تاکہ فضا مزید خراب نہ ہو لیکن گورنر نے ایک نہ سُنی۔ جلیانوالہ باغ امرتسر میں لیڈروں نے میٹنگ بُلائی تاکہ تقریر کریں لیکن جنرل ڈائر نے پہنچ کر یکدم گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ جس سے بے شمار آدمی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ سے منافرت کی آگ مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع ہو گئی۔ حکومت برطانیہ نے مارشل لا نافذ کر دیا۔ ہنٹر کمیٹی صورت حال اور وجوہات کا جائزہ لینے کے لئے قائم کی گئی۔ میاں محمد شفیع نے بطور گواہ حکومت پر واضح کیا کہ افسروں کی غیر معتدل روش نے یہ صورتِ حال پیدا کی ہے۔ کیونکہ لوگ غیر تسلی بخش اصلاحات سے نالاں تھے۔

۱۹۱۹ء میں لاہور میں نیشنل کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا جس میں سول نافرمانی کا ریزولیوشن پاس ہوا۔

جولائی ۱۹۱۹ء میں میاں محمد شفیع کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ایجوکیشن ممبر کے طور پر لیا گیا۔ اس حیثیت میں حکومت کو ایسی روش اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ پولیٹیکل تحریکات میں دخل نہ دیا جائے اور پبلک کی جائز خواہشات کا احترام کیا جائے۔

انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ انگریز افسروں کی رپورٹ کے خلاف جنرل ڈائر کو برخاست کیا جائے۔ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ جلیانوالہ یا لاہور میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی بلکہ یہ صرف جائز احتجاج تھا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ گاندھی اور دوسرے لیڈروں کو رہا کیا جائے انہوں نے حکومت برطانیہ کو مشورہ دیا کہ ترکوں سے قسطنطنیہ نہ لیا جائے اور ایڈریانوپل بلغاریہ کو نہ دیا جائے۔ ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا اور گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک میں مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ میاں صاحب نے برطانیہ کی حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ ترکوں کے معاملہ میں مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے اور دوسری طرف تحریک خلافت کے لیڈروں خصوصاً علی برادران سے اپیل کی کہ ترکوں سے صلح کی گفتگو کے دوران انگریزوں کے خلاف تحریک بند کر دیں تاکہ برطانیہ کی ہمدردیاں ترکوں کو حاصل ہو سکیں۔

اسی طرح انہوں نے انگریزوں سے افغانستان کی صلح کرانے میں بھی مدد دی۔

میاں محمد شفیع نے حکومت برطانیہ کو اسی صفحات کا ایک نوٹ لکھا جس میں وضاحت کی کہ عالمی سطح پر مسلمانوں سے موافقت کی پالیسی ہندوستان میں بہتر نتائج پیدا کرے گی، برخلاف یونان کی حمایت کئے جس کی وجہ سے خلافت اور ہجرت کی تحریکات شروع ہو گئیں۔ اس نوٹ کو برٹش کیبنٹ میں تقسیم کیا گیا۔ اس سے ترکوں کے خلاف اقدامات نرم ہو گئے اور وائسرائے نے میاں صاحب کو مبارکباد دی۔

۱۹۲۳ء آپ نے کونسل آف سٹیٹ کی ممبری چھوڑ دی اور لاہور آ کر دوبارہ پریکٹس شروع کر دی۔ اسی دوران آپ کو سر اور کے۔سی۔ایس۔آئی کے خطابات بھی مل گئے۔

مزید اصلاحات کا مطالبہ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں طرف سے کیا جاتا رہا، جس میں مکمل آزادی کا ریزولیوشن شامل تھا۔ اگرچہ برٹش گورنمنٹ مزید اصلاحات دس سال کے عرصہ سے قبل دینے کو تیار نہ تھی مگر بادشاہ کی گورنمنٹ رائل کمیشن بھیجنے پر مجبور ہو گئی تاکہ حالات کا جائزہ لے کر تجاویز مرتب کرے لیکن اس میں کوئی ہندوستانی

شامل نہ تھا۔ نتیجتہً اکثر پارٹیوں نے اس سائمن کمشن کا مقاطعہ کر دیا۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان اس وقت تین دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ نیشنلسٹ مسلمانوں کا، جو کانگرس کے ساتھ عدم تعاون کی تحریک میں شامل تھا، وہ کانگرسی ممبروں کے ساتھ ہی جیل میں تھا۔ ایک پارٹی مسلم لیگ والوں کی جس کی قیادت مسٹر محمد علی جناح کر رہے تھے۔ یہ کانگرس کے ساتھ مکمل آزادی کے خواہاں تھے، لیکن مخلوط انتخابات کے حامی تھے۔ اس طرح مسلمانوں کے حقوق کی کوئی ضمانت نہ ملتی تھی کیونکہ مسلمان اقلیت میں تھے اور حکومت خود اختیاری کی صورت میں ہندوؤں کے رحم و کرم پر رہتے۔ دوسرے لفظوں میں انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کے غلام بن جاتے جیسا کہ اس وقت بھارت میں مسلمان اقلیت ہے۔ تیسرا گروہ ایسے مسلمانوں کا تھا جو جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کر رہا تھا تاکہ آزادی کی صورت میں مسلمان اکثریت کے دو صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت بنے اور باقی صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق متعین ہو جائیں۔ اس گروپ کی قیادت میاں محمد شفیع کر رہے تھے۔ یہ گروہ حکومت برطانیہ کے تحت اپنے مطالبات منوانا چاہتا تھا کیوں کہ انہیں خوف تھا کہ مکمل خود مختاری کی صورت میں ہندو مسلمانوں سے انصاف نہیں کریں گے بلکہ انہیں کچلنے کی کوشش کریں گے اور اس کا بیّن ثبوت یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے الگ حقوق ماننے کو تیار نہ تھے اور ہر جگہ بلکہ ملازمتوں تک میں بھی مسلمانوں کو ان کا حق دینے کو تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا گیا تھا اور یہ امر اس گروپ کے خدشات کو بہت تقویت دے رہا تھا کہ مسلمانوں کے الگ حقوق کا تعیّن قبل از آزادی ضروری ہے۔

دسمبر ۱۹۲۷ء میں میاں محمد شفیع نے مسلمان لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی جس میں تمام ہندوستان سے نمائندگان نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں ہوئی۔ نئی مسلم لیگ بنائی گئی۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اس کے سیکرٹری اور میاں صاحب صدر چنے گئے۔ اس میں انگلینڈ سے آئے ہوئے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ لوگ کانگرس کے پراپیگنڈے سے اچھی طرح واقف تھے کہ اصلاحات میں مسلمانوں کے حقوق کو کس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے

انگلینڈ میں مقیم مسلمانوں کو ہندوؤں کی طرف سے یہ تاثر بھی دیا جا رہا تھا کہ میاں محمد شفیع اور سر سید گروپ کے ساتھ چند ایک انگریزوں کے خوشامدی ہیں اور مکمل آزادی کے راستے میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ باقی کانگرسی مسلمان یا مسلم لیگی مسلمان جن کے پریزیڈنٹ مسٹر ایم۔ اے جناح تھے، کانگرس کے مطالبات مکمل آزادی کے حامی ہیں۔

برطانیہ کے انگریزوں کو ہندوستان کی عجیب صورتِ حال کی کچھ خبر نہ تھی کہ یہاں کے عام شہری آبادی کے ایک بڑے طبقہ کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا یا پانی بھی نہیں پی سکتے۔ نیز وہ ہندو ذہنیت کو سمجھنے سے بھی قاصر تھے کہ کس طرح وہ بظاہر ایک اونچے نعرۂ مکمل آزادی کی آڑ میں مسلمانوں کو کچلنا چاہتے تھے۔ لیکن میاں محمد شفیع وغیرہ کے پیش نظر یہی خطرات تھے جن کی وجہ سے وہ پیشگی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظات کا مطالبہ کر رہے تھے۔

۱۹۲۸ء میں دہلی میں ایک آل پارٹیز کانفرنس بُلائی گئی جس کی صدارت سر آغا خاں نے کی، اور اس کو مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمائندہ اجتماع قرار دیا گیا۔ سائمن کمیشن کے سامنے تمام صوبوں سے الگ الگ مسلمانوں کے مطالبات بہت زور شور سے پیش کئے گئے اور اس سب کارگذاری میں میاں محمد شفیع ہی پیش پیش تھے۔

۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں کانگرس کا اجلاس ہُوا تا کہ ہندوستان کے لئے نئی اصلاحات کے لئے تجاویز مرتب کرے۔ اس کمیٹی نے مخلوط انتخابات تجویز کئے لیکن اس میں اقلیت کے لئے کوئی خاص نشستیں محفوظ نہ تھیں اور بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو بھی تسلیم نہ کیا گیا۔ اس رپورٹ نے چھپنے پر مسلمانوں کو مشتعل کر دیا مسٹر محمد علی جناح بھی سخت دل برداشتہ ہو گئے۔

دسمبر ۱۹۲۹ء کی مسلم کانفرنس میں مندرجہ ذیل تجاویز مرتب کی گئیں:-

(۱) حکومت ہند وفاقی ہوگی۔

(۲) بقایا اختیارات صوبوں اور ریاستوں کے پاس ہوں۔

(۳) کوئی بل جس کو کسی فرقے کی تین چوتھائی مسترد کر دے نافذ نہ کیا جائے۔

(۴) مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات برقرار رہیں جب تک یہ خود اُسے نہ چھوڑ دیں۔

(۵) سنٹرل اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی ہو۔

(۶) جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اُن میں موجودہ نمائندگی کا طریقہ برقرار رہے۔

(۷) کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہ کیا جائے یا برابر نہ کیا جائے۔

(۸) بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔

(۹) سندھ کو علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

(۱۰) مسلمانوں کے لئے ملازمتوں کو مخصوص کر دیا جائے۔

(۱۱) مسلمانوں کے کلچر، زبان، مذہب اور تعلیم، اوقاف اور پرسنل لاز کا تحفظ۔

(۱۲) ہندوستان کے آئین میں تبدیلی صوبوں کی منظوری کے بغیر نہ کی جائے۔

(۱۳) اسی طرح ہندوستانی آئین میں تبدیلی ریاستوں کی منظوری کے بغیر نہ کی جائے۔

یاد رہے کہ یہی تجاویز بعد میں محمد علی جناح کے چودہ نکات بنے۔

علی برادران اور نواب محمد اسماعیل بھی کانگرس کی آل پارٹیز کنونشن منعقدہ کلکتہ میں شمولیت کے بعد دہلی مسلم کانفرنس میں بھی شریک ہوئے کیونکہ یہ بھی مسٹر محمد علی جناح کے مخلوط انتخاب کے خلاف ہو گئے تھے۔

کانگرسی لیڈروں نے کلکتہ کنونشن میں مسٹر جناح کے نکات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو پاکستان کا وجود میں آنا منظور تھا کیونکہ مسٹر ایم۔ اے جناح کی ہندو مسلم اتحاد کی بیس سالہ مخلصانہ کوششیں بیکار گئیں۔

مارچ ۱۹۲۹ء کے لجسلیٹو اسمبلی کے بجٹ سیشن میں میاں شاہنواز اور بیگم شاہنواز نے میاں محمد شفیع اور قائد اعظم کی ملاقات کا انتظام ایک دعوت میں کیا۔ دونوں لیڈروں نے ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد دونوں لیگوں کو اکٹھا کر دیا۔ میاں صاحب اس متحدہ مسلم لیگ کے کے پریزیڈنٹ بنے اور مسٹر ایم اے جناح ۱۹۲۹ء میں لندن چلے گئے۔ یہ اتحاد انتہائی مبارک ثابت ہوا کہ دونوں قابل شخصیتیں قوم اور ملک کی خدمت کے لئے متحد ہو کر کام کرنے لگیں۔

۲، نومبر ۱۹۳۰ء کو ہز مجسٹی جارج پنجم نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا افتتاح کیا۔ مسلم رہنماؤں

کی تعداد چودہ تھی اور سب ایک ٹیم کی طرح کام کرتے تھے۔ میاں محمد شفیع اور مسٹر محمد علی جناح تو اس وفد کی جان تھے۔ افسوس کہ مولانا محمد علی جوہر پہلی تقریر کے بعد سخت بیمار ہو گئے اور بعد میں انتقال فرما گئے۔ سر آغا خاں کی شخصیت کا انگلینڈ میں بہت اثر و رسوخ تھا۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ سب کا مشترکہ نصب العین تھا۔ سندھ اور فرنٹیئر کو علیحدہ علیحدہ صوبوں کے لیے اصلاحات میں شامل کیا گیا۔

میاں محمد شفیع نے اپنی تقریر میں ہندوؤں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"آپ اپنے ملک کو کامن ویلتھ میں برابر کا ممبر بننے کی خواہش کر رہے ہیں، یاد رکھیں کوئی ملک اکیلا اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ہمارے لئے خوش قسمتی سے کامن ویلتھ موجود ہے۔ اگر آپ اپنے ملک میں مکمل سیلف گورنمنٹ کے خواہاں ہیں، اکثریتی فرقہ جس کو سنٹر میں تمام امور پر کنٹرول ہوگا اور جسے بیشتر صوبوں میں بھی ایسا ہی کنٹرول حاصل ہوگا، اُسے فیاض ہونا چاہیئے اور ہمارے جائز حقوق اور مطالبات کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔"

انہوں نے مزید کہا:

"یقین کیجیے، کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آپ کے تمام خواب پریشان رہیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کی صورت میں آپ برطانیہ کے نمائندوں سے پُرزور مطالبہ کر سکتے ہیں کہ یہ ہیں ہندوستان کے متحدہ مطالبات یا جب انگریز یہ دیکھیں گے کہ ہندوستان متحد ہے اور اس قابل ہے کہ حکومتِ خود اختیاری کے معاملات کو چلا سکتا ہے کامن ویلتھ کے ممبر کی حیثیت سے، تو وہ آدھا راستہ آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کریں گے لیکن اگر آپ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو تسلیم نہ کرو گے اور ایک بڑے اور طاقت ور فرقے کی ہمدردیوں اور جذبات کو نظر انداز کرو گے تو تمہارا ایک ذمہ دار گورنمنٹ کا خواب پریشان ہو کر رہ جائے گا اُس صورت میں برٹش پارلیمنٹ کس کو حکومت منتقل کرے گی؟ کیا تمہیں؟ مسلمان اعتراض کریں گے۔ مسلمانوں کو؟ آپ اعتراض کریں گے۔ اس لئے حکومت کی منتقلی خواہ سنٹر میں ہو یا صوبوں میں ناممکن ہو جائے گی جب تک

ہندو اور مسلمان متحد نہ ہوں اور دونوں فرقے مطمئن نہ ہوں کہ ان کی بقا اور حقوق محفوظ ہیں۔ اسی طرح اقلیتوں کی سب کمیٹی کو بھی آپس میں قابلِ قبول فیصلے کر لینے چاہئیں۔"

سکھوں نے ۱۳ فی صد ہونے کے باوجود پنجاب میں ۳۰ فی صد نمائندگی کا مطالبہ کر دیا۔ ہندو کسی سمجھوتے پر نہ آئے۔ اس لئے یہ گول میز کانفرنس ناکام ہو گئی۔ لیکن میاں صاحب کا نام بہت روشن ہوا اور قوم کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

"پنجاب، فرنٹیر، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک مسلم ریاست بنا کر سیلف گورنمنٹ، برطانیہ کی ماتحتی میں یا بالکل آزاد ریاست کے طور پر دے دی جائے۔ ایک متحدہ مسلم ریاست ہی مسلمانوں کی آخری منزل دکھائی دیتی ہے، خصوصاً شمال مغربی ہندوستان۔"

پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اگرچہ ناکام رہی تاہم اصلاحات کے طور پر کمیونل ایوارڈ دیا گیا اور پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو ۵۱ فی صد نشستیں دی گئیں، سندھ اور فرنٹیر علیحدہ مکمل صوبے بنا دیے گئے۔

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ستمبر ۱۹۳۱ء کو منعقد ہوئی۔ گاندھی جی کو سب فرقوں کی طرف سے متفقہ طور پر مصالحت کنندہ چنا گیا اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ سر آغا خاں، میاں محمد شفیع اور مسٹر ایم۔ اے جناح (قائد اعظمؒ) مسلمانوں کی نمائندگی کرتے رہے۔ دو ماہ تک بات چیت جاری رہی۔ آخر کار مسلمانوں نے اپنی کم سے کم شرائط پیش کر دیں جن کو گاندھی جی نے خود درست تسلیم کیا لیکن چار روز بعد گاندھی جی نے خود ہی کہا کہ سکھ اور مہاسبھائی نہیں مانتے اور بات ختم ہو گئی۔

انگریزی اخبار سٹار اور دوسرے نامور آدمیوں نے میاں محمد شفیع کی خدمات کو ناقابلِ فراموش قرار دیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے مقدمہ کو نہایت قابلیت سے پیش کیا

باقی مسلم نمائندوں کی بھی بہت تعریف کی گئی کہ انہوں نے نہایت قابلیت، انصاف پسندی اور دُور بینی کا مظاہرہ کیا ہے۔

دُوسری گول میز کانفرنس سے واپسی پہ آپ کو دوبارہ دو ماہ کے لئے ایگزیکٹو کونسل میں سر فضل حسین کی جگہ (جو ماہ کے لئے ایک وفد کے قائد کے طور پہ جنوبی افریقہ جا رہے تھے) بُلایا گیا اور درخواست کی گئی کہ ایسے نازک وقت میں آپ کی خدمات کی اشد ضرورت ہے کیونکہ تحریکِ خلافت اور احرار زوروں پر تھے۔ دُو ماہ کے بعد آپ لاہور آتے ہی نمونیہ کا شکار ہو گئے اور ۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنّا للّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بیگم شفیع صاحبہ مُصر تھیں کہ دو ماہ کے لئے ایگزیکٹو کونسل میں نہ جائیں کیونکہ ڈیڑھ دو سال انگلینڈ میں قومی خدمت میں رہنے سے تمام اندوختہ خرچ ہو چکا تھا بلکہ بنک کے مقروض ہو گئے تھے۔ لیکن اُنہوں نے قومی خدمت کو ترجیح دی اور ذاتی آمدنی کا خیال ترک کر دیا۔

آپ نہایت مخیر، قابل اور محنتی آدمی تھے اور اپنی قابلیت کا سکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی بٹھا دیا تھا۔ آپ مسلمان قوم اور برادری کے سچے خیر خواہ تھے۔ حکومت پنجاب نے جب غازی علم الدین شہیدؒ کی نعش مسلمانوں کو دینے سے انکار کر دیا (جن کو راجپال کے قتل کے مقدمہ میں میانوالی میں پھانسی دی گئی تھی) تو سر میاں محمد شفیع اور میاں عبدالعزیز کی مساعی سے ہی مسلمانوں کو لاش دی گئی۔ آپ نے اپنی ضمانت دے دی تھی کہ مسلمان پُر امن رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دیں۔ آمین!

یہ مضمون محترمہ بیگم شاہنواز صاحبہ کی کتاب "باپ اور بیٹی" (انگریزی) سے ماخوذ ہے جس کے لئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔

(سردار محمد)

ڈاکٹر محمد انوار الحق

صنعت و ترقی معدنیات اور فنی تعلیم میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۴ء کو موضع بساڑیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ چوہدری مراد بخش ذیلدار کے تیسرے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے بی۔ایس سی آنرز۔ ایم۔ایس سی (کیمیا) کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۵ اور ۱۹۳۶ء میں امتیازی حیثیت سے حاصل کی اور محکمہ کسٹمز (گورنمنٹ آف انڈیا) میں ۱۹۳۷ میں ملازمت شروع کی۔ مابعد پنجاب یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے اور پھر ۱۹۳۸ میں محکمہ صنعت و حرفت پنجاب میں کلیدی عہدہ کے لئے چنے گئے۔ دوسری جنگِ عظیم میں آپ بطور ایڈمنسٹریٹو آفیسر نارورن ایریا اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ ۱۹۴۵ میں آپ فنی تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ تشریف لے گئے۔ میٹلرجیکل انجینئرنگ، کیمیکل انجینئرنگ اور مائننگ انجینئرنگ میں علاوہ ایم۔ایس سی، پی۔ایچ۔ڈی اور ڈی۔ایس سی کی ڈگریوں کے پروفیشنل انجینئرنگ کا اعزاز حاصل کیا۔ پاکستان بننے پر آپ محکمہ صنعت اور ترقیاتی معدنیات کی کلیدی پوزیشنوں پر کام کرتے رہے ہیں۔ صنعتی ترقیاتی کارپوریشن میں آپ نے کیمیکل اور کیمیاوی کھاد کے کارخانہ جات قائم کئے۔

آپ کی ساٹھ سے اوپر صنعت اور معدنی ترقیات پر تصانیف ہیں جو بہت مقبول ہیں اور بعض تو بیرون ملک یونیورسٹی نصاب میں شامل ہیں۔ آپ ستمبر ۱۹۶۹ء کو ریٹائر ہوئے اور آج کل پنجاب یونیورسٹی شعبہ کیمیکل انجینئرنگ و ٹیکنالوجی کے گورننگ باڈی کے ممبر ہیں اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں محکمہ کیمیکل انجینئرنگ اور میٹلرجیکل انجینئرنگ میں مشیر خاص ہیں اور انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل انجینئرنگ کے رسالہ کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

آپ نے ۱۹۶۲ء میں ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کیا۔ آپ ترقی یافتہ ممالک کے فنی اداروں کے رکن ہیں۔

میاں محمد شفیع ایم۔ اے

(المعروف بہ م۔ ش)

میاں محمد شفیع ضلع جالندھر کے ایک متوسط درجے کے کسان گھرانے میں پیدا ہوئے اور انہوں نے انگریزی اور پولیٹیکل سائنس کے مضامین میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ طالب علمی کے زمانے میں جہاں وہ انٹر کالجیئٹ ارائیں ایسوسی ایشن کے سیکرٹری تھے وہاں انٹر کالجیئٹ مسلم برادرہڈ کے صدر بھی تھے۔ انٹر کالجیئٹ مسلم برادرہڈ کے زیر اہتمام پہلی مرتبہ ۱۹، مارچ ۱۹۳۸ء میں "یوم اقبالؒ" منایا گیا تھا۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام بھی میاں محمد شفیع کی زیر صدارت عمل میں لایا گیا۔ آپ پنجاب مسلم لیگ کے جس کے صدر حضرت علامہ اقبالؒ تھے، پبلسٹی سیکرٹری بھی تھے۔ آپ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ہفتہ وار 'الراعی' میں مضمون نویسی سے کیا۔ آپ جب ایم۔ اے کے فارمن کرسچن کالج میں طالب علم تھے تو آپ روزنامہ "زمیندار" کے عملہ ادارت سے بھی منسلک تھے۔ آپ کو حضرت اقبالؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری رہنے کا بھی شرف حاصل ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی علالت کے آخری ایام میں آپ نے جاوید منزل میں قیام اختیار کر رکھا تھا۔

تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میاں محمد شفیع نے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں جو کہ اس دور کا ایک وقیع اخبار شمار ہوتا تھا۔ انگریزی صحافت کا آغاز کیا اور چند سالوں کے بعد آپ اس کے چیف رپورٹر بن گئے۔ آپ نے اس حیثیت میں مسلم لیگ کے کاز کی جس شد و مد سے حمایت کی۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ قائد اعظم کے مخالفین نے یہ کہہ کر ان پر فتویٰ لگانے کی کوشش کی کہ انہوں نے ایک غیر مسلمہ کو اسلام قبول کرائے بغیر اپنے حبالۂ عقد میں شامل کر لیا تھا۔ میاں محمد شفیع نے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی پرانی فائلوں کی ورق گردانی کر کے اس خبر کو ڈھونڈ نکالا جس میں کہا گیا تھا کہ مس رتن نے اسلام قبول کرنے کے بعد مسٹر جناح سے نکاح کیا۔ میاں شفیع نے اس خبر کو "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں دوبارہ شائع کر کے مسلم لیگ کے مخالفوں کے جھوٹ کا پول کھول دیا۔

جب "سول اینڈ ملٹری گزٹ" پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو میاں صاحب 'سول' سے علیحدہ ہو کر "نوائے وقت" سے منسلک ہو گئے۔ اس کے بعد قائد ملت لیاقت علی خاں نے آپ کو مسلم لیگ کے انگریزی اخبار "ڈان" دہلی کا شمالی ہند کے لئے چیف رپورٹر مقرر کر دیا۔ آپ نے اس حیثیت میں بعض معرکۃ الآرا کارنامے انجام دیئے۔ جس میں تیس روز تک "زیر زمین" رہ کر پنجاب مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کی "ڈان" کے لئے مکمل رپورٹنگ شامل ہے۔ جب لاہور سے مسلم لیگ کی حمایت کے لئے "پاکستان ٹائمز" کا اجرا ہوا تو آپ پہلے روز ہی سے اس کے چیف رپورٹر مقرر ہوئے۔ جب پنجاب میں خضر حیات نے وزارت سے استعفےٰ دیا تو میاں محمد شفیع کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت گرفتار کر کے سنٹرل جیل ملتان میں بھیج دیا گیا۔ آپ جیل سے اس روز رہا ہوئے۔ جس روز پاکستان کی آزادی کا آفتاب طلوع ہوا۔

۱۹۵۱ء میں آپ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے ان انتخابات میں جو نیابت بالغاں کے اصول پر ہوئے تھے، ریکارڈ ووٹ حاصل کئے اور پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ تحریک ختم نبوت میں آپ کو شاہی قلعہ میں نظر بند رکھا گیا۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ حزب اختلاف کے بنچوں پر جا بیٹھے اور حزب اختلاف پارٹی کے جس کے لیڈر میاں عبدالباری تھے، سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ جب ون یونٹ اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو آپ ساہی وال سے دوبارہ منتخب ہوئے اور بدستور حزب اختلاف کے بنچوں کو زینت بخشتے رہے۔

میاں محمد شفیع نے افریقہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ممالک میں کشمیر کا کیس واضح کرنے کے لئے میر واعظ محمد یوسف کے ساتھ طویل دورہ کیا۔ حکومت نے آپ کی ان خدمات پر بطور خاص خط کے ذریعے اظہار استحسان کیا۔

میاں محمد شفیع ان دنوں ماڈل ٹاؤن لاہور میں مقیم ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کپتان الحاج غلام محمد اور چھوٹے بھائی بریگیڈیر کے۔ ایم خالد ڈائریکٹر جنرل مغربی پاکستان رینجرز ہیں۔ میاں محمد شفیع کے بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد گیارہ ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے ان کی والدہ بقید حیات ہیں۔

میاں محمد شفیع "م۔ش" کے قلمی نام سے پاکستان کے مشہور اردو اخبار "نوائے وقت" میں اپنا کالم لکھتے ہیں جسے لوگ ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔

حضرت علامہ کرم الٰہی مراد (حنفی، چشتی، قادری)

بی۔اے (علیگ) ایس۔اے، سی۔ایس (پب)، سی۔آئی۔پی (لندن انسٹیٹیوٹ) آر۔ایم۔اے (بی۔ایمپ) مجاز طریقت سلاسل اربعہ و فاتح اعظم مقابلہ جمیع مذاہب عالم و ملک التجار و رئیس اعظم و خطیب الاسلام و تارکِ مناصب عالیہ و مفسّر القرآن۔

حضرت موصوف ایک ایسے مشہور و معروف الراعی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ جن کا قوم کی تعمیر اور تشہیر میں ایک خاص نمایاں مقام ہے۔ آپ کے جدِ امجد میاں مراد بخش مرحوم قصبہ نکودر ضلع جالندھر کے رئیس و نمبردار تھے۔ جس کے ساتھ ان کے خاندان میں سفید پوشی اور صدارتِ میونسپل کمیٹی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ سال ۱۸۹۲ء عیسوی میں حضرت والا کے عمّ حقیقی میاں نظام الدین رئیس اعظم و ذیلدار اور ان کے برادر محترم میاں امام الدین اور ان کے والد بزرگوار میاں غلام محمد سلطنت برطانیہ کی درخواست و اصرار پر چناب کالونی (بار) کو آباد کرنے کے لئے شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ چنانچہ ہزارہا الراعی خاندانوں کو اس کالونی میں آباد کرنے کا سہرا کلیتاً ان کے سر ہے جس کا اعتراف اس زمانہ کے ایک مہتمم بندوبست مسٹر ینگ (YOUNG) نے ایک خاص سندِ فضیلت دے کر کیا ہے۔ حضرت موصوف کی ولادتِ باسعادت اسی جگہ ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ ان کی اراضیات زرعی و سکنی زیادہ تر دیہات پر مشتمل ہیں جن کے نام ان کے عمّ حقیقی کے نام پر کوٹ نظام الدین اور ان کے برادر کے نام پر امام پورہ ہیں، جس کو پرانے نکودر کی مناسبت سے عرفاً نکودر بھی کہتے ہیں۔ حضرت والا کے نسبی و حسبی و دنیوی تعلقات جہاں پنجاب کے بہترین الراعی خاندان مثلاً سر محمد شفیع صاحب باغبان پوری و میاں نور اللہ صاحب لائل پوری اور میاں عبدالباری سے رہے ہیں وہاں انہوں نے کاملاً و خالصاً حنفیت کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے طریقت کے سلاسل اربعہ کے دنیا بھر کے کاملین بزرگان دین مثلاً حضرت سیّد سعید احمد و حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی تھانوی و حضرت مولانا انور شاہ صاحب و حضرت مولانا شبیر احمد صاحب و حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب و حضرت مولانا شاہ سلیمان

اشرف صاحب و مولانا محمد عمر صاحب و حضرت مولانا محمد علیمی صاحب و حضرت مولانا غلام رسول و حضرت مولانا عبد القادر صاحب اور حضرت مولانا عماد الدین صاحب سے بھرپور استفادہ و استفاضہ فرما کر مجاز طریقت سلاسل اربعہ کی سعادت حاصل کی. جس طرح ان کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت عرصہ تیس سال تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسی طرح ترک مناصب عالیہ کے بعد ان پر کامل تیس سال کا عرصۂ کامل خلوت و عزلت اور گوشہ نشینی میں گزارا جس میں قطع سلوک کی تمام گھاٹیاں اور وادیاں علماً و عملاً اور حالاً و مقاماً طے کی گئیں اور کندن بن کر عالم تصوف و طریقت میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آپ نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے حصول کے بعد صرف سات سال تک محکمہ تعلیم میں ملازمت کی مگر اس دوران ایسے ایسے عظیم الشان طبعی و روحانی انقلابات و تغیرات سے دوچار ہوئے کہ بالآخر تمام تعلقات کو خیرباد کہہ کر خلوت گزین ہو رہے۔ سال آخر میں جب ملازمت سے مستعفی ہوئے تو نتائج سو فی صد ہی دکھلا کر ایک طرف محکمہ تعلیم سے بہت اچھا "(Very good)" کا امتیازی اعزاز حاصل کیا تو دوسری طرف میاں امین الدین گورنر پنجاب کی وساطت سے گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے برسر اجلاس "بہترین فاضل تعلیمات" کا انعام باکرام حاصل فرمایا۔

خطیب و مقرر آپ اس شان کے ہیں کہ اولاً شملہ کی جامع مسجد کے عظیم الشان ہال میں شملہ میں تب تک کا ریکارڈ آٹھ سے بارہ بجے شب کا توڑ کر آٹھ سے تین بجے شب کا ریکارڈ قائم فرما کر بہترین خطابت کا دنیا جہاں سے لوہا منوایا۔ ثانیاً ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا اچھوت کانفرنس میں تمام مذاہب عالم سے مقابلہ فرما کر فاتح اعظم کا لقب حاصل کیا۔ جس پر کروڑہا اچھوت ہند نے حقانیت اسلام کا اعتراف و اقرار کر کے مذہب اسلام عملاً قبول کر لیا اور آریوں نے چاروں طرف سے گھر کر من سمرتی کو آگ لگا کر اپنی بیزاریٔ تقسیم ذات کا اعتراف کیا جس پر مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو نے دہلی میں کروڑہا روپے جمع کر کے اس کا انتقام لینے کے لئے لاہور آل انڈیا آریہ اچھوت کانفرنس کا ڈھونگ رچایا تو انجمن حمایت اسلام لاہور نے ان ہی تین دنوں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کر کے اور اس کا پلیٹ فارم حضرت موصوف کو پیش کر کے اس کو بھی تہس نہس کرنے کا زریں موقع بہم پہنچایا۔ چنانچہ حضرت موصوف نے انجمن کے اس سالانہ اجلاس میں اپنی معرکۃ الآراء تاریخی تقریر "پیام حیات" ارشاد فرما کر دشمنوں کے اس آخری حربہ و حملہ کو

بھی پوری طرح اپنا فرما کر اسلام کی حقانیت تمام کائنات میں ڈنکہ بجا دیا۔ چنانچہ انجمن مذکور نے آپ کی یہ تقریر من وعن نقل کر کے کتابی شکل میں شائع کر دی جو قیامت تک نشان اسلام بنی رہے گی۔

جہاں تک خالص قومی خدمت ملت کا تعلق ہے حضرت موصوف کا خاندان زمانہ قدیم سے اب تک ان کے بجالانے میں پیش پیش رہا ہے مگر آپ نے اس میدان قومی میں بھی اپنی ذاتی مساعی جمیلہ، حسن تدبیر، حسن اخلاق اور اہلیت وقابلیت سے تمام گزشتہ ریکارڈ توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کر دیئے۔ جس کی دو مثالیں وضاحت دعویٰ کے لئے کافی ووافی ہوں گی۔ اوّلاً آپ نے بسلسلہ ملازمت اپنے قیام علاقہ نکودر جالندھر میں الراعی قوم کو بالکل ایسا پایا جیسا کہ فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل یعنی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ علاقہ کے پٹھانوں، راجپوتوں، اور سکھوں نے اس قوم کو ظاہراً و باطناً اور معاشرتی و اقتصادی اور سیاسی طور پر بالکل اپنا غلام بے دام بنا رکھا تھا ان کو اونچے سانس لینے کی اجازت تھی نہ قدرت اور طاقت۔ آپ نے اس تاریکی و ظلمت اور انتہائی پسماندگی کی حالت میں نہایت شاندار طریقہ سے قوم کی تنظیم نو کی، اور قوم کا اعتماد اس حد تک حاصل فرمایا کہ اس تنظیم نو کا پہلا آنریری صدر باتفاق رائے آپ کو ہی منتخب کیا گیا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ نے خلوص و محنت اور جادو اثر تقاریر سے قوم میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑاتے ہوئے قوم کو ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا کر دیگر اقوام کے سامنے لا کھڑا کیا کہ جو بھی اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء کی صوبائی الیکشن میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرف جس نے بھی مقابلہ کی ٹھانی، منہ کی کھائی اور اس قدر شکست فاش کھائی کہ ضمانت تک ضبط کروانا پڑی۔ اس کے فوراً ہی بعد اسی عدیم المثال اور بے نظیر فوز و فلاح کو نمونہ بنا کر آپ مرکز لاہور کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی تاریخی اور انقلابی تقریر "کلید ترقی" آل انڈیا ارائیان ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ الراعی بلڈنگ لاہور میں ارشاد فرما کر تمام قوم کی کایا پلٹ دی۔ تقریر مذکور قوم کے ہفتہ وار اخبار "الراعی" میں مہینوں تک قسط وار شائع ہوتی رہی [۱] اور اس نے ہندوستان چھوڑ تمام ارکان قوم کو جو بیرون ہند بستے تھے

---

[۱] اس کتاب میں دوسری جگہ وہ تقریر درج کر دی گئی ہے۔

جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان میں بیداری کی ایک عظیم الشان روح پھونک دی۔ حضرت موصوف ان دنوں اپنے وطن عزیز میں مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں اور ہزارہا مخلوق روزانہ ان کے آستانہ پر روتی ہوئی آتی ہے اور ہنستی ہوئی جاتی ہے۔ آپ ہر ایک کا یونانی اور روحانی علاج کرتے ہیں اور تبلیغ کے کارہائے نمایاں کے شواہد دنیا کے کونے کونے میں پیدا فرما رہے ہیں۔ ایک دار العلوم المعروف بہ "جامع اشرف الجوامع" ایک کتب خانہ المعروف بہ "مکتبہ اکرام الرحمٰن" اور ایک مطبع المعروف بہ "مطبعہ الطاف الرحمٰن" کا ذاتی طور پر اہتمام و انصرام فرما کر ندائے حق کو دنیا کے چپہ چپہ پر پہنچا رہے ہیں۔ اپنے دونوں صاحبزدگان مولانا ضیاء الرحمٰن اختر و مولانا عبد الرحمٰن ظفر کو مکمل تعلیم و تربیتِ اسلامی و اخلاقی سے کامل و مکمل کروا کر انہیں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے وقف فرما رکھا ہے جو کہ یہ اہم کام محض لوجہ اللہ تعالیٰ بطریق احسن و اکمل سر انجام دے رہے ہیں اور اعلیٰ درجہ کا کاروبار بھی فرماتے ہیں تاکہ اپنی وجہ معاش کا قوم و ملت پر حبہ برابر بھی بار نہ پڑ سکے۔ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کو گھر سے کھلا پلا کر مجاہدین و مبلغین اسلام بنا سکیں۔ آگے ان کی اولاد بھی حفظِ قرآن مجید اور تعلیم اسلام میں پوری طرح منہمک اور مشغول ہے۔ اس طرح خدمات اسلام کے لئے گھر کی ایک فوج تیار فرما رہے ہیں۔ اس زمانۂ قحط الرجال میں آپ کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ یہ تمام مشاغل و خدمات اور افاضات و افادات خالصاً و کاملاً محض لوجہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اور کسی سے کسی ادنیٰ اجر و معاوضہ کے روادار نہیں ہوتے۔ جس قدر تالیفات و تصنیفات فرماتے ہیں، ان کو فی الفور وقف علی الاسلام فرما کر قوم و ملت کے لئے ایک بے نظیر مثال قائم فرما رہے ہیں۔ غربا کے لئے ایک خیراتی دواخانہ قائم کر رکھا ہے، جہاں سے ادویہ مفت تقسیم کی جاتی ہیں اور مفت علاج کیا جاتا ہے۔ آپ خود ایک ماہر طبیب بھی ہیں۔

تنظیم قوم و ملّت

یہ مضمون الراعی ۱۹۳۶ء کے شماروں سے لیا گیا ہے یہ حضرت مولانا کرم الٰہی صاحب کی تقریر کا آخری حصّہ ہے جو آپ نے الراعی کانفرنس لاہور ۱۹۳۵ء میں مشہور الراعی کانفرنس میں پڑھا تھا اور جس پر اُنہیں بہت خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ ہم اسے یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:-

(سردار محمد)

تنظیم کے لُغوی معنی ترتیب دینا، جوڑنا، منظم کرنا، متحد کرنا اور یہاں اس سے مُراد مسلمانانِ عالم بالعموم اور مسلمانانِ ہندوستان بالخصوص کی شیرازہ بندی کر کے ان کو قرآن مجید کی روشنی و رہنمائی میں ایک مرکز پر جمع کرنا ہے جہاں مجتمع ہو کر وہ اپنا رفتہ و گزشتہ مقام محبوبیت و مخدومیت، ارتقاء و اقتدار، عزت و عظمت اور سطوت و ثروت پھر سے حاصل کر سکیں۔ اس وقت اس کی ضرورت کی شدت کا جس قدر کمًّا و کیفاً احساس و ادراک، اعتراف و اقرار اور اس کے حصول کا جس قدر اشتیاق و انتظار، عزم و اقتضا ہے شاید گزشتہ ایک ہزار سالہ مدت میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہ ہُوا ہو۔ مگر تعجب و حیرت کی انتہا ہے کہ جب اس کی ضرورت ایک عالمگیر نوعیت رکھتی ہو، اس کے حصول کے لئے تمام مفکرین و مدبرین، داعی و ساعی ہوں، اس کے مشتاق سبھی خورد و کلاں اور رعایا و راعی ہوں مگر پھر بھی حاصل نہ ہو تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یا تو اس کے لئے راہِ طریق ہی غلط اختیار کیا گیا ہے یا اس کی حقیقت و اصلیت ہی کا داعیان و ساعیان کو علم نہ ہو۔ اس وقت حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اوّل الذکر وجہ قرینِ عقل و قیاس ہے۔ لہٰذا جی چاہا کہ یہ ناکارہ و آوارہ حسبِ توفیق گزشتہ و موجودہ ادوار کے پیش و پس مناظر بیان کر کے اس ضمن میں خدمتِ اسلام کے پیشِ نظر کچھ معروضات پیش کرے۔

مسلمانانِ عالم کا دورِ عروج وارتقاء؛

خدا تعالیٰ اور اُس کے لاڈلے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنے اور قرآن مجید کو اپنا لائحۂ عمل بنا لینے کے بعد مسلمانانِ عالم نے دُنیا کو ترقی و تہذیب کے جس زینہ پر پایا تھا اُس سے اُوپر کئی درجات تک بلند چڑھا دیا۔ اُن کے بہادر، جری، صاحبِ عزم نوجوان تحقیق و تفتیش کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہو کر یا بنی نوعِ انسان کی بہتری و بہبود کے لئے کوئی جدید صورت نکال لیتے تھے یا اسی کوشش اور دُھن میں نہایت فرحاں و شاداں پروانوں کی طرح اپنی جانِ عزیز کو مذہب و دین پر قربان کر دیتے تھے۔ آگ کی طرح جلتے ہوئے ریت کے سمندر، انسانی و حیوانی قلوب میں خون کو جما دینے والے برفستان زمین کے پوشیدہ خزانوں تک پہنچنے والے تاریک مہیب غار، فلک بوس و بلند سفید پوش پہاڑ، خون آلود تلواروں کے دھوپ میں چمکتے ہوئے جوہر اور توپوں کی سامعہ شگاف اور ہیبت ناک آوازیں، غرضیکہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی تکلیف و مصیبت یا مشکل و دشواری بھی مسلمانوں کو ان کے ارادوں سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی کام کو شروع کرنے کے بعد وہ یا تو اسے ختم کر کے یا خود ختم ہو کر الگ ہوتے تھے۔ قلت کے باوجود کثرت سے بھڑ جانا اور ٹکرا جانا ان کے لئے مرغوب، دلچسپ اور تفریحی مشاغل تھے اور جس قدر کسی کام میں خطرہ و خوف زیادہ ہوتے تھے اسی قدر اس کے کرنے کا شوق انہیں دامن گیر ہوتا تھا۔ جانباز اُن کا لقب تھا اور سرفروش اُن کا خطاب۔ عربوں کے پاس کیا تھا؟ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ یہی ان کا سارا اندوختہ تھا اور یہی اُن کا دستور العمل۔ اسی کو بغل میں لے کر اور اپنے اندر جذب کر کے وہ اُٹھے اور اس طرح اُٹھے کہ دُنیا میں ایک زلزلہ آ گیا۔ رُبعِ مسکون میں ایک ہلچل مچ گئی اور نظامِ عالم درہم برہم ہوتا نظر آیا۔ جو قوم یکسر سر تا پا نقائص تھی وہ مجسمۂ محاسن بن گئی جو جاہل اور گنوار تھے وہ دنیا کے معلّم بن گئے، جن کے پاس اونٹوں اور بکریوں کے سوا کوئی ثروت نہ تھی ان کے خزانے زر و جواہر سے لبریز نظر آنے لگے اور وہ زمانہ بھی

آگیا کہ سیم و زر کے تمام دریاؤں کا رُخ مدینہ طیبہ کی طرف پھر گیا اور سلاطینِ عالم اور بڑے بڑے عظیم الشان اور طاقت ور شہنشاہ ان کی ہیبت سے اپنے ایوانوں اور کاشانوں میں کانپنے، لرزنے اور ڈرنے لگے۔ اسلام نے منصۂ شہود پہ جلوہ گر ہوتے ہی اعداء اللہ تعالیٰ کی صفوں کو چیر کر، پہاڑوں کے جگر و قلوب میں شگاف کر کے، دریاؤں اور سمندروں کی طغیانیوں اور امواج کو ٹھکرا کر برق و باد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ سمندروں میں گھوڑے اس نے ڈال دیئے، خشکی پہ جہاز اس نے دوڑائے اور بر و بحر پہ اس کے پرچم اقبال لہرانے لگے اور یہی نہیں بلکہ زمانہ حاضرہ کی مہتم بالشان، پُرشکوہ، قدیم سلطنتوں کے تختے اس نے اُلٹ کر رکھ دیئے اور ایک صدی کے اندر اندر چار دانگِ عالم میں اس کی فرمانروائی ہو گئی۔ مسلمانوں کا اصلی، حقیقی اور سچا رہبر کامل صرف قرآن مجید تھا۔ کسی دوسری کتاب، دستور العمل اور نسخہ کی انہوں نے شان نہ دیکھی تھی۔ انہوں نے علوم و فنون کی طرف ذرا توجہ مبذول کی تو سر آمدِ روزگار بن گئے۔ مُردہ علوم کو از سرِ نو زندہ کر دیا۔ فلسفہ، ہیئت، منطق، ادب، اخلاق، فقہ اور صنعت و حرفت کو اوجِ کمال تک پہنچایا۔ یہ اسلام ہی کے نام لیوا اور پیرو تھے جن کے نقوشِ پا تے عیسائیوں کی رہبری اور رہنمائی کی۔ یورپ کا پہلا مدرسہ اور پہلا شفاخانہ اسلامیوں ہی کے ہاتھ سے کھلا اور مسلمانوں ہی نے ان کو ترقی کے راستے بتلائے۔ اسلامی آئین و اطوار سیکھ کر مسیحی مہذب انسان بنے۔ مسلمانوں کو نعمتوں سے لبریز خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور دُنیا کا رزق ان کے ہاتھوں سے بٹنے اور تقسیم ہونے لگا۔ دُنیا میں مال و زر، جاہ و جلال، عزت و عظمت اور شہرت و ناموری ایک ایسا قیمتی سرمایہ ہے کہ جو عقائد و خیالات میں انقلابِ عظیم برپا کرنے میں بے حد مؤثر و تیر بہدف ہے لیکن اسلام کے داعیٔ کریم نے شرابِ توحید کے متوالوں میں ایک ایسا عقیدۂ راسخ اور ایک ایسا جذبۂ اخلاص پیدا کر دیا تھا کہ دولت و ثروت کا عملِ تسخیر بھی تابعینِ اسلام کو جادۂ حق پرستی سے متزلزل نہ کر سکتا تھا۔

موجودہ دورِ تنزل وانحطاط

مسلمان تو دنیا میں بہترین امّت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کو ایک پاک کتاب دی گئی تھی جو اُن کی دینی و دنیوی رفعت، برتری، فوز، فلاح، عروج وارتقاء کی ضامن و کفیل تھی۔ اب منظر بالکل جداگانہ ہے۔ مسلمانوں نے احکامِ اسلام سے مُنہ موڑ لیا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر دلیر اور بے باک ہو گئے ہیں۔ ہماری اطاعت کیشی جاتی رہی، احکامِ شرعیہ کا احترام نہ رہا، قوانینِ اسلام کی علانیہ خلاف ورزی ہونے لگی، محرماتِ شرعیہ و ممنوعاتِ مذہبی پر بلا روک ٹوک عمل ہونے لگا۔ سرِ بازار زنا کے اڈّے قائم ہیں جن کی زیب و زینت اس قوم کی مستورات ہیں جنہوں نے اقوامِ عالم کو پاکیزگیٔ حیات کا نور دیا تھا۔ شراب کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں جن کی رونق اور ترقی کا باعث اس قوم کے افراد ہیں جنہوں نے دوسری اقوام کے افراد کو تنزل وتسفل کے گڑھے سے اٹھا کر حکمت و روحانیت کے بلند معیار پر پہنچا دیا تھا۔ آہ! کیسی دل خراش حالت ہے! کہ مسلمانوں میں مذہبی روایات، مذہبی جوش اور مذہبی احساس باقی نہ رہا۔ مسلمانوں کے پاس اس وقت اپنی پرانی مذہبی اور قومی روایات کے تحفظ، شریعت اسلامی کے احترام، اور احکام اسلامی پر عمل کرنے کے لئے اگر کوئی نسخہ ہو سکتا ہے تو صرف فداکاری کا جذبہ، جاں نثاری کا مادہ، ذوقِ عمل اور قوتِ ایمانی و بس۔ لیکن صد افسوس نہایت شرمندگی اور رنج کے ساتھ اپنی تہی دستی اور محرومی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے اپنے تغافل و تساہل اور سکوت و جمود سے نہایت عظیم الشان اور شہرۂ آفاق روایات کو خاک میں ملا دیا۔ ہم ہر موہوم طاقت اور غیر الٰہی قوت سے ڈرنے لگے، قربانی کے نام سے لرزنے لگے، جی چرانے لگے اور عمل کے نام سے موت آنے لگی۔ ہمارے قلوب سے قوتِ عمل رخصت ہو گئی۔ اب ہمارا مذہب صرف کتب میں بند اور زبانوں تک محدود ہے۔ ہم جس قدر بلند تھے اس سے کہیں زیادہ اب پست ہو گئے ہیں۔ ہم دنیا کے حکمران تھے لیکن اب اغیار و دیگر اقوام کے محکوم و تابع ہیں۔ اگر ہمارے دماغ پر ذہنی غلامی مسلط ہے تو دوسری طرف اجسام جبر و استبداد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہماری مذہبی اور قومی زندگی اغیار

بالخصوص یورپ و امریکہ کی اعانت و حصانت کی محتاج ہے۔ مرضیاتِ مخلوق بالخصوص مرضیاتِ سفید فام اقوام و پری رُخاں مرضیاتِ خالق پر مقدم ہیں۔ مخلوق کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے خُدا اور اُس کے رسولؐ کی ناراضی کی مطلق پرواہ نہیں۔ ہمارے اندر مذہبی جوش اور دینی احساس پیدا نہیں ہوتا، چونکہ شریعت اسلامی کے مجرموں اور قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کی موجودہ تہذیب و تمدن نے پشت پناہی کی ہے، مغربی تہذیب نے ان کے حوصلے بلند کئے ہیں۔ اگر کوئی اپنے مذہبی احکام کے احترام میں کسی شرابی، زانی سے آنکھیں ملاتا اور اُس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے تو آزادیٔ مذہب کا ڈنڈا سر پر پڑتا ہے اس لئے تھیٹر، سینما آباد اور پُر رونق ہیں بے حیائی اور بے حجابی زوروں پر ہے بلکہ تشہیرِ حُسن، تخریبِ اخلاق اور ترغیبِ جلوت کو عام و تام کرنے کے لئے بعض خود سر و خود فروش بیگمات و خواتین تک عورت یعنی چھپانے کی چیز کی توصیف سے علماً و عملاً خارج ہو کر نیز حیا و غیرت کے حجابات و نقابات و موانع کو تہس نہس کر کے عریانی بمعنی ننگاپن کی تعریف میں ظاہراً و باطناً اور قالاً و حالاً داخل ہو رہی ہیں، مسلمانوں کی دینی مجالس، ویران، انجمنیں برباد اور مسجدیں صورتاً منقش و مزین مگر حقیقتاً مراکزِ تحصیلِ حشم و جاہ اور کالاجساد بلا ارواح ہیں۔ مذہب سے کوئی دلچسپی نہ اہل مذہب سے کچھ ہمدردی بلکہ جدت پسند دلدادگانِ تہذیبِ نو اس کو نہایت حقارت سے مُلّا پن کہہ کر ایک طرف یہ فخراً کہہ رہے ہیں کہ اسے خاص تدابیر و مساعی سے فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور دُوسری طرف اس تشریح و توضیح اور عزم و حزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ رجعت پسند ملا پن کو پھر سے عروج و اقتدار حاصل نہ ہو بلکہ اس کو تو ختم ہی سمجھنا چاہیئے۔ یہ تضادِ انتساب و اعراضِ مذہب چہ عجب ؟ آخر صاف صاف یہ ہی کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ ہمارا مقصود تو ایک ظاہراً صالحہ مگر باطناً طالحہ سلطنت کی تقلید میں ایسا نظام حکومت قائم کرنا ہے کہ جس کے اندر اوّلاً یہ نعرہ بلند کیا جا سکے کہ ملک و قوم مقدم اور اسلام و ایمان مؤخر اور ثانیاً یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ ملکی و مادی ترقیات کی ابتدا تب ہوئی جب کہ اسلامی و رُوحانی اعمال، اخلاق، معاشرات، معاملات و

سیاسیات کو ترک کر دیا گیا۔ یہ تو پھر مادیات و خرافات اور شر و رو فجور میں ترقیات ہوں گی نہ کہ اسلام و ایمان اور انسانیت و رُوحانیت میں۔ وُہی مسلمان جو کسی وقت حاکم، غالب، مخدوم، متبوع، فاتح، امیر، معزز، طاقت ور، منظم، ہمدرد، بہادر، آقا اور آزاد تھے آج محکوم، مغلوب، خادم، تابع، مفتوح، نادار، ذلیل، کمزور، منتشر، بے درد، ڈرپوک اور مقید نظر آتے ہیں۔ آج تاریخ عالم پہ اگر غور کیا جائے تو کسی قوم کی اسلام سے زائد شاندار روایات و ترقیات سے صفحات لبریز نظر نہیں آتے۔ مگر ہائے صد افسوس آج سطح ارضی پہ یہی ایک قوم ہے جو سب سے زیادہ تباہ حال ہے اور اپنے ادبار میں اپنا ہمسر و ثانی نہیں رکھتی، جس کی زندگی مصائب تکلیف اور پریشانیوں کے حصار میں محصور، شدائد و نوائب کے کانٹوں میں گھری، تباہیوں اور بربادیوں کا شکار، افلاس و ناداری کی مضروب، ناکامیوں اور نامرادیوں کی زندہ تصویر ہے جس کی زندگی کے ہر گوشہ میں مجبوری و بے کسی کی دنیا آباد ہے اور جس کے قصرِ حیات کے ہر حصہ میں ناکامیوں اور نامُرادیوں کی خاموشی، جس کے مکانِ زیست کی دیوار پہ فلاکت و نکبت کی عریاں تصویر آویزاں اور اُس کے صحن میں احتیاج و تنگ دستی کا مہیب مجسمہ نصب ہے۔ وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتی ہے۔ ذلت و رُسوائی کا ہجوم نظر آتا ہے۔ دُنیا کی مسرت و شادمانی میں اس کا کوئی حصہ نہیں، سکون و اطمینان، آرام و چین اور عزت و عظمت اس کے لئے بے معنی الفاظ ہیں۔ کہنے کو ہم زندہ ہیں مگر اپنے نفوس و فلوس خواہشاتِ نفسانی اور خیالات شہوانی کے لئے معصیت و سیاہ کاری، فسق و فجور کے لئے۔ خدا تعالیٰ اس کے رسول پاک، دینِ اسلام، اصولاتِ صحیحہ اور قوم و ملت کے لئے ہمارا وجود کالعدم محض ہے۔ دُنیا کی زندہ اور ترقی یافتہ اقوام کے لئے ہماری حیات کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہم بیدار ہیں مگر عیش و عشرت کے لئے اور اسی عیش و عشرت کے لئے اور اسی عیش و عشرت کی نذر اپنا دار تک کر چکے ہیں اس لئے اب بے دار ہیں۔ ہمارے اکثر دار العلوم اب دارِ علوم ہیں جہاں حقیقی و اخلاقی علوم کو پھانسی دی جاتی ہے اور جہل کو علم کا لباس پہنا کر قبلۂ حاجات و کعبۂ توجہات بنایا جاتا ہے۔ مسلمان

کا نام ہفت اقلیم کو لرزا دیتا تھا یا اب یہ وقت ہے کہ وہ اپنی مذہبی شعائر اور عبادتگاہوں کا تحفظ بھی نہیں کر سکتے اور ان کے بقا کے لئے کوئی لائحۂ عمل تجویز نہیں کر سکتے۔

وجوہِ ارتقاء و انحطاط

گزشتہ عظمت و اقتدار، جاہ و جلال، رُعب و وقار کی علل دریافت کرنے کے لئے سابق عزم و استقلال، ایمان و ایقان کا نور، قلب کی طہارت، ضمیر کی قوت، خدا پر توکل و اعتماد و بھروسہ، اس کے مواعید پہ یقین اور عمل کی پختگی کی شاندار روئداد پڑھنا پڑے گی۔ قرآن مجید کا یہ دعوٰی ہے کہ چہ من حیث الفرد اور چہ من حیث القوم اگر انسان خدا پہ ایمان لا کر اپنے اعمال و افعال، عقائد و خیالات، افکار و مشاغل اس کے بتلائے ہُوئے قواعد کے مطابق بنا لے اور اپنی حیات کو تابع رضائے حق بنا لے تو عوامل قدرت اور موجوداتِ کائنات انسانات، حیوانات، جمادات اور نباتات اس کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں، عناصر اس کے مُمد اور مُعاوِن اور تمام اقسام فوز و فلاح کے راستے اس پہ کھُل جاتے ہیں، تسخیر قوائے فطرت کے مقصدِ عظیم میں زیادہ سے زیادہ کامیابیاں، کامرانیاں، ترقیات اور شاندار نُصرتیں اس کے قدم چومنے لگتی ہیں بمصداق ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ　　که گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

اس ارتقاء و انحطاط کی طویل داستان معلوم کرنے کے لئے ہمیں تاریخ اسلامی کی اوراق گردانی کرنا چاہیے۔ اس کی روشنی میں اپنے زمانۂ گزشتہ کے عروج اور عہدِ حاضرہ کے نزول کی وجوہ دریافت کریں گے تو ہمیں بڑی آسانی سے ان کا علم ہو جاوے گا کہ مسلمانانِ عالم کی گزشتہ عزت و عظمت، ترقی و عروج جن سے آج بھی تاریخ انسانیت کے اوراق لعل و گوہر کی طرح جگمگا رہے ہیں خدا اور اُس کی اطاعت کی وجہ سے تھیں اور ان کی اندرونی تنظیم کی خوبی و استواری کے باعث تھیں۔

سچ ہے سچ ہے کہ یہی اور یہی اک قرآن تھا
اور ترقی کا تری راز یہی قرآن تھا

جب اختیارِ قرآن پہ فوز و فلاح کا ترتب ہُوا تو اسی کے ترک پہ تنزل و تسفل کے گڑھے

میں پھینک دیے گئے بلکہ خود گر گئے بمصداق ؎

یک بیک کیا ہو گیا جس جا پہ کل تھے اب وہاں
اُڑ رہی ہے خاک اور چھایا ہے کوسوں تک غبار
آہ اس کا اک سبب ہے اور ہے بس ایک ہی
ترکِ قرآں سے ہوئے دُنیا میں یوں برباد و خوار

طریقِ تنظیم

بجز اسلام آج تک کسی دیگر مذہب و ملت نے یہ تک نہ بتلایا کہ اتفاق کی اصلیت اور اتحاد کی تعریف ہے کیا؟ اور اس کے احداث و ابقا اور استحکام کی تدابیر کیا ہیں؟ یہ اسلام ہی کا کرشمہ تھا کہ جس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے اِس کی حقیقت و اصلیت بکمال وضاحت و صراحت فرماتے ہوئے یہ بتلایا اور سمجھایا کہ اتفاق کی حدود کیا ہیں، قیود کیا ہیں اور حقوق کیا ہیں؟ نیز یہ بھی واضح فرمایا کہ اس عالم کون و فساد میں اتفاق کے ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ اختلاف نہ کہ خلاف کس قدر لابدی، ناگزیر اور ضروری ہے۔ تہذیب و تمدن اور معاد و معاش کا یہ مہتم بالشان جزو مدتِ مدید اور عرصۂ بعید سے تشنۂ تکمیل پڑا تھا اور کسی کی نظرِ دُور بین اس کی گہرائیوں اور باریکیوں تک نہ پہنچی تھی یہ اس رحمۃ العالمین ہی کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ اس مسئلۂ لاینحل کو اس اسلوب و حسن و خوبی سے سلجھایا کہ تمام گزشتہ الجھنیں ھَبَاءً مَنثُورًا ہو کر رہ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب کی منتشر و غیر منظم قوم اس کا مصداق بن گئی ؎

جدھر رُخ کیا سلطنت زیرِ فرمان   جدھر آنکھ اُٹھائی ممالک مسخر
لڑائی میں ایک ایک دس دس پہ بھاری   شہیدانِ بدر و شجاعانِ خیبر

اتفاق مشتق ہے وفق سے جس کے معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کے بالکل مطابق

ہونا اور نہ صرف مطابق و موافق ہونا بلکہ باہم اس طرح مل جل جانا کہ کوئی تمیز نہ ہو سکے اور نہ ہی جُدائی و افتراق ممکن ہو۔

یہ ظاہر و باہر ہے کہ اس مفہوم و تعریف میں وہ چیز داخل ہے جو کہ قطعاً غیر ممکنات میں سے ہے۔ اِس کا کیسے امکان ہو سکتا ہے کہ سب کی آراء و افکار اور خیالات ایک ہو رہیں، سب کی نیات کی یکسانیت ہو سب کے منافع و مضار یکساں ہو جاویں اور سب کے مقاصد و عزائم میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے؛ چونکہ زمانہ قبل از بعثتِ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس موہوم و غیر معقول نظریۂ اتفاق و اتحاد کے مطابق حصولِ اتحاد کے لئے جد و جہد کی جاتی تھی اس لئے کامرانی و کامیابی نہ ہوتی تھی، نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی اور ہو بھی کیسے سکتی جب کہ یہ نظریہ ہی سرے سے غیر ممکن الوقوع تھا۔ قرآن مجید میں لفظِ اتفاق کے بجائے "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد ربانی کی روشنی میں اسی مفہوم کو نئے انداز، نئی توضیح و تشریح اور نئی حقیقت و ماہیت کے ساتھ پیش کیا۔ جس کی تعبیر صرف یہ تھی کہ تمام افراد و اقوام ایک مرکز پر جمع ہو جاویں۔ اس کے بالمقابل شقاق کا لفظ ارشاد فرما کر جس کے معنی مرکز سے بُعد کے ہیں اتفاق ایسے ناممکن الوقوع اور بعید القیاس مفہوم و مقصود کو عین ممکن، اسہل اور قرینِ عقل و قیاس بنا دیا۔ اب کسی سے یہ نہیں کہا جاتا کہ مختلف آرا کو ترک کر دو، متفرق نیات کو چھوڑ دو اور اپنے متباین و متضاد مفادات سے دستکش ہو جاؤ بلکہ صرف ایک حقیقت پر زور دیا جاتا ہے کہ ان جمیع اختلافات و امتیازات اور تضادات کے باوجود ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ کیونکہ مرکزیت ہی تمام تر عروج و ارتقائے عالم کی رُوح ہے جس کے ثبوت کے لئے صدہا امثال و نظائر اور حقائق و دقائق بیان کئے جا سکتے ہیں جن سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاوے گی کہ جب تک کوئی چیز مرکز سے اپنا رشتہ و تعلق جوڑے رہے گی تب تک وہ ان تمام منافع و مفادات، درجات و مراتب اور اعزاز و اکرام سے بہرہ اندوز ہو سکے گی جن سے کہ مرکزیت قائم و دائم ہے لہٰذا آج بھی اقوام و ملل

ہیں شانِ مرکزیت موجود ہے وہ حقیقی و مجازی کے فرقِ مراتب کے ساتھ کمال و فلاح اور ارتقا و اقتدار سے ہمکنار ہیں۔ مسلمانوں میں جب تک یہ حقیقی شانِ مرکزیت رہی ان کا وہ حال رہا جو مختصراً "دورِ ارتقا" میں عرض کر چکا ہوں مگر جب حقیقی تو کجا مجازی مرکزیت بھی اپنے ہاتھوں برباد کر دی گئی تو وہ ذلیل و خوار اور مفلس و نادار بن کر رہ گئے اور ان کا وہ حال ہوا جو کہ دورِ انحطاط میں بیان ہو چکا ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا" سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ یعنی تم آرا و افکار اور نیّات و مقاصد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کرنے کے بجائے صرف یہ کرو کہ قرآن مجید کے دل و جان سے تابع و مطیع بن جاؤ۔

اب یہ تو اظہر من الشمس فی نصف النہار ہو چکا کہ اتفاق اصل میں قرآنِ مجید پر عمل کرنے ہی کا نام ہے و بس۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ جب کوئی قوم قرآنی احکام کو مشعلِ راہ بنا کر حصولِ مقصود کے لئے پورے عزم و اخلاص کے ساتھ چل کھڑی ہو گی، منزلِ مقصود کو بالیقین پا کر اپنے آپ کو منظم و متحد اور معزز و مکرم پائے گی۔ یہ ہے حقیقتِ اتفاق جو کہ سراسر مبنی بر روحانیت ہے اور جو اتفاق روحانیت پر مبنی ہو گا۔ وہ ضرور کامیاب و کامران، ممکن العمل، سہل الحصول، مستقل و دائم و قائم اور ہر طرح کی دینی و دنیوی فوز و فلاح کا ضامن و کفیل ہو گا* اس لئے مسلمانانِ عالم بالخصوص اور قوم الراعی بالعموم کے لئے ضروری ہے کہ مغرب کی کورانہ تقلید سے باز آ کر، سفید فام اقوام کے بلند بانگ دعاوی سے منہ موڑ کر اور غلط طریق کار چھوڑ کر اپنا رخ آئینِ خداوندی یعنی قرآن مجید کی طرف کریں اور خلوص و للّٰہیت کے ساتھ کتاب و سنت کو اپنا لائحۂ عمل بنا لیں تاکہ گوہرِ مقصود ہاتھ آ سکے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

چوہدری عبدالعزیز خالد

(انکم ٹیکس کمشنر۔ لاہور)

آپ ۱۴ رجنوری ۱۹۲۷ء کو پرجیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ پانچویں سے دسویں تک ننگل ابیا، تحصیل نکودر میں رہے جو ان کے گاؤں سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ پیدل آتے جاتے کیونکہ سائیکل خریدنے کی استطاعت نہ تھی۔ یہ زمانہ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۴ء تک کا ہے۔

۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر اقبالؒ کے انتقال پر جب ان کے ادب دوست استاد چوہدری رحمت علی نے علامہ صاحب کی وفات کا اعلان کر کے سکول بند کیا، اس دن سے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے اُن کی آشنائی و اُلفت کا آغاز ہوا اور ان کے کلام نے آئندہ زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔

۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۰ء تک کا زمانہ اسلامیہ کالج لاہور میں بسر ہوا۔ کالج میں ان کے مضامین ریاضیات، معاشیات، اسلامیات، فارسی، انگریزی اور اردو تھے۔ فارسی میں آنرز اور ایم اے معاشیات میں کیا۔

دسمبر ۱۹۵۰ء سے موجودہ سرکاری ملازمت کا آغاز ہوا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے انکم ٹیکس کمشنر کے عہدہ جلیلہ پر فائض ہیں۔ نہایت ذہین، ایماندار، فرض شناس اور ہمدردِ عوام ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہت بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ آپ کی تصانیف نے میدانِ سخن میں بہت بڑا نام پیدا کیا ہے۔ رسالہ سیارہ میں ایک بہت ضخیم نمبر (تقریباً ساڑھے گیارہ سو صفحات پر مشتمل) عبدالعزیز خالد نمبر نکلا جس میں پاک و ہند کے بہترین شعرا اور نقادوں نے آپ کے کلام کی مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے خوب داد دی ہے۔ تصانیف درج ذیل ہیں۔

(۱) فارقلیط	(۲) منحمنّا
(۳) دشتِ شام	(۴) کفِ دریا
(۵) مزمورِ میر مغنّی	(۶) کلکِ موج
(۷) زنجیرِ رمِ آہو	(۸) برگِ خزاں

(۹) دوکانِ شیشہ گر	(۱۰) ورق ناخواندہ
(۱۱) لحنِ حریر	(۱۲) گل نغمہ
(۱۳) غزل الغزلات	(۱۴) سلومی
(۱۵) سرودِ رفتہ	(۱۶) پروازِ عقاب
(۱۷) زر داغ دل	(۱۸) ماتم یک شہر آرزو
(۱۹) خروش خم	(۲۰) ہوچی منہ کا منظوم ترجمہ

رسالہ 'الراعی'، لاہور، مئی ۱۹۷۳ء میں ان کے ایک ہم جماعت جناب عبدالقدیر ٹسک نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کا مختصر تعارف کرایا ہے :۔

"عبدالعزیز خالد نے ہمارے نمائندے کو بتایا کہ وہ شروع ہی سے کھیل کود کے عادی نہیں تھے بچپن میں بھی ان کا سارا وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ میعاری علمی کتابیں اس دور میں بھی ان کی بہترین دوست تھیں۔"

مطالعہ کی یہ عادت عبادت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ایک بڑا افسر ہونے کے باوجود آپ کے پاس ایک بہترین لائبریری ہے۔ ۱۹۵۲ء کے بعد ان کی زندگی کا زیادہ عرصہ کراچی میں بسر ہوا۔ اور اسی شہر میں شادی ہوئی۔ عبدالعزیز خالد تین بچوں کے باپ ہیں اور یہ مختصر سا گھرانہ سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔

عبدالعزیز خالد ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ پاکستان کے مشہور زبان دان ہیں۔ انہیں نہ صرف اردو، فارسی اور عبرانی زبان پر دسترس حاصل ہے بلکہ انہوں نے عبرانی، ارمی اور یونانی زبانوں تک کے لوک ادب کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ یونانی زبان کی معروف شاعرہ سیفو کے اشعار کا منظوم ترجمہ 'گل نغمہ' ان کی زبان دانی کی بہترین مثال ہے۔ یہ معروف شاعر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

ماہنامہ 'ساقی' کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی نے عبدالعزیز خالد کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا تھا اور ان کا یہ تجزیہ غلط نہیں :۔

"عبدالعزیز خالد خوش شکل، خوش وضع، خوش مزاج اور خوش گفتار ہیں۔ وہ بہت بڑے

افسر ہیں اور بہت بڑے انسان بھی، پڑھے لکھے لوگ ان کی مشکل پسندی کے شاکی ہیں۔ وہ اتنے بڑے افسر ہیں کہ کروڑوں کا حساب کرتے ہیں۔ انسان اتنے بڑے ہیں کہ بڑے آدمی کو چھوٹا اور چھوٹے آدمیوں کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔"

ماہنامہ سیارہ سے ہم چند ایک مشہور اہل قلم اور شعراء کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے جناب عبدالعزیز خالد کی شخصیت کا خاطر خواہ تعارف ہو جاتا ہے۔

(۱)

" ان کی دو نعتیہ کتابیں، فارقلیطا اور مُنحَمَنّا دیکھنے سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ انہوں نے بامقصد تعمیری شاعری، یا بالفاظ دیگر ہدایت یافتہ شاعری کا راستہ پا لیا ہے۔ انہیں قرآن وحدیث اور عربی زبان اور اسلامی تاریخ سے جو شغف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جو محبت ان کی نعتیہ شاعری میں نمایاں ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ امید ہوتی ہے اور اسی کی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس جواں سال شاعر کو اس دَور کا حسّان بن ثابت بنا دے۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی)

(۲)

" عبدالعزیز کی بلند پایہ شاعری کی نمایاں خصوصیت اسلامی اقدار سے دلبستگی اور سرورِ کائنات کی محبت ہے۔" (چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان)

(۳)

" عبدالعزیز خالد، میں یہی نہیں کہوں گا کہ اس دَور کے ممتاز اور بے مثال اسلامی شاعر ہیں بلکہ پوری اُردو شاعری کی تاریخ میں مجھے کوئی اسلامیات اور عربی کا اتنا ماہر اور باخبر شاعر اور ادیب معلوم نہیں۔"

" اگر حضرت حسّانؓ شاعر رسولؐ ہیں تو میرے ہمنام شاعر اسلام ضرور ہیں۔"

(علامہ عبدالعزیز میمن)

(۴)

" مختصر مدّت میں جناب عبدالعزیز خالد نے متعدد ضخیم شعری مجموعے پیش کر کے نہ صرف

اردو شاعری میں اپنا مخصوص و منفرد مقام بنا لیا ہے بلکہ موضوع و مواد کی وسعت و بلندی کی بدولت دنیا کے اہم شاعروں کے دوش بدوش جگہ پا گئے ہیں۔"

(پروفیسر اے۔بی۔حلیم کراچی)

(۵)

"جناب عبدالعزیز خالد صاحب کی شاعری دراصل اسلامی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ جس میں نہ تو شاعرانہ مبالغہ آرائیاں اور بے جا تکلفات ہیں اور نہ بے بنیاد قسم کے غلط اور فرضی تخیلات، بلکہ نہایت حقیقت پسندانہ انداز سے اسلامی حقائق کی حسین ترجمانی ہے۔ نصوص قرآن و حدیث کے معانی اور مقاصد ہی کو نہیں بلکہ الفاظ تک کو وہ اپنے کلام میں اس طرح اپناتے اور سموتے چلے جاتے ہیں کہ قدرت کلام پر حیرت ہوتی اور بے اختیار سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے:
تَبَارَکَ اللّٰہُ فِی قُدْرَتِہٖ کَلَامِہٖ وَحُسْنِ بَیَانِہٖ"

(محمد طاسین، مدیر مجلس علمی، کراچی)

(۶)

عبدالعزیز خالد ایک متبحر عالم ہیں۔ ایک زبان کے نہیں، آٹھ زبانوں کے ادب پر انہیں عبور حاصل ہے۔ اردو، فارسی، عربی، عبرانی، یونانی، انگریزی، ہندی اور سنسکرت۔ پاکستان اور ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا جہاں خود اپنی مادری زبان کا گہرا مطالعہ کرنے والے بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں مجھے تو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی کوئی ایک شخص ایسا نظر نہیں آتا جس نے اتنی ساری زبانوں سے استفادہ کر کے اپنی تخلیقات کے چمن کو آراستہ کیا ہو۔"

"خالد ایک خوش فکر فلسفی ہیں۔ ان کی شاعری کا میدان بہت وسیع ہے۔ وہ ضمنیات اور الہامی صحائف کے سایہ میں اس طرح خراماں خراماں گزرتے ہیں کہ خود ان کا جزو معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے دلآویز استعارے، ان کی دلکش اور فکر انگیز تلمیحات، ان کی اچھوتی تراکیب، ان کے پُرشکوہ الفاظ، ان کا وسیع اور عمیق مطالعہ، ان سب چیزوں نے ان کے ادبی کارناموں میں وہ حسن اور عظمت پیدا کر دی ہے جس نے اردو شاعری کی کائنات میں ان کا ایک مخصوص مقام قائم کر دیا ہے۔ اردو شاعری کے افق پر ایک نیا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب

ضیاء افشانی اور ضو افگنی آنکھوں کو منور کر دے گی۔

خالد نے اردو شاعری کو ایک نیا رُخ دیا ہے، باعظمت، شاندار، لطیف اور دل کُشا۔ ان کی جامع شخصیت، ان کی ہمہ گیری اور قادر الکلامی اور ان کی ذہانت ان کی تصانیف کے ہر صفحے پر جلوہ گر ہے۔ انہوں نے اپنی شاہراہ خود بنائی ہے اور اس پر پورے یقین اور استقلال کے ساتھ گامزن ہیں۔"

"قدرت نے غیر معمولی اور اجنبی الفاظ کے استعمال کا نہایت دلکش سلیقہ انہیں عطا کیا ہے۔ ان کا اندازِ فکر اور اسلوبِ بیان بہت مؤثر اور دلنشیں ہے۔ فکر و فن کی جو دنیا انہوں نے بسائی ہے وہ بہت خوش رنگ اور خوش آہنگ کیفیات سے لبریز ہے، ان کی شاعری زندگی کے عام معاشرتی اور تمدنی مسائل سے گزرتے ہوئے اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ ان کے بعض اشعار تخلیقی کرامت بن گئے ہیں۔"

"خالد زندگی کو، محبت کو اور خوشی کو با اثر آواز عطا کرتے ہیں۔ وہ روح کے مصوّر ہیں، وہ حسن کے پیغمبر ہیں، وہ قدرت کی بے لفظ زبان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کا کلام ایک آئینہ ہے جس میں ماضی اور مستقبل کے سائے لہراتے ہیں جو حال پر عکس افگن ہیں، ان کی شاعری صداقت ہے جو حُسن کی چادر میں لپٹی ہوئی ہے، وہ خیال کی موسیقی ہے جو زبان کی موسیقی کے ذریعے ظہور میں آئی ہے۔" (حامد اللہ افسر میرٹھی)

(۷)

"دین کی حفاظت کے لئے اگر خالد ابن ولیدؓ نے تلوار اٹھائی تو ان کے ہم نام خالد عبدالعزیز اہل قلم نے آج دین کی مدافعت کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ اگر خالد ابن ولیدؓ نے عراق و شام پر تلوار کی دھاک بٹھائی تھی تو آج خالد عبدالعزیز نے قلم و سخن میں قلم کی دھاک جمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خالد اہل قلم کا قلم اسی طرح ہمیشہ فتنوں کے خلاف اٹھتا اور چلتا رہے۔ آمین۔"

(ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی)

(۸)

"خالد کی انفرادیت دو خاص باتوں سے عبارت ہے۔ ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے

شاعری کو ایک نیا اسلوب دیا ہے، ایک نئی زبان عطا کی ہے اور دوسری یہ کہ انہوں نے تخیلیت اور رومانیت کے ان ماخذ اور سرچشموں کا احیا کیا ہے جو عہد حاضر سے بہت دور کلاسیکی ماضی سے متعلق ہیں مگر ان میں وفور و نفوذ کی اتنی گہری صلاحیت ہے کہ زمانے کی دوری اور فصل کے باوجود اور ولولوں اور جذبوں کی صورتوں کے بدل جانے کے باوصف، آج کے آدمی کے تخیّل کو امکانات کی وسعتوں اور قلبِ انسانی کی ہزار رنگ جلوہ ریزیوں سے مستفید و ہم آہنگ کرنے کے قابل ہیں۔"

"خالد کا یہ پُرشکوہ اسلوب ان عظمت آفریں مضامین کے بغیر متشکل نہیں ہو سکتا جو ان کے کلام کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کبھی نغمے کی صورت اختیار کرتے ہیں، کبھی ڈرامے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ کبھی اساطین قدیم کی شعری سوانح عمریوں کی شکل اختیار کرتے ہیں، کبھی اساطیر عظیم کے رومانوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

"خالد نے اپنے آپ کو خالد آخر الزماں لکھا ہے۔۔۔ اور یہ سچ بھی ہے ..... لیکن میں یہ کہنے پر مائل ہوں کہ خالد اس شعری عمارت کے نقاشِ اوّل ہیں۔ جو ملّی احساسات اور قوم کے مخصوص اسالیب اظہار پر قائم ہوگی .... خالد کی شاعری کا ایک حصہ بیگانہ سا محسوس ہوتا ہے مگر انہوں نے عظمت کے جس تصوّر کو ابھارا ہے اس کے ایسے ترجمان ابھی آنے والے ہیں جو اس نقشِ اوّل سے مزید نقش ہائے رنگا رنگ ابھاریں گے۔ .... اگم شدہ تہذیب کی بازیافت خالد کی آرزو ہے۔ یہی آرزو ان کے اسلوب اور خیالات میں منعکس ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت سے لوگ ان کے کلام کے الفاظ کو دشوار پاتے ہیں لیکن الفاظ بذاتِ خود کوئی شے نہیں .... اصل شے ذوق ہے۔ اگر خالد اپنے پُرشکوہ الفاظ کے ذریعے تخیلی عظمت کا ذوق پیدا کر سکے ہیں، جیسا کہ کر سکے ہیں، تو لفظوں کی دشواری سدِ راہ نہیں بن سکتی .... عظمتوں کے طلب گار اور دشواریوں کو عبور کرنے کے لئے ایک ذوقِ معنی آشنا خود بخود پیدا کرلیں گے۔"

(ڈاکٹر) سیّد عبداللہ

(۹)

"وسعتِ علم و فضل اور غیر معمولی استحضار کے علاوہ عبدالعزیز صاحب خالد کی قادر الکلامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے جس کی مثالیں ان کی ہر کتاب میں جا بجا ملتی ہیں۔ اس کا پورا اندازہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قادر الکلامی کے شواہد پر نظر ہو، نیز اندازہ ہو کہ مافی الضمیر دوسروں تک

پہنچانے کے لئے انسان کو کیا کچھ پیش آتا ہے۔ قادر الکلامی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو خداداد ہو یعنی قدرت کی موہبت و بخشش، دوسری وہ جو مشق و اکتساب سے پیدا کر لی گئی ہو۔ میں جس حد تک اندازہ کر سکا ہوں، خالد صاحب کا یہ وصف بھی موہبتی ہے اگرچہ اس میں مشق و اکتساب کی کارفرمائی بھی شامل ہو گئی ہو۔

"خالد صاحب کے بعض اشعار میں عربی کے مختلف ٹکڑے بڑے دل آویز طریق پر تضمین ہوئے ہیں۔" (مولانا غلام رسول مہر)

(۱۰)

"خالد کی شاعری جاندار ہے، اس میں تنوّع ہے، گہرائی ہے اور بہت سی جگہ لُطف کی بھی کمی نہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی شاعری کا کچھ حصہ کلاسیکی رنگ اختیار کر گیا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ان کی شاعری خامیوں سے پاک ہے کوئی بھی پُرگو شاعر ایسا نہیں ملے گا جس کے یہاں جواہر پاروں کے ساتھ حزف ریزے شامل نہ ہوں حقیقتاً ایک معجزہ کے تحت ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ شاعر کا کلام خامیوں سے یکسر پاک ہو اور کوئی شاعر معجزہ دکھانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا خالد کے کلام کو یہ کہہ کر پیش نہیں کیا جا رہا کہ اس میں زبان و بیان کی کوئی کمزوری نہیں۔ کمزوریاں یقیناً ہیں لیکن خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسی طرح ملی جلی جس طرح پھول کے ساتھ کانٹے۔" (سید علی بریلوی)

خالد صاحب کی شخصیت کا مختصر تعارف کرانے کے لئے مندرجہ بالا سطور کفایت کریں گی کیونکہ زیادہ کی گنجائش نہیں، ورنہ ان کے مدّاحین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(سردار محمد)

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی

راعی برادری کو سب سے بڑا شرف یہ بھی حاصل رہا ہے کہ اس کا دامن علماءؒ و مشائخ سے بھی مالا مال ہے۔ برصغیر کی مشہور فعّال جماعت مجلسِ احرار کے سب سے مؤثر اور فعّال بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اسی برادری کے فرد تھے۔ جن کا ذکر دوسرے صفحات میں ہے، بلکہ ان کا پُورا خاندان علم و فضل میں ممتاز تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد نے سب سے پہلے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔ ملک میں مجلس تحفّظ ختم نبوّت کے نام سے جو جماعت کام کر رہی ہے اس کے رُوحِ رواں مولانا محمد علی جالندھری بھی راعی تھے۔ اسی طرح پاکستان میں سب سے پہلا بڑا ادارہ، عربی تعلیم کا جو قائم ہُوا۔ اس کے بانی و مہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری راعی تھے ۔۔۔۔

سیاسی جماعتوں میں جمعیت علماءؒ اسلام ممتاز جماعت ہے۔ جس کے اراکین زیادہ تر مذہبی نمائندے ہیں بلکہ کٹر مذہبی قسم کے لوگوں کی جماعت ہے۔ دس بارہ سال سے اس جماعت کے جو امیر چلے آتے ہیں وہ بھی راعی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام مولانا محمد عبداللہ درخواستی ہے، درخواست ایک گاؤں کا نام ہے۔ آپ آج کل خانپور ضلع رحیم یار خاں میں بہت بڑے عربی مدرسے کے مہتمم ہیں جس میں سینکڑوں بیرونی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ شعبان و رمضان میں مولانا اپنے مخصوص انداز میں فارغ التحصیل طلباء کو درس قرآن دیتے ہیں۔ جس میں ملک بھر سے سینکڑوں نوجوان علماء آ کر شریک ہوتے ہیں۔ سارا سال مولانا ملک کے ہر گوشہ و حصّہ سے آئی ہوئی دعوتوں پر جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ اس وقت مولانا کو جتنی احادیث یاد ہیں کسی اور کو نہیں۔ ان کی عوام میں محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ جہاں جاتے ہیں ایک ہجوم ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب وہ تقریر سے فارغ ہوں۔ یعنی مجلس و جلسہ موٹر و گاڑی ہر جگہ وعظ و نصیحت اور تذکرہ و تقریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے اپنے وقت کے دو بڑے صاحب باطن

حضرات سے اکتساب فیض کیا ہماری مُراد حضرت مولانا غلام محمد دین پوری اور حضرات مولانا تاج محمود امروٹی سے ہے، غرض صاحب حال وقال بزرگ ہیں اور پوری دنیا میں واحد شخصیت ہیں جن کو اس وقت حافظ الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

قاری عظیم اللہ پانی پتی

آپ ۱۱ نومبر ۱۹۰۷ء میں پانی پت میں محلہ راعیاں چاہ چوپڑا جو حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی کی طرف ہے، پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن حفظ اور تعلیم دینیات قاری شبیر محمد صاحب اور حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی سے کیا اور قرآن مجید حفظ کے کئی دور انہی بزرگوں سے کئے۔ ۲۷ شوال ۱۳۵۱ھ بروز جمعرات مدرسہ اشرفیہ فیض القرآن کی بنیاد رکھی اور اس مبارک تقریب پر مندرجہ ذیل بزرگ موجود تھے (۱) قاری محی الاسلام صاحب عثمانی (۲) حضرت مولانا احمد اللہ صاحب عثمانی (۳) قاری حفیظ الدین احمد صاحب راعی (۴) ہیڈ ماسٹر نذیر حسین صاحب انبالوی (۵) قاری حافظ محمد علی صاحب (۶) قاری رحم علی صاحب (۷) شیخ القرآن مولانا قاری فتح محمد صاحب، جنہوں نے تقریریں بھی کیں۔ تمام اہل شہر اس مدرسہ سے تقسیم ملک تک فیضیاب ہوتے رہے اور اب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں خدمت دین میں مصروف ہیں۔ کراچی میں قاری محمد یٰسین (نانک واڑہ دار العلوم) سکھر میں قاری احمد حسن پانی پتی (مسجد نورانی، مدرسہ تعلیم القرآن) قاری سکندر صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم، مسجد مدنی سکھر، حافظ محمد ابراہیم صاحب مدرسہ تعلیم القرآن نواں کوٹ سکھر، شکارپور میں حافظ نعمت اللہ اور حافظ ولی محمد صاحب، مدرسہ اشرفیہ فیض القرآن محلہ چوڑی گر، چنیوٹ میں قاری عبدالرحیم نے مدرسہ فتح العلوم میں ۲۲ سال تعلیم دی اور اب ان کے صاحبزادہ مولانا قاری دین محمد صاحب پڑھا رہے ہیں، حافظ محمد صدیق صاحب، قاری مشتاق محمد صاحب، مدرسہ چنیوٹ میں پڑھاتے ہیں۔ بھیرہ میں بھی مدرسہ فتح العلوم قائم ہے۔ سلانوالی میں مدرسہ حسینیہ حنفیہ میں قریباً ساڑھے تین سو کے قریب طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ حفظ، ناظرہ قرآن شریف

اور پرائمری تک تعلیم دی جاتی ہے۔ ناظم حکیم حافظ قاری شریف دین ہیں۔ پنڈ دادنخان میں بھی مدرسہ فیض القرآن جاری ہے۔ بھینن والی میں بھی مدرسہ تعلیم القران جاری ہے۔ حافظ ارشاد علی صاحب نگران مدرسہ اور مسجد کے خطیب ہیں۔ گھوٹکی ضلع سکھر، چاچڑاں اور ٹیوب ویل میاں جان محمد پہلوان میں بھی مدرسے جاری ہیں۔

قاری عظیم اللہ صاحب نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب سے تعلیم وفیوض کے حصول کا تعلق قائم ہے۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں اور ان کے شاگرد قاری رحیم بخش صاحب مدرسہ خیر المدارس میں درجۂ قرائت کے صدر استاد۔ ان دونوں حضرات کے فیضان سے پاکستان میں ہزارہا حافظ نور قرآن پھیلا رہے ہیں۔ حکومت سعودی عرب نے ان دونوں بزرگوں کے مشورہ سے بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں چھ، سات قاری منگوا کر مدرسوں میں تعلیم القرآن کے لئے مقرر کئے ہیں۔

نوٹ :۔ قاری صاحب نے قومی تاریخ کے متعلق چند باتیں ارسال فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں :۔

(۱) ہماری برادری کے بزرگ حضرت محمد بن قاسمؒ کے ساتھ راجہ داہر کے ساتھ جہاد کے لئے ہزاروں کی تعداد میں سندھ میں آئے۔

(۲) سندھ سے نقل مکانی کر کے یہ ملتان اور سرسہ کی طرف دو گروہوں میں گئے۔ یہ دونوں گروہ ملتانی اور سرسہ والی کہلائے۔

(۳) سرسہ والی برادری کو 'کوالی' اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے سرسہ کے نواح میں کوال نام سے ایک قصبہ آباد کیا (بحوالہ کتاب شہید گنج صفحہ ۷۶) ان علاقوں سے آہستہ آہستہ وہ کل پنجاب میں پھیل گئے اور دوسری طرف صوبجات متحدہ میں پیلی بھیت، بریلی، کانپور، پٹنہ بہار اور بنگال تک پہنچ گئے۔

(۴) پنجاب کے ۲۲ اضلاع میں اس قوم کو گورنمنٹ برطانیہ نے 'زمیندارہ قوم' قرار دیا۔

(۵) حافظ فتح محمد صاحب (شاعر) اور حضرت مولانا محمد جعفر تھانیسری اپنے آپ کو فاروقی لکھتے تھے۔

(۶) منشی سعادت مند صاحب ساکن شاہ آباد ضلع کرنال سابق وزیر ریاست مالیر کوٹلہ ،
حضرت مولانا مولوی عبداللہ شاہ صاحب قادری جلال آبادی ثم کرنالوی کے دوست جو سلاطین مغلیہ کے متوسلین سے تھے، نے بتایا کہ شاہی قطب خانہ کی ایک کتاب میں راعی قوم کے متعلق لکھا ہے کہ یہ قوم حضرت فاروق اعظم کی اولاد سے ہے ۔ اسی طرح سردار محمد حیات خاں ایس آئی ڈویژن پنجاب کی تالیف میں بھی ایسا ہی درج ہے ۔ حضرت مولانا محبوب عالم صاحب خلیفہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رح نقشبندی انبالوی نے حضرت مولانا محمد ابراہیم کرنالوی کو بتایا کہ حضرت توکل شاہ کے کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی ہے جس میں تمہاری قوم کو فاروق اعظم رض کی اولاد لکھا ہے ۔ اسی طرح قاضی محتشم الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر وافسر مال نے حافظ محمد صدیق قانون گو کو بتایا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ راعی قوم فاروق اعظم رض کی نسل سے ہے ۔ اسی طرح بعض کتب خانوں کے حوالوں سے عباسی، قریشی ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔

حضرت خواجہ حسن بصری رح الراعی

قاری عظیم اللہ صاحب نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے ۔ اُنہوں نے الراعی کی نسبت سے اُنہیں اپنی برادری کا فرد تصور کرتے ہوئے کتاب میں درج کرنے کو فرمایا ہے ۔ اس کتاب کے مصنف صاحب تو شاید اس سے اختلاف کریں کہ وہ ہماری برادری کے فرد نہیں ہیں ۔ لیکن یہ بزرگ مسلّمہ اولیائے کرام میں شمار ہوتے ہیں ۔ بزرگوں کا تذکرہ خیر و برکت کا موجب ہے اس لئے ہم اُسے نہایت اختصار سے درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ؛ (سردار محمد)

حضرت خواجہ حسن بصری رح بصرہ کے مشہور تاجر تھے ۔ والد ماجد حضرت موسیٰ راعی ابن خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے ۔ ان کی والدہ ماجدہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں سے تھیں ۔ عشق الٰہی سے سرشار ہو کر آپ نے سارا مال و زر فقراء و مساکین میں تقسیم

کر دیا اور پھر امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت کر کے سخت ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، ستر سال تک آپ کسی وقت بھی بے وضو نہیں رہے

مشہور ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کو امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے جایا گیا تو آپ نے چہرہ دیکھ کر فرمایا: "سَمُّوْهُ حَسَنًا فَاِنَّهٗ حَسَنُ الْوَجْهِ" یعنی اس کا نام حسن رکھو کیونکہ اس کا چہرہ خوبصورت ہے۔

بعض اوقات جب آپ کی والدہ ماجدہ کام میں مشغول ہوتیں اور آپ بھوک سے رونے لگتے تو اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ آپ کو چھاتی سے لگا لیتیں۔ شانِ خداوندی سے دُودھ کے چند قطرے نکل آتے اور آپ کی تشفی ہو جاتی۔ حضرت اُم سلمہؓ اکثر دُعا کرتیں کہ خُداوندا! اس لڑکے کو بندوں کا رہبر اور امام بنا۔ یہ دُعا قبول ہُوئی اور آپ اولیاءُ اللہ کے امام بنے۔

حضرت امام حسن بصریؒ بات بہت کم کرتے اور زیادہ تر خلوت میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے ایک مرتبہ آپ سے پُوچھا: دُنیا کا عذاب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: دل کا مرجانا۔ اُنہوں نے پُوچھا: دل کا مرجانا کیا ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: دُنیا میں دل لگانا۔

آپ نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ کسی سے دشمنی کا ذرا شائبہ بھی دل میں نہ رہے۔

ایک روز آپ نے خادم سے فرمایا: افطار کے لئے روٹی اور تلی ہوئی مچھلی بازار سے لے آنا۔ خادم لے آیا۔ جب سامنے رکھا تو نعرہ مارا کہ درویش کو لذیذ کھانوں سے کیا کام اور روتے رہے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ حسن نے بھول سے یہ قصور کیا ہے، اِسے بخش دے اور اس کا نام درویشوں کی فہرست سے مت خارج کرنا۔ اس کے بعد چالیس روز تک کچھ نہ کھایا اور روتے رہے، پھر غیب سے ندا آئی کہ اے حسن! ہم نے تجھ کو معاف کر دیا اور درویشوں کا سردار بنایا۔

حضرت امام حسن بصریؒ ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ حج کو جا رہے تھے۔ صحرا میں ایک شخص کو پیاس لگی، تلاش پر ایک کنواں ملا لیکن ڈوری اور بالٹی موجود نہ تھی۔ آپ نے

فرمایا: جب مَیں نماز میں مشغول ہوں تو تم لوگ پانی پی لینا۔ آپ نماز پڑھنے لگے تو پانی کنوئیں میں سے اُبل کر اُوپر آ گیا۔ تمام قافلے نے پانی پیا اور وضو بھی کر لیا۔ ایک شخص نے لوٹا بھر کر رکھ لیا تو فوراً ہی پانی نیچے چلا گیا۔ نماز کے بعد آپ کو جب معلوم ہُوا کہ لوٹا بھر کر رکھنے سے پانی نیچے چلا گیا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے خدا پر بھروسہ نہیں کیا، اسی لئے پانی نیچے چلا گیا۔

ایک آتش پرست شمعون نامی آپ کا ہمسایہ تھا۔ بیمار ہو کر قریب المرگ ہوا تو آپ عیادت کے لئے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام قبول کر تو تاکہ خُدا تجھے بخش دے۔ شمعون نے کہا کہ اے خواجہ! دو باتیں مجھے قبولِ اسلام سے روکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان دولتِ دنیا کو بُرا کہتے ہیں پھر بھی اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور اس کی طلب میں مرتے ہیں۔ یہ لوگ موت کو امرِ حق جانتے ہوئے بھی اس کے لئے کچھ نہیں کرتے اور آئندہ کی کوئی تدبیر نہیں سوچتے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مسلمان اگرچہ ایسا کرتے ہیں لیکن خدا کی وحدانیت کے تو دل سے قائل اور اس کا شریک کسی کو نہیں بناتے۔ اگر وہ گناہ کرتے ہیں تو توبہ بھی کر لیتے ہیں اور پھر اُن کا پروردگار اُن کو بخش دیتا ہے۔ تم نے ساری زندگی آتش پرستی میں گزار دی ہے۔ مَیں جب جانوں کہ تم اپنی انگلی آگ میں ڈال دو اور آگ اسے نہ جلائے۔ لیکن اس کے برعکس مَیں خُدا کی پرستش کرتا ہوں اور اگر خدا سے دُعا کروں کہ آگ میرا ہاتھ نہ جلائے، جب میں آگ میں ہاتھ ڈالوں، تو آگ ہاتھ کا ایک بال بھی نہ جلائے گی۔

شمعون نے کہا اگر ایسا ہو جائے تو مَیں خُدا پر ایمان لے آؤں گا۔ حضرت خواجہ نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا اور کچھ دیر اس میں رکھا۔ اللہ کے حکم سے ایک بال بھی بیکا نہ ہُوا۔ شمعون یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا کہ آخری وقت میں مسلمان ہونے سے کیا فائدہ جب کہ ساری عمر آتش پرستی میں گزری۔ اگر آپ سفارش لکھ کر دے دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے گا تو مَیں ایمان لے آؤں گا۔ آپ نے لکھ کر کاغذ اسے دے دیا اور وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور خوب رویا۔ مرنے کے وقت حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ مرنے کے بعد آپ مجھ کو غسل دیں اور قبر میں اُتاریں اور یہ تحریر میرے ہاتھ میں پکڑا دیں تاکہ قیامت کے روز

میں اسے سفارش کے طور پر پیش کروں۔ حضرت خواجہ نے مرنے کے بعد اس کی تجہیز و تکفین فرما کر نماز جنازہ بہت سے لوگوں کے ساتھ ادا کی اور قبر میں اُتار کر نوشتہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

جب گھر تشریف لائے تو بہت پریشان ہوئے کہ تحریر دے کر اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مداخلت کر کے سخت غلطی کی۔ رات بھر نیند نہ آئی اور نماز پڑھتے رہے۔ پھر ذرا دیر کے لئے آنکھ بند ہوئی تو خواب میں شمعون کو دیکھا کہ سر پر تاج رکھے حلۂ بہشتی پہنے جنت میں ٹہل رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے حال پوچھا تو اُس نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے بے حد مہربانی فرمائی اور بہت مقام عطا کیا اور یہ سب کچھ آپ کے طفیل ہوا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ آپ کے سفارش نامہ کی بھی اب ضرورت نہیں رہی، یہ واپس لے لیں۔ حضرت خواجہ کی جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ نوشتہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت خواجہ کی بے شمار کرامات مشہور ہیں۔ علم و فضل میں بھی آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ بہت زیادہ رونے سے آپ حد درجہ نحیف ہو گئے تھے۔ ایک روز حالت بہت خراب ہو گئی تو بہت سے اطبا حاضر خدمت ہوئے۔ طبی معائنہ کے بعد کہا کہ جسم میں نہ خون ہے اور نہ ہڈیوں میں مغز۔ ایسے شخص کی زندگی کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ حضرت نے سُنا تو نعرہ مارا کہ تم عاشقوں کی نبض دیکھنا کیا جانو، عام لوگوں کی زندگی کا دارومدار بے شک خون اور مغزِ اُستخوان پر ہے لیکن عاشقانِ الٰہی کی زندگی ذکرِ الٰہی سے ہے۔ عوام کو قوت غذا سے ملتی ہے اور عاشقانِ خدا کو قوت اُس کی محبت سے ملتی ہے۔

آپ کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں۔ سب بلند پایہ بزرگ ہوئے۔ اُن میں حضرت رابعہ بصریؒ بھی شامل ہیں۔

آپؒ کی وفات ۳ محرم الحرام ۱۱۱ھ کو ہوئی۔ آپ کا روضہ مقدسہ بصرہ سے چھ میل دُور واقع ہے۔

قاضی محمد ابراہیم کرنالی کی دو نظمیں

قاضی محمد ابراہیم صاحب کا مختصر حال پانچویں باب میں آچکا ہے، آپ کی دو نظمیں جو آپ کی تالیف "تفریح الاخوان" (جو ارائیں برادری کے اہلِ عرب ہونے کے متعلق لکھی تھی) میں سے لے کر قاری عظیم اللہ صاحب کے ارشاد پر تبرکاً درج کی جا رہی ہیں :

— سردار محمد

خدا پوچھے گا ہر راعی سے حال اس کی رعیت کا
ازل سے ساتھ ہے جو باہم راعی و رعیت کا
پتہ لگتا ہے اس سے ہستیٔ خالق کا خلقت کا
رسول حق نے فرمایا کہ ہو تم سب کے سب راعی
خدا پوچھے گا ہر راعی سے حال اس کی رعیت کا
رعیت کا جو ہے مفہوم اس کو بھی سمجھ لینا
رہے مدِ نظر تم کو جو ہے ارشاد حضرت کا
خدا کے روبرو اعلیٰ بزرگی ہے اسے حاصل
جو قول و فعل میں خوگر ہے تقویٰ اور خشیت کا
[illegible] ، کی ہمیں معیار جو حق نے بتائی ہے
حقیقت میں کھرا پن ہے یہی بس آدمیت کا
نہیں انسان وہ نادان وہ ہے حیوان سے بد تر ہے
نہیں ہے درد جس کے دل میں اپنی قوم و ملت کا
خدا پر خوب روشن ہے ہمارا ظاہر و باطن
عیاں ہے ہر زماں احوال اس پر سب کی نیت کا
اخوت نے سکھایا ہے ہمیں رہنا مروت سے
تقاضا ہے یہ مذہب کا یہ منشا ہے حمیت کا

مواشی کا نگہبان جس طرح ہوتا ہے چرواہا
محافظ ہے اسی صورت سے راعی بھی رعیّت کا
ہماری قوم کا اسم گرامی کیا ہی پیارا ہے
محافظ ہے اسی صورت سے راعی بھی رعیت کا
مسلمان سب برابر ہیں حضورِ حق تعالےٰ میں
یہ ہے فرمانِ پیغمبرؐ سبق ہے یہ شریعت کا
بلا حُسنِ عمل سب شیخیاں بے کار ہیں جب کہ
دکھائیں شیخ جی پٹہ ہمیں اپنی فضیلت کا
بنے پھرتے ہیں یوں تو راعی و افغان و مرزا بھی
وہ مسلم کیا نہیں جن پر اثر درسِ اخوّت کا
بڑا ہی عیب ہے تحقیر کرنی اک مسلمان کی
جو اس کا مرتکب ہے بس وہی مورد ہے ذلت کا
نفاق و تفرقہ سب چھوڑ دو گر اہلِ ایمان ہو
مزہ تم نے اٹھایا ہے بہت ادبار و نکبت کا
تمہیں اے راعیانِ ہند گر عزت سے جینا ہے
بنو مسلم کہ جو پیکر ہے خود داری کا غیرت کا
خدا کے روبرو ممتاز ہو اور سارے عالم ہیں
اثر ہو قوم پر قاضیؔ اگر تیری نصیحت کا

قوم راعیؔ سے خطاب :-

جاگ اب اے قوم کس غفلت میں ہے تو سو رہی
قیمتی ہے وقت یہ جس کو ہے ضائع کر رہی
غیر قومیں تجھ سے ہیں آگے بڑھیں کچھ ہے خبر
جھولیاں ان کی گلوں سے ہیں بھری ہے کچھ خبر

یاد کر کچھ اپنی پہلی حالت، یاد کر!!
کچھ ترقی کچھ بلندی کی وہ حالت یاد کر

تو وہی ہے قوم راعی لوگ کہتے ہیں جسے
کام راعیوں کا بھی کچھ کرنا مناسب ہے تجھے

کام وہ کر کے زمانے کو دکھا، جو کام ہو
اور قومیں دیکھتی رہ جائیں، تیرا نام ہو

کام ہی سے آبرو اور کام ہی سے نام ہے
کام جو کرتا نہیں، دنیا میں وہ ناکام ہے

(محشر انبالوی)

مکتبہ رشیدیہ ۳۰ اے، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

اس کے مالک عبدالرشید ارشد یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کو ہری پور تحصیل نکودر ضلع ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ کچھ ابتدائی تعلیم ڈی۔بی ہائی سکول نکودر میں حاصل کی۔ رائے پور میں حفظ قرآن کیا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۵۳ء میں مدرسہ عربی خیر المدارس سے سند فراغت حاصل کی۔ مستقل سکونت میاں چنوں میں ہے۔ وہیں ۱۹۵۶ء میں مکتبہ رشیدیہ کی بنا ڈالی۔ چند ایک رسائل اور ایک کتاب "نغماتِ جہاد" ترتیب دے کر وہیں سے شائع کی۔ ۶۷ء میں لاہور آ کر کام شروع کیا۔ "بیس بڑے مسلمان" نامی کتاب جس میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تک بیس اکابر کا تذکرہ ہے ترتیب دی اور خود ہی شائع کی۔ یہ اپنی نوعیت کی برصغیر میں پہلی کتاب ہے اور ۲۰×۳۰/۸ کے گیارہ صد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر روح المعانی (عربی)، جو سولہ جلدوں پر محیط ہے شائع ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف کتابیں دینی و علمی شائع کی ہیں۔ جن میں النبیؐ الخاتم (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) اور تذکرہ مولانا محمد یوسفؒ (امیر تبلیغی جماعت) قابلِ ذکر ہیں۔ کام کرنے کی استعداد و صلاحیت ہے لیکن مالی وسائل کے فقدان کی بناء پر

کچھ بن نہیں پڑتا۔ بہرحال ایک اچھے اشاعتی ادارے کو قائم کیا ہے۔
ان کے والد حاجی تاج محمد صاحب برمنگھم میں صدر جمیعتہ المسلمین ہیں اور پینتیس سال سے انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ جمیعتہ المسلمین انگلینڈ میں مسلمانوں کی اوّلین انجمنوں میں سے ایک ہے۔ جس کے رُوحِ رواں حاجی صاحب رہے ہیں۔ اس جمیعت نے برمنگھم میں چار لاکھ پونڈ کے صرفے سے ایک عظیم الشان جامع مسجد تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جس میں برمنگھم کے ہزاروں مسلمان حصّہ لے رہے ہیں۔ تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ آپ ہی کی کوششوں سے دو چار احباب نے مل کر انگلینڈ میں تبلیغی جماعت کا کام شروع کیا جو اب پُورے ملک میں پھیل چکا ہے۔ آپ کی اس دیندارانہ تربیت میں مدرسہ عربی ہولئے پور کا بڑا حصّہ ہے۔ آج انگلینڈ میں سینکڑوں لوگ باریش ہیں، حاجی صاحب جوانی کی عمر میں باریش ولایت گئے جب کہ آپ کے علاوہ اور کوئی باریش نہیں تھا۔ اتنے متقی اور پرہیزگار ہیں کہ اتنے عرصے میں شائد ہی کوئی نماز قضا ہوئی ہو اور اتنے عرصے تک وہاں رہنے کے باوجود آج تک پاکیزہ کھانا کھایا اور وہاں ایسے رہ رہے ہیں گویا کوئی خانقاہ ہے جس میں ان کی مسلسل تربیت ہو رہی ہے۔

چوہدری محمد یوسف صدر انجمن راعیان ڈسٹرکٹ گجرات

آپ جولائی ۱۹۴۰ء میں بمقام امرتسر ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی دین محمد ہے۔ آپ کے حالات زندگی کا خلاصہ جو قوم کے ہر بہی خواہ کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ بیس برس کی عمر میں مرکزی انجمن ارائیان پاک و ہند سے منسلک ہوئے اور دیوانہ وار کام کی بدولت بہت جلد انجمن کی ورکنگ کمیٹی کے رکن مقرر ہو گئے اور اب تک ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں محکمہ تعلیم میں ملازم ہو کر گجرات آئے اور ۱۹۶۹ء میں ریٹائر ہوئے۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے فرصت کے قیمتی اوقات کو ایک مستقل اصول بنا کر برادری کی تنظیم نو میں کچھ اس خلوص سے دن رات کام کیا کہ برادری کی اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جہلم دمیرپور (آزاد کشمیر) محراب پور (سندھ) اور کوئٹہ وغیرہ جہاں بھی آپ تبلیغ وغیرہ کی غرض سے گئے۔ وہاں مقامی انجمنوں کی تشکیل اور ہر قوم کے حسب و نسب کی روشن مثالیں دے کر بھائی بندوں کے دلوں میں دیگر برادریوں میں باوقار رہنے کے

جذبات ابھارتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں جہلم و میر پور کے ایک سالانہ جلسہ میں میاں محمد شفیع صاحب ایم۔ اے (م۔ ش) نے اپنی تقریر کے دوران پُر جوش لہجہ میں چوہدری صاحب کو لسان القوم کا خطاب دیا۔ جس کی تائید حاضرین کی پُر جوش تالیوں نے کی۔ ۱۹۷۰ء میں لالہ موسیٰ کے مقام پر جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے سردار احمد علی صاحب صدر انجمن ارائیان پاکستان نے وسیع پنڈال کے بھرے جلسے میں جس میں تین ہزار سے زائد حاضرین تھے، برملا اعتراف کیا کہ میں نے اپنے بڑے لوگوں کے وقت بھی بڑے بڑے اجتماع دیکھے۔ لیکن آج گجرات کے اس پُر شکوہ اجتماع کا جو اہتمام چوہدری صاحب نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور شاید آئندہ بھی... بلاشبہ آج کا یہ پُر سکون مگر عظیم الشان جلسہ آل پاکستان ارائیں کانفرنس کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ جس کے جواب میں سامعین نے مرحبا کے نعروں سے صدر جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ غرضیکہ چوہدری صاحب کی اس فطری لگن اور عملی کام کے نمونے پیش کرنے کے لئے کئی اوراق درکار ہیں لیکن مشتے از خروارے۔ اوپر دو ایک حوالے محض اس غرض سے دیئے گئے ہیں کہ قوم کے وہ بہی خواہ نوجوان جو اپنی قوم کو سوسائٹی کے ہر مقام پر بلند و بالا دیکھنے کے لئے آرزو مند ہیں وہ چوہدری صاحب ممدوح کی طرح عملی طور پر اپنے فرصت کے اوقات کی قربانی دے کر میدانِ عمل میں قدم رکھیں اور ان کے اس اصول کو یاد رکھیں کہ کسی بھی بظاہر پُر جوش کارکن کی عمل سے خالی خولی خواہشات، اس کی قوم کی بیداری یا سرفرازی میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتیں بلکہ قومی عظمت اپنے شیدائیوں سے دیانت، خلوص اور عمل پیہم کا ٹھوس مطالبہ کرتی ہے۔

(الحاج سردار محمد)

چوہدری نبی بخش نایاب (مرحوم)

نکودر ضلع جالندھر میں ہماری برادری کے ایک نامور شاعر منشی نبی بخش نایاب تقسیم سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کا دیوان، دیوانِ نایاب کے نام سے ان کی زندگی میں ہی شائع ہوا تھا۔ ان کے بیٹے اور پوتے تقسیم ملک کے بعد میاں چنوں میں آباد ہوئے۔ ان کے دو بیٹے چوہدری غلام جیلانی اور چوہدری غلام ربانی ہیں۔

چوہدری غلام جیلانی کے دو بیٹے ہیں۔ (۱) چوہدری محمد افضل۔ دوسرے چوہدری محمد اختر ایس ڈی او اریگیشن۔

چوہدری غلام ربانی صاحب کے چھ بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) چوہدری خورشید احمد (۲) میجر سلطان احمد چوہدری (۳) چوہدری سردار احمد ٹھیکیدار (۴) میجر فاروق احمد چوہدری (۵) چوہدری رشید احمد بار ایٹ لاء ایڈووکیٹ (۶) چوہدری رفیق احمد اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایگریکلچر۔

سردار فیملی گنجہ کلاں ضلع لاہور

تاتاریوں نے چنگیز خاں کی زیر قیادت جب خوارزم کی سلطنت کو روندڈالا اور سمرقند اور بخارا وغیرہ شہروں میں قتل عام کیا اور ان کو کھنڈرات بنا کر رکھ دیا۔ اس وقت ہندوستان میں شہنشاہ شمس الدین التمش کا راج تھا۔ اس نے تاتاریوں کی بڑھتی ہوئی زبردست طاقت کو دیکھ کر ان کی یورش کی روک تھام کے لئے لاہور اور ملتان کی فوجوں میں اضافہ کے ساتھ ان دونوں شہروں کے درمیان دیپالپور میں چیدہ چیدہ بہادروں کو ملک کے دوسرے گوشوں سے ڈھونڈ کر ایک زبردست فوج رکھی اور وہاں ایک بڑی چھاؤنی قائم کی تاکہ درہ بولان کی طرف سے تاتاری آئیں تو ملتان کی فوج کو ساتھ ملا کر یہ مقابلہ کریں۔ اگر درہ خیبر سے آئیں تو دیپالپور کی فوج لاہور کی فوج کو ساتھ ملا کر مقابلہ کرے۔ یہ چھاؤنی تاتاریوں کے حملوں کے سلسلہ تک تقریباً ایک صدی تک دیپالپور میں قائم رہی۔ تاتاریوں کو ایک دفعہ بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ سردار فیملی کا مورثِ اعلیٰ اس فوج میں بڑا عہدہ دار تھا۔ اس کے لڑکے پوتے بھی ان حملوں کو جو تاتاریوں کے ہوتے تھے بڑی بہادری سے روکتے رہے۔

دیپالپور کے بالکل قریب ان کو آٹھ دیہات پر مشتمل ایک جاگیر ملی۔ اس جاگیر میں انہوں نے ایک مرکزی گاؤں بنایا جو ان کے خطاب دولہ کے نام سے مشہور ہوا۔

جب ایک صدی کے بعد اس چھاؤنی کی ضرورت نہ رہی تو یہ اپنی جاگیر میں زراعت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اس گاؤں کو دو دفعہ تاتاریوں نے مسمار کیا۔ یہ پھر تیسری دفعہ

آباد کیا گیا۔ پہلے مسمار شدہ گاؤں کی پختہ اینٹوں کو لا کر سارا گاؤں اور فصیل پختہ اینٹوں سے بنائی گئی۔ جس کی وجہ سے یہ گاؤں ڈولہ پختہ کے نام سے مشہور رہا۔ یہی نام اس گاؤں کا آج تک چلا آرہا ہے۔ جب سکھوں کا زمانہ آیا انہوں نے لاہور کے بعد ملتان پر قبضہ کرنا ضروری سمجھ کر دیپالپور وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے پانچ گاؤں بھی لے لئے۔ ان کے تین گاؤں ڈولہ پختہ، لوہاری والا اور دولہ واحد رہ گئے۔ جو آج تک ڈولہ پختہ کی میاں فیملی کے پاس موجود ہیں۔

اس خاندان کے ایک بڑے لیڈر ہوشیار میاں حسن نے ایک زبردست جتھہ مرتب کیا تاکہ سکھوں کی مار دھاڑ کا دفاع کیا جا سکے۔ قصور پر سب سے آخر میں سکھ قبضہ کر سکے وہاں سکھوں پٹھانوں کی لڑائی کا حال سُن کر میاں حسن اپنے زبردست جتھہ کو لے کر قصور پٹھانوں کی مدد اور سکھوں سے لڑنے کے لئے آ گیا۔ ان کی قصور میں آمد اور لڑائی میں شمولیت کے بعد جلد ہی پٹھانوں اور سکھوں کی صلح ہو گئی۔ اس پر میاں حسن کو فکر لاحق ہوئی کہ رنجیت سنگھ کا عتاب ہم پر ضرور نازل ہو گا کہ ہم پٹھانوں کی مدد کے لئے کیوں آئے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے جتھہ کو لے کر واپس دیپالپور کو روانہ ہوا۔ قصور سے دیپالپور کی طرف ٹھیک ۱۲ میل پر ایک میدان میں انہوں نے قیام کیا تاکہ دوسرے دن صبح سفر کیا جائے۔ اس میدان کے قریب ایک سکھ نے خام قلعہ بنایا ہوا تھا۔ یہ رقبہ اس کو اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس لئے ملا ہوا تھا کہ بوقتِ ضرورت وہ ایک سو آدمی لڑائی کے موقع پر لا سکے۔ یہ خام قلعہ چٹیل میدان میں بنایا ہوا تھا اس لئے اس کا نام قلعہ گنجہ مشہور ہو گیا تھا۔

سکھ قلعہ دار نے اپنے قلعہ کے برج سے میدان میں اس قافلہ کو دیکھ کر آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ میاں حسن نے جواب دیا کہ ہم قصور سے واپس دیپالپور جا رہے ہیں۔ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ سکھ قلعہ دار نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ سکھوں سے لڑنے کے لئے قصور گئے تھے یہاں سے ابھی نکل جائیں ورنہ میں لڑائی کروں گا۔ میاں حسن نے پیغام لانے والے کو جواب دیا کہ ہم نے رات گزارنی ہے، صبح سویرے ہم چلے جائیں گے لیکن سکھ قلعہ دار نے اپنے قلعہ میں نوبتیں بجا کر اپنی فوج کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ اور قلعہ سے باہر فوج لا کر اس جتھہ پر حملہ کر دیا۔ قلعہ میں نوبت کی آواز سے میاں حسن اور ان کا جتھہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لڑائی ہوئی اور

سکھ ہار گئے اور رات کو ہی میاں حسن نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سکھ جتھہ دار لاہور کی طرف بھاگ گیا۔
اس زمانہ میں شنوائی یکایک نہیں ہوتی تھی۔ میاں حسن بارہ سال اس قلعہ اور قصبہ پر قابض رہے اس اثناء میں انہوں نے قریب کے تمام مسلمان دیہاتوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر لئے راجپوتوں کے ساتھ بھی اس کے موضع جویہ سے آگے کوٹلی رائے ابوبکر اور رکھانوالہ تک تعلقات قائم ہو گئے۔ پھر لاہور سے دس بارہ میل کے قریب موضع چندرا تھا۔ راجپوت اس کے دوست بن گئے۔ انہوں نے سب کو تاکید کے ساتھ کہا ہوا تھا کہ قلعہ گنجہ کا قلعہ دار رنجیت سنگھ کی فوجی مدد لے کر آئے تو ہمیں فوراً اطلاع دی جائے۔ اس علاقہ میں میاں حسن کی دلیری اور بہادری اور قلعہ کو فتح کرنے کا بڑا چرچا تھا۔ اس علاقہ میں میاں کے القاب سے لوگ واقف نہیں تھے۔ وہ بڑے آدمی کو سردار کہتے تھے اس لئے میاں حسن، سردار حسن کے نام سے پکارے جانے لگے۔ موضع چندرا نزد لاہور سے ایک گھوڑ سوار قاصد نے آکر سردار حسن کو اطلاع دی کہ قلعہ دار رنجیت سنگھ کی فوج کا دستہ لے کر آرہا ہے۔ رات اس نے چندرا گاؤں کے میدان میں قیام کیا تھا۔
میاں حسن نے اپنے آدمیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم یہاں راجہ رنجیت سنگھ کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنا سب اسباب بیل گاڑیوں پر لاد کر یہاں سے روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ سردار حسن تم اپنے جتھہ کو لے کر قلعہ گنجہ سے روانہ ہو کر ٹھیک بارہ میل دور جا کر مقام کیا۔ قلعہ گنجہ میں انہوں نے کہا ہوا تھا کہ اگر سکھ فوج نے ہمارا تعاقب کیا تو ہمیں اطلاع دی جائے۔ جس جگہ سردار حسن نے مقام کیا تھا وہ دریائے ستلج کے قریب تھا کہ اگر لڑائی سے کوئی نقصان ہو تو دریا کے پار انگریزی راج میں جائیں
چار پانچ دن کے بعد گنجہ کلاں سے آدمی آیا کہ سکھ فوج قلعہ دار کو قلعہ کا قبضہ دے کر اور فتح کا جشن منا کر فتح کے ڈنکے بجاتے ہوئے واپس لاہور کو چلے گئے ہیں۔
کچھ دن کے بعد جب یہ واضح ہوا کہ اب یہاں کوئی خطرہ نہیں تو سردار حسن نے اسی مقام کو مستقل رہنے کے لئے پسند کیا۔ یہ زمین ایک سکھ کی جاگیر تھی۔ سکھ مر گیا تو اس کی بیوہ ڈیڑھ میل دور موضع تتارا میں ایک گڑھی (چھوٹا سا قلعہ) میں رہتی تھی۔ اس نے سردار حسن سے اس لئے کوئی مزاحمت نہ کی کہ جو دیپالپور سے قصور راجہ کے ساتھ لڑائی کرنے آگیا تھا پھر ایک

قلعہ خام بھی اس نے قلعہ گنجہ چھین لیا تھا، اس کے ساتھ لڑائی کی مجھ میں تاب ہی نہیں۔

سردار حسن نے اسی جگہ پر گاؤں بنانا شروع کیا۔ انہوں نے نانک شاہ چھوٹی اینٹوں کے کئی آوے پکوا کر بارہ کنوئیں تعمیر کرائے اور اپنے گھر کے لئے اس زمانہ کے ڈیزائن کا پختہ مکان بنایا سردار حسن کی وفات کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے سردار احمد نے پندرہ پختہ کنوئیں اور گھر کے مکانوں کو محل کی شکل میں تبدیل کرنے کے علاوہ وہاں ایک ایسی پختہ اور بڑی مسجد بنائی کہ قصور شہر یا چونیاں یا ضلع بھر کے کسی گاؤں میں ایسی بڑی مسجد نہیں تھی۔

سردار احمد کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام نور محمد اور چھوٹے کا برہان تھا۔ سردار احمد کی وفات کے بعد ان دونوں نے اٹھارہ پختہ کنوئیں اور بنائے۔ جب انگریزی راج آیا تو سردار نور محمد کی عمر ۴۴ سال اور سردار نور برہان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ انہوں نے انگریزی حکومت سے تعاون نہ کیا۔ اپنی زراعت کے انتظام، گاؤں کی توسیع اور گاؤں سے باہر ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا باغ لگانے میں مصروف رہے۔ جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد ملک میں ہر ایک نے حکومت سے تعاون کیا تو ان دونوں بھائیوں نے بھی حکومت سے تعاون کرنا ضروری سمجھا اس تعاون سے سردار نور محمد اس علاقہ کا ذیلدار بنایا گیا۔ پھر جلد ہی ان کو اس علاقہ کا آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا۔ اور دیوانی مقدمات کے بھی اختیارات دے دیئے گئے۔ انہوں نے گاؤں سے باہر باغ کے قریب دو کوٹھیاں بنائیں۔ ایک کوٹھی کو عدالت گھر بنایا گیا اور دوسری کوٹھی انگریز افسران کے لئے جو دورہ پر آتے یا شکار کے لئے آتے (کیونکہ دریا قریب تھا اور یہ بڑی اچھی شکار گاہ تھی) تو اس دوسری بڑی کوٹھی جو اس زمانہ کے اعلیٰ ڈیزائن کی تھی میں ٹھہرتے۔ چھوٹے بھائی سردار نور برہان کو پہلے خاں صاحب کا خطاب ملا پھر جلد ہی ان کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔ قصور جو ۲۶ میل دور تھا، گاؤں کا ریلوے اسٹیشن تھا۔ یہ چار پانچ تھانے جو قصور اور چونیاں سے دور تھے وہ سب ان کی مجسٹریٹی میں تھے

ان دونوں بھائیوں کے گنجہ کلاں میں ۴۵ پختہ کنوئیں تھے۔ جہاں انہوں نے مزارعوں آم اور جامن کے پودے دے کر بارہ آم اور بارہ جامن ہر کنوئیں پر لگانا ضروری قرار دیا تاکہ ان کی آمدنی سے اس بڑے گاؤں کی صفائی، مسافروں کے طعام و قیام کے اخراجات اور سرکاری افسروں کی آمد پر خرچ ہو سکے۔ انہوں نے گنجہ کلاں کے قریب ایک اور گاؤں خرید کر اس کا نام گنجہ خُرد رکھا۔

اور بڑے گاؤں کا نام بجائے گنجہ کلاں کے گنج کلاں رکھا لیکن عوام میں یہ مقبول نہ ہو سکا۔ ضلع لاہور میں گنجہ کلاں کے اطراف میں ان کے چار گاؤں ماموں کے محمود اور رٹھوڑ تھے اور دریا کے پار ضلع فیروزپور میں ان دیہات کے متصل چار گاؤں خرید کر بنائے۔ موضع پھاروو الا، موضع گٹی، موضع خاص مترّط، موضع غزنی والا۔ ان دونوں بھائیوں کی زمین چھ ہزار ایکڑ اراضی تھی۔ حکومت سے انہوں نے کوئی زمین نہیں لی۔ بہت عرصہ کے بعد جب پتوکی کی بار آباد ہونے لگی تو حکومت کی طرف سے ان کو پیش کش کی گئی کہ آپ دو ہزار ایکڑ زمین لے کر فارم قائم کریں لیکن انہوں نے لکھا کہ ہمارے پاس آٹھ گاؤں بڑے زرخیز ہیں۔ ہم پتوکی میں خود زمین نہیں لیتے۔ آپ ضلع لاہور اور خصوصیت سے تحصیل قصور اور تحصیل چونیاں میں کم زمین رکھنے والوں کو ہمارے مشورہ سے زمین دیں۔ یہ بات حکومت نے منظور کر لی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے گاؤں کی حدود سے باہر قصور اور چونیاں تک فہرست بنائی جو حکومت نے مان لی اور اسی فہرست کے مطابق زمین تقسیم ہوئی۔ اس میں بہت کم زمین رکھنے والے ارائیوں کے نام تھے اس لئے پتوکی میں ارائیں بڑی کثرت سے آباد ہوئے۔ پاکستان بننے تک وہ علاقہ برادران گنجہ کلاں کی بڑی عزت کرتا رہا اور اب تک وہ بڑے احترام کی نگاہ سے ان کو دیکھتے ہیں

۱۹۱۱ء میں امرتسر سے قصور اور قصور سے پاکپتن ریلوے لائن بنائی گئی تو گنجہ کلاں کے قریب چار میل پر عثمان والا اسٹیشن پر ان دونوں بھائیوں نے زمین خرید کر ایک منڈی کی بنیاد رکھی۔ اس میں دو کوٹھیاں، ایک بازار، ایک چوک، ایک مسجد اور محلے بنائے: ابھی یہ کام جاری تھا کہ ۱۹۱۷ء میں یہ ریلوے لائن حکومت اکھاڑ کر بصرہ بغداد لے گئی۔ اس سے تعمیر رک گئی۔ ۱۸۹۸ء میں سردار نور محمد آنریری مجسٹریٹ نے ضلع لاہور کے ایک ریلوے سٹیشن گنڈا سنگھ والا میں جو ضلع فیروز پور کے بھی قریب تھا ایک ارائیں خاندان میں جو خطبہ انہوں نے دیا وہ اس خاندان کے پاس چھپا ہوا موجود ہے۔ اس کانفرنس میں باغبان پورہ سے میاں جمال الدین (میاں افتخار الدین کے والد) اور مسٹر شاہ دین جو بعد ازاں چیف کورٹ لاہور کے جج رہے، شامل ہوئے اور ان دونوں اضلاع کے جملہ سرکردہ ارائیں شامل ہوئے۔ سردار نور محمد نے اپنے خطبہ صدارت میں تنظیم برادری، بیاہ شادی پہ بے جا رسومات کی بندش اور کفایت شعاری اختیار کرنے اور تعلیم پہ زور دیا۔ ایک محاسبہ کمیٹی بنائی کہ جو دستور کی ... خلاف ورزی کرے گا اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ یہ کمیٹی بڑی سختی سے نگرانی کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ضلع لاہور (ماسوائے لاہور شہر) اور ضلع فیروزپور کے ارائیں ۲۰ سال میں اس سے دوگنی زمین خرید سکے جتنی پہلے ان کے ہاں تھی۔

سردار حاجی نور محمد بہت بڑے عالم فاضل اور تاریخ دان تھے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی خان بہادر سردار نور برہان کی دو لڑکیوں کو پندرہ سال مسلسل خود پڑھایا۔ وہ دونوں عربی فارسی کے علاوہ تاریخ کی بڑی ماہر تھیں، ان میں ایک تو سردار محمد شفیع کی والدہ تھیں۔ وہ محمد شفیع کی پیدائش کے آٹھ دن بعد فوت ہوگئیں تو ان کی بڑی ہمشیرہ نے سردار محمد شفیع کی تربیت کی کیونکہ وہ خود بڑی عالم اور تاریخ دان تھی۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سردار محمد شفیع بچپن ہی سے انگریزی حکومت کے مخالف ہوئے۔ یہ اس ابتدائی تربیت کا نتیجہ ہے۔

سردار نور محمد ۱۹۰۳ء کے قریب جالندھر میں ارائیں کانفرنس میں گئے اور تعلیم و تنظیم پر انہوں نے لیکچر دیا۔ سردار نور محمد ۱۹۱۲ء کے آخر میں انتقال فرما گئے۔ تو ان کے چھوٹے بھائی ان کی جگہ مجسٹریٹ بنے۔ وہ عثمانوالہ میں عدالت گھر بنا کر عدالت کرتے اور منڈی کی تعمیر کی نگرانی بھی کرتے۔

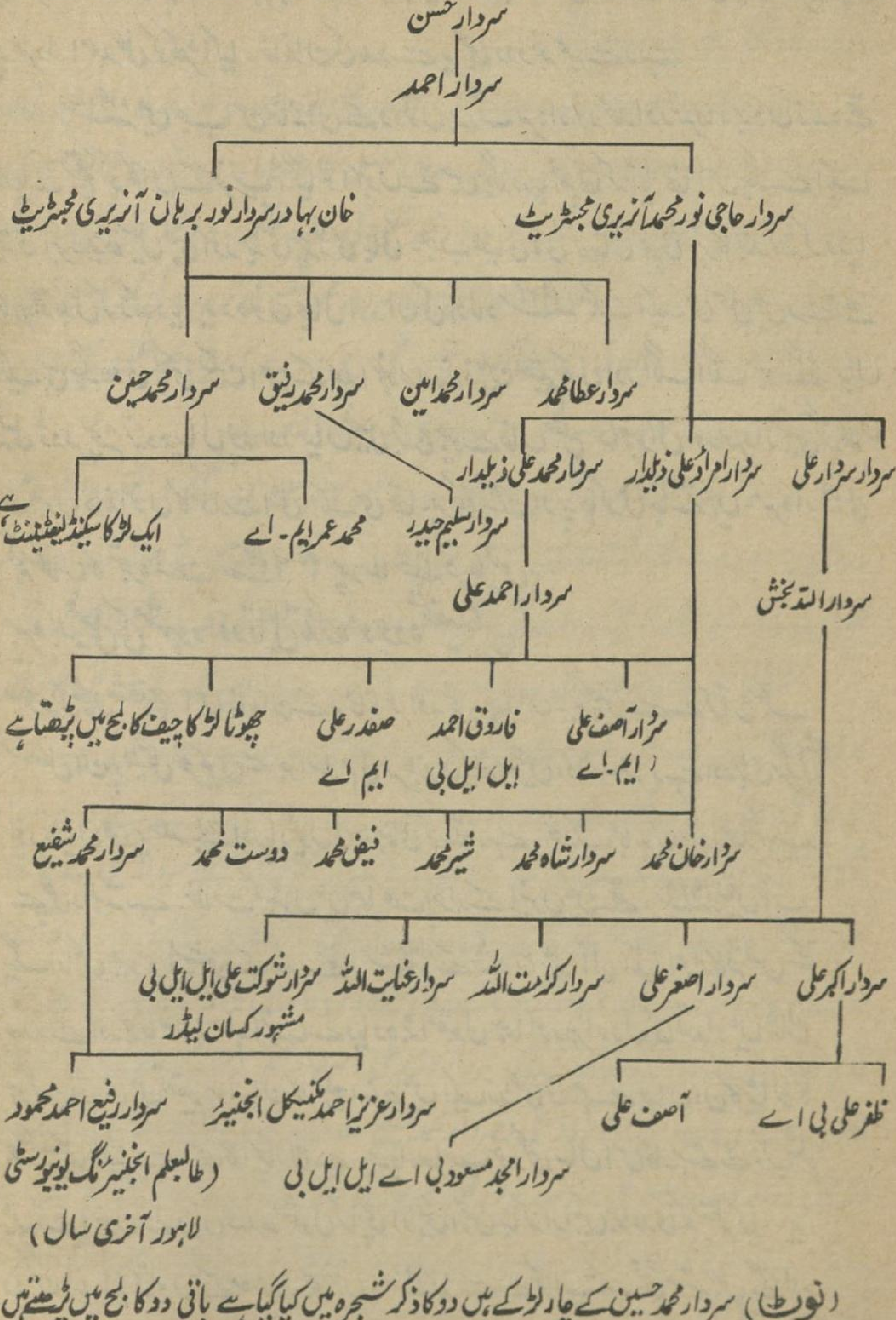
۱۹۱۶ء میں خان بہادر حاجی سردار نور برہان کے مشورہ سے لاہور میں پہلی ارائیں کانفرنس ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں ملک میں اصلاحات ہوئیں اور ضلع لاہور میں (ماسوائے لاہور شہر) ایک ہی مسلم سیٹ تھی۔ میاں سر محمد شفیع نے خان بہادر سردار نور برہان سے مشورہ کر کے اپنے داماد میاں شاہ نواز کو لیجسلیٹو کونسل کے لئے کھڑا کیا۔ وہ کسی دیہات میں نہیں گیا لیکن سرداریلی نے بڑی بھاری اکثریت سے ان کو کامیاب کرایا۔ تین سال بعد لیجسلیٹو کونسل کا پھر الیکشن آیا۔ اس وقت خان بہادر سردار نور برہان تو انتقال فرما گئے تھے لیکن اس خاندان کا اثر بدستور ضلع بھر میں قائم تھا۔ میاں شاہ نواز کو پھر کھڑا کیا گیا۔ سردار وزیر علی (سردار محمد حسین کے والد) ابن سردار خان بہادر نور برہان، سردار امداد علی (سردار محمد شفیع کے والد) ابن سردار نور محمد، اور سردار الہ بخش (والد سردار اصغر علی) جو سردار نور محمد کے پوتے تھے، انہوں نے سارے ضلع کے ووٹ لے کر دیئے اور بڑی بھاری اکثریت سے میاں شاہ نواز پھر کامیاب ہوگئے۔ اس بار بھی وہ صرف ایک دن الیکشن کے وقت بنو کی گئے ورنہ کسی گاؤں میں نہیں گئے۔ اس کے بعد جب اسمبلی بنی اور ضلع کی تین مسلم سیٹیں بنیں تو سردار محمد حسین کو خاندان نے کھڑا کیا۔ وہ کامیاب ہوئے۔ اس سیٹ

پر سردار محمد حسین چار دفعہ ممبر بنتے رہے۔ جب پاکستان بنا تو اس خاندان نے ضلع کی دوسری سیٹ پر سردار احمد علی کو کھڑا کیا۔ خاندان کی مدد سے یہ بھی دو دفعہ ممبر بنتے رہے۔

۱۹۰۷ء میں جب اس خاندان کے دونوں بزرگ سردار نور محمد اور سردار برہان زندہ تھے دریائے ستلج گنجہ کلاں کے قریب آگیا تو انہوں نے جس جگہ دریا خم کھا کر آیا تھا اس جگہ سے ایک بڑی نہر ڈیڑھ میل لمبی اور بڑی چوڑی بنائی۔ جب طغیانی آئی تو بنائی ہوئی نہر کا بند توڑ کر دریا کا بہاؤ بدل کر رکھ دیا۔ یہ دونوں بھائی اور ان کی اولاد ۱۹۲۱ء تک ایک ہی محل میں رہتے تھے ایک ہی جگہ روٹی پکتی لیکن اس کے بعد انہوں نے زمین تقسیم کر لی اور الگ الگ ہو گئے۔ میاں فیملی ڈولہ پختہ نزد دیپالپور اور میاں فیملی برج جیوے خاں ضلع ساہیوال اور سردار فیملی گنجہ کلاں ان تینوں خاندانوں کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی تھا۔ یہ کئی پشت اوپر جا کر مل جاتے ہیں۔ سردار فیملی گنجہ کلاں کا شجرہ نسب صہ ۴۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سردار فیملی کی مشہور اور قابل تذکرہ موجودہ شخصیتیں

(۱) **سردار محمد شفیع** اس خاندان کے بہ لحاظ عمر اور تجربہ بہیڈ ہیں۔ یہ بچپن سے لے کر آج تک مسلسل ان پولیٹیکل تحریکوں سے جو اسلام کی سربلندی کیلئے ہوئیں، وابستہ رہے اور بڑی سرگرمی سے اور نمایاں طور پر حصہ لیتے اور پارٹیوں کی راہنمائی کرتے رہے۔ تحریک مجاہدین سید احمد شہید سے بھی وابستہ رہے۔ خلافت کمیٹیوں میں جماعت احرار کے بانیوں میں تھے۔ ۱۹۲۹ء میں آپ ینگ ارائیں ایسوسی ایشن کے صدر تھے۔ ۱۹۴۷ء کے شروع میں آل انڈیا احرار کانفرنس کے صدر تھے اور جو فاضلانہ خطبہ انہوں نے دیا وہ بڑا مقبول ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر برادری میں تقسیم ہوا۔ ان کا ضلع سندھ میں ایک زراعتی فارم ہے جہاں ان کا بڑا لڑکا جو مکینیکل انجنیئر ہے اس کا انچارج ہے۔ سردار صاحب خود کئی سال اس فارم کے لئے نواب شاہ میں آتے انہوں نے وہاں سندھ بشمول کراچی ارائیں انجمن بنا کر ارائیں برادری کو منظم کیا۔ یہ دو تین بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ۱۹۲۰ء سے لے کر اب تک کئی مرتبہ جیل گئے اور قید کی لمبی سزائیں ان کو ملتی رہیں۔ ان کا مشن صرف قیام حکومت الٰہیہ ہے۔ ان کا فارم نواب شاہ میں کامیابی سے چلتا ہے جہاں ان کے لڑکے کی نگرانی میں مشینری سے کاشت ہوتی ہے۔



(نوٹ) سردار محمد حسین کے چار لڑکے ہیں دو کا ذکر شجرہ میں کیا گیا ہے باقی دو کالج میں پڑھتے ہیں۔

اب ان کی رہائش عثمان والا ضلع لاہور میں ہے۔ ان کی کوٹھی کے قریب ان کی زمین ہے۔ گنجہ کلاں میں بھی ان کی زمین ہے۔

(۲) **سردار احمد علی** :- آپ پاکستان بننے کے بعد دو دفعہ پروونشل اسمبلی کے ممبر رہے۔ لاہور سنٹرل کوآپریٹو بنک کے ۲۸ سال تک صدر رہے۔ چند سالوں سے انجمن ارائیاں لاہور کے صدر ہیں۔ تحصیل اوکاڑہ ۲/۲۶ میں ان کی زمین ہے اور ایک بڑا باغ ہے۔ ان کا لڑکا فاروق احمد ایل ایل بی وہاں رہتا ہے۔ ان کا ایک لڑکا صفدر علی ایم اے کر کے مزید تعلیم کے لئے امریکہ گیا ہوا ہے اور سب سے چھوٹا لڑکا چیفس کالج لاہور میں پڑھتا ہے۔ گلبرگ میں ان کی کوٹھی ہے جہاں آپ رہتے ہیں۔

(۳) **سردار اصغر علی** بی اے ایل ایل بی پی سی ایس ریٹائرڈ۔ آپ بڑے محنتی ہیں۔ بڑے بڑے عہدوں پر رہ کر اب ریٹائر ہوئے ہیں۔ انہوں نے تحصیل چونیاں موضع جبل کے رقبہ میں ایک فارم قائم کیا ہوا ہے جہاں اچھے پیمانہ پر کاشت ہوتی ہے۔ مال روڈ، ریگل، سٹینڈرڈ ہوٹل والی ساری دو منزلہ عمارت ان کی ہے۔ گوجرانوالہ میں بھی ان کی زمین اور کوٹھی ہے۔ گنجہ کلاں میں بھی ان کی زمین ہے۔ عثمان والا منڈی کے حصہ دار ہیں۔ پچھلے سال آپ نے اور آپ کی اہلیہ نے حج کیا تھا۔

سردار شوکت علی بی اے ایل ایل بی۔ آپ پہلے بھاشانی پارٹی کے ویسٹ پاکستان کے نمایاں لیڈر تھے اب بھی کسان پارٹی کے صدر ہیں۔ آپ نے چونیاں کے قریب ایک زراعتی فارم قائم کیا ہوا ہے۔ لاہور میں ان کی دو کوٹھیاں ہیں۔ آپ کافی سرمایہ دار ہیں۔ اور کامیاب وکیل ہیں۔

سردار امجد مسعود (ابن سردار اصغر علی) بی اے ایل ایل بی۔ یہ دو دفعہ تعلیم کے لئے لندن گئے اور وہاں سے بھی ڈپلومہ حاصل کیا۔ بڑے شریف اور محنتی ہیں۔ چونیاں میں پریکٹس بھی کرتے ہیں۔ اور اسی تحصیل میں وسیع فارم کی نگرانی کر رہے ہیں اسلامی جذبہ بھی رکھتے ہیں

سردار محمد عمر (ابن سردار محمد حسین) ایم۔ اے) انہوں نے اپنا زراعتی کاروبار سنبھال رکھا ہے۔ عام طور پر فیروزپور روڈ (کوٹھی سردار محمد حسین مرحوم) کوٹھی نمبر ۲۱ میں رہتے ہیں۔ بڑے دلیر اور بہادر ہیں۔

سردار آصف علی (ابن سردار احمد علی) ایم اے آکسفورڈ یونیورسٹی ہیں۔ آپ گورنر نور خاں کے مشیر بھی رہے ہیں۔ اب بونگا مالا نزد بیڈ بو کی اپنے زراعتی فارم میں اپنے وسیع باغوں اور زراعت کی نگرانی کرتے ہیں۔

سردار فاروق احمد بی اے ایل ایل بی۔ آپ ۲۶/۲ اد کاڑہ کے اپنے زراعتی فارم میں جہاں وسیع باغ ہے اس کی نگرانی کرتے اور رہتے ہیں۔

الحاج مولوی پیر محمد صاحب

محترم مولوی پیر محمد صاحب اپنے علاقے کی بلند مرتبت اور مشہور ترین ہستی تھے۔ آپ تحصیل نکودر ضلع جالندھر کے ایک مشہور گاؤں ننگل انبیار میں پیدا ہوئے۔ آپ کی زندگی اور آپ کی آمدنی کا بیشتر حصہ فلاح قوم کے لئے وقف رہا۔ انہوں نے ضلع جالندھر اور فیروزپور میں کئی تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھی۔ دو ہائی سکولوں کے علاوہ کئی دوسرے دینی تعلیمی ادارے قائم کئے۔ قومی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ امداد باہمی کے اداروں کو کامیاب بنانے کے لئے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ تعلیمی ذوق رکھنے والوں کی امداد اور حوصلہ افزائی میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

خان بہادر میاں عبدالرب صاحب

تحصیل نکودر ضلع جالندھر کے ایک مشہور و معروف گاؤں ننگل انبیار میں پیدا ہوئے۔ لاء کالج سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد سال ۱۹۳۷ء میں ضلع جالندھر کے دیہاتی حلقے سے متحدہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ سال ۱۹۴۲ء میں حکومت ہند نے انہیں محکمہ مالیات میں ملازمت کے لئے مدعو کر لیا اور مشیر قومی بچت صوبہ مغربی پاکستان کے عہدے سے سال ۱۹۶۷ء میں ریٹائر ہوئے۔ سرکاری ملازمت کے دوران اچھی کارکردگی کے صلے میں حکومت ہند نے ان کو خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ کئی سال تک مختلف تعلیمی اداروں کی انتظامیہ میں اعزازی طور پہ خدمات انجام دیں۔ آجکل بطور آنریری جنرل سیکرٹری انجمن ارائیان پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کے والد محترم مولوی پیر محمد صاحب مرحوم نے اضلاع جالندھر اور فیروزپور میں تعلیم کو فروغ دینے میں ... ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

کنگ اراٹیاں تحصیل پھلور ضلع جالندھر کا

ایک ارائیں خاندان

برِّصغیر پاک و ہند میں اپنی ذاتی محنت اور جد وجہد سے جن گھرانوں نے ارائیں خاندان کی تاریخ میں ایک قابلِ فخر مقام پیدا کیا، اُن میں ضلع جالندھر کی تحصیل پھلور میں واقع موضع کنگ اراٹیاں کے بانی خاندان کا ذکر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔

اس خاندان کے بزرگ انبالہ سے چلے اور ریاست کپور تھلہ کے شہر پھگواڑہ میں کچھ عرصہ رہ کر تحصیل پھلور کے ایک غیر آباد مقام پر سکونت پذیر ہُوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے لئے عزت و آبرو اور امن و شانتی سے زندگی گزارنا انتہائی مشکل ہو رہا تھا۔ اِس خاندان کے انبالہ سے ہجرت کر کے تحصیل پھلور کے ویران علاقے میں مقیم ہونے کی وجہ سوائے اِس کے اور کیا ہو سکتی تھی کہ سکھا شاہی کے دَور میں کسی بھی باعزت مسلمان کے لئے ٹِک کر بیٹھنا اور عزت کی زندگی گزارنا ناممکن بنا ہُوا تھا۔ بہر حال تحصیل پھلور کے اندر اِس خاندان نے قوت و طاقت اور جاں فشانی و جد وجہد کے بل پر مضبوطی سے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ ارد گرد کی سکھ آبادیوں سے لڑائیوں میں اُن کی مسلسل کامیابیوں سے علاقے میں اُن کی ہمت و جواں مردی کی دھاک بیٹھ گئی۔ رفتہ رفتہ وہ غیر آباد مقام ایک خوش حال اور ترقی یافتہ گاؤں کی شکل اختیار کر گیا جس کا نام اُس کے بانیوں نے اپنی برادری کے نام پر کنگ اراٹیاں رکھا۔

قیامِ پاکستان سے قبل جب کہ مسلمانوں کے عام دیہات تمدّنی اعتبار سے بڑی پست سطح پر تھے، کنگ آراٹیاں اپنی ترقی یافتہ صورت میں دوسروں کے لئے قابلِ رشک مثال کی حیثیت رکھتا تھا۔ جدید زندگی کی وہ تمام سہولتیں جن کے تصوّر سے ہمارے دیہات والے آج اتنی مدّت گزر جانے کے باوجود بھی محروم ہیں، اس

گئے گزرے دور میں موضع کنگ ارائیاں کے باشندوں کو میسر تھیں۔

بچوں کی تعلیم کے لئے ایک پرائمری سکول کے علاوہ یہاں ایک کوآپریٹو بنک اور ڈاکخانہ بھی موجود تھا۔ اس گاؤں کے ارائیں علاقے کے بہترین کاشت کار مانے جاتے تھے۔ اُن کی مذہبی اور سماجی زندگی دوسروں کے لئے قابلِ تقلید تھی۔ تقسیم ملک کے بعد اِس خاندان کے افراد پاکستان آئے اور مختلف شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہوئے۔ یہاں بھی انہوں نے اپنی پرانی روایات کو قائم رکھا اور اپنی انفرادیت کی وجہ سے اپنے اپنے علاقوں میں عزت و وقار کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اس خاندان کے چند قابلِ ذکر افراد کے کوائف مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ **چوہدری محمد علی** بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ اپنی ذاتی جدوجہد و قابلیت سے ایل۔ ایل۔ بی تک تعلیم حاصل کی۔ آج کل حکومت پنجاب سول سروس ٹریبونل میں رجسٹرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ برادری کی ترقی و بہتری کے لئے ہمیشہ سے کوشاں رہے ہیں۔ انجمن ارائیاں لاہور کے سیکرٹری نشر و اشاعت ہیں۔

۲۔ **احسان الحق** بی اے (آنرز) ایم۔ اے او کالج لاہور میں پروفیسر ہیں۔ ادبی۔ اسلامی۔ تاریخی موضوعات پر بارہ سے زائد بلند پایہ کتب کے مصنف ہیں۔

۳۔ **ریاض الحق** ایم۔ اے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن سے وابستہ ہیں۔

۴۔ **فیاض الحق** بی اے۔ ایل ایل۔ بی کے طالب علم ہیں۔ مختلف معاشرتی و سماجی فلاح و بہبود کے کام کرنے والی متعدد تنظیموں کی رُوحِ رواں ہیں۔

۵۔ **چوہدری ولی محمد ذکی**۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ایڈ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ جو کہ آج کل حکومت پاکستان محکمہ تعلیم اسلام آباد میں جائنٹ سیکرٹری کے عہدے پر ملک و قوم کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی خاندان گڑھا وہندہ (جالندھر)

"مولوی" خاندان جن کا تعلق مغلیہ دور میں براہِ راست لدھیانہ اور دہلی سے تھا، ۱۹۴۷ء سے قبل موضع گڑھا وہنداں ضلع جالندھر میں رہائش پذیر تھے۔ اُن کے آباؤ اجداد مولانا محمد محسنؒ اور مولانا عبدالرحمنؒ محلہ دریا گنج دہلی میں مقیم تھے اور سلطنتِ مغلیہ میں اہم عہدوں پر فائز تھے، مولوی محمد مسلمؒ اور مولوی محمد اسماعیلؒ کے والدِ محترم مولوی محمد عظیمؒ لدھیانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر متعین تھے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء اور سکھوں کی دست برد کے تلخ واقعات اور حالات کے تحت مولوی محمد مسلمؒ اور مولوی محمد اسمٰعیلؒ لدھیانہ سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے اور موضع گڑھا متصل جالندھر چھاؤنی سکونت اختیار کی اس خاندان کے بیشتر افراد تبلیغ و اشاعتِ دین سے وابستہ رہے۔ مولوی محمد مسلمؒ نے پنجابی شعری ادب میں تاریخِ اسلام چار جلدوں میں شائع کی جو آج تک چہار گلزار کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ خطباتِ مسلم و دیگر دینی کتب کے وہ مصنف تھے۔ "گلزار محمدیؐ" اور "گلزار موسیٰؑ"۔ آج کل بھی کشمیری بازار کے ایک کتب فروش چھاپتے ہیں لیکن موجودہ نسخے بے احتیاطی کی وجہ سے اغلاط سے پُر ہیں۔ دو پُشت تک جن میں مولوی محمد علیؒ، مولوی بدرالدین احمدؒ۔ حافظ محمد عبدالرحیمؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں ضلع جالندھر اور مضافات میں اشاعت و تبلیغ دین اسلام میں سرگرم رہے ہے۔ مولوی بدرالدین احمدؒ نے تبلیغ دین کے علاوہ سرکاری ملازمت میں بطور ایچ، سی اور سپرنٹنڈنٹ کمشنر آفس جالندھر۔ ہوشیارپور اور فیروزپور کام کیا اور جون ۱۹۴۰ء کو واصل بحق ہوئے۔ مولوی شمس الدین صاحب جو جالندھر میں کتب فروشی اور تانبے کے برتنوں کی دکان کرتے تھے ۱۹۴۷ء میں لائل پور میں آکر آباد ہوئے اور پیپلز کالونی میں مدفون ہیں۔

مولانا حافظ محمد عبدالرحیمؒ صاحب حضرت مولانا محمد امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے تیرہ مشہور و معروف خلفاء کی صف میں شامل تھے۔ جن میں حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ قابل ذکر ہیں۔ مولانا حافظ عبدالرحیم

کا ذکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب "دعائے مقبول" از تاج کمپنی لاہور میں کیا ہے۔ حضرت مولانا حافظ محمد عبدالرحیم صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت کے سربراہ اور درگاہ شاہی صاحب شام چوراسی ضلع ہوشیار کے متولی تھے۔ یہی سلسلۂ خلافت بعدازاں مولوی عبدالحق صاحب اور حضرت مولوی محمد عبدالغفور صاحب اُویسی (مصنّف شانِ غزل) کو منتقل ہوا۔ مولوی خاندان کے افراد پاکستان میں مختلف شہروں اور قصبوں میں بکھرے ہوئے ہیں بقیدِ حیات افراد میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں۔

ڈاکٹر مولوی عبدالستار صاحب جی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

مولوی حمید مسلم صاحب ایم۔اے۔ بی ایس۔سی آنرز ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ جڑانوالہ

میاں نذیر مسلم صاحب ایڈوکیٹ (صدر بار ایسوسی ایشن) نواں شہر۔ ملتان چھاؤنی

چوہدری محمد منیر مسلم المعروف منیر کمال مصنف "سیل رواں" "کلیاں اور کانٹے" "شام سفر" وغیرہ ۱۵ ہیرن روڈ۔ کرشن نگر۔ لاہور

میاں شمس الحق حسنی ایم۔اے (سابق سیکرٹری کاٹن ایکسچینج کراچی) حبیب بنک کراچی

میاں اکرام الحق حسنی (ہیڈ کمپیوٹر سسٹم) حبیب بنک۔ راولپنڈی

میاں ریاض مجید ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ جڑانوالہ

ڈاکٹر مولوی محمد رفیق مسلم مالک کامیاب ہسپتال۔ جڑانوالہ

بریگیڈیئر انوارالحق۔ جی۔او۔سی کھاریاں۔ راولپنڈی

جناب بدرمنیر احمد ایرپشنل انجنیئر السیو کھاد فیکٹری۔ ڈیرکی۔ سکھر

میاں نثارالحق چیف فلائنگ انسٹرکٹر۔ فلائنگ کلب۔ راولپنڈی

جناب ڈاکٹر محمد نعیم پرویز (بابر) نشتر میڈیکل کالج۔ ملتان

جناب ایف ایم چوہدری ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی۔ محکمہ اقتصادیات۔ یو۔این او نیویارک

اے۔آر۔ چوہدری۔ سیلز آفیسر السیو کھاد فیکٹری سکھر

ڈاکٹر محمد کلیم اللہ پی۔ایچ۔ڈی۔ لیڈز یونیورسٹی (برطانیہ)

میاں خلیل الیکٹریکل انجنیئر ۲۰۹ چک، لائل پور

میاں عبدالرحمن ایم۔اے " "

ڈاکٹر مسز نور عبداللہ پرنسپل پبلک ہیلتھ سکول۔ کوئٹہ

خاندان چوہدری گل محمد موضع بازید پور

یہ خاندان تحصیل قصور کے علاقہ ہٹھاڑ میں بہت معزز اور ممتاز سمجھا جاتا ہے چوہدری گل محمد صاحب کے پوتے میاں جمال الدین صاحب کی کوششوں سے ۱۸۹۸ء میں ارائیں برادری کا سب سے پہلا اجتماع ریلوے سٹیشن گنڈا سنگھ والا میں منعقد ہوا۔ آجکل چوہدری محمد رشید نمبردار بہت مشہور سیاسی اور سماجی کارکن ہیں اور ارائیں برادری کی ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ان کا بڑا صاحبزادہ چوہدری بشیر احمد افواج پاکستان میں میجر ہے اس خاندان کے بیشتر افراد تعلیمیافتہ ہیں اور ممتاز عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کی مختصر فہرست درج ہے۔

۱:۔ چوہدری سردار علی صاحب افسر مال (قیام پاکستان سے پہلے)

۲:۔ چوہدری برکت علی صاحب ضلعدار محکمہ انہار ریٹائرڈ۔

۳:۔ چوہدری خان محمد صاحب ڈویژنل فارسٹ آفیسر جوہر آباد (ریٹائرڈ)

۴:۔ ڈاکٹر محمد شفیق صاحب ایم بی بی ایس۔ آجکل انگلینڈ میں مزید تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۵:۔ چوہدری محمد شفیع ارشد بی اے ایل ایل بی، وائس پریذیڈنٹ انگلینڈ بنک ملتان۔

۶:۔ چوہدری محمد رفیع صاحب منیجر سٹینڈرڈ بنک ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۷:۔ چوہدری محمد اسلم صاحب بی ایس سی ایگریکلچر) لینڈ ریکلیمیشن آفیسر سکارپ نمبر IV لاہور

۸:۔ میاں محمد شریف صاحب انسپکٹر پولیس ریٹائرڈ۔

۹:۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب آڈیٹر سی ایم اے لاہور۔

۱۰:۔ چوہدری محمد عتیق صاحب بی ایس سی انجنیئرنگ، انجنیئر اروکی کمپنی لاہور۔

۱۱:۔ چوہدری محمد رفیق صاحب اکاؤنٹنٹ ایم پی او واپڈا لاہور۔

۱۲:۔ چوہدری خیر الدین صاحب پروپرائٹر کے۔ ڈی آٹو سروس ساہیوال۔

۱۳:۔ میاں محمد اقبال پی سی ایس ریذیڈنٹ مجسٹریٹ علی پور۔

پیلی بھیت (یوپی) میں ارائیں برادری
مختصر جائزہ

★ — از پروفیسر ایم شفیق احمد

ضلع پیلی بھیت و بریلی (یوپی) میں ارائیوں کی پہلی آبادی کب شروع ہوئی۔ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔ بزرگوں کی روایت اور زمینوں کے کاغذات (مال) سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقے کے کل ارائیں آبادکار دو مرحلوں میں ہجرت کر کے آئے۔ پہلے مرحلے میں تقریباً ۳۰ گاؤں ضلع سرسہ (حصار) پنجاب سے اٹھارہویں صدی کے آخر میں آئے اور پیلی بھیت ضلع کے مغربی حصے اور بریلی ضلع کے کچھ حصوں میں آباد ہو گئے۔ یہ لوگ "سرسہ وال" کہلائے اور آج بھی اسی نام سے پکارے جاتے ہیں ضلع رامپور بریلی کے مواضعات منڈنپور، بھسوڑی، بہٹہ، سرنیاں پیپرا و منڈیا جاگیر، ضلع نینی تال کے گاؤں کچھا، سرولی۔ لال کنواں۔ لالپور رگنہ، دیا لوجھ اور ضلع پیلی بھیت کے مواضعات، ڈانگ، کھمریا، پوٹا، ایکھڑہ، کمر گھینان، سکٹیا، ڈھیرم۔ منڈیا نبی بخش۔ تمر کنیاں وغیرہ میں یہ پہلے آبادکار آئے اور ان لوگوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے نہایت عمدہ طریقے سے زمینیں استعمال کیں۔ حتیٰ کہ پچاس سال کے اندر اندر انہوں نے قریب کے دوسرے مواضعات خرید کر بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں۔ 'سرسہ' سے ان کی ہجرت کے مختلف وجوہات بیان کیئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سیاسی اور معاشی زبوں حالی کا شکار ہو کر یہ لوگ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ایک بزرگ نے جو سرسہ کے رہنے والے تھے اور اب ہجرت کر کے لاہور کے محلہ کرشن نگر میں آباد ہیں بتایا کہ دریائے سرسوتی میں سیلاب کثرت سے آتے تھے اور سرسہ اس کی زد میں رہتا تھا لہٰذا یہ ارائیں خاندان اپنی زمینوں کی تباہی سے تنگ آ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ دتیس گاؤں والی روایت کی انہوں نے بھی تائید کی اور بتایا کہ ان کے بچپن میں پیلی بھیت سے ارائیں رشتہ دار ان کے بزرگوں کو ملنے آتے رہتے تھے۔ پیلی بھیت و بریلی میں خصوصی طور پر ان لوگوں

کی آبادکاری کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ ان علاقوں میں اب بھی مسلمانوں (روہیلوں) کی حکومت تھی اور یہ علاقے مرہٹوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ تھے اس لئے غالباً مسلمان حاکموں کی ہمت افزائی پر یہ آبادکار پیلی بھیت اور بریلی کے اضلاع میں جاکر آباد ہوئے۔ ارائیوں کی ہجرت کا دوسرا مرحلہ انیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں میں پیش آیا۔ یہ دور پنجاب میں سکھوں کی حکومت کا زمانہ تھا اور مسلمان آبادیاں سکھوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ اس مرتبہ ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر سے تقریباً پچاس گاؤں جن میں ایک نمایاں گاؤں 'پہاد' بھی تھا ضلع پیلی بھیت کی طرف ہجرت کر کے پہنچے۔ ان کی ہجرت کا دوسرا سبب غالباً یہ ہوگا کہ پہلے آبادکاروں سے ان کی پرانی رشتہ داریاں تھیں۔ یہ لوگ "پہادڑے" یا "پہادوالے" کہلائے اور ان کی آبادی زیادہ تر اس علاقہ میں ہوئی جسے ترائی یا کچا علاقہ کہا جاتا تھا۔ ان کے مشہور گاؤں اودے پور۔ جگت۔ نور پور۔ منڈلیا۔ بانسکھیڑہ۔ بھینسیہ۔ کھٹگری۔ زمپورہ گوپال نگر۔ کچھا۔ گدھور۔ برا۔ ترائے پور۔ اگھنپور وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کی آبادکاری کے وقت تک روہیل کھنڈ (بشمول ضلع پیلی بھیت و بریلی) کا پورا علاقہ انگریزوں کے زیر نگیں آچکا تھا اور ان آبادکاروں کو بسانے کے لیے انگریز کمشنر LORD DRIREN نے جنگلات صاف کرائے تھے۔ یہ زمین چونکہ بہت زرخیز تھی اس لیے یہ لوگ بھی جلد ہی خوش حال ہو گئے اور اچھی جائدادیں بنا لیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے موقع پر انگریز پسپا ہوتے ہوئے پناہ کی تلاش میں پیلی بھیت و بریلی کے ان دور دراز دیہات تک پہنچے جہاں ارائیں آبادکار رہتے تھے۔ راقم کی ایک بزرگ پھوپھی نے جن کی عمر تقریباً سو سال تھی بتایا کہ غدر (جنگ آزادی) کے دنوں میں انگریزوں کی عورتیں اور بچے ان دور دراز علاقوں میں چھپتے پھرتے تھے۔ لیکن چونکہ عوام ان کے خلاف تھے اس لیئے اکثر جگہوں پر انہیں قتل کر دیا جاتا تھا صرف چند لوگوں نے انہیں چھپانے پر آمادگی ظاہر کی اور اس کے صلے میں انہیں بعد میں جاگیریں دی گئیں۔ ان میں اودے پور کی جاگیر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

ضلع پیلی بھیت و بریلی کی ان ارائیں آبادیوں میں سے بیشتر ابھی تک اسی طرح قائم ہیں۔ صرف چندگاؤں انقلاب زمانہ سے تباہ ہوگئے۔ تقسیم کے بعد برادری کی نئی نسل کے تقریباً پچاس فی صد افراد ہجرت کر کے پاکستان آگئے، اور وہ زیادہ تر کراچی اور سکھر میں آباد ہوئے۔ چند ملازم پیشہ افراد مردان۔ پشاور۔ کوہاٹ۔ نوشہرہ۔ راولپنڈی۔ لاہور۔ لائل پور شکارپور۔ ٹھٹھہ۔ دادو۔ میرپور خاص۔ شادی پلی اور لاڑکانہ میں بھی آباد ہیں۔

بریلی و پیلی بھیت کی ارائیں برادری نے تقریباً دو سو سال میں سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی میدانوں جو کام کیے ان کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ انہوں نے تقریباً تمام علاقے میں مدرسے قائم کیے اور عربی و فارسی کی تعلیم کو خوب فروغ دیا۔ ان میں کرگھیناں۔ دھوندری مونڈیا اور ڈانگ کے مدرسے خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔ کرگھینے کا مدرسہ حاجی قدرت علی صاحب نے قائم کیا تھا اور یہ مدرسہ تقریباً ایک صدی تک چلتا رہا۔ حاجی قدرت علی صاحب کے صاحبزادے حاجی عبدالرحمٰن صاحب بھی اس کی سرپرستی فرماتے رہے لیکن ان کے بیٹے حاجی سعیدالرحمٰن صاحب کے زمانہ میں یہ مدرسہ ختم ہوگیا۔ دھوندری کا مدرسہ شیخ منظور احمد صاحب رئیس دھوندری کی وفات کے بعد اس گاؤں کے محکمہ اوقاف میں چلے جانے کے بعد اسی آمدنی سے شروع ہوا،

اور تقریباً ۵۰ سال کام کرتا رہا۔ موجودہ صدی کے اوائل میں حافظ عبدالرشید صاحب کرگھینوی اس کے سیکرٹری تھے۔ اس مدرسے کے تعلیم یافتہ حضرات میں حاجی فہیم الدین صاحب ایم اے جی (ریٹائرڈ) حال مقیم راولپنڈی اور میاں عبدالخالق صاحب جیلانی ڈی سی ایم اے (راولپنڈی) قابلِ ذکر ہیں۔ یہ مدرسہ اب ہائی سکول کی شکل میں تبدیل ہوگیا ہے اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت آگیا ہے۔

مونڈیا کا مدرسہ بھی نہایت کامیابی سے تقریباً ایک صدی تک قائم رہا۔ جناب فضل حق خیرآبادی بھی اسی مدرسے میں تعلیم دیتے رہے۔ میاں سعید احمد صاحب مونڈوی (کراچی) کے والد میاں حبیب احمد صاحب نے اسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی۔

پیلی بھیت کی ارائیں برادری کے لوگ انگریزی تعلیم اور سرکاری ملازمت دونوں

سے کافی عرصہ تک متنفر رہے۔ لیکن بیسویں صدی کے اوائل میں انہوں نے اپنے نوجوانوں کو علی گڑھ یونیورسٹی بھیجنا شروع کر دیا۔ کرگھینے کے میاں فہیم الدین صاحب ایم اے جی (ریٹائرڈ) عبدالحفیظ نعیمی صاحب وکیل (حال پیلی بھیت) اور عبدالخالق جیلانی صاحب (راولپنڈی) اس علاقے کے پہلے فارغ التحصیل لوگوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ موجودہ صدی کے اوائل میں موضع ڈھکیا کے رئیس جلال الدین صاحب نے اپنے صاحبزادے وصال الدین صاحب کو انگلینڈ بھی بھیجا تھا۔ لیکن چند وجوہ کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے اور ناکام واپس آئے۔ غلام یزدانی صاحب پی سی ایس (حال کراچی) اور محمود احمد جیلانی صاحب پی سی ایس (حال لاہور) بھی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے معاشی اعتبار سے پیلی بھیت کی ارائیں برادری خاصی خوش حال تھی۔ موٹر کاروں کے رواج سے پہلے اکثر رؤسا اپنی سواری کے لیے ہاتھی پالتے تھے۔ ایک بزرگ میاں محمد اسحٰق صاحب منڈیوی کی روایت کے مطابق ۱۹۱۰ء میں ہماری برادری میں ۱۶ رئیس ایسے تھے جنہوں نے ہاتھی رکھے ہوئے تھے۔ موٹر کار کی ایجاد کے بعد غالباً ۱۹۲۲ء میں سب سے پہلے شیخ نذیر احمد صاحب رئیس ڈانگ نے موٹر کار خریدی تھی۔

علم و ادب کے فروغ نے اس برادری میں کئی سیاست دان۔ اساتذہ، شاعر حکیم اور ادیب بھی پیدا کیے۔ تقسیم سے پہلے اس برادری کے امتیاز احمد باطی صاحب (کھمریوی) کئی سال تک یوپی اسمبلی کے ممبر رہے۔ جناب سعید احمد (منڈیا) بھی ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں یوپی کی صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے اور بعد میں جب ہجرت کر کے کراچی آئے تو یہاں بھی کراچی کارپوریشن کے کونسلر رہے۔ تقسیم کے بعد بھی باوجود اس امر کے کہ تقریباً تمام نوجوان نسل پاکستان ہجرت کر آئی تھی ۱۹۵۶ء میں انیس الرحمٰن صاحب (سکٹیا) یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے۔ تعلیم کے میدان میں بھی اس برادری نے خاصی ترقی کی۔ تقسیم سے پہلے ماسٹر انوار احمد صاحب مرحوم، ماسٹر اسمٰعیل صاحب (حال کراچی) ماسٹر عبدالسلام (حال سکھر) ماسٹر عبدالشکور صاحب علوی

(حال کراچی)، ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (مادھوپوری) اور کئی دوسرے اساتذہ نہایت اچھی شہرت کے مالک رہے بھارت اور پاکستان کے مختلف تعلیمی محکموں میں پیلی بھیت کی ارائیں برادری کے مندرجہ ذیل افراد اس وقت بھی مصروف کار ہیں۔

۱۔ پروفیسر تاج الدین صاحب ایم۔اے۔ وائس پرنسپل ایچیسن کالج۔ لاہور
۲۔ پروفیسر ایم شفیق احمد ایم۔اے۔ شعبہ انگریزی۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور
۳۔ پروفیسر محمد ارشد صاحب ایم۔اے شعبہ معاشیات گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی
۴۔ پروفیسر احمد سعید صاحب ایم۔اے شعبہ نفسیات گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی
۵۔ پروفیسر محمد عرفان صاحب ایم۔ اے " معاشیات گورنمنٹ اسلامیہ کالج سکھر
۶۔ پروفیسر الطاف احمد صاحب ایم۔اے صدر شعبہ معاشیات اسلامیہ کالج۔ جناح روڈ کراچی
۷۔ ماسٹر اعجاز الرحمٰن صاحب ایم۔اے پبلک اسکول۔ ملیر کراچی
۸۔ ماسٹر حمایت احمد صاحب۔ گورنمنٹ اسکول۔ مردان
۹۔ محمد ادریس صاحب ایم۔اے لیکچرار پالی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ۔ کراچی
۱۰۔ میاں عبدالحامد جیلانی ایم ایس سی لیکچرار شعبہ سول انجینئرنگ۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور
۱۱۔ پروفیسر عبید احمد ایم اے صدر شعبہ معاشیات۔ اسلامیہ کالج۔ پیلی بھیت (یوپی)
۱۲۔ مس عائشہ ایم اے پروفیسر گورنمنٹ گرلز کالج سکھر

ڈاکٹری اور طب کے میدان میں بھی اس برادری کے چند لوگوں نے نمایاں مقام حاصل کیے، تقسیم سے پہلے ڈاکٹر عبدالغفور صاحب، ڈاکٹر جیلانی صاحب، حکیم سراج احمد صاحب اور رہ پورے والے حکیم جھنڈو صاحب بڑی شہرت کے مالک تھے، پاکستان میں ڈاکٹر عقیل احمد صاحب (سکھر)، ڈاکٹر صالح محمد (سکھر)، ڈاکٹر عقیب احمد صاحب (سکھر)، ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ دختر صغیر احمد صاحب (کراچی)، ڈاکٹر فیروزہ اسرار، ناظم آباد (کراچی)، ڈاکٹر سلطانہ اقبال (حال سعودی عرب) نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

ہجرت کے بعد پاکستان کی افواج اور ایئر فورس میں بھی پیلی بھیت کی ارائیں برادری کے نوجوانوں نے خوب حصہ لیا اور اس وقت بھی خدمات انجام دے رہے

ہیں۔ ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ میاں فہیم الدین صاحب ایم۔ اے، ایم اے جی (ریٹائرڈ) حال راولپنڈی
۲۔ میاں عبدالخالق جیلانی ایم۔ اے، ڈی سی ایم اے "
۳۔ کیپٹن سلیم فہیم الدین صاحب انجینئر پاکستان آرمی لنگر گڑھ بارڈر
۴۔ میاں بدر الدین ایم ایس سی۔ اکاؤنٹنٹ۔ پاکستان مشین ٹولز فیکٹری۔ لانڈھی
۵۔ میاں طفیل احمد صاحب ایم اے سپرنٹنڈنٹ۔ ایر ہیڈ کوارٹر۔ پشاور
۶۔ کیپٹن شمساد احمد (شہید) پاکستان نیوی (غازی)
۷۔ میاں اخلاق احمد (نیوی) (حال۔ پی۔ او۔ ڈبلیو) بھارت
۸۔ صدیق احمد صاحب ڈی سی ایم اے کوئٹہ
۹۔ امتیاز احمد صاحب نیوی بیس۔ ماڑی پور۔ کراچی
۱۰۔ میاں مشرف حسین۔ کنسلسنٹ انجینئر۔ کراچی۔ صدر

بیلی بھیت کے ارائیوں میں علم و ادب و شاعری کو کافی فروغ ہوا۔ اردو و فارسی کی تعلیم عام ہونے سے علمی ذوق بھی نکھرا اور فارغ البالی نے اسے خاصی جلا بخشی۔ موضع ڈھکیہ کے جلال الدین صاحب مرحوم جو جلال تخلص فرماتے تھے۔ بڑے اچھے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی ایک غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

تم آؤ تو مے خانے میں اک لطف ہے زاہد
پینا نہ سہی ! مردِ خدا دیکھتے رہنا
واں زُلفیں سنواری گئیں اُمڈے ہیں ادھر اشک
کس رُخ پہ برستی ہے گھٹا دیکھتے رہنا

ایک اور بزرگ جناب محمد اسحٰق صاحب (منڈیا) جو بے صبر تخلص فرماتے ہیں ابھی بقیدِ حیات ہیں اور کراچی (فیڈرل بی ایریا) میں مقیم ہیں آم کی تعریف میں ان کے قلم سے چند شعر درج ذیل ہیں۔ یہ اشعار انہوں نے ۱۹۳۰ء کے قریب لکھے تھے۔

جس سرزمین پہ آم کی فصلِ بہار ہے
اس پر نسیم شانہ کشِ زُلفِ یار ہے

تاروں بھری ہے رات ہر ایک آم کا درخت
صبح بہارِ خلد بھی اس پر نثار ہے
حوروں کے گوشوارے ہیں جو آم سبز ہیں
"دُرِّ عدن سفید" دُرِ شاہوار ہے

- - - - - - - - - - - - - -

سندوریا، ہیں رنگِ گلِ روئے یار ہے
جنت سے بھیجے حضرت آدم کے ساتھ ساتھ
یہ آم خاص بخششِ پروردگار ہے
اللہ کا "الف" ہے محمد کا "میم" ہے
یوں ہم کو ان سے اُلفت دیوانہ وار ہے

یہی بزرگ ایک اور جگہ کراچی کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

اے کراچی اے نگارِ انقلاب
تجھ سے بوئے دوستاں آنے لگی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا پیلی بھیت کی ارائیں برادری میں سیاسی بیداری بھی کافی موجود تھی۔ ۱۹۲۲ء میں آل انڈیا ارائیں کانفرنس پیلی بھیت میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں پنجاب سے شامل ہونے والے سردار محمد شفیع صاحب (عثمان والا) ابھی بقید حیات ہیں۔ اس کے بعد جالندھر اور لاہور میں جو ارائیں کانفرنسیں ہوئیں ان میں پیلی بھیت برادری کی طرف سے محمد جیلانی صاحب، امتیاز صاحب اور کئی دوسرے بزرگ جو اب اس دنیا میں موجود نہیں شریک ہوتے رہے۔

خاندان مولوی عبد الحق مرحوم

والد بزرگوار کا اسم گرامی میاں عبد اللہ شاہ تھا۔ آبائی گاؤں سلیم پور آرائیاں تھا جو گورداسپور سے کلانور جانے والی سڑک پر کوئی دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ گورداسپور سے آٹھ میل کے فاصلے پر پنجاب کے آخری مسلمان صوبہ دار آدینہ بیگ نے ادینا نگر کا قصبہ آباد کیا۔ بعد میں یہ قصبہ دینا نگر کہلایا۔ سکھوں کے دَور سے اس شہر کی شاہی مسجد اصطبل کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ میاں شاہ عبد اللہ کی دینی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا اور انہوں نے سکھوں کو بزور مسجد سے نکال باہر کیا اس طرح خانۂ خدا کی تحریم کو پھر سے بحال کر دیا۔ وہ خود بھی دینا نگر ہی کے ہو لیے۔ سلیم پور آرائیاں میں چند ایکڑ اراضی ملکیت تھی میاں عبد اللہ شاہ متقی، زاہد و عابد اور خدا رسیدہ انسان تھے ہزاروں لوگ ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ شاہ کا لقب ان کے زہد و تقویٰ کی بنا پر مخلوق خدا نے دے رکھا تھا۔

مولوی عبد الحق میاں عبد اللہ شاہ کے بڑے بیٹے تھے۔ چھوٹی عمر ہی میں علوم مروجہ کے حصول کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ چالیس برس کی عمر تک شمالی ہندوستان کے مختلف دینی مدارس میں مولانا رشید احمدؒ گنگوہی و مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی جیسے عظیم الشان اساتذہ سے اکتساب علم حاصل کرتے رہے۔ حکیم اجمل خان سے علم طب حاصل کیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ بڑے جید عالم اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ دینا نگر اور نواحی علاقوں کے تمام اطباء ہندو ہوں یا مسلم آپ ہی کے شاگردوں میں سے تھے۔ مولوی سراج الحق سجادہ نشین گورداسپور بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ طب صرف مخلوق خدا کی خدمت کا ذریعہ تھا۔ فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دیتے۔ امیر و غریب سب ہی حاضرِ خدمت رہتے اور فیض حاصل کرتے ضلعی حکام اور رؤسا اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت ان کے دروازے پر حاضری دیا کرتے۔

انہی دنوں گاندھی جی کے فتوے کہ 'ذبیحہ گائے ممنوع ہے' سے اظہار بیزاری کے طور پر آپ نے اپنے گھر میں گائے ذبح کر دی۔ شہر میں ہندوؤں کی اکثریت تھی مسلمان کمزور اور اقلیت میں تھے۔ شہر کے ہندوؤں نے مولوی صاحب سے بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی ضروریاتِ زندگی

اس قدر کم تھیں کہ بازار سے صرف نمک ہی کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کے شاگرد ہندو اطبا نے شہر کے ہندوؤں کو یہ احساس دلایا کہ اس مردِ حق کی ضروریات اس قدر محدود ہیں کہ انہیں بازار سے سوائے نمک کے کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی اور یہ بائیکاٹ یقیناً" ان کے اپنے ہی نقصان پر منتج ہوگا۔ چنانچہ ہندو آبادی ان (مولوی صاحب) کے فیض سے محروم ہوگئی۔ کئی ماہ بعد مولوی صاحب جب بازار نکلے تو ہندو دکاندار دو رویہ ادباً کھڑے ہو گئے۔ یہی ان کا معمول چلا آتا رہا۔ آپ کی وفات پر شہر اور اس کے نواح میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ہزاروں انسان کندھا دینے کے لیے مضطرب تھے اور ہزاروں لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ اس علاقے میں انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم زمانے کی آنکھ نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

آپ کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے عبدالرحمٰن محکمہ جیل میں ملازم رہے اور چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے میاں عزیزالرحمٰن اسسٹنٹ ٹریژرر سٹیٹ بنک ہیں۔ باقی تین بیٹے عبیدالرحمٰن اعجازالرحمٰن اور عتیق الرحمٰن ملازم پیشہ ہیں۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے مستفیض الرحمٰن بڑے ہونہار طالب علم تھے لیکن عمر نے وفا نہ کی اور جب آپ ایف اے میں پڑھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب کے دوسرے بیٹے عبدالرحیم تھے جو اوائل عمر ہی میں وفات پا گئے۔ تیسرے بیٹے مولوی فضل الرحمٰن منجھے ہوئے مقرر تھے اور زبردست سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ دینانگر اور نواحی علاقوں میں تحریکِ احرار اسلام اور تحریک خلافت کے بانی تھے۔ جوانی ہی میں وفات پا گئے۔ ان کی اولاد میں سے ان کے بیٹے خلیل الرحمٰن بقیدِ حیات ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے میاں حبیب الرحمٰن ہیں ان کی تعلیم ان کے والدِ بزرگوار نے خود کی۔ چھوٹی عمر میں ہی آپ نے محکم دینی اور ادبی کتابوں کا مطالعہ مکمل کر لیا۔ میاں حبیب الرحمٰن کی زندگی ایک اولوالعزم انسان کی زندگی ہے اوائل عمر میں والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا اور پھر سب سے بڑے بھائی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ گئے۔

اس علاقے میں مسلمانوں کی تمام سیاسی دینی تحریکوں نے مولوی عبدالحق کے گھرانہ میں جنم لیا۔ تحریک احرار اسلام تحریک خلافت اور مسلم لیگ کی تحریک پاکستان اسی گھرانہ ہی کی وساطت سے دینانگر اور اس کے نواحی علاقوں میں پھیلیں۔ میاں حبیب الرحمٰن دینانگر اور اس کے نواحی علاقوں میں مسلم لیگ کے بانی مبانی تھے اور اس کے صدر رہے۔ ضلع مسلم لیگ گورداسپور کی مجلس عاملہ کے رکن تھے مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ نے نیشنل انجینئرنگ ورکس فولاد کا کارخانہ دینانگر میں قائم کیا۔ تقسیم ملک پر نقل مکانی کر کے سیالکوٹ چلے آئے۔ سیالکوٹ شہری مسلم لیگ مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ سیالکوٹ میونسپلٹی کے میونسپل کمشنر اور صوبائی مسلم لیگ کے کونسلر رہے۔

میاں حبیب الرحمٰن کے چار بیٹے سب سے بڑے بیٹے میاں مجیب الرحمٰن کا ذکر دوسرے صفحات میں آچکا ہے۔ ان سے چھوٹے میاں نعیم الرحمٰن ایڈووکیٹ ہیں جو سیالکوٹ بار میں صف اول کے سول لائیر ہیں۔ نہایت عابد اور خدا ترس انسان ہیں۔ ان سے چھوٹے میاں انیس الرحمٰن ایگزیکٹو انجینئر ہیں اور سب سے چھوٹے میاں خلیق الرحمٰن ایم ایس سی پبلک ایڈمنسٹریشن ہیں، وہ نجی کاروباری شعبہ میں ملازم ہیں۔ دونوں بیٹیاں شادی شدہ ہیں۔ بڑی بیٹی کے میاں امتیاز احمد اختر ڈائرکٹر محکمہ ٹیلی فون ہیں اور چھوٹی بیٹی کے میاں جمیل اختر فوج میں میجر ہیں۔

میاں مجیب الرحمٰن

جدامجد کا نام مولوی عبدالحق مرحوم اور والد بزرگوار کا نام نامی حبیب الرحمٰن ہے۔ ۱۹ اگست ۱۹۳۰ء کو دینانگر ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ دینانگر کا اصلی نام ادینانگر تھا۔ اس قصبہ کو سکھوں کی عملداری سے پہلے پنجاب کے آخری مسلمان صوبے دار آدینہ بیگ نے بسایا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد سیالکوٹ آبائی گھر ہے۔

پرائمری تک تعلیم ڈسٹرکٹ بورڈ سکول دینانگر میں پائی۔ گورنمنٹ ہائی سکول گورداسپور

سے ۱۹۴۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایف ایس سی نان میڈیکل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں بی ایس سی کے طالب علم رہے اور ۱۹۵۳ء میں بی ایس سی انجنیئرنگ الیکٹریکل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ ۱۹۷۱ء میں یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور سے ایم ایس سی انجنیئرنگ (پاور) کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۲ء میں مرکزی حکومت نے ملک بھر سے ممتاز سائنس دانوں اور پاور انجنیئروں کی پینل مرتب کی تو ملک بھر سے جن اٹھارہ انجنیئروں کو یہ اعزاز نصیب ہوا آپ بھی ان میں سے ایک ہیں۔

بچپن سے ہی خاموش اور غمگسار طبیعت پائی۔ انتھک محنت اور پُرخلوص جدوجہد عمر بھر ان کا شعار رہا کسی کی دل آزاری ہمیشہ انہیں ناگوار رہی۔ تحریک ادرج پاکستان کے تصوّر کے خالق اور اس تحریک کے بانی ہیں۔ اس تحریک کا اوّلین مقصد اسلام کے حیات پرور احکام اور اصولوں کی روشنی میں انسانی زندگی کے اندھیروں کو دُور کرنا۔ بے لوث خدمت کے جذبے سے انسانی معاشرے میں نکھار پیدا کرنا، زمانے کی ستم ظریفوں کے شکار انسانی طبقہ کی امداد و اعانت کرنا ہے۔ انسانوں میں باہمی میل جول کو فروغ دینا اور پھر باہمی اشتراکِ عمل سے زندگی کی دوڑ میں جو احباب پیچھے رہ گئے ہیں انہیں آگے بڑھانا ہے۔ غریب بچوں کو تعلیمی مدد دینا اور ایثار و قربانی خلوص و مروّت کے جذبات سے انسانی کردار کی تعمیرِ نو کرنا ہے۔ بے شمار مسائل میں اُلجھے ہوئے انسانی معاشرہ میں سلجھاؤ پیدا کرنا ہے۔

اس تحریک کا ایک مقصد علم و ادب کا فروغ ہے کہ جہالت کی تاریکیاں علم کی روشنی سے دُور ہو سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح انسانی زندگی کا تصوّر یہ ہے کہ فرد معاشرے کے لیے ہر گھڑی ایثار و قربانی پہ آمادہ رہے اور اس ایثار کے صلہ کی توقع صرف خدا بزرگ و برتر سے رکھے۔ اس طرح انسانوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو سکے گی جو ہمہ تن ایثار و مروت کے جذبہ سے سرشار ہو گی اور معاشرے کو طلب و تقاضا کے تصادم اور تباہی سے نجات دلا سکے گی۔

مختصراً "ان کی تحریک کا ماٹو "خدمت خلق کے لئے اُٹھیئے" ہے۔ یہ تحریک قطعاً غیر سیاسی اور صرف سماجی بھلائی اور علمی و تعلیمی فروغ کی تحریک ہے۔

ارائیں ویلفیئر سوسائٹی راولپنڈی کا ایک جائزہ

میاں عبدالستار (مرحوم) اے۔ ڈی۔ ایم راولپنڈی کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد راولپنڈی کی ارائیں برادری کے حلقۂ مداحان میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ برادری کی تعمیر و ترقی کے لئے جن پہلوؤں کی بنیاد میاں صاحب موصوف نے رکھی تھی وہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ میاں صاحب کی بے لوث خدمت کے پیشِ نظر، صاحبِ اختیار احباب کی عدم توجہی کے باعث اس احساس کا جنم لینا ایک قدرتی امر تھا۔ میاں صاحب موصوف کے منشور میں برادری کی فلاح و بہبود کے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ غریب اور مستحق طلبا کو وظائف دینا، مربوط دیہی ترقی کے پروگرام کے تحت راولپنڈی کے گردونواح کے دیہات میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلی ہوئی ارائیں برادری جو ملیار کے نام سے موسوم ہے کے کاغذاتِ مال میں ملیار کی بجائے قوم ارائیں کا اندراج کرواکر احساسِ کمتری ختم کرنا، دیہی پس ماندگی دُور کرنا اور برادری کا اجتماعی وقار بڑھانا شامل تھا۔

شروع شروع میں میاں صاحب کے ان مداحوں کی پوری جدوجہد کے باوجود حزبِ راعیاں راولپنڈی موصوف کے نقشِ قدم پر چلنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ مالی حالات نے منزل کی جانب ایک قدم بھی اُٹھنے نہ دیا اور یوں حزب راعیاں راولپنڈی کا دائرۂ کار راولپنڈی شہر تک ہی محدود ہوکر رہ گیا۔ ان حالات میں چند ہم خیال احباب نے دل برداشتہ ہوکر سوشل گیٹ ٹو گیدر گروپ قائم کرکے میاں صاحب مرحوم کے منشور کو عملی جامہ پہنا کر اُن کی رُوح کو تسکین پہنچانے اور خراج عقیدت پیش کرنے کی راہ نکال لی۔ یہی سوشل گیٹ ٹو گیدر گروپ تنظیمِ نو کے بعد آج ارائیں ویلفیئر سوسائٹی کے نام سے سرگرم عمل ہے۔

سوسائٹی کے دستور العمل کے مطابق پاکستان کے تمام دوسرے شہروں کی تنظیمیں اس سے الحاق کرسکتی ہیں اور خواہش مند حضرات انفرادی طور پر ممبرشپ حاصل کرسکتے

ہیں۔ دریں حالات حزب رائیاں راولپنڈی ایک مقامی تنظیم اور ارائیں ویلفیر سوسائٹی ایک ریجنل تنظیم کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اس طرح ارائیں ویلفیر سوسائٹی راولپنڈی ایک خالص غیر سیاسی، معاشرتی اصلاحی تنظیم اور خود مختار ادارہ ہے اور کسی بھی صورت میں حزب ارائیاں راولپنڈی کی مخالف یا ذیلی تنظیم نہیں۔

سوسائٹی کے قیام کا پاکستان کے گوشے گوشے میں خیر مقدم کیا گیا ہے اور اس کی جاری کردہ ارائیں خون کے تحفظ کی سکیم کو بہت سراہا گیا ہے۔ اس سکیم کے تحت باہمی رشتے خوش اسلوبی سے طے پا رہے ہیں۔ برادری کے ضرورت مند احباب انفرادی طور پر موزوں رشتوں کی تلاش میں سرگرداں ہونے کی بجائے سوسائٹی کی بلامعاوضہ خدمات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سوسائٹی کا مجوزہ فارم طلب فرمائیں۔ سوسائٹی عنقریب ہی تعلیمی وظائف کی سکیم دیہی ترقی کی سکیم اور اجتماعی طور پر تعمیر و ترقی کی سکیم جاری کر رہی ہے۔

تعلیمی وظائف کی سکیم کے تحت سوسائٹی امسال پاکستان میں میڈیکل تعلیم کے لئے کسی ایک طالب علم یا طالبہ کو وظیفہ دینے کا جلد اعلان کر رہی ہے۔ دیہی ترقی کی اسکیم کے تحت کہوٹہ شہر، موضع بھلاکھر، موضع سہر، موضع باغ جھمبری، نارہ منڈی، موضع بندہ وغیرہ میں معزز احباب کو ارائیں ویلفیر سوسائٹی کی شاخیں قائم کرنے میں آمادہ کر لیا ہے۔ اجتماعی تعمیر و ترقی کی سکیم کے تحت واہ چھاؤنی، ٹیکسلا، گوجر خان، منگلا، میرپور (آزاد کشمیر) لالہ موسیٰ، گجرات، ڈسکہ، میانوالی، سرگودھا، خوشاب، بھلوال، خان پور، رحیم یار خاں، بہاولپور وغیرہ میں الراعی تنظیموں سے قریبی رابطہ قائم کر لیا گیا ہے۔ ان سب تنظیموں نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔

ارائیں ویلفیر سوسائٹی راولپنڈی کی نامزد مجلسِ منتظمہ و اراکین

(الف) سرپرست ۱۔ چوہدری عبدالرشید صاحب سابق ممبر قومی اسمبلی و جاگیردار چک پٹواریاں ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

۲۔ سردار محمد عالم صاحب۔ رئیسِ اعظم۔ الراعی منزل۔ میرپور۔ آزاد کشمیر

(ب) نامزد منتظمہ (۱) بانی ممبر و صدر ۔ میاں محمد امین ضنوانی صاحب سکواڈرن لیڈر (ریٹائرڈ) ۲۶۸۔
کمال روڈ صدر راولپنڈی

۲۔ بانی ممبر و نائب صدر ۔ خورشید ۔ اے ۔ چوہدری صاحب ۲۵ چناب روڈ
واہ چھاؤنی

۳۔ بانی ممبر ۔ سیکرٹری جنرل و فنانشل سیکرٹری ۔ چوہدری محمد اقبال صاحب
اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفونز ٹیلیگراف کالونی، بلال روڈ، صدر راولپنڈی۔

(ج) اراکین: ۱۔ بانی ممبر ڈاکٹر عبد المجید صاحب ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس ۔ چیف میڈیکل آفیسر
ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال راولپنڈی

۲۔ " " چوہدری محمد انور صاحب ٹاؤن پلانر ۔ جی ۔ ایچ ۔ کیو ۔ راولپنڈی

۳۔ " " چوہدری بشیر احمد صاحب پرنسپل فارسٹ کالج ۔ بہاول پور

۴۔ " " چوہدری انور علی صاحب ۔ سینئر سائنٹیفک آفیسر نیلور ۔ راولپنڈی

۵۔ " " چوہدری اسلم حیات صاحب ۶۔ بی ۔ ہائتھ روڈ راولپنڈی

۶۔ " " چوہدری عبد المجیب صاحب ۲۰ ۔ اے عابد مجید روڈ، راولپنڈی

۷۔ " " ڈاکٹر عبد الغنی صاحب کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ آف بائیولوجیکل
کنٹرول راولپنڈی

۸۔ " " چوہدری محمد شفیع داؤدی صاحب ۔ داؤدی برادرز ٹرنک بازار
لیاقت مارکیٹ راولپنڈی

۹۔ " " میاں امتیاز احمد جاوید صاحب پروفیسر گورنمنٹ پالی ٹیکنیک کالج راولپنڈی

۱۰۔ " " چوہدری بشیر احمد سینئر سائل کنزرویشنٹ واپڈا ۱۲ ۔ بی سٹلائٹ ٹاؤن "

۱۱۔ " " " محمد عبد اللطیف صاحب اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفونز ۔ کیو ۴۵۹
پل شاہ نذر راولپنڈی

۱۲۔ " " میاں مقبول احمد صاحب پاپولیشن پلاننگ آفیسر ۔ پی ۱۰۶۵
اصغر مال، راولپنڈی،

(د) نمائندگان ۱۔ نمائندہ منگلا۔ چوہدری محمد لطیف صاحب سینئر ریسرچ اسسٹنٹ ۴۔ ڈی راٹ بنک کالونی منگلا

۲۔ نمائندہ واہ ٹیکسلا۔ خورشید۔ اے چوہدری صاحب ۲۵۔ چناب وڈ واہ چھاؤنی

۳۔ نمائندہ موضع سہر براستہ نارہ تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی۔ چوہدری غلام رسول صاحب

۴۔ نمائندہ کہوٹہ۔ حکیم خداداد ابوذر صاحب مٹور روڈ کہوٹہ شہر

۵۔ نمائندہ نارہ منڈی۔ چوہدری رحم علی صاحب دکاندار۔ نارہ منڈی تحصیل کہوٹہ

۶۔ نمائندہ بھلاکھر۔ چوہدری فقیر محمد صاحب۔ موضع بھلاکھر براستہ کلر سیداں تحصیل کہوٹہ

چند مزید نام (نامورانِ قوم)

۱۔ ایم شفیع نیاز۔ ملکی نمائندہ۔ ایف۔ اے۔ او۔ یو۔ این۔ ایران۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالرحیم چوہدری آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی
وزارت ایگریکلچر۔ گورنمنٹ آف پاکستان۔ اسلام آباد

۳۔ ڈاکٹر ایم عبداللہ۔
ایگریکلچر ایڈوائزر۔ گورنمنٹ آف پاکستان۔ اسلام آباد

۴۔ ڈاکٹر ایم۔ الطاف حسین
ایگریکلچر اکنامک ایڈوائزر۔ ورلڈ بنک واشنگٹن۔

لائل پور

ضلع میں ارائیں برادری کی آبادی - ۴۵ فی صد۔

لائل پور شہر میں غلہ منڈیوں، سبزی منڈی، سوتر منڈی میں اکثریت ارائیں دوکانداروں کی ہے اور کاروبار ان کے ہاتھ میں ہے۔

پرانی غلہ منڈی میں چوہدری غلام حیدر پروپرائٹر ظفر کمیشن شاپ چوہدری عبدالستار، حاجی شاہ دین - میاں محمد رفیق - پروپرائٹر میاں اینڈ کمپنی -

نئی غلہ منڈی - میاں عبدالرزاق پروپرائٹر علی شیر اینڈ کمپنی واگہ کمیشن شاپ -

سبزی منڈی - چوہدری عبدالمجید صدر انجمن آڑھتیاں - حاجی محمد اسحاق -

ٹرانسپورٹ :- (۱) چوہدری نذیر احمد پروپرائٹر کوہستان بس سروس -

(۲) چوہدری محمد علی، بشیر احمد، شیر محمد مالکان شیر برادرز ٹرانسپورٹ کمپنی -

(۳) چوہدری نذیر احمد مالک صفدر نذیر ٹرانسپورٹ کمپنی -

(۴) چوہدری نیاز احمد پروپرائٹر نیاز بس سروس -

(۵) چوہدری غلام رسول ٹرانسپورٹر -

شخصیات

کل ۱۲۵ وکلاء ارائیں برادری کے جو لائل پور، جڑانوالہ، سمندری اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہیں۔

۱: مہر محمد صادق ایڈووکیٹ مرحوم سابق وزیر امداد باہمی مغربی پاکستان

۲: چوہدری شاہ محمد ایڈووکیٹ سابق سیکرٹری ولیگل ایڈوائزر مارکیٹ کمیٹی -

۳: میاں حمید اختر ایڈووکیٹ لیگل ایڈوائزر نیشنل بنک آف پاکستان لائل پور - سابق سیکرٹری اسلامیہ کالج (انجمن اسلامیہ لائل پور)

۴: چوہدری نواز لطیف ایڈووکیٹ مینجر یتیم خانہ زیر اہتمام انجمن اسلامیہ لائل پور -

۵: چوہدری محمد یعقوب ایڈووکیٹ سابق پی - آئی -

۶: چوہدری محمد اسماعیل -

۷: میاں صدیق انور ایڈووکیٹ سابق فنانس سیکرٹری بار ایسوسی ایشن و جنرل سیکرٹری انجمن ارائیاں ضلع لائل پور۔

۸: میاں محبوب جاوید ایڈووکیٹ سابق ایڈمنسٹریٹر "الراعی" لاہور۔ حالیہ مدیر کہانی ڈائجسٹ لائلپور مجوزہ مدیر اعلیٰ ڈائجسٹ لائل پور۔

۹: میاں عبدالحمید اختر ایڈووکیٹ و مشیر انکم ٹیکس صدر نیشنل عوامی پارٹی لائل پور۔

۱۰: چوہدری سیف خالد ایڈووکیٹ صدر نیشنل عوامی پارٹی ولی گروپ۔

۱۱: میاں احسان الحق ایڈووکیٹ ممبر قومی اسمبلی۔

۱۲: چوہدری احمد دین ایڈووکیٹ ممبر قومی اسمبلی۔

۱۳: چوہدری احمد دین ایڈووکیٹ جڑانوالہ صدر انجمن ارائیاں جڑانوالہ۔

۱۴: چوہدری عبدالغفور اسلم ایڈووکیٹ مشیر انکم ٹیکس۔

سیاسی شخصیات

۱: میاں عطاء اللہ ممبر قومی اسمبلی خلف رشید حاجی عبداللہ سابق ایم ایل۔ اے المعروف عبداللہ پور والے بھتیجا و داماد میاں نور اللہ سابق وزیر خزانہ پنجاب پاکستان۔

۲: میاں احسان الحق ایڈووکیٹ ممبر قومی اسمبلی۔

۳: چوہدری محمد اسلم ممبر قومی اسمبلی (ٹوبہ ٹیک سنگھ) لائل پور۔

۴: چوہدری محمد بشیر ممبر قومی اسمبلی (چک جالندھر) لائل پور۔

۵: چوہدری علی محمد خادم ممبر صوبائی اسمبلی۔

۶: چوہدری شوکت علی ممبر صوبائی اسمبلی مینجنگ ڈائریکٹر رائل ٹریول سروس لائل پور۔

۷: چوہدری ظہور احمد، ممبر صوبائی اسمبلی (ماموں کانجن) لائل پور۔

۸: چوہدری نور احمد ممبر صوبائی اسمبلی (ٹوبہ ٹیک سنگھ) لائل پور۔

۹: ایم۔ اے حمزہ ایم۔ اے صدر پی ڈی پی پنجاب۔

۱۰: میاں غلام دستگیر باری خلف رشید میاں عبدالباری مرحوم جڑانوالہ۔

۱۱: میاں زاہد سرفراز نائب صدر کونسل مسلم لیگ پاکستان۔

۱۲: حاجی نذیر احمد پی۔ڈی۔پی۔

۱۳: چوہدری محمد اقبال عرف کاسترو

۱۴: چوہدری احمد بخش صاحب سابق ممبر ڈسٹرکٹ کونسل لائل پور۔چیرمین یونین کونسل۔صدر انجمن ارائیاں لائل پور۔

میڈیکل پریکٹیشنرز

۱: ڈاکٹر چوہدری حاکم دین ریٹائرڈ سول سرجن لائل پور۔

۲: ڈاکٹر محمد حسین ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسر لائل پور۔

۳: ڈاکٹر یوسف علی سابق سول سرجن سرگودہا، میونسپل ہیلتھ آفیسر لائل پور۔

۴: ڈاکٹر لطیف انور ایم بی بی ایس

۵: ڈاکٹر لطیف اختر ایم بی بی ایس سینیئر نائب صدر انجمن ارائیاں لائل پور۔

۶: ڈاکٹر محمد جاوید ایف۔آر۔سی۔ایس۔ آئی سپیشلسٹ۔

۷: ڈاکٹر عبدالرشید ایم۔بی۔بی۔ایس۔

۸: ڈاکٹر کیپٹن نور محمد ایم۔بی۔بی۔ایس۔

۹: ڈاکٹر کیپٹن محمد علی ریٹائرڈ سول سرجن و ریٹائرڈ میونسپل ہیلتھ آفیسر لائل پور۔

۱۰: ڈاکٹر بشیر احمد ایم۔بی۔بی۔ایس۔ ڈی۔ڈی۔ٹی میونسپل ہیلتھ آفیسر ٹی بی ہسپتال لائلپور

۱۱: ڈاکٹر گلزار محمد افضل ایم۔بی۔بی۔ایس۔

۱۲: ڈاکٹر کیپٹن فضل محمد ایم۔بی۔بی۔ایس میاں ٹرسٹ ہسپتال لائل پور۔

۱۴: ڈاکٹر کیپٹن محمد یٰسین ایم۔بی۔بی۔ایس۔

۱۵: ڈاکٹر کیپٹن محمد شفیع ایم۔بی۔بی۔ایس۔

ڈاکٹر سلیم فضل ڈینٹل سرجن جناح کالونی لائل پور۔

ڈاکٹر محمد رفیع ڈینٹل سرجن سرکلر روڈ لائل پور۔

ڈاکٹر محمد شفیق خیال ڈینٹل سرجن ڈگلس پورہ۔

لائل پور میں اشاعت و طباعت کے ادارے

لطیف برادرز سٹیشنرز بک سیلرز :- چوہدری عبداللطیف، حاجی عبدالعزیز اور حاجی عبدالحکیم تینوں بھائی جالندھر شہر میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد لائل پور کے ریل بازار میں کاروبار شروع کیا۔ سٹیشنری اور طباعت کا وسیع کاروبار ہے۔

شریف سنز تاجران کتب :- حاجی محمد شریف ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آزادی کے بعد کارخانہ بازار میں کاروبار شروع کیا۔ ماشاءاللہ بڑے کاروباری ہیں اور باغ و بہار شخصیت بھی۔ ارائیں برادری کے غمگسار اور بھرپور ہمدردی رکھنے والے آدمی ہیں۔

سٹوڈنٹ بک ڈپو :- چوہدری عبداللطیف ضلع جالندھر سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد امین پور بازار لائل پور میں کاروبار شروع کیا۔ لائل پور میں ان کا وسیع کاروبار ہے۔

جدید بک ڈپو : میاں محمد صدیق جالندھر شہر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لائل پور سے حاصل کی اور بھوانہ بازار میں کاروبار شروع کیا۔ بڑا اچھا کاروبار ہے اچھے اور سلجھے ہوئے ذہن کے مالک ہیں۔

کتاب مرکز : چوہدری محمد علی جالندھر کے مشہور محلہ عالی میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اسلامیہ ہائی سکول جالندھر سے حاصل کی تقسیم ملک کے بعد بھوانہ بازار میں کتابوں کا کاروبار شروع کیا۔ اس میدان میں وسیع تجربہ اور دسترس رکھتے ہیں۔ برادری کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بڑے محنتی اور ملنسار آدمی ہیں۔

اخبار ڈیلی بزنس رپورٹ اور پریس :- بزرگ صحافی اور معروف کاروباری چوہدری شاہ محمد عزیز ضلع کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کا اخبار اپنی انفرادیت کی وجہ سے ملک کے کونے کونے میں پڑھا جاتا ہے۔

فائن آرٹ پریس :- غازی عبدالرشید پرجوش سیاسی کارکن ہونے کے علاوہ صاحب عزم کاروباری شخصیت ہیں۔ ان کا پریس لائل پور میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

حاجی اینڈ کمپنی پیپر مرچنٹ :- عبدالرحمٰن بیچلے بی۔ کام "آنرز" لدھیانہ کے معروف ارائیں خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ گلی جامع مسجد میں بلاک سازی اور کاغذ کا وسیع کاروبار ہے۔ نہایت زیرک اور پرجوش آدمی ہیں۔

اس کے علاوہ چناب بکڈپو کے چوہدری سردار محمد سلیمی فرینڈز کے میاں محمد سلیم سلیمی برادرز کے میاں ظہور الحسن تنویر بک ڈپو کے چوہدری ظہور الحق بھی ارائیں برادری سے متعلق اصحاب ہیں۔

ضمیمہ (۲)

مختصر فہرست ناموارانِ قوم میں پُرانی فہرست
میں تصحیح کی گئی ہے بعض نام حذف کر دیئے
گئے ہیں۔ نئے ناموں میں سندھ اور کراچی
کی انجمنوں کے ممبران، وکلاء لاہور و قصور،
حزبِ ارائیاں راولپنڈی کے چیدہ چیدہ نام
اور ممبران "اوج پاکستان" شامل کیے
گئے ہیں۔

لاہور کے مزید چند مشہور مکتبے اور پریس

یہ کتب خانے ہمارے وزیر خزانہ (پنجاب) جناب محمد حنیف رامے اور اُن کے بڑے اور چھوٹے بھائیوں کے قائم کردہ ہیں اور بڑی شہرت رکھتے ہیں:

۱۔ مکتبہ جدید پریس (نوائے وقت بلڈنگ) شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور۔ "تاریخ ادبیات" کا تیسرا ایڈیشن اسی پریس میں چھپا ہے۔ کام کا معیار بہت بلند ہے، مالک پریس چودھری رشید احمد بڑے باخلاق اور معاملہ کے کھرے آدمی ہیں اس پریس میں آفسٹ (آٹومیٹک) اور لیٹر پریس (آٹومیٹک) دونوں (۲۰×۳۰) سائز اور ایک ٹریڈل مشین ۱۸×۲۳ سائز ہے۔

۲۔ مکتبہ جدید (۱۲ انارکلی۔ لاہور)۔ اس کے پروپرائٹر بھی چودھری رشید احمد ہیں۔ جنرل لائبریری اور نصابی کتب طبع کرتے ہیں۔ کتابوں کا معیار بہت بلند ہے۔

۳۔ مکتبہ پاکستان (چوک انارکلی۔ لاہور) پروپرائٹر چوہدری حفیظ احمد۔ جنرل اور لائبریری کتب چھاپتے ہیں۔ اچھی اچھی کتابوں کے لیے یہ مکتبہ مشہور ہے۔

۴۔ مکتبہ "البیان" اس کے پروپرائٹر محمد حنیف رامے (وزیر خزانہ پنجاب) ہیں۔ اب اُن کے بھانجے ان کی جگہ کام کر رہے ہیں۔ بلند پایہ جنرل اور لائبریری کتب شائع کرتے ہیں۔

۵۔ مکتبہ میری لائبریری (سرکلر روڈ جلال دین ٹرسٹ بلڈنگ۔ بیرون موری دروازہ۔ لاہور)

پروپرائٹر چوہدری بشیر احمد۔ اس مکتبہ نے معیاری اور سستی کتابیں چھاپنے میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔

(۶) نیا ادارہ (سرکلر روڈ۔ مچھلی منڈی۔ بیرون موری دروازہ۔ لاہور) پروپرائٹر چوہدری نذیر احمد (مرحوم) اس ادارہ نے بھی عمدہ اور معیاری کتب چھاپنے میں اچھا نام پیدا کیا ہے۔ رسالہ "سویرا" (اردو) اسی ادارہ کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے۔

مختصر فہرست ناموران قوم

(قیام پاکستان سے قبل)

ذیل میں دیئے گئے پتے کافی پرانے ہیں۔ ان کے عہدوں میں بھی ترقی ہو گئی ہوگی۔ نئے پتے معلوم کرنے میں کافی دقت ہے ان میں سے بعض بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ برادری کو صرف ان کا "تعارف کرانا مقصود ہے: (سردار محمد)

(۱) خان بہادر آنریبل جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں (مرحوم) بیرسٹر۔ جج عدالتِ عالیہ چیف کورٹ۔ پنجاب۔ لاہور

(۲) خان بہادر آنریبل میاں سر محمد شفیع (مرحوم) بیرسٹر۔ سی۔ آئی۔ ای۔ گورنر یو پی۔ لاہور

(۳) خان بہادر نواب مولا بخش (مرحوم) سی۔ آئی۔ ای۔ اٹاچی ٹو گورنمنٹ آف انڈیا۔ بٹالہ

(۴) خان صاحب آغا محمد علی صوفی (مرحوم)، سپرنٹنڈنٹ آفس آف پولیٹیکل آفیسر بصرہ۔ جالندھر

(۵) میاں نصیر الدین احمد (مرحوم) اسسٹنٹ برٹش ریذیڈنٹ عدن۔ امرتسر

(۶) میاں نظام الدین۔ ڈسٹرکٹ جج۔ لاہور

(۷) میاں علم الدین۔ افسر مال۔ لاہور

(۸) میاں محمد یوسف۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ لاہور

(۹) میاں عبدالحمید " " "

(۱۰) میاں سردار علی " " " "

(۱۱) میاں سراج الدین۔ افسر مال۔ لاہور

(۱۲) چودھری اللہ بخش۔ سپرنٹنڈنٹ آف وارڈس۔ جالندھر

(۱۳) چودھری علی احمد۔ سیکرٹریٹ گورنمنٹ آف انڈیا۔ جالندھر

(۱۴) چودھری نور بخش " " " "

(۱۵) میاں غلام محی الدین۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ دفتر لاٹ صاحب۔ لاہور

(۱۶) ملک غلام رسول۔ ناظم ریاست بیکانیر۔ دہلی

(۱۷) سردار بہادر کپتان غلام حسین۔ آنریری مجسٹریٹ۔ جالندھر

(۱۸) خان بہادر میاں جمال الدین۔ آنریری مجسٹریٹ۔ لاہور

(۱۹) خان بہادر سردار نور برہان " گنجہ کلاں۔ لاہور

(۲۰) سردار محمد شفیع۔ صدر آل انڈیا ارائیں کانفرنس " "

(۲۱) میاں عبدالعزیز بیرسٹر۔ صدر آل انڈیا انجمن ارائیاں۔ لاہور

(۲۲) سردار فتح محمد۔ رجسٹرار چیف کورٹ پٹیالہ۔ پٹیالہ

(۲۳) ملک تاج الدین۔ اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب۔ کرنسی آفیسر۔ لاہور

(۲۴) میاں عبدالرحیم۔ ڈسٹرکٹ انجینئر۔ لاہور

(۲۵) ڈپٹی محمد اکرم۔ ڈپٹی کلکٹر۔ لاہور

(۲۶) خان صاحب میاں چنن دین۔ اسسٹنٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ این ڈبلیو ریلوے۔ لاہور

(۲۷) میاں نظام الدین۔ گورنمنٹ انسپکٹر آف ریلویز۔ پٹیالہ

(۲۸) خان بہادر میاں سزاوار۔ ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب۔ لاہور

(۲۹) شیخ سراج الدین۔ پرسنل اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب۔ لاہور

(۳۰) خان بہادر منشی فضل دین۔ ڈپٹی کنزرویٹو جنگلات۔ لاہور

(۳۱) ڈاکٹر سبحان علی۔ میڈیکل کالج آگرہ۔ جالندھر

(۳۲) ڈاکٹر عبدالعزیز۔ سول سرجن۔ لاہور

(۳۳) ڈاکٹر فیروز الدین " " "

(۳۴) ڈاکٹر علی محمد " " "

(۳۵) کپتان ڈاکٹر عبدالرشید۔ میڈیکل کالج لاہور۔ ہوشیارپور

(۳۶) حافظ محمد عبداللہ ایل اے جی۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ زراعت۔ جالندھر
(۳۷) شیخ بدرالدین۔ سپرنٹنڈنٹ آبکاری۔ لاہور
(۳۸) میاں عبداللطیف۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز۔ لاہور
(۳۹) شیخ محمد عبداللہ " " گورداسپور
(۴۰) ڈاکٹر ولی محمد ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی۔ شعبہ سائنس لکھنؤ یونیورسٹی۔ فیروزپور
(۴۱) میاں محمد ابراہیم۔ پرنسپل ایمرسن کالج ملتان۔ فیروزپور
(۴۲) مولوی غلام رسول۔ طبیب خاص نواب بہاول پور۔ اوان، ہوشیارپور
(۴۳) مولوی غلام محی الدین غلامی۔ اتالیق مہاراجہ کپورتھلہ۔ کپورتھلہ
(۴۴) مولوی محمد علاؤالدین فرخ۔ اتالیق نواب ولی عہد بھوپال۔ مظفرنگر
(۴۵) کرنل شہاب الدین۔ کرنل عساکر بہاول پور۔ کپورتھلہ
(۴۶) خان صاحب بہادر علی خان " " پٹیالہ
(۴۷) میاں محمد امین۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس سہارن پور۔ جالندھر
(۴۸) میاں غلام محی الدین سپرنٹنڈنٹ پولیس بہاول پور "
(۴۹) شیخ نذیر احمد رئیس اعظم ڈانگ پیلی بھیت۔
(۵۰) میاں عبدالعزیز خان بہادر سی آئی ای۔ چیف انجنیر یو پی۔ چیرمین پبلک سروس کمیشن یو پی۔ لاہور
(۵۱) میاں ریاض احمد۔ چیف کنزرویٹو جنگلات پنجاب۔ لاہور
(۵۲) میاں غلام جیلانی۔ وزیر اعظم ریاست کپورتھلہ۔ کپورتھلہ

(قیام پاکستان کے بعد)

(۵۳) جسٹس میاں سر عبدالرشید، "ہلال پاکستان" سابق چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف پاکستان و قائم مقام گورنر جنرل پاکستان۔ لاہور
(۵۴) چودھری محمد علی۔ سابق وزیر اعظم پاکستان و سابق داعی نظام اسلام پارٹی۔ لاہور

(۵۵) ذوالفقار علی بھٹو "ہلالِ پاکستان"۔ "نشانِ ہمایوں ایران" سابق وزیر خارجہ پاکستان۔ لاڑکانہ و حال وزیر اعظم پاکستان۔ اسلام آباد۔
(۵۶) حاجی محمد صدیق چودھری "ہلالِ پاکستان" سابق وائس ایڈمرل نیوی۔ لاہور
(۵۷) میاں بشیر احمد بیرسٹر (مرحوم) سابق سفیر ترکی۔ لاہور
(۵۸) میاں افتخار الدین بیرسٹر (مرحوم) سابق وزیر مہاجرین حکومت پنجاب۔ لاہور
(۵۹) میاں عارف افتخار۔ ممبر قومی اسمبلی۔ لاہور
(۶۰) میاں نور اللہ۔ سابق وزیر تعلیم حکومت پنجاب۔ لائل پور
(۶۱) مہر محمد صادق (مرحوم) سابق وزیر حکومت پنجاب "
(۶۲) جناب عبد السلام۔ سابق نائب وزیر مغربی پاکستان "
(۶۳) میاں محمد شفیع (م۔ ش) سابق ممبر صوبائی اسمبلی۔ لاہور
(۶۴) میاں محمد شریف (مرحوم) سابق ممبر صوبائی اسمبلی۔ لاہور
(۶۵) میاں معراج الدین " " " "
(۶۶) سردار محمد حسین (مرحوم) " " " "
(۶۷) سردار احمد علی صدر آل پاکستان انجمن اراعیان۔ لاہور
(۶۸) میاں عبد الباری (مرحوم) سابق صدر پنجاب مسلم لیگ ممبر قومی اسمبلی۔ لائل پور
(۶۹) میاں عبد الرشید۔ ممبر قومی اسمبلی
(۷۰) چودھری محمد حسین۔ سابق ممبر قومی اسمبلی و سابق وائس چیئرمین لاہور کارپوریشن لاہور
(۷۱) جناب حمزہ صاحب سابق ممبر صوبائی اسمبلی۔ لائل پور
(۷۲) پیر بخش بھٹو سابق ممبر قومی اسمبلی۔ لاڑکانہ
(۷۳) میاں عبد الحق (مرحوم) " " ساہیوال
(۷۴) بیگم شاہنواز صاحبہ سابق ممبر صوبائی اسمبلی، لاہور
(۷۵) چودھری سلطان احمد۔ ممبر قومی اسمبلی۔ لائل پور
(۷۶) میاں عبد العزیز۔ چیف انجینئر مغربی پاکستان لاہور

(۷۷) میاں مسعود احمد۔ چیف انجنیئر ڈویلپمنٹ واپڈا۔ لاہور
(۷۸) میاں سعید احمد۔ چیف انجنیئر بی اینڈ آر۔ لاہور
(۷۹) میاں اعجاز احمد۔ سپرنٹنڈنگ انجنیئر واپڈا۔ "
(۸۰) جناب محمد دین ارائیں۔ ڈپٹی چیف انجنیئر بی اینڈ آر۔ سانگھڑ
(۸۱) ڈاکٹر شاہنواز ڈی، ایس، سی۔ ڈائرکٹر کیمیکل کنسلٹنٹس۔ لاہور
(۸۲) میاں محمد شفیع۔ سابق ڈپٹی کمشنر لاہور
(۸۳) جناب اے حمید کلکٹر آف کسٹمز کراچی
(۸۴) میاں عبدالرب سابق ڈائریکٹر نیشنل سیونگ سکیم پاکستان، سیکرٹری فنانس ڈیپارٹمنٹ حکومت پاکستان وحال سیکرٹری انجمن اعیان پاکستان لاہور
(۸۵) میاں نصیر احمد (مرحوم) چیئرمین پبلک سروس کمیشن مغربی پاکستان۔ لاہور
(۸۶) ڈاکٹر غلام مصطفےٰ ارائیں، ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز۔ لاہور
(۸۷) جناب دین محمد ارائیں۔ سابق ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف ریونیو مغربی پاکستان سانگھڑ
(۸۸) جناب میاں عبدالحمید ڈائریکٹر سول سپلائیز کراچی
(۸۹) جناب غلام رضا بھٹو۔ انسپکٹر آف سکولز خیرپور ڈویژن سکھر
(۹۰) جناب پرویز شامی۔ قائم مقام رئیس شعبہ تعلیمات سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد
(۹۱) میاں محمود احمد سابق پرنسپل گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان
(۹۲) ڈاکٹر محمد ابراہیم سابق ایڈمنسٹریٹر نشتر میڈیکل کالج و ہسپتال ملتان
(۹۳) جناب محمد اسلم سابق کیپٹن کرکٹ ٹیم پاکستان
(۹۴) جناب عبدالحفیظ کاردار سابق کیپٹن کرکٹ ٹیم پاکستان حال ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب لاہور
(۹۵) جناب میاں سعید احمد بہترین بیٹسمین کرکٹ۔ لاہور
(۹۶) جناب میاں محمد شبیر (مرحوم) سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور
(۹۷) کرنل محمود احمد ایم آر سی وی ایس۔ ڈائریکٹر فارمز ملٹری ہیڈکوارٹر۔ راولپنڈی

(۹۸) لیفٹیننٹ جنرل ایس اے میاں	افواجِ پاکستان
(۹۹) بریگیڈیئر چودھری محمد اصغر	" "
(۱۰۰) لیفٹیننٹ کرنل ایف آر سردار	" "
(۱۰۱) " " شوکت علی میاں	" "
(۱۰۲) کرنل علی محمد	" "
(۱۰۳) " محمد شفیع	" "
(۱۰۴) " اعجاز احمد میاں	" "
(۱۰۵) " افتخار احمد	" "
(۱۰۶) میجر انوار الحق	" "
(۱۰۷) " محمد اسلم	" "
(۱۰۸) " محمد اقبال	" "
(۱۰۹) " مہر صبح صادق	" "
(۱۱۰) " بشیر احمد	" "
(۱۱۱) محمد بشیر	" "
(۱۱۲) " ظفر احمد	" "
(۱۱۳) " تنویر احمد	" "
(۱۱۴) " شاہ محمد	" "
(۱۱۵) " عمر دین چودھری	" "
(۱۱۶) " نصیر احمد	" "
(۱۱۷) کیپٹن محمد رفیق چودھری	" "
(۱۱۸) " غلام محمد "	" "
(۱۱۹) " شمس الحق "	" "
(۱۲۰) اسلام باری	" "

(۱۲۱) کیپٹن محمد اختر افواجِ پاکستان
(۱۲۲) " فضل الرحمٰن " " "
(۱۲۳) " احسان الحق چودھری " "
(۱۲۴) " سردار خان " " "
(۱۲۵) " عبدالرحمٰن " " "
(۱۲۶) " انوار الحق " " "
(۱۲۷) " میاں عبدالحفیظ " "
(۱۲۸) " محمد اشرف " "
(۱۲۹) " خورشید عالم " "
(۱۳۰) " محمد اشرف " "
(۱۳۱) " محمد بشیر " "
(۱۳۲) میاں اسلام باری سلیمی کموڈور نیوی (پاکستانی بحریہ)
(۱۳۳) جناب رشید احمد سٹاف آفیسر ایجوکیشنل نیوی، لیفٹننٹ کمانڈر نیوی
(۱۳۴) جناب ایس۔او۔ احمد لیفٹیننٹ کمانڈر نیوی
(۱۳۵) میاں عبداللطیف " " "
(۱۳۶) جناب ملازم حسین مرحوم " " "
(۱۳۷) جناب ایم۔ایم حسین کموڈور "
(۱۳۸) میاں اظہر حسین کمانڈر "
(۱۳۹) جناب حبیب احمد لیفٹننٹ الیکٹریکل "
(۱۴۰) جناب رشید احمد " " "
(۱۴۱) جناب عبدالرزاق سب لیفٹیننٹ "
(۱۴۲) " نذیر احمد گوہر " " "
(۱۴۳) " عبدالرحمٰن " " "

(۱۴۴) چودھری عبدالغنی — سب لیفٹیننٹ نیوی

(۱۴۵) جناب ایم اقبال — لیفٹیننٹ کمیونیکیشن نیوی

(۱۴۶) چودھری منیر صادق — ″ ″ ″

(۱۴۷) جناب ایم۔ آر۔ احمد — انسٹرکٹر کمانڈر ″

(۱۴۸) ″ محمد طفیل جٹالہ — ″ لیفٹیننٹ کمانڈر ″

(۱۴۹) ″ ثناء اللہ — سرجن ″ ″

(۱۵۰) ″ عبدالرحمٰن — ″ ″ ″

(۱۵۱) ″ طارق مجید — لیفٹیننٹ ″

(۱۵۲) ″ محمد تسنیم — ″ ″

(۱۵۳) چودھری محمد حسین — سابق آئی جی سی آئی ڈی مغربی پاکستان

(۱۵۴) ″ فیض محمد ڈپٹی رجسٹرار ہائی کورٹ مغربی پاکستان

(۱۵۵) میاں قاسم علی سپرنٹنڈنٹ پراونشل ملیریا ایراڈیکیشن مغربی پاکستان

(۱۵۶) حاجی علی محمد رشید ہیڈ اینلسٹ فوڈ لیبارٹری لاہور ریجن، لاہور

(۱۵۷) چودھری محمد خورشید اکاؤنٹ آفیسر زرعی یونیورسٹی لائل پور

(۱۵۸) چودھری بشیر احمد جاوید سپرنٹنڈنٹ اے۔جی آفس لاہور

(۱۵۹) ″ حسن علی بی ڈی اینڈ ایل جی سول سیکرٹریٹ لاہور

(۱۶۰) ″ عبدالرحیم سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ گارڈن (باغ جناح) لاہور

(۱۶۱) ″ حیدر علی سینئر کلیم انسپکٹر ریلوے ہیڈ کوارٹر لاہور

(۱۶۲) ″ عبدالقیوم اسسٹنٹ ڈائریکٹر وانچارج ٹسٹنگ لیبارٹری لاہور

(۱۶۳) ″ عبدالرحیم ڈائریکٹر جنرل اے۔ڈی۔سی لاہور

(۱۶۴) ″ غلام احمد ڈپٹی سیکرٹری (ریٹائرڈ) زراعت لاہور

(۱۶۵) جناب ارشاد الحق کمشنر قلات

(۱۶۶) چودھری فضل محمد افسر مال

(۱۶۷) چودھری محمد نواز ڈی ایف او چیچاوطنی

(۱۶۸) " شیر محمد " " " لیہ"

(۱۶۹) ڈاکٹر چودھری یوسف علی اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز سرگودھا ریجن

(۱۷۰) میاں عبداللطیف ممبر صوبائی اسمبلی

(۱۷۱) ملک مظفر علی ڈائریکٹر نیشنل بنک آف پاکستان

(۱۷۲) جناب حنیف رامے، آرٹسٹ و وزیر خزانہ حکومت پنجاب

(۱۷۳) جناب نسیم حجازی صاحب بہترین ناول نگار، سابق ایڈیٹر کوہستان لاہور

(۱۷۴) جناب صفدر سلیمی صاحب، ایڈیٹر طلوع اسلام، لاہور

(۱۷۵) میاں محمد اکبر صاحب، نامور مصنف، سیالکوٹ

(۱۷۶) جناب علی اصغر چوہدری، ناول نگار و ہیڈ ماسٹر سنجھورو

(۱۷۷) میاں شاہ محمد عزیز، ایڈیٹر ڈیلی بزنس، لاہور

(۱۷۸) مولانا محمد اسحاق نقشبندی ایڈیٹر ہفت روزہ نسیم جہلم

(۱۷۹) جناب عبدالرشید تبسم سابق ایڈیٹر ماہنامہ الراعی لاہور

(۱۸۰) جناب غلام محمد گاڈی نامور پہلوان لاہور

(۱۸۱) مولانا محمد علی جالندھری (مرحوم) صدر مجلس ختم نبوت۔ پاکستان۔ ملتان

(۱۸۲) خان صاحب غلام محمد صاحب رئیس اعظم تھرپارکر

(۱۸۳) جناب مہر محمد صادق صاحب رئیس اعظم حیدر آباد

(۱۸۴) جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب، سول سرجن مکہ معظمہ

(۱۸۵) میاں عبدالعزیز، ستارۂ قائداعظم، چیف انجنیئر مغربی پاکستان

(۱۸۶) ماجھا پہلوان ستارۂ ہند (بلاقی والا) لاہور

(۱۸۷) جیجا پہلوان " " لاہور

(۱۸۸) حاجی مہتاب دین (باغبان)، تمغۂ باغبانی ۱۹۱۱ء لاہور

(۱۸۹) چودھری چراغ دین " ۱۹۲۳ء

(۱۹۰) چودھری کالے خاں تمغہ اور پانچ ہزار روپیہ انعام صدر کی طرف سے پیداوار بڑھانے پر چنیوٹ

(۱۹۱) چودھری محمد حسن، پیداوار بڑھانے پر انعام۔ تھرپارکر

(۱۹۲) میاں سعد اللہ پی سی ایس ڈپٹی سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ مغربی پاکستان

(۱۹۳) چودھری علی محمد ایس ڈی ایم چشتیاں

(۱۹۴) چودھری بشیر احمد رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۱۹۵) میاں عبدالرشید اختر سابق پرنسپل زراعتی کالج ٹنڈوجام

(۱۹۶) ڈاکٹر خلیل الرحمن ارائیں سول سرجن سانگھڑ

(۱۹۷) چودھری اکرام الحق رجسٹرار انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور

(۱۹۸) " عبدالحمید ایگزیکٹو انجنیئر زرعی یونیورسٹی لائل پور

(۱۹۹) " عبدالرحیم ڈائریکٹر جنرل اے ڈی سی لاہور

(۲۰۰) میاں مشتاق احمد سابق ڈائریکٹر محکمۂ تعلیم مغربی پاکستان لاہور

(۲۰۱) " الطاف حسین " " زراعت " "

(۲۰۲) " عبدالرشید ڈپٹی " " " "

(۲۰۳) جناب قدرت اللہ شہاب سیکرٹری تعلیم۔ اسلام آباد

(۲۰۴) چودھری انور لطیف کمشنر بحالیات و بندوبست خیرپور ڈویژن

(۲۰۵) میاں ظفر الدین ڈائریکٹر کالج آف اینمل ہسبنڈری نائیجیریا

(۲۰۶) چودھری محمد انور، مرکز ایٹمی توانائی ٹنڈوجام

(۲۰۷) چودھری غلام محمد (مرحوم) امیر جماعت اسلامی کراچی

(۲۰۸) چودھری بدرالدین سابق ایس پی (ریٹائرڈ) لاہور

(۲۰۹) ڈاکٹر سردار احمد کیپٹن ریڈیالوجسٹ نشتر ہسپتال ملتان

(۲۱۰) ڈاکٹر افتخار احمد فزیشن۔ پروفیسر آف میڈیسن نشتر ہسپتال و کالج ملتان

(۲۱۱) ڈاکٹر مسز افتخار احمد انچارج فاطمہ جناح ہسپتال ملتان

(۲۱۲) ڈاکٹر یوسف علی اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز ملتان
(۲۱۳) میاں منظور احمد چیف کنزرویٹو آف فارسٹ مغربی پاکستان ملتان
(۲۱۴) چودھری محمد جمیل ریلوے کلیم انسپکٹر ملتان
(۲۱۵) میاں محمود احمد ڈبلیو پی ای ایس پرنسپل گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان
(۲۱۶) جناب عبدالسلام چیف سیکرٹری وزارت دفاع پاکستان
(۲۱۷) جناب عبدالغفور ریونیو آفیسر سکھر بیراج
(۲۱۸) " ذکاءاللہ سپرنٹنڈنٹ پوسٹل ٹریننگ سنٹر لاہور
(۲۱۹) " محمد حنیف ڈپٹی چیف ایڈمنسٹریٹو آفیسر جی۔ایچ۔کیو
(۲۲۰) " طارق مسعود ریسرچ آفیسر محکمہ ڈیفنس
(۲۲۱) " فہیم الدین کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس اینڈ پنشن لاہور
(۲۲۲) " عطا ربانی گروپ کیپٹن پی۔ایف۔ایل۔اور اے لنڈن
(۲۲۳) " ایم اے ارشد ڈائریکٹر آف ریکری ایشن پی اے ایف ہیڈکوارٹرز
(۲۲۴) چودھری عبدالرشید پائلٹ کیپٹن مرچنٹ نیوی کراچی
(۲۲۵) جناب عبدالجبار " " "
(۲۲۶) جناب ایم انور سکواڈرن لیڈر پی اے ایف
(۲۲۷) میاں محمد طفیل قیم جماعت اسلامی پاکستان
(۲۲۸) چوہدری عبدالغفور سابق پرنسپل ٹریننگ کالج لائل پور
(۲۲۹) چوہدری نذیر احمد ڈائریکٹر سٹیٹ بنک کراچی
(۲۳۰) ڈاکٹر چوہدری محمد عبداللہ ریٹائرڈ سول سرجن ٹوبہ ٹیک سنگھ
(۲۳۱) چوہدری عبدالحمید شاہد ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ساہیوال
(۲۳۲) پروفیسر کیپٹن عبدالکریم چوہدری ایم اے سابق پرنسپل ایمرسن کالج ملتان
(۲۳۳) " چوہدری افتخار احمد ایم۔ایس۔سی لیکچرار باٹنی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۲۳۴) ڈاکٹر چوہدری محمد افضل ایم اے، پی ایچ ڈی سابق ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۲۳۵) ڈاکٹر چوہدری سردار محمد (مرحوم)، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ

(۲۳۶) چوہدری رشید احمد ڈویژنل انجینئر ٹیلیفون ٹیلیگراف۔ پرنسپل آر۔ ٹی۔ ٹی۔ ایس

(۲۳۷) 〃 ولی محمد بی اے ایڈووکیٹ ملتان

(۲۳۸) 〃 علی احمد سرور ڈپٹی پوسٹ ماسٹر کراچی

(۲۳۹) 〃 نذیر احمد ایم ایس سی (کیمسٹری) زمیندار، سنت نگر لاہور

(۲۴۰) 〃 محمد شفیع انچارج انجنیئر سوئی گیس۔ حیدر آباد

(۲۴۱) ڈاکٹر چوہدری محمد رفیع ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، انجنیئر، زرعی یونیورسٹی لائل پور

(۲۴۲) چوہدری ولی محمد بی اے بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ خانیوال

(۲۴۳) چوہدری نیاز احمد ریٹائرڈ انجنیئر سنت نگر لاہور

(۲۴۴) کرنل ڈاکٹر میاں عبدالحمید (ریٹائرڈ) لاہور چھاؤنی

(۲۴۵) مولانا محمد سعید شبلی، مبلغ اسلام، ساہیوال

(۲۴۶) ڈاکٹر ایم داؤد ڈینٹل سرجن، مزنگ اڈہ لاہور

(۲۴۷) ہومیوپیتھک ڈاکٹر ایم افضل، ہسپتال ٹمپل روڈ در ریلوے روڈ لاہور (پاکستان کے مشہور ڈاکٹر)

(۲۴۸) محمد سعید چودھری، ڈپلوما ان لیدر ٹیکنالوجی، فیکو ایشین پروڈکٹو یٹی، آرگنائزیشن ٹیکنیکل نمائندہ سینڈوز لمیٹڈ ۵۲ بی ماڈل ٹاؤن لاہور (چمڑہ کی دباغت و تیاری کے علوم کے ماہر خصوصی)

(۲۴۹) پروفیسر محمد شمس الدین ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج سول لائن۔ لاہور

(۲۵۰) چوہدری محمد خورشید انور ایکسین واپڈا۔ ۴۰ ڈیوس روڈ لاہور

(۲۵۱) چوہدری عبدالکریم ایس ڈی او (ریٹائرڈ) اُردو بازار لاہور

(۲۵۲) چوہدری احسان الحق بی اے (آنرز) ایم اے (اُردو) پروفیسر ایم اے او کالج لاہور

(۲۵۳) چوہدری محمد اشتیاق ایم ایس سی لیکچرار باٹنی گورنمنٹ کالج لائل پور

(۲۵۴) میاں محمد افضل (جالندھری)، ایم ایس سی۔ سکواڈرن لیڈر، پبلک ریلیشنز آفیسر پی اے ایف۔ ایئر ہیڈ کوارٹرز پشاور

(۲۵۵) چوہدری علاؤالدین ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ نارمل سکول نارووال، لاہور

(۲۵۶) کیپٹن چوہدری ایم اے لطیف ڈائریکٹر سگنلز پاکستان نیوی کراچی

(۲۵۷) لیفٹیننٹ کرنل اے حق، فرنٹیر فورس رجمنٹ۔ کوہاٹ

(۲۵۸) چوہدری بدر منیر اے ایم۔ ای مکینکل انجینئر لاہور

(۲۵۹) چوہدری محمد علی جالندھری اسسٹنٹ کلکٹر سنٹرل ایکسائز اینڈ کسٹم۔ لاہور

(۲۶۰) چوہدری نذیر احمد جالندھری ایم اے، ایم ای ڈی پائلٹ سکول ساہیوال

(۲۶۱) چوہدری بشیر احمد تبسم جالندھری ایم اے، پبلک ریلیشنز آفیسر وزارت

(۲۶۲) اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان سیکرٹریٹ ۳ اسلام آباد

(۲۶۳) چوہدری غلام محی الدین (شاہکوٹی)، گراؤنڈ انجینئر پی۔ آئی۔ اے راولپنڈی

(۲۶۴) چوہدری عبدالسلام گراؤنڈ انجینئر پی۔ آئی۔ اے کراچی

(۲۶۵) چوہدری محمد طفیل دارا صدر شعبۂ اُردو ایم اے او کالج لاہور

(۲۶۶) میاں ممتاز احمد ایم ایس سی صدر شعبۂ کیمیا ایف سی کالج لاہور

(۲۶۷) پروفیسر رمضان شاہ۔ ایم۔ ایس۔ سی گورنمنٹ کالج سرگودھا۔

(۲۶۸) چوہدری ایم۔ ایچ مصدق ایم۔ ایس۔ سی 〃 〃 〃 〃

(۲۶۹) چوہدری محمد بخش ایم۔ اے لیکچرار جغرافیہ 〃 〃 〃 〃

(۲۷۰) چوہدری عبدالغنی ایم۔ اے لیکچرار اکنامکس 〃 〃 〃 〃

(۲۷۱) چوہدری محمد افضل ایم۔ اے لیکچرار انگلش 〃 〃 〃 〃

(۲۷۲) چوہدری سلیم اختر ایم۔ایس۔سی لیکچرار زوآلوجی گورنمنٹ کالج سرگودہا

(۲۷۳) چوہدری غلام مصطفےٰ ایم۔ایس۔سی لیکچرار فزکس 〃 〃 〃

(۲۷۴) چوہدری غلام انور ایم۔ایس۔سی لیکچرار فزکس 〃 〃 〃

(۲۷۵) چوہدری محمد دین انور ایم۔اے لیکچرار اردو 〃 〃 〃

(۲۷۶) چوہدری نذیر احمد ایم۔اے لیکچرار اردو 〃 〃 〃

(۲۷۷) عبدالحمید شاہد پروفیسر انگلش گورنمنٹ کالج ساہیوال۔

(۲۷۸) چوہدری محمد امین پروفیسر شعبہ ریاضی گورنمنٹ کالج لاہور۔

(۲۷۹) چوہدری رفیع الدین پروفیسر شعبہ اردو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور۔

(۲۸۰) چوہدری بشیر الدین سبجیکٹ سپیشلسٹ ایجوکیشن ایکسٹنشن سنٹر لاہور۔

(۲۸۱) چوہدری ظہیر الدین۔سپرنٹنڈنٹ بورڈ آف ریونیو لاہور۔

(۲۸۲) چوہدری محمد انور رومان، ڈپٹی سیکرٹری ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ۔گورنمنٹ بلوچستان کوئٹہ

(۲۸۳) ڈاکٹر چوہدری انعام الحق کوثر (D، H، P) پرنسپل گورنمنٹ کالج لورالائی

(۲۸۴) میاں عبدالرشید، ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل۔راولپنڈی

(۲۸۵) عارف ذوالفقار فرزند چوہدری محمد ذوالفقار چیئرمین ریونیو بورڈ اسلام آباد

(۲۸۶) امتحان ۱۹۷۳ء سی ایس پی میں اوّل آئے۔

انجمن فلاح راعیان لاہور

فہرست عہدیداران وممبران انتظامیہ کمیٹی وبعض دیگر ممبران

(۱) میاں فضل محمد پارٹنر میاں فضل محمد عبدالقیوم آئرن اینڈ سٹیل ورکس بادامی باغ لاہور۔
(سابق چیئرمین)

(۲) میاں عبدالغنی روحی، ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل اے،جی آفس۔لاہور (سابق نائب صدر)

(۳) حاجی سردار محمد چیئرمین پاکستان پبلشرز اینڈ بک سیلرز ایسوسی ایشن زونل کمیٹی لاہور پارٹنر علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ، اُردو بازار لاہور (جنرل سیکرٹری)

(۴) چوہدری محمد علی بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی رجسٹرار سول سروسز اپلیٹ ٹریبونل۔ پنجاب لاہور۔

(۵) چوہدری محمد اقبال اکاؤنٹس آفیسر، برانچ اے۔جی آفس لاہور (خزانچی)

(۶) چوہدری محمد علی سپرنٹنڈنٹ اکاونٹس برانچ ڈی ایس آفس ریلوے لاہور (جائنٹ سیکرٹری)

(۷) میاں محمد منیر مسلم بی۔اے، ریٹائرڈ انسپکٹر ریلوے، ہیڈ آفس لاہور۔

(۸) ڈاکٹر مہر محمد رفیع ایم۔بی۔بی۔ایس کرشن نگر لاہور۔

(۹) چوہدری عنایت اللہ ایڈووکیٹ اونکار روڈ۔ کرشن نگر لاہور۔

(۱۰) مہر محمد شفیع ایم۔ایس۔سی ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر انڈسٹریز والد ڈاکٹر محمد رفیع کرشن نگر لاہور۔

(۱۱) چوہدری محمد اسحاق ایم۔اے ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب۔ لاہور۔ (سابق

(۱۲) چیئرمین)

(۱۲) چوہدری نعمت اللہ بی۔اے۔بی۔ٹی۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول سنت نگر لاہور۔ (وائس چیئرمین)

(۱۳) چوہدری محمد عبدالعلیم ایڈووکیٹ، فردوس پارک سنت نگر لاہور۔

(۱۴) چوہدری محمد بشیر اختر اکاؤنٹس آفیسر پی۔ایم۔جی۔ آفس لاہور

۱۵: چوہدری منیر احمد کمال سپرنٹنڈنٹ محکمہ معدنیات۔ گورنمنٹ پنجاب۔ لاہور۔

۱۶: چوہدری عنایت اللہ، اسسٹنٹ سول سیکرٹریٹ لاہور۔

۱۷: چوہدری محمد نذیر حسین قادری، سپرنٹنڈنٹ محکمہ انکم ٹیکس لاہور۔

۱۸: چوہدری صوفی شیر محمد ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ محکمہ انکم ٹیکس لاہور

۱۹: چوہدری عبدالرشید نیشنل بنک آف پاکستان لاہور۔

۲۰: میاں محمد یوسف چشتی، چشتیہ پریس ہسپتال روڈ لاہور۔

۲۱: چوہدری محمد بشیر حسین ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ سنت نگر لاہور (مرحوم چیئرمین)
۲۲: میاں عبدالعزیز اکاؤنٹنٹ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ارائیں برادرز ایسوسی ایشن بھیرہ ضلع سرگودھا

اس سوسائٹی کا دفتر گنج منڈی بھیرہ میں ہے۔ اس کے صدر سیٹھ محمد صدیق صاحب بڑے دیندار اور مخیر آدمی ہیں۔ برادری میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے سیکرٹری ملک غلام محمد ہیں۔ اور سیکرٹری امور رابطہ میاں فقیر محمد و میاں محمد یٰسین تمنا ہیں یہ سب حضرات برادری کی سربلندی کے لئے کوشاں ہیں۔

انجمن ارائیاں ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

یہ انجمن برادری کے افرادی وقار کو بلند کرنے میں کوشاں ہے۔ چنانچہ اس نے تعلیم کے فروغ، تلاش روزگار، بیواؤں اور یتیموں کی امداد، امداد باہمی، اسلام کی طرف نوجوان نسل کو راغب کرنے، نادار اور مستحق طلبہ کو وظائف دینے اور برادری میں غیر اسلامی رسومات کو ختم کرنے کی عملی جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ مندرجہ ذیل ممبران مجلس عاملہ قابل ذکر ہیں۔

(۱) چوہدری شیر محمد سرپرست (۲) چوہدری عبدالرزاق صدر، (۳) چوہدری اللہ رکھا چوہدری برکت علی، چوہدری محمد یامین، چوہدری رحیم بخش (نائب صدر) (۴) چوہدری ظہور الحسن (جنرل سیکرٹری) (۵) چوہدری محمد حسن اور چوہدری محمد یوسف (جائنٹ سیکرٹری) (۶) چوہدری محمد ابراہیم اور چوہدری امام دین (پراپگنڈہ سیکرٹری)، (۷) چوہدری عبدالحمید (سیکرٹری نشرواشاعت)، (۸) چوہدری فاروق اقبال (آفس سیکرٹری)، (۹) چوہدری عبدالغفور (خزانچی)، (۱۰) چوہدری محمد ابراہیم، چوہدری محمد اسحاق، چوہدری محمد شریف وغیرہ، ممبران انتظامیہ کمیٹی (۱۱) چوہدری فضل محمد مالک چوہدری بک ڈپو اینڈ پرنٹنگ پریس ڈسکہ (مشیر مجلس عاملہ

فرنیڈز میوچل بینیفٹ سوسائٹی

اتحاد کالونی ۔ ملتان روڈ ۔ لاہور

عہدیداران ۱۹۷۳ء

(۱) چوہدری محمد نواز صدر ڈائریکٹر محکمہ زراعت ۔ سائل فرٹیلیٹی ۴ ریک روڈ لاہور ،
(۲) میاں محمد شریف (نائب صدر) اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور
(۳) میاں محمد انور سلیمی (سیکرٹری) 〃 〃 〃 〃
(۴) چوہدری محمد اسماعیل (جائنٹ سیکرٹری) اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور ۔
(۵) چوہدری محمد سلیم مجاہد (خزانچی) اتحاد کالونی 〃 〃
(۶) چوہدری محمد عبداللہ (آڈیٹر) 〃 〃 〃 〃

ممبران انتظامیہ

(۷) چوہدری محمد جمیل 〃 〃 〃 〃
(۸) ڈاکٹر افضل محمد (پی ۔ ایچ ۔ ڈی) 〃 〃 〃 〃
(۹) پروفیسر محمد سرور (اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور) اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور ۔
(۱۰) چوہدری امین عارف 〃 〃 〃 〃
(۱۱) چوہدری غلام مفتی ۔ 〃 〃 〃 〃

عہدیداران فرنیڈز میوچل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی اتحاد کالونی ملتان روڈ

(۱) چوہدری محمد شریف (صدر) اتحاد کالونی ملتان روڈ ۔ لاہور ۔
(۲) چوہدری عطاء محمد (نائب صدر) اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور
(۳) چوہدری غلام محمد مشکور (سیکرٹری) 〃 〃 〃 〃
(۴) چوہدری عبدالغفور (خزانچی) 〃 〃 〃 〃
(۵) چوہدری مشتاق احمد مسعود ایڈووکیٹ (قانونی مشیر) ، زبیر سٹریٹ ۔ اسلامیہ پارک ۔ لاہور ۔

ممبران انتظامیہ کمیٹی

(۶) چوہدری محمد جمیل زبیر سٹریٹ ۔ اسلامیہ پارک لاہور۔

(۷) ڈاکٹر فضل محمد (سنیئر ریسرچ آفیسر ۔ ریجنل لیبارٹریز لاہور)

(۸) چوہدری محمد حسین (سیکشن آفیسر ہیلتھ) کوارٹر K-1-۶ چوبرجی کوارٹرز ۔ لاہور۔

(۹) چوہدری عبدالغفار ″ ″ ″

(۱۰) چوہدری محمد سرور ″ ″ ″

(۱۱) چوہدری محمد رفیق ″ ″ ″

(۱۲) چوہدری رشید احمد حسرت (ایڈورٹائزمنٹ سیکشن ۔ پاکستان ٹائمز لاہور)

(۱۳) چوہدری محمد حسین ۱؎ ″ ″ ″

(۱۴) چوہدری مشتاق احمد مسعود ″ ″ ″

ممتاز ممبران فرینڈز میوچل بینیفٹ سوسائٹی

چوہدری علم الدین مقبول ایگزیکٹو انجینئر سب سٹیشن ٹرانسمیشن G/۵ واپڈا کالونی شالامار ۔ لاہور۔

چوہدری خادم رسول ہیڈ ڈرافسمین واپڈا ۔ ۷ ۔ ۱۴ شادباغ لاہور۔

چوہدری بشیر احمد ایکونومسٹ واپڈا ہاؤس لاہور۔

چوہدری محمد طاہر جاوید ایگزیکٹو انجینئر ۴۹ مین بازار کرشن نگر لاہور۔

چوہدری عبدالغفار سنیئر ریسرچ آفیسر واسا لیبارٹریز ۳۵ سندر سٹریٹ گڑھی شاہو لاہور۔

چوہدری محمد شریف ڈائریکٹر پراگریس انڈس بیسن واپڈا ہاؤس ۔ لاہور

چوہدری محمد انور سلیمی ۔ سکائی لائن ٹریولز لمیٹڈ ۔ ۷۵ اتحاد کالونی ۔ لاہور۔

چوہدری محمد شمیم ڈویژنل فارسٹ آفیسر لاہور۔

چوہدری احسان الحق تسلیم آفس آف ڈویژنل فارسٹ آفیسر لاہور۔

چوہدری محمد سلیم ڈویژنل آفیسر کوئینز روڈ لاہور۔

چوہدری عبدالغفور انکوائری سٹیٹ بنک آف پاکستان (فون ۵۲۸۵۱) لاہور۔

ملک مقبول احمد سٹیٹ بنک آف پاکستان ۵۱۔ اتحاد کالونی لاہور۔

چوہدری عبدالقیوم ۔ ڈپٹی ڈائریکٹر سنٹرل ٹیسٹنگ لیبارٹری لاہور۔

چوہدری ایم لطیف اقبال۔ ریجنل لیبارٹریز۔ ۹ میکلوڈ روڈ نزد رتن سینما لاہور۔

چوہدری نور احمد دفتر ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن لاہور ریجن ۵ ملت پارک اچھرہ لاہور۔

چوہدری غلام احمد ڈپٹی سیکرٹری انفرمیشن اسلام آباد۔ ۶۔ اتحاد کالونی۔ لاہور۔

چوہدری محمد اسحاق ۔ اوورسیئر لاہور کارپوریشن ۔ مکان ۳۰۔ گلی ۶۹ شاہدرہ ٹاؤن لاہور

چوہدری محمد علی ضمیر پرنسپل اِن سروس ٹریننگ سنٹر۔ سٹلائیٹ ٹاؤن۔ سیدپوری روڈ راولپنڈی۔

چوہدری محمد خورشید اکاؤنٹس آفیسر زرعی یونیورسٹی لاہور۔

چوہدری بشیر احمد جاوید سنیئر آڈیٹر او۔ اے۔ ڈی ۲۷۔ اتحاد کالونی لاہور۔

چوہدری محمد منیر احمد ایکسائز انسپکٹر ۵۲۔ اتحاد کالونی لاہور۔

چوہدری محمد اسماعیل۔ اکاؤنٹس آفیسر ٹاؤن شپ سکیم ماڈل ٹاؤن لاہور۔

چوہدری رفیق احمد ڈائریکٹر بی۔ ڈی آریہ نگر ۲۶ اتحاد کالونی ۔ لاہور۔

چوہدری محمد اشرف جاوید۔ پاکستان انشورنس کمپنی واپڈا ہاؤس لاہور۔

ملک سرفراز احمد ایم۔ پی۔ اے پنجاب اسمبلی ٹی۔ ۵۱ گلبرگ III لاہور۔

چوہدری محمد حسین اندرا سیکشن آفیسر فنانس ۴۔ البیرونی سٹریٹ نو محلہ اچھرہ لاہور۔

چوہدری محمد لطیف سیفی ۔ ریسرچ آفیسر پلاننگ کارنر دیو بلڈنگ۔ شاہ عالم لاہور۔

چوہدری حسن علی ڈائریکٹر بنیادی جمہوریت سرگودہا ۔

چوہدری بدر الاسلام سپرنٹنڈنٹ اریگیشن آر اینڈ ٹی کوارٹر ۸/A۱ وحدت کالونی لاہور۔

چوہدری محمد حسین سیکشن آفیسر ملیشہ کوارٹر ۲۰، چوبرجی۔ لاہور۔

، چوہدری شاہ محمد سپرنٹنڈنٹ ایس ایس پی لاہور ۱۴۵۔بی پونچھ ہاؤس کالونی لاہور۔
چوہدری محمد شریف انسپکٹر اینٹی سمگلنگ ۱۷۔بی منٹگمری روڈ لاہور۔
چوہدری حفیظ اللہ ڈی ایس۔ پی اینٹی سمگلنگ ۷، اسی نسبت روڈ لاہور۔
چوہدری محمد حسین دفتر کنٹرولر (امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ) ۱۸، اتحاد کالونی لاہور۔
چوہدری محمد صدیق جونیر انجنیئر ڈیزائن۔ ٹپاک کرم آباد، رحمان پورہ لاہور۔

مرکزی انجمن اراعیان سندھ

اس انجمن کے کنوینر سردار محمد شفیع صاحب نواب شاہ سے مستقل طور پر اپنے آبائی گاؤں عثمان والا ضلع لاہور میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حاجی محمد اسمٰعیل صاحب خزانچی اور سیٹھ محمد حسین صاحب صدر انتقال کر چکے ہیں۔ لہٰذا نئے انتخابات ہونے تک عارضی طور پر مندرجہ ذیل اصحاب کو انجمن کے عہدیدار نامزد کیا گیا ہے جس کی منظوری سردار محمد شفیع صاحب نے ۱۹، مارچ ۷۳ء کو انجمن کے ایک ہنگامی اجلاس منعقدہ شہداد پور میں منظوری دے دی تھی۔

۱:۔ صدر مولوی فتح محمد صاحب شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۲:۔ سیکرٹری نعمت علی صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ سنجھورو ضلع سانگھڑ۔
۴:۔ پروپیگنڈہ سیکرٹری چوہدری احمد علی صاحب سابق سب انسپکٹر پولیس شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۵:۔ آرگنائزر چوہدری محمد اختر صاحب بی۔ اے۔ ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔
۶:۔ خزانچی سیٹھ محمد اسحاق صاحب سانگھڑ۔

نئے انتخابات کے لئے مناسب بندوبست کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں ضلعی انجمنوں سے رابطہ قائم کر لیا گیا ہے۔

اس وقت سندھ میں سب سے زیادہ فعال و مضبوط انجمن "مرکز تنظیم ارائیاں" حیدر آباد ہے۔ جس کی سرپرستی میں کئی اسکول بھی چل رہے ہیں۔ باقی ضلعی انجمنوں میں دوسرے نمبر پر انجمن ارائیاں ضلع سانگھڑ ہے۔ نئے انتخابات کے بعد انشاء اللہ ہر جگہ کارکردگی کی رفتار بڑھ جائے گی۔ سندھ میں لاڑکانہ میں بھٹو اور سانگھڑ تھرپارکر اور نواب شاہ میں پنجابی ارائیں اور سکھر اور کراچی میں یوپی کی ارائیں برادری کی

کثرت ہے اور خدا کے فضل و کرم سے لوگ خوشحال اور مقبول ہیں۔ مرکزی انجمن کے پروگرام میں ایک ہفت روزہ یا ماہنامہ بھی شائع کرنا شامل ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں برادری کے معزز ارکان کی ایک نہایت ہی مختصر سی فہرست پیش کرتے ہیں جو نہایت مختصر وقت میں تیار کی جا سکی ہے۔

محکمہ تعلیم

۱:۔ غلام رضا بھٹو ڈائریکٹر ٹیکنیکل ایجوکیشن تعلیمات حکومت سندھ کراچی۔
۲:۔ پروفیسر پرویز شامی شعبہ تعلیم سندھ یونیورسٹی حیدر آباد۔
۳:۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد علی شعبہ تعلیم سندھ یونیورسٹی حیدر آباد۔
۴:۔ عبدالمجید ماجد پروفیسر گورنمنٹ کالج شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۵:۔ چودھری بشیر احمد پروفیسر گورنمنٹ کالج لورالائی بلوچستان۔
۶:۔ مولانا جمیل اللہ پروفیسر گورنمنٹ ناز کالج خیر پور میرس۔
۷:۔ عبدالستار ایم ایس سی گورنمنٹ کالج ٹنڈو جام ضلع حیدر آباد۔
۸:۔ عبدالعزیز پروفیسر اگریکلچر کالج ٹنڈو جام ضلع حیدر آباد۔
۹:۔ دین محمد انسپکٹر آف اسکولز ریٹائرڈ میر پور خاص۔
۱۰:۔ برکت علی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ٹھٹھہ
۱۱:۔ علی اصغر چودھری بی اے۔ بی ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سنجھورو ضلع سانگھڑ۔
۱۲:۔ حاجی غلام محمد ہیڈ ماسٹر (ریٹائرڈ) گورنمنٹ ہائی اسکول دیہہ ۲۲ جمبڑاو ضلع سانگھڑ۔
۱۳:۔ طالب حسین ایم۔ اے بی۔ ایڈ ٹیچر 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۴:۔ محمد شریف بی اے بی ایڈ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۵:۔ عبدالستار 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۶:۔ سلطان احمد 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۷:۔ محمد رمضان 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸:- امداد علی بی اے ″ ″ ″ ″ ″ کنڈیاری ″ ″

۱۹:- غلام سرور بھٹو بی اے بی ایڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ تعمیر ملت ہائی سکول منصورہ ضلع حیدرآباد۔

۲۰:- احمد علی بی ایس سی ایم ایڈ ٹیچر نزیل پاک ماڈل ہائی اسکول حیدرآباد۔

۲۱:- محمد عظیم ایم اے ڈپلوما ان کامرس نزیل پاک ماڈل ہائی اسکول حیدرآباد۔

۲۲:- محمد حنیف مہر ایم۔ اے بی ایڈ ٹیچر گورنمنٹ جامع ہائی سکول میرپور خاص۔

۲۳:- عبدالغفور بی ایس سی ایم ایڈ ٹیچر گورنمنٹ جامع ہائی سکول میرپور خاص۔

۲۴:- محمد افضل ایم۔ایس۔سی ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول بیرانی ضلع سانگھڑ۔

۲۵:- محمد تسنیم ایم۔ اے،بی۔ایڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول بیرانی ضلع سانگھڑ۔

۲۶:- عبدالخالق ایم اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول دیہہ ۱۷۰ ڈگری ضلع تھرپارکر۔

۲۷:- نعمت علی ایم اے بی ایڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول سنجھورو ضلع سانگھڑ۔

۲۸:- غلام رسول ایم اے بی ایڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول سنجھورو ضلع سانگھڑ۔

۲۹:- نثار احمد بی اے سینئر ڈپلوما آف فزیکل ایجوکیشن گورنمنٹ سکول دیہہ ۳۹ جمبڑاو ضلع سانگھڑ۔

۳۰:- محمد اشرف بی اے ٹیچر گورنمنٹ پرائمری سکول سنجھورو ضلع سانگھڑ۔

۳۱:- حاجی عطا محمد سابق ہیڈ ماسٹر (ضلع گورداسپور) ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۳۲:- عبدالرشید اختر سابق پرنسپل زراعتی کالج ٹنڈو جام ضلع تھرپارکر۔

۳۳:- چودھری عطا محمد سابق ڈائریکٹر محکمہ تعلیم صوبہ بلوچستان کوئٹہ۔

۳۴:- علی محمد بھٹو پرنسپل قائد کمرشل انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد۔

۳۵:- صالح محمد بھٹو ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔

۳۶:- محمد حنیف لیکچرر زرعی کالج ٹنڈو جام حیدرآباد۔

۳۷:- نواز علی بھٹو ڈپٹی رجسٹرار سندھ یونیورسٹی۔

۳۸:- محمود احمد ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سلیم آباد خیرپور۔

۳۹:- عبدالعزیز ریٹائرڈ پرنسپل زرعی کالج ٹنڈو جام حیدرآباد۔

۴۰:- پروفیسر زین العابدین گورنمنٹ ڈگری کالج لاڑکانہ۔

ڈاکٹر صاحبان

۱:۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز حیدر آباد ریجن (ریٹائرڈ) ضلع تھرپارکر
۲:۔ ڈاکٹر سلطان محمود ایم بی بی ایس میڈیکل آفیسر میرپور خاص
۳: ڈاکٹر عبدالستار ایم بی بی ایس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ (گولڈ میڈلسٹ)
۴: ڈاکٹر مسز عبدالستار ایم بی بی ایس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔
۵: ڈاکٹر بشریٰ رشید ایم بی بی ایس ڈگری ضلع تھرپارکر۔
۶: ڈاکٹر فیروزالدین ایم بی بی ایس ڈگری ضلع تھرپارکر۔
۷: ڈاکٹر احمد علی مرحوم ٹنڈو جان محمد ضلع تھرپارکر۔
۸: ڈاکٹر خلیل الرحمٰن سابق سول سرجن سانگھڑ۔
۹: ڈاکٹر عبداللطیف ایم بی بی ایس ضلع تھرپارکر۔
۱۰: ڈاکٹر خلیل احمد ایم بی بی ایس ضلع تھرپارکر۔
۱۱: ڈاکٹر عبدالحمید ایم بی بی ایس (ٹی بی سپیشلسٹ) ٹنڈو جام ضلع حیدر آباد۔
۱۲: ڈاکٹر محمد صدیق سابق میڈیکل آفیسر پیرانی ضلع سانگھڑ۔
۱۳: ڈاکٹر ایم اسلم طارق ایم بی بی ایس پبلک ہاسپٹل گھوٹکی ضلع سکھر۔
۱۴: عبدالغنی ڈینٹل سرجن شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۱۵: ڈاکٹر غلام رسول ایم بی بی ایس سول ہسپتال سانگھڑ۔
۱۶: محمد عاشق بھٹو وٹرنری ڈاکٹر گھوٹکی سکھر۔
۱۷: عبدالوحید بھٹو ایم بی بی ایس بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۱۸: ڈاکٹر شمیم الرحمٰن ٹنڈو اللہ یار حیدر آباد۔
۱۹: ڈاکٹر محمد رفیق ہومیوپیتھک ڈوکری لاڑکانہ۔

وکلاء کرام

۱: منیر احمد ارائیں ایم اے ایل ایل بی ممبر صوبائی اسمبلی حیدر آباد

۲: نذیر احمد ایم اے ایل ایل بی ٹنڈو جان محمد ضلع تھرپارکر۔
۳: محمد مشتاق پولیس پراسیکیوٹر ٹنڈو جان محمد ضلع تھرپارکر۔
۴: محمد اسلم ایم اے ایل ایل بی ڈگری ضلع تھرپارکر۔
۵: صدر الدین بی اے ایل ایل بی کراچی۔
۶: طاہر اسلام ایم۔ اے ایل ایل بی کراچی
۷: محمد افضل بی اے ایل ایل بی ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔
۸: محمد اسحاق بی اے ایل ایل بی شہداد پور۔ ضلع سانگھڑ۔
۹: زین العابدین بی اے ایل ایل بی شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۱۰: محمد صادق بی اے ایل ایل بی شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۱۱: اصغر علی بی اے ایل ایل "گاڑی کھاتہ" حیدر آباد۔
۱۲: محمد مشتاق پولیس پراسیکیوٹر نواب شاہ۔
۱۳: عبدالرزاق ایم اے ایل ایل بی سکھر۔
۱۴: محمد اسلم بھٹو ایم اے ایل ایل بی سکھر۔

سرکاری عہدیداران

۱: عبدالحفیظ چوہدری ڈپٹی اسٹور منیجر کراچی پورٹ ٹرسٹ کراچی (صدر انجمن ارائیاں کراچی)
۲: کموڈور اسلام باری سلیمی ڈائریکٹر نیشنل شپنگ کارپوریشن کراچی۔
۳: لیفٹیننٹ اللہ دتہ پی این ایس "ہمالہ" منوڑہ کراچی۔
۴: مہر غلام محمد پی این ایس "بہادر" منوڑہ کراچی۔
۵: ایم آر مقصود وارنٹ آفیسر پی اے الف ماری پور کراچی۔
۶: عبدالرحمن سٹیشن ماسٹر ہرک براستہ مچھ بلوچستان۔
۷: مشتاق احمد اے ایس ایم ریلوے لاڑکانہ۔
۸: محمد یعقوب ریلوے گارڈ اودھڑی ضلع سکھر۔

۹: منظور احمد بی ای انجنیئر پلاٹ نمبر ۱۱۰۱ بلاک نمبر ۱۹ - فیڈرل - بی - ایریا - کراچی۔

۱۰: منیر احمد بی ای انجنیئر شہداد پور ضلع سانگھڑ۔

۱۱: محمد سلیم چیف انجنیئر نیشنل شپنگ کارپوریشن کراچی۔

۱۲: محمد دین ڈپٹی چیف انجنیئر (ریٹائرڈ) پی ڈبلیو ڈی دیہہ ۲۲ جمڑاؤ ضلع سانگھڑ۔

۱۳: محمد سلیمان چارج مکینک پی اے ایف ماڑی پور کراچی۔

۱۴: رحمت اللہ بی اے پلانٹ منیجر وزیر علی انڈسٹریز حیدر آباد۔

۱۵: عبدالغفور مرحوم سابق ڈپٹی کلکٹر نوکوٹ ضلع تھرپارکر۔

۱۶: بشیر احمد سابق انسپکٹر پولیس نوکوٹ ضلع تھرپارکر۔

۱۷: سلیم اختر سابق سرکل آفیسر انٹی کرپشن نوکوٹ ضلع تھرپارکر۔

۱۸: عبدالرحمٰن ریٹائرڈ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ درجہ اول۔

۱۹: عبداللہ سابق ڈسٹرکٹ فارسٹ آفیسر ضلع تھرپارکر۔

۲۰: حاجی دین محمد ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف ریونیو دیہہ ۲۲ جمڑاؤ ضلع سانگھڑ۔

۲۲: جمال الدین مرحوم سابق ڈپٹی کلکٹر دیہہ ۲۲ جمڑاؤ ضلع سانگھڑ۔

۲۲: نور محمد ریٹائرڈ مختار کار دیہہ ۲۲ جمڑاؤ ضلع سانگھڑ۔

۲۳: محمد شفیع سپرنٹنڈنٹ نیول ہیڈ کوارٹر کراچی۔

۲۴: میاں محمد افضل سابق ڈپٹی سیکرٹری کراچی (صدر انجمن ارائیاں پورٹ ٹرسٹ کراچی)

۲۵: محمد ابراہیم سینئر سپرنٹنڈنٹ منسٹری آف فنانس کراچی۔

۲۶: صوفی علی احمد ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۲۷: زین العابدین ایس ڈی او ٹیلی فونز حیدر آباد۔

۲۸: عبدالجبار انسپکٹر زراعت سنجھورو ضلع سانگھڑ۔

۲۹: نذیر احمد سابق ڈائریکٹر زراعت مورو ضلع نواب شاہ۔

۳۰: اے حمید کلکٹر آف کسٹمز کراچی۔

۳۱: نذیر احمد سابق ڈائریکٹر اسٹیٹ بنک کراچی۔

۳۲: محمد شریف سلیمی ثمر بی اے ایل ایل بی آڈیٹر آفس آف دی کمپٹرولر سندھ کراچی۔
۳۳: اصغر علی چودھری سپرنٹنڈنٹ او اے سی سیکشن آفس آف دی کمپٹرولر سندھ کراچی۔
۳۴: تاج محمد زرعی کیمسٹ ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ ٹنڈو جام حیدر آباد۔
۳۵: محمد مختار زرعی کیمسٹ ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادو
۳۶: میاں نثار نبی ریسرچ اسسٹنٹ ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادو۔
۳۷: محمد سرور چودھری اسسٹنٹ پلانٹ پتھالوجسٹ ایگریکلچرل انسٹیٹیوٹ دادو۔
۳۸: چوہدری نذیر احمد اسسٹنٹ پروفیسر زرعی کالج ٹنڈو جام حیدر آباد۔
۳۹: چوہدری عبدالرشید سوشل ویلفیر آفیسر حیدر آباد۔
۴۰: گل حسن بھٹو اوورسیئر بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۴۱: محمد قاسم بھٹو خزانہ آفیسر دادو۔
۴۲: محمد عالم بھٹو سپرنٹنڈنٹ بلڈنگ اینڈ روڈ خیرپور۔
۴۳: محبوب علی بھٹو انسپکٹر زراعت نوڈیرو لاڑکانہ۔
۴۴: حاجی خان محمد بھٹو اسسٹنٹ انجنیئر اری گیشن بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۴۵: محمد اشرف بھٹو سپرنٹنڈنٹ اکاؤنٹس زرعی کالج ٹنڈو جام۔
۴۶: غلام مصطفےٰ بھٹو مختار کار بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۴۷: غلام محمد بھٹو مختار کار بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۴۸: نصیر محمد بھٹو مجسٹریٹ بنگل ڈیرو لاڑکانہ۔
۴۹: چوہدری عبدالمجید سپرنٹنڈنٹ ریونیو کمشنر آفس حیدر آباد۔
۵۰: احمد خاں پولیس پراسیکیوٹر حیدر آباد۔
۵۱: طالب حسین اے ایس آئی پولیس حیدر آباد۔
۵۲: برکت علی ریٹائرڈ ڈی ایس پی لطیف آباد حیدر آباد۔
۵۳: محمد سلیمان بھٹو ریٹائرڈ چیف انجنیئر لطیف آباد حیدر آباد۔
۵۴: چھٹل بھٹو ڈائرکٹر سپلائرز کراچی۔

۵۵: محمد ابراہیم بھٹو اسسٹنٹ سپلائرز کراچی۔
۵۶: مقبول احمد بھٹو سیکشن آفیسر سندھ سیکرٹریٹ کراچی۔
۵۷: خورشید احمد ریٹائرڈ فلائنگ آفیسر نواب شاہ۔
۵۸: عطا محمد اسسٹنٹ نیول اکاؤنٹ آفس کراچی۔
۵۹: محمد رشید ہاؤس ہاربہ ماسٹر کراچی پورٹ ٹرسٹ کراچی۔
۶۰: محمد جمیل اسسٹنٹ انجنیئر پورٹ ایریا کراچی

سیاسی و سماجی شخصیتیں

۱: جناب ذوالفقار علی صاحب بھٹو (وزیر اعظم پاکستان) لاڑکانہ۔
۲: جناب ممتاز علی بھٹو صاحب (وزیر اعلیٰ سندھ) لاڑکانہ۔
۴: جناب پیر بخش بھٹو صاحب سابق ممبر قومی اسمبلی لاڑکانہ۔
۵: جناب مشتاق علی بھٹو صاحب لاڑکانہ۔
۶: جناب واحد بخش بھٹو صاحب رتو ڈیرو ضلع لاڑکانہ۔
۷: مولانا جان محمد بھٹو صاحب نائب امیر جماعت اسلامی سندھ۔ لاڑکانہ
۸: چودھری غلام محمد (مرحوم) امیر جماعت اسلامی کراچی۔
۹: میاں محمد علی امیر جماعت اسلامی سکھر۔
۱۰: مولوی محمد اسمٰعیل بی اے سابق امیر جماعت اسلامی ضلع سانگھڑ۔
۱۱: مولوی فتح محمد صدر مرکزی انجمن ارائیاں سندھ شہداد پور ضلع سانگھڑ۔
۱۲: چودھری محمد اختر بی اے منیجر شاہ کاٹن فیکٹری ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔ (سیکرٹری مسلم لیگ)
۱۳: سیٹھ محمد حسین مرحوم ممبر ڈسٹرکٹ کونسل تھرپارکر۔
۱۴: منیر اسلم پروپرائٹر منیر انجنیئرز نواب شاہ۔
۱۵: میاں محمد شوکت سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی سندھ حیدرآباد

معززین

۱:۔ سیٹھ محمد اسحاق پروپرائٹر پاک پینٹ اینڈ آئرن مارٹ سانگھڑ صدر انجمن ارائیاں سانگھڑ۔

۲:۔ سیٹھ محمد طفیل زمیندار ۲۲ دم ترو نو آباد ضلع سانگھڑ۔

۳:۔ صوفی منظور احمد فاضل السنہ ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۴:۔ مقبول احمد بی اے آرائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۵:۔ محمد سلیم بی اے ڈپلوما ان کامرس ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۶:۔ محمد کلیم ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۷:۔ محمد ارشد خزانچی مسلم کمرشل بنک ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۸:۔ محمد افضل بی اے ارائیں ہاؤس ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔

۹:۔ چودھری غلام محمد زمیندار ڈینیسبر اسٹیٹ ضلع تھرپارکر۔

۱۰:۔ حافظ محمد افضل نمبردار چک ۱۷۰ حانظاں والا ضلع تھرپارکر۔

۱۱:۔ مہر محمد صادق بی اے ایل ایل بی زمیندار حیدرآباد۔

۱۲:۔ محمد رفیق شاکر گینہ ضلع تھرپارکر۔

۱۳:۔ محمد عبداللہ گینہ ضلع تھرپارکر۔

۱۴:۔ سیٹھ رحیم بخش ملت شو ہاؤس حیدرآباد۔

۱۵:۔ مولانا سلیم اللہ، سلیم آباد ضلع خیرپور میرس۔

۱۶:۔ محمد ابراہیم چراغ محمد کمیشن ایجنٹس شارع اقبال کوئٹہ۔

۱۷:۔ پیر ابوظفر غلام رسول قادری خطیب اکبر تکونی مسجد ہیرا آباد حیدرآباد۔

۱۸:۔ چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ کراچی۔

۱۹:۔ حکیم عبیداللہ عبیدی امیر جماعت اسلامی سکھر۔

۲۰:۔ میاں بدرالحسنین اینڈ کو کمیشن ایجنٹس ورس گنج سکھر۔

۲۱:۔ سیٹھ علی احمد کمیشن ایجنٹس ڈگری ضلع تھرپارکر۔

۲۲:۔ شہاب الدین وارثی اکال بونگا مسلم آباد لارنس روڈ کراچی۔
۲۳:۔ چودھری برکت علی بی ایس سی زمیندار ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدر آباد۔
۲۴:۔ نظام الدین علم الدین گھارو ضلع ٹھٹھہ۔
۲۵:۔ شفاعت احمد ہالی وڈ فرنیشرز کوئٹہ۔
۲۶:۔ نواب نبی بخش بھٹو زمیندار لاڑکانہ۔
۲۷:۔ غلام مصطفیٰ بھٹو زمیندار لاڑکانہ۔
۲۸:۔ الحاج معشوق علی بھٹو زمیندار لاڑکانہ۔
۲۹:۔ عاشق علی زمیندار لاڑکانہ۔
۳۰:۔ محمد ابراہیم بھٹو زمیندار لاڑکانہ۔
۳۱:۔ عبدالمجید بھٹو زمیندار لاڑکانہ۔
۳۲:۔ یار محمد بھٹو زمیندار لاڑکانہ:۔
۳۳:۔ منظور احمد ٹھیکیدار لاڑکانہ۔
۳۴:۔ عبدالسلام تاجر لاڑکانہ۔
۳۵:۔ عبدالقیوم تاجر لطیف آباد حیدر آباد۔
۳۶:۔ چوہدری کمال الدین تاجر صدر تنظیم ارائیاں حیدر آباد۔
۳۷:۔ نور محمد تاجر نواب شاہ۔
۳۸:۔ شاہ محمد تاجر نواب شاہ۔
۳۹:۔ عبدالستار تاجر قاضی احمد نواب شاہ۔
۴۰:۔ عبداللہ زمیندار قاضی احمد نواب شاہ
۴۱:۔ محمد اکرم تاجر نواب شاہ۔
۴۲:۔ برکت علی تاجر محراب پور نواب شاہ۔
۴۳:۔ لال الدین تاجر محراب پور نواب شاہ۔
۴۴:۔ علی اکبر زمیندار محراب پور نواب شاہ۔

۴۵:۔ مظہر الحق زمیندار محراب پور نواب شاہ۔
۴۶:۔ عبدالمجید تاجر محراب پور نواب شاہ۔
۴۷:۔ عبدالرحمان تاجر محراب پور نواب شاہ۔
۴۸:۔ محمد یوسف تاجر محراب پور نواب شاہ۔
۴۹:۔ فاروق احمد شفٹ انچارج خیرپور ٹیکسٹائل ملز خیرپور۔
۵۰:۔ مولوی محمد نعیم زمیندار سلیم آباد خیرپور۔
۵۱:۔ مولوی خلیل احمد زمیندار خیرپور۔
۵۲:۔ محمد سعید زمیندار سلیم آباد خیرپور۔
۵۳:۔ لطیف الرحمٰن ایم ایس سی اگیریکلچر زمیندار ٹنڈو الہ یار حیدر آباد۔
۵۴:۔ محمد شفیع ایم ایس سی اگیریکلچر زمیندار ٹنڈو الہ یار حیدر آباد۔
۵۵: منظور احمد زمیندار ٹنڈو الہ یار حیدر آباد
۵۶:۔ محمد اقبال ایم ایس سی ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۵۷:۔ محمد حنیف تاجر ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۵۸:۔ علی حسن تاجر ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۵۹:۔ بشیر احمد زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۰:۔ مختار احمد زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۱:۔ عبدالعزیز زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۲:۔ غلام قادر زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۳:۔ صوفی محمد یوسف زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۴:۔ علی احمد زمیندار ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۵:۔ منیر احمد تاجر ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد۔
۶۶:۔ عبدالستار بھٹو زمیندار روہڑی سکھر۔
۶۷:۔ نواب الدین زمیندار الحمرا سوسائٹی کراچی۔

۶۸:۔ محمد رمضان زمیندار کانیار حیدر آباد۔

۶۹:۔ محمد علی زمیندار لطیف آباد حیدر آباد۔

۷۰:۔ محمد اشرف زمیندار روشن آباد نواب شاہ۔

۷۱:۔ محمد افضل ایم۔ایس۔سی ایگریکلچر روشن آباد نواب شاہ۔

۷۲:۔ نظام الدین تاجر نواب شاہ۔

۷۳: ابراہیم۔ زمیندار۔ ٹنڈو اللہ یار۔ ضلع حیدر آباد

۷۳:۔ محمد حنیف تاجر حیدر آباد۔

۷۴:۔ محمد یوسف سلیمی ہیڈ پروف ریڈر روزنامہ جسارت کراچی۔

۷۵:۔ محمد صادق ایم ایس سی ایگریکلچر فارم فوجی شوگر ملز۔ ٹنڈو محمد خاں

۷۶:۔ محمد رفیق بی ایس سی زمیندار ٹنڈو جام۔

۷۷:۔ غلام رسول زمیندار راہو خاندانی حیدر آباد۔

۷۸:۔ عبد الرحمان زمیندار کوٹری حیدر آباد۔

۷۹:۔ محمد حنیف زمیندار ٹنڈو جام حیدر آباد۔

۸۰:۔ محمد افضل ریٹائرڈ چیئرمین سنٹرل کمیٹی کوٹری حیدر آباد۔

۸۱:۔ شاہ محمد زمیندار گنڑی تھرپارکر۔

۸۲:۔ محمد سلیمان ایم ایس سی ایگریکلچر تاجر ڈگری تھرپارکر۔

۸۳:۔ محمد افضل فارم مینجر پی ایف او، روہڑی سکھر۔

۸۴:۔ غلام قادر بھٹو چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی سکھر۔

لاہور ہائی کورٹ کے وکلاء

۱:۔ چوہدری اے وحید سلیم ۱۵۔ رابرٹ روڈ نیلا گنبد نزد یونائیٹڈ بنک لاہور۔

۲:۔ میاں عبد العزیز ۳۷۔ بی I گلبرگ III لاہور۔

۳:۔ میاں غلام باری سلیمی ۶ نسبت روڈ لاہور۔

۴:- اے کریم ملک بشیر مینشن ٹرنر روڈ لاہور
۵:- عطاالحق میاں ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔
۶:- غلام سرور چودھری ۸۷۔ میکلیگن روڈ لاہور۔
۷:- میاں ارشاد احمد ۹۔ سرکلر روڈ بیرون بھاٹی گیٹ لاہور۔
۸:- ملک محمد احسن ملک منزل جین مندر لٹن روڈ لاہور۔
۹:- میاں مشتاق حسین ۷۔ ٹرنر روڈ لاہور۔
۱۰:- میاں نثار احمد میلارام روڈ لاہور۔
۱۱:- میاں محمد سعید ۲۴۔ کمرشل بلڈنگ شاہراہ قائداعظم لاہور۔
۱۲:- چودھری عبدالرزاق ۹۔ ثریا پارک باغبان پورہ لاہور۔
۱۳:- میاں خالد رشید ۲۔ بیگم روڈ لاہور۔
۱۴:- محمد یعقوب چودھری مکان نمبر ۱۵ گلی نمبر ۱۱ سعدی پارک مزنگ لاہور۔
۱۵:- چودھری محمد اسلم ضیاء ۲۶۔ لٹن روڈ لاہور۔
۱۶:- میاں شمس الحق ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔
۱۷:- ملک محمد اشہب پیلیس بلڈنگ فرید کورٹ لاہور۔
۱۸:- میاں محمد اقبال بھٹہ ۳۰۔ میکلیگن روڈ لاہور۔
۱۹:- اقبال حسین ۲۶۔ لٹن روڈ لاہور۔
۲۰:- ایم لطیف چودھری ۱۔ ٹرنر روڈ لاہور۔
۲۱:- شہزاد جہانگیر ۱۔ بیگم روڈ لاہور۔
۲۲:- محمد اقبال غازی محلہ پڑنگاں ۱/ایس بھاٹی گیٹ لاہور۔
۲۳:- چودھری محمد سعید ۴۔ بیگم روڈ لاہور۔
۲۴:- اسرار الحق میاں۔ شاہ چراغ چیمبرز ۱۲۳ جی۔ ٹی روڈ نزد ہائی کورٹ لاہور باغبانپورہ لاہور۔
۲۵:- احمد نواز ملک ۱۶۳۔ جی ٹی روڈ باغبان پورہ لاہور۔
۲۶:- خلیل الرحمٰن چودہری ۲۱۔ بیگم روڈ لاہور۔ II ایف، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

۲۷:۔ میاں عبدالرشید، شاہ چراغ چیمبرز لاہور۔ 100/C لٹن روڈ۔ لاہور

۲۸:۔ اے۔ جی چودھری، ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔ 3-163-اے۔ شاہ جمال۔ لاہور

۲۹:۔ میاں قمرالدین، ا۔ ٹرنر روڈ لاہور۔ 46۔ لیک روڈ۔ لاہور

۳۰:۔ اسدالرحمٰن، ای۔ پلامر بلڈنگ شاہراہ قائداعظم لاہور۔ 106۔ وزیر علی روڈ لاہور

۳۱:۔ میاں اقبال خالد، الرحمٰن، ۶۵۔ دی مال لاہور۔

۳۲:۔ سعیدالرحمٰن فرخ ۳۔ بیگم روڈ لاہور۔

۳۳:۔ چودھری محمد فاروق، ۹۔ فرید کورٹ لاہور۔ 123-B۔ گلبرگ II۔ لاہور

۳۴:۔ خلیل الرحمٰن رامے، ای پلومر بلڈنگ شاہراہ قائداعظم لاہور۔ 106۔ وزیر علی روڈ۔ لاہور

۳۵:۔ میاں عبدالستار نجم، ۴۔ اے مزنگ روڈ لاہور۔

۳۶:۔ چودھری الطاف حسین، ۱۴۵۴-اے شاہراہ طفیل لاہور چھاؤنی، ۲۷۔ دی مال لاہور۔

۳۷:۔ میاں احسان الحق، ۲۷۔ لکشمی مینشن ہال روڈ لاہور۔

۳۸:۔ قمرالاسلام، الرحمٰن، ۶۵۔ دی مال لاہور۔

۳۹:۔ میاں اقبال خالد، الرحمٰن، ۶۵۔ دی مال لاہور۔

۴۰:۔ مسعود ذکریا، ۱۸۔ ٹمپل روڈ لاہور، ۴۔ کشمیر روڈ لاہور۔

۴۱:۔ میاں نصرت اللہ، ۲۔ فرید کوٹ روڈ۔ لاہور

۴۲:۔ ملک بشیر احمد، گلی نمبر ۱، کوٹ خواجہ سعید لاہور۔

۴۳:۔ احمد طفیل، ۵، ٹرنر روڈ لاہور، ۱۵۔ باغبان پورہ لاہور۔

۴۴:۔ ریاض اختر ملک۔

۴۵:۔ میاں ہدایت علی، بیرون موچی گیٹ، ۵۰ گلبرگ لاہور۔

۴۶:۔ ایم۔ ایس۔ باقر، دیال سنگھ مینشن شاہراہ قائداعظم لاہور۔ ۱۴۔ سی III گلبرگ لاہور۔

۴۷:۔ محمد احمد باری، ۴۔ اے مزنگ روڈ لاہور، ۲۔ این ساندہ روڈ لاہور۔

۴۸:۔ خالد لطیف کاردار، سلیمی چیمبرز ایڈورڈ روڈ لاہور۔

۴۹:۔ مقبول صادق، دیال سنگھ مینشن، شاہراہ قائداعظم لاہور۔

۵۰:- عبدالقیوم ۹۴-مزنگ روڈ لاہور۔

۵۱:- چودھری محمد شریف، بشیر مینشن ٹرنر روڈ لاہور۔

۵۲:- محمد بشیر انصاری ۵۴-۵-دی مال لاہور، 44/5-سنت نگر- لاہور

۵۳:- بشیر مظفر ملک، لاء آفیسر، نیشنل بنک آف پاکستان الفلاح لاہور۔ ۵۷-بی گلبرگ II لاہور۔

۵۴:- محمد کلیم مکان نمبر ۱۴، سٹریٹ نمبر ۹۱، ۳۵-نسبت روڈ لاہور۔

۵۵:- میاں طارق محمود ۳۲-کمرشل بلڈنگ ۴-بیگم پورہ جی ٹی روڈ لاہور۔

۵۶:- ایم بشیر احمد، ۹-میکلیگن روڈ لاہور۔

۵۷:- چودھری محمد عاشق، ۱۵-الف نسبت روڈ لاہور۔

۵۸:- چودھری عنایت اللہ، ۷-اذنکار روڈ کرشن نگر لاہور۔ سلیمی چیمبرز-ٹرنر روڈ-لاہور

۵۹:- معین الدین چودہری، ۲۶ شاہراہ قائد اعظم لاہور۔

۶۰:- اقبال محمود ملک، ۱۵-جہانگیر سٹریٹ مصری شاہ لاہور۔

۶۱:- ظہیر الحق، ۴-مزنگ روڈ لاہور۔

۶۲:- سی-ایم-عابد- ۹۳-ساگر روڈ صدر لاہور۔

۶۳:- ایم-احمد-سعید، ۳۰۶-اے نسبت روڈ لاہور۔

۶۴:- ایم یامین، ۷-میکلیگن روڈ لاہور۔

۶۵:- ایم-ایم-اقبال بھٹہ ۳۰ میکلیگن روڈ لاہور۔

۶۶:- محمد علی میاں، ۱۹-مین بازار گنج مغلپورہ لاہور۔

۶۷:- میاں خالد محمود، ۷-میکلیگن روڈ لاہور۔

۶۸:- ملک محمد افضل معرفت ماڈرن سٹیل مل مغل پورہ لاہور۔

۶۹:- میاں نذیر احمد طارق، الرحمٰن بلڈنگ، ۶۵-دی مال لاہور۔

۷۰:- چودھری محمد یٰسین، ۴-مزنگ روڈ لاہور۔

۷۱:- چودہری محمد صادق، ۴-مزنگ روڈ لاہور۔

۷۲:۔ میاں عطاء الرحمٰن، ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔

۷۳:۔ میاں محمد اسلم، ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔

۷۴:۔ محمد رفیق چودھری، منشی چیمبرز لیک روڈ لاہور۔

۷۵:۔ چودھری مشتاق احمد انور، نزد جنازگاہ ملتن روڈ لاہور۔

۷۶:۔ چودھری نظام الدین

۷۷:۔ چودھری برکت علی سلیمی۔

۷۸:۔ شیخ محمد شفیع۔

۷۹:۔ میاں ظفر احسن

۸۰:۔ میاں احسان الحق۔

۸۱:۔ میاں محمد یوسف، سلامت پورہ تھانہ مغل پورہ لاہور۔

۸۲:۔ عبدالکریم مجلتہ گلی نمبر ۲۲۔ اسلام گنج لاہور۔

۸۳:۔ ایم مجاہد احمد، ۶۲۔ راوی پارک، راوی روڈ لاہور۔

۸۴:۔ ایم عالمگیر، ۴۶۔ ہوتا سنگھ روڈ سنت نگر لاہور۔

۸۵:۔ چودہری عبداللطیف، ۸۔ اکبر سٹریٹ راٹل پارک لاہور۔

۸۶:۔ بشیر احمد چودہری، ۲۲۔ یاسب سٹریٹ گڑھی شاہو لاہور

۸۷:۔ محمد داؤد میاں، بیڈن روڈ لاہور۔

۸۸:۔ ملک عبدالرحمٰن، مدینہ چوک باغبان پورہ لاہور۔

۸۹:۔ چودھری عبدالرحمٰن، حق نواز روڈ۔ باغبانپورہ، لاہور

۹۰:۔ چودہری محمد یٰسین، مین روڈ کچی ٹھٹھی سمن آباد، لاہور

۹۱:۔ چودہری بشیر احمد، ۵۔ ٹمپل روڈ لاہور۔

۹۲:۔ شوکت علی ثاقب، ۲۵۔ ربانی روڈ لاہور۔

۹۳:۔ میاں اکبر پرویز، میلا رام روڈ لاہور۔

۹۴:۔ محمد نعیم، ۱۸۔ ایچ گلبرگ III لاہور۔

۹۵:۔ محمد عارف قدیر مکان نمبر ۹۴ بی، طویلہ شیخاں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور۔

۹۶:۔ چودھری فقیر محمد، ۲۶ لٹن روڈ لاہور۔

۹۷:۔ چودہری عبدالرشید بھٹہ معرفت سعید سٹور، آر۔ اے بازار لاہور چھاؤنی۔

۹۸:۔ چودہری سرور محمد، نسبت روڈ لاہور۔

۹۹:۔ عبدالرشید چودہری، باغبان پورہ لاہور۔

۱۰۰:۔ چودہری محمد صادق، ۴۔ مزنگ روڈ لاہور۔

۱۰۱:۔ سردار شوکت علی، نزد فریدیہ کوٹ ہاؤس لاہور۔

۱۰۲:۔ ایم۔ بی زمان، ایڈووکیٹ جنرل پنجاب لاہور۔

۱۰۳:۔ چودہری سردار علی، ۲۶۔ لٹن روڈ مزنگ لاہور۔ مکان نمبر ۱۵ گلی نمبر ۲۳ گنج مغلپورہ لاہور۔

۱۰۴:۔ چودہری عطاء اللہ ایڈورڈ روڈ لاہور۔

راعی وکلاء قصور

سردار شوکت علی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ قصور

ریاض احمد چودہری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔ قصور

چودہری احمد دین فاروق ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔ قصور

چودہری محمد لطیف ایڈووکیٹ قصور

چودہری مختار احمد ایڈووکیٹ۔ قصور

(نوٹ) (۱) سردار شوکت علی صاحب۔ "کتاب" پاکستان۔ ہندوستان۔ بنگلہ دیش اور قوموں کا حق خود ارادیت" کے مصنف ہیں۔

(۲) ریاض احمد چودہری، کتاب "انسانی کردار کی تشکیل"، کے مصنف ہیں۔

ممبران "اوج" پاکستان

۱: مجیب الرحمن میاں، ایم۔ایس۔سی (انجینئرنگ) فیول۔لاہور

۲: ڈاکٹر فضل محمد ایم۔ایس۔سی، پی۔ایچ۔ڈی۔ (لاہور) حال کراچی

۳: چوہدری محمد سعید بی۔ایس۔سی۔ایل ایل۔بی ایڈووکیٹ ۔۴۔ بیگم روڈ۔لاہور

۴: ڈاکٹر عبدالستار پی ایچ ڈی زراعت ایڈوائزر (ایف اے او) گورنمنٹ آف سوڈان ۲۷۲۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔

۵: چوہدری محمد علی بی اے ایل ایل بی رجسٹرار سول سروسز اپیلیٹ ٹریبونل پنجاب مکان ۷ گلی ۵۵ نہرو پارک سنت نگر لاہور۔

۶: ڈاکٹر اے رحیم چوہدری ایم ایس سی زراعت پی ایچ ڈی آفیسر سپیشل ڈیوٹی ایڈوائزر ایگریکلچر گورنمنٹ آف پاکستان ۱۶ فیروزپور روڈ لاہور۔

۷: ڈاکٹر سردار محمد اختر ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (اکنومکس لندن) ریٹائرڈ پروفیسر پنجاب یونیورسٹی ۲۱۔جی ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۸: چوہدری خلیق الرحمٰن ایم۔اے ۱۱۳۔ اے فیروزپور روڈ لاہور

۹: چوہدری محمد شفیع ارشد بی اے سینیئر وائس پریذیڈنٹ سٹینڈرڈ بنک لمیٹڈ ملتان

۱۰: میاں شوکت علی ایم اے انگلش۔ایس۔او (انڈسٹریز) گورنمنٹ آف پنجاب۔ اے۔ ۲۲ وحدت کالونی لاہور۔

۱۱: حمید میاں بی۔اے۔آئی۔ٹی۔پی پروپرائٹر ہفت روزہ انقلاب لاہور، ۱۰ الارنس روڈ لاہور۔

۱۲: ڈاکٹر ایم۔امجد حسین پی۔ایچ۔ڈی ڈائریکٹر سوئل سروے منسٹری آف ایگریکلچر گورنمنٹ آف پاکستان ۲۲۰۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔

۱۳: انیس الرحمٰن بی ایس سی ایگزیکٹو ایکسین سنی ڈیو واپڈا لاہور۔۲۸۲۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور

۱۴: چوہدری اے حمید بی۔ایس۔سی الیکٹریکل انجینئرنگ پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی ۲۷۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کالونی۔

۱۵: چوہدری محمد انور سلیمی انٹرمیڈیٹ اکونٹنٹ سکائی لائنز ٹریولز واپڈا ہاؤس ۷۵۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔

۱۶: محمد رشید بی اے مینجر جعفر برادرز اینڈ کو ۴۶۔ رسول پارک لاہور۔

۱۷: میاں ایم طاہر جاوید بی ایس سی انجنئرنگ ایکسین ایم اینڈ ٹی ڈویژن واپڈا لائل پور۔

۱۸: ڈاکٹر محمد جاوید ایم۔بی۔بی۔ایس۔ڈی۔او۔ایف۔آر۔سی۔ایس، ۱۵۸ جناح کالونی لائل پور

۱۹: پروفیسر ایم علم الدین سالک ایم اے ۱۲۰ احمد پارک مسلم ٹاؤن لاہور۔

۲۰: احسان الہی سالک ایم۔اے ۱۲۰۔احمد پارک نیوگارڈن ٹاؤن لاہور

۲۱: عبدالمجید میاں بی ایس سی، بی ایس سی سول انجنیئرنگ لیکچرار انجنیئرنگ یونیورسٹی ۲۸ رسٹاف کالونی انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور۔

۲۲: چوہدری حسن محمد بی۔اے۔ ڈپٹی رجسٹرار مغربی پاکستان انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور۔

۲۳: تنویر شاہد ایم۔اے جرنلزم رسول چیمبرز پرانی انارکلی لیک روڈ۔ لاہور

۲۴: چوہدری محمد شفیق ایم۔اے لیکچرار جرنلزم ڈیپارٹمنٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۲۵: ڈاکٹر اے۔این شعری۔ ایم۔ایس۔سی، پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر ایگریکلچرل یونیورسٹی ۱۴۸ جناح کالونی لائل پور۔

۲۶: ڈاکٹر مسز آر۔این شعری بی۔ایس۔سی۔ایم۔بی۔بی۔ایس ۱۴۸ جناح کالونی لائل پور۔

۲۷: چوہدری علی محمد ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی اسسٹنٹ رجسٹرار مغربی پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور۔

۲۸: میاں محمد ثناء اللہ بی۔ایس۔سی، الیکٹریکل انجنیئرنگ سینئر انجنیئر ایس۔ٹی۔ایم۔پی۔ایس واپڈا لائل پور۔

۲۹: عبدالرزاق بی۔ایس۔سی، ایس۔اے۔ ایس سٹیم پی سٹیشن نشاط آباد لائل پور۔

۳۰: بشیر احمد چوہدری بی۔اے، بی۔ایس۔سی الیکٹریکل انجنیئرنگ۔ الیکٹرک انجنیئر کوہ نور ٹیکسٹائل ملز لائل پور۔

۳۱: محمد احمد بانی بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ ۴ ۵ ۵ این نیو مارکیٹ سمن آباد لاہور۔
۳۲: چوہدری مشتاق احمد مسعود ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ ۲۱۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔
۳۳: چوہدری بشیر احمد جاوید بی۔ ایس۔ سی سپرنٹنڈنٹ اے۔ جی۔ آفس ۲۷۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔
۳۴: مقبول احمد ملک ایم۔ اے اکنامکس بنکنگ آفیسر سٹیٹ بنک آف پاکستان ۵۱۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔
۳۵: چوہدری محمد عبداللہ بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ اے جی آفس ۸۲۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور
۳۶: چوہدری محمد شریف ایم۔ ایس۔ سی (انجینئرنگ) پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی۔ ۹۔ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔
۳۷: چوہدری رفیق احمد ایف۔ اے سپرنٹنڈنٹ ڈائریکٹر جی۔ ڈی لاہور جیمکن اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔
۳۸: میاں فضل الحق بی۔ اے۔ ڈی۔ ایل۔ ایس۔ سی لائبریرین انجینئرنگ یونیورسٹی ڈی ۱۔ سٹاف کالونی انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور۔
۳۹: عبدالقیوم ایم ایس سی (فزکس) ڈپٹی ڈائریکٹر سنٹرل ٹیسٹنگ لیبارٹریز لاہور ۲۰ اتحاد کالونی لاہور
۴۰: چوہدری محمد سلیم بی۔ ایس۔ سی انجینئرنگ ۷۴۔ اے وحدت کالونی لاہور۔
۴۱: نثار احمد بی۔ ایس۔ سی انجینئرنگ ریذیڈنٹ انجینئر سٹیم پاور سٹیشن لائل پور۔
۴۲: معین اختر ایم۔ اے اکنامکس ۱۴۰، المسکن جی۔ ٹی روڈ باغبان پورہ لاہور۔
۴۳: عبدالسلام الیکٹریکل انجینئرنگ ۷۔ کے گلبرگ ۳ لاہور۔
۴۴: ڈاکٹر یوسف علی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (پنجاب) ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ۴۷۔ اے غلام محمد آباد لائل پور
۴۵: چوہدری افتخار احمد ایم۔ ایس۔ سی لیکچرار ایگریکلچرل یونیورسٹی ۸ ۷ ۵۔ بی پیپلز کالونی لائلپور
۴۶: میاں ریاض احمد ایم۔ اے (سائیکولوجی) ایس۔ او ایل انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ سول سیکرٹریٹ لاہور۔
۴۷: میاں مشتاق احمد بی۔ ایس۔ سی الیکٹریکل انجنئرنگ ایگزیکٹو انجینئر ساہیوال

۴۸: احسان الحق بی۔ایس۔سی الیکٹرک انجنیئر پرانا پاور ہاؤس لائل پور۔

۴۹: چوہدری محمد اکرام الحق بی۔ایس۔سی۔بی۔ای جے ایس۔ای سٹیم پاور پی سٹیشن لائل پور۔

۵۰: میاں محمد اسماعیل بی ایس سی (پنجاب)، بی۔ایس سی مکینیکل جونیئر انجنیئر سٹیم پی سٹیشن لائل پور۔

۵۱: میاں محمد صدیق انور بی۔اے، ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ گلی نمبر ۴ ڈگلس پورہ لائلپور

۵۲: مہر محمد صدیق بی ایس سی ایگزیکٹو انجنیئر بی۔ایس پنجاب بی ایس سی انجنیئرنگ ایم آئی ای ای پاک سٹیم پاور سٹیشن لائل پور۔

۵۳: چوہدری محمد یوسف پی۔ایچ ڈی ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف پلانٹ بریڈنگ اینڈ جینیٹکس مغربی پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی۔لائل پور۔

۵۴: ڈاکٹر ایم لطیف اختر ایم۔بی۔بی۔ایس پرائیویٹ پریکٹشنر ۴۴۔ڈی پیپلز کالونی لائل پور۔

۵۵: حاجی ڈاکٹر ایم سلیم اختر الیف ایس سی (میڈیکل) ۲۵۴ ڈی پیپلز کالونی لائل پور۔

۵۶: ڈاکٹر بنیاز علی پروفیسر ایگریکلچرل یونیورسٹی ایم۔ایس۔سی (ہارٹیکلچر) پی۔ایچ۔ڈی۔ ۱۲۵ اے پیپلز کالونی لائل پور۔

۵۷: میاں فقیر محمد ایم۔اے اکنامکس منیجر یو بی ایل مکان نمبر ۱۲۳ گلی نمبر ۴ افغان آباد لائل پور۔

۵۸: میاں محبوب جاوید ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ڈسوہہ لائل پور

۵۹: ڈاکٹر ثناء اللہ ڈائریکٹر ایگریکلچرل یونیورسٹی ایم ایس سی ایگریکلچر پی ایچ ڈی۔

۶۰: محمد اقبال ایف ایس سی ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی ملز منیجر کوہ نور ٹیکسٹائل لائل پور۔

۶۱: محمد یعقوب سالک بی ایس سی (پنجاب) ایم بی بی ایس (پنجاب) عتیقہ ڈسپنسری سعودی عرب۔ریاض

۶۲: ڈاکٹر محمد رفیع ایم بی بی ایس عزیز منزل ۴۲ سلطان سٹریٹ اسلام پورہ لاہور۔

۶۳: میاں اعجاز اقبال گریجوایٹ سرگرد ویجی ٹیبل گھی اینڈ جنرل ملز لائل پور۔

۶۴: عبدالمالک میاں بی اے ایل ایل بی لیبر اینڈ پرسنل آفیسر کوہ نور ٹیکسٹائل ملز لائل پور۔

۶۵: چوہدری محمد سلیم انور بی ایس سی آنرز ٹیکسٹائل ایم بی اے (یو ایس اے) مارکیٹنگ کوآرڈینیشن منیجر کوہ نور ٹیکسٹائل ملز لائل پور۔

۶۶: میاں عبدالرشید بی ایس سی (ایگریکلچرل) ہارٹی کلچرسٹ پنجاب ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ لائلپور

۶۷ : ایم انور ظفر ایم۔ ایس۔ سی ایگریکلچرل اسسٹنٹ بوٹونیسٹ میز بی اے ایس II پنجاب ایگریکلچر لائل پور۔

۶۸ : میاں محمد صدیق ایم ایس سی (ایگریکلچر) اسسٹنٹ ایگریکلچر کیمسٹ پی اے ایس II پنجاب ایگریکلچر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لائل پور۔

۶۹ : ڈاکٹر محمد اختر پی ایچ ڈی پیتھالوجی پلانٹ کوئینز یونیورسٹی یو کے۔ ایم ایس سی (پنجاب) پی اے ایس II ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لائل پور۔

۷۰ : محمد اختر ایم۔ اے شماریات اسسٹنٹ شماریات پنجاب ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ لائل پور۔

۷۱ : بشیر احمد بی۔ اے پرسنل اسسٹنٹ ٹوڈین مغربی پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور۔

۷۲ : ایم اسلم میاں ایم۔ ایس۔ سی ایگریکلچرل، اسسٹنٹ پروفیسر سائل سائنس مغربی پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور۔

۷۳ : میاں فاروق اسرار بی اے ایل ایل بی (ایڈووکیٹ) دسوھا چک نمبر ۲۴۲ آر بی ضلع لائلپور

۷۴ : ڈاکٹر محمد رفیق چوہدری پی ایچ ڈی ان پولٹری ہیڈ ڈیپارٹمنٹ آف پولٹری مغربی پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور۔

۷۵ : سی ایم شریف۔ ایم ایس سی (انجینئرنگ) پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی۔ ایل ۶۹۔ لاہور انجینئرنگ یونیورسٹی کیمپس لاہور۔

۷۶ : غلام صمدانی پروفیسر انجینئرنگ ایم ایس سی کیمسٹری۔ ایل ۸ ۳ سٹاف کالونی انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور۔

۷۷ : عبدالحمید ڈبل ایم اے ۴ ایجرٹن روڈ لاہور (مکتبہ کارواں۔ کچہری روڈ۔ لاہور

۷۸ : ڈاکٹر محمد ابراہیم سینئر ریسرچ آفیسر پی ایچ ڈی، پی سی ایس آئی آر (لاہور (ڈویژن آف گلاسز اینڈ کرامکس)

۷۹ : جاوید محمود ریسرچ آفیسر بی ایس سی (پنجاب) کیمیکل انجینئرنگ جرمنی ٹیکنیکل آفیسر پی سی ایس آئی آر لیبارٹری فیروز پور روڈ لاہور

۸۰: ڈاکٹر عبدالرشید سینئر ریسرچ آفیسر پی ایچ ڈی (اینیلیٹیکل کیمسٹری) ۱۱۔ بشیر سٹریٹ وحدت روڈ لاہور۔

۸۱: محمد سرور سینئر ریسرچ آفیسر پی ایچ ڈی ان کیمسٹری ۱۰۴ سی نیو مسلم ٹاؤن لاہور

۸۲: ڈاکٹر تنویر احمد چوہدری سینئر ریسرچ آفیسر پی ایچ ڈی آرگینک کیمسٹری ۱۱ہلالی سٹریٹ فیروزپور روڈ لاہور۔

۸۳: چوہدری محمد منیر احمد بی اے اکسائز انسپکٹر ۵۳ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور

۸۴: ضیاء الحق اکونٹس آفیسر گریجویٹ ۹۴ اتحاد کالونی ملتان روڈ لاہور۔

۸۵: میاں خالد عزیز پروفیسر انجنیئرنگ یونیورسٹی بی ایس سی سول انجنیئرنگ ۱۵۱ے فیروزپور روڈ لاہور ماسٹر آف اربن پلاننگ۔

۸۶: عبدالستار ایم ایس سی ٹاؤن پلاننگ پروفیسر محکمہ آرکیٹیکچر اینڈ پلاننگ انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور۔

۸۷: میاں محمد اقبال ولد میاں خیر محمد ایم اے سوشیالوجی ایم ایس سی ۸۳ این سمن آباد لاہور ٹاؤن پلاننگ۔

۸۸: میاں محمد اقبال ولد غلام فرید بی اے ایل ایل بی خلیل سنز فیکٹری ایریا لائل پور۔

۸۹: ڈاکٹر فقیر محمد پی ایچ ڈی ایگریکلچرل سوئل سائنس سینئر سائنٹفک آفیسر ریڈی ایشن جینٹک انسٹیٹیوٹ لائلپور

۹۰: ڈاکٹر بشارت جبین ایم بی بی ایس ۲ ابوبکر سٹریٹ شاہجہان روڈ لاہور۔

۹۱: میاں محمد امین بی ایس سی ایگریکلچر ۵/۱۶۰ افغان آباد لائل پور

۹۲: ڈاکٹر محمد طفیل ایم ایس سی رنجاب پی ایچ ڈی این ایم ڈبلیو ایس اے ۱۲۲ سی گلبرگ لائل پور۔

۹۳: محمد شفیق میاں بی ڈی ایس کلینک رنگیلا سینما روڈ لائل پور۔

۹۴: گلزار محمد افضل ایل ایس ایم ایف مین بازار ڈگلس پورہ لائل پور۔

۹۵: میاں انوار اللہ ایم اے ایل ایل بی اکسائز اینڈ ٹیکسیشن سب انسپکٹر ۱۷۶ اے پیپلز کالونی لائلپور

۹۶: محمد اقبال چوہدری بی اے ایل ایل بی ۲۹ بخشی مارکیٹ انارکلی لاہور۔

۹۷: افتخار احمد پروفیسر اگریکلچرل یونیورسٹی ایم ایس سی زراعت، ۷۰ اے سمن آباد لائل پور

۹۸: ڈاکٹر منظور الحق یونیورسٹی پروفیسر پی ایچ ڈی (انٹومولجی) ۳ لالہ زار کالونی ڈبلیو پاک اگریکلچر یونیورسٹی لائل پور

۹۹: طارق شہاب بی ای (ایکٹ) ایس ٹی پی ایس لائل پور

۱۰۰: محمد بشیر کوثر ایم ایس سی ۴/۵ ڈی پیپلز کالونی لائل پور

۱۰۱: احمد سعید عارف بی اے کیشیئر نیشنل بنک آف پاکستان سول لائن بازار لائل پور

۱۰۲: ڈاکٹر ایم شفیق طاہر ایل ایس ایم ۱۱ف ملین بازار افغاناں آباد لائل پور۔

۱۰۳: ڈاکٹر عبد السعید بی کام۔ ایم بی آر ایچ ۴ محبوب فارماسوٹیکل سٹورز بھوانہ بازار لائل پور

۱۰۴: ڈاکٹر کیپٹن نور محمد ایم بی بی ایس سٹریٹ نمبر، چنیوٹ بازار لائل پور

۱۰۵: ڈاکٹر محمد شفیع ایم بی بی ایس کچہری بازار لائل پور

۱۰۶: محمد سلیم شاد گریجویٹ ان فارمیسی ۱۱۴ اے پیپلز کالونی نمبر ۲ نزد بابر چک لائل پور

۱۰۷: محمد اصغر میاں ایم ایس سی ایگریکلچر پنجاب) لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف پلانٹ اینڈ جینٹکس ڈبلیو پی اگریکلچر یونیورسٹی لائل پور۔

۱۰۸: غلام محمد انجنیئر اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفون لائل پور

۱۰۹: عبد الرزاق ایم ایس سی فزکس ۳/۴، سی پیپلز کالونی ۲ لائل پور۔

۱۱۰: ڈاکٹر محمد حسین چوہدری ایم بی بی ایس پنجاب ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر لائل پور

۱۱۱: چوہدری محمد سرور ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ پی سی ایس ریذیڈنٹ مجسٹریٹ جوہر آباد ضلع سرگودہا

۱۱۲: ڈاکٹر رشید احمد اختر ایم بی بی ایس آر ایم پی میڈیکل پریکٹیشنر رشید ہسپتال جوہر آباد ضلع سرگودہا

۱۱۳: چوہدری خورشید احمد آٹو موبائیل انجنیئر ٹرانسپورٹ منیجر کوہ نور شوگر ملز جوہر آباد ضلع سرگودہا۔

۱۱۴: مقبول حسن بی۔ اے کین انسپکٹر کوہ نور شوگر ملز جوہر آباد ضلع سرگودہا۔

۱۱۵: چوہدری محمد بشیر ایم ایس سی (پنجاب) چیف کیمسٹ کوہ نور شوگر ملز جوہر آباد ضلع سرگودہا

۱۱۶: چوہدری آفتاب احمد بی ایس سی انجنیئرنگ الیکٹریکل انجنیئر کوہ نور شوگر ملز جوہر آباد ضلع سرگودہا

۱۱۷: محمد عطاء اللہ ایم اے انگلش لیکچرار انگلش گورنمنٹ کالج جوہر آباد ضلع سرگودھا۔

۱۱۸: عبدالرشید میاں ایم اے ایل ایل بی ۱۱۵ اے پیپلز کالونی لائل پور

۱۱۹: میاں حاجی ظفر علی ادیب عالم موضع بصیر پور ڈاکخانہ خاص تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

۱۲۰: خوشی محمد خالد بی ایس سی (ایگریکلچر) ایف۔آر۔ای۔ایس (لنڈن) پوسٹ گریجویٹ ٹریننگ پلانٹ پروٹیکشن یو کے، ۴ رسول پارک مولا بخش سٹریٹ شمع روڈ لاہور۔

۱۲۱: مسٹر محمد افضل بی ایے اے لے کیو اٹامک انرجی - لاہور

۱۲۲: ڈاکٹر محمد شبیر پی ایچ ڈی سینئر ریسرچ آفیسر اٹامک انرجی سنٹر لاہور

۱۲۳: ڈاکٹر فقیر محمد چوہدری پی ایچ ڈی سینئر ریسرچ افسر پی سی ایس آئی آر لاہور

۱۲۴: ڈاکٹر اے بی چوہدری " " " "

۱۲۵: چوہدری عبدالمجید بی اے ایل ایل بی سپرنٹنڈنٹ " " "

۱۲۶: مسٹر محمد ریاض ایم ایس سی ریسرچ آفیسر پی سی ایس آئی آر

۱۲۷: چوہدری محمد شریف بی اے پی ۳، ۲ سٹریٹ نمبر ۵ گورونانک پورہ لائل پور

۱۲۸: میاں انوار الحق بی اے چک ۲۲۴ آر بی آبادی منشی فتح دین ضلع لائل پور

۱۲۹: میاں عبدالعزیز ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر آف پولیٹیکل سائنس اسلامیہ کالج لائل پور

۱۳۰: نعیم الرحمٰن بی ایس سی ایل ایل بی ایڈووکیٹ سیالکوٹ

۱۳۱: چوہدری محمد شریف عالم بی اے ایل ایل بی محلہ شاہ شہیداں شہر سیالکوٹ

۱۳۲: میاں سعید احمد بی اے ایل ایل بی مکان نمبر ۱۹/۱۴۱ بھٹو سٹریٹ واسی پورہ سیالکوٹ

۱۳۳: میاں محمد نواز بی اے ایل ایل بی مکان ۲۷/۱۷ میانہ پورہ سیالکوٹ شہر

۱۳۴: چوہدری محمد امین بی اے ایل ایل بی ۱۱۴/۱۹ نہال چند سٹریٹ سیالکوٹ

۱۳۵: محمد یوسف بی اے ایل ایل بی موضع کور پور ڈاکخانہ گوہد پور تحصیل سیالکوٹ

۱۳۶: چوہدری نسیم جاوید بی اے ایل ایل بی موضع پکا گڑھا تحصیل وضلع سیالکوٹ

۱۳۷: چوہدری محمد صادق بی اے ایل ایل بی پورہ ہیراں ۲۴/۸ رنگ پورہ سیالکوٹ شہر

۱۳۸: میاں محمد شریف بی اے ایل ایل بی ۲۰۹/۱۲ محلہ حمزہ غوث سیالکوٹ شہر

۱۳۹: ڈاکٹر شفیق احمد ایم بی بی ایس، ایل سی ایس آئی میڈیکل آفیسر ۶۸ جی بی رکونسل ڈسپنسری لائلپور
۱۴۰: فضل محمد نسیم ہیڈ کلرک او/او ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر لائل پور
۱۴۱: چوہدری احمد بخش پی ۱۶۲ وارڈ نمبر ۲ گلی نمبر ۶ ریل بازار لائل پور۔
۱۴۲: چوہدری غلام رسول بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سب ڈویژن جڑانوالہ
۱۴۳: احمد دین بی اے ایل ایل بی موضع چک ۱۲۷ جی بی جڑانوالہ ٹاؤن
۱۴۴: چوہدری عبدالرحمٰن ڈی پی ای۔ ڈی آر ای ایس ڈی او ڈرینج جڑانوالہ
۱۴۵: نور محمد ایل ایم ای مکان نمبر پی ۲۵ نیا بازار جڑانوالہ۔
۱۴۶: محمد صدیق صابر ایم اے اعجاز جیلانی محلہ جڑانوالہ۔
۱۴۷: میاں محمد ۔ چک نمبر ۶۳ جی بی حافظ کریانہ سٹور جڑانوالہ
۱۴۸: محمد حسین ۔ گرین مارکیٹ جڑانوالہ
۱۴۹: اشفاق الحق بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ جڑانوالہ
۱۵۰: عطا محمد ۔ مینجر دی جڑانوالہ سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ جڑانوالہ
۱۵۱: محمد آصف بی اے ۔ ۱۵۸ جناح کالونی لائل پور
۱۵۲: محمد ظفر ایم اے سٹیٹسٹکس معرفت برکت علی کچا گوجرہ ڈاک خانہ گوجرہ ضلع لائل پور
۱۵۳: ڈاکٹر محمد ظفر اقبال پروفیسر انجنیئرنگ یونیورسٹی بی ایس سی (آنرز) ایم ایس سی۔ اے۔ ای۔ ای (مانچسٹر) پی ایچ ڈی (مانچسٹر) اے ایم آئی ای ای (لندن) ۳۱ اے سٹاف کالونی انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور
۱۵۴: میاں امیر حسن بی کام سی ٹی بی (لندن) آر سی ایس بی (لندن) ۱۰ ایم اے گلبرگ III لاہور
۱۵۵: ایم شریف میاں ایم ایس سی (نیبراسکا) یو ایس اے انسپکٹر ٹریننگ انسٹیٹیوٹ برائے ڈائریکٹر تعلیم لاہور ریجن لاہور۔
۱۵۶: ڈاکٹر شاہ محمد ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی ۴ ریسرچ ایڈ کالونی واپڈا لائل پور (اسسٹنٹ پروفیسر آف سوشل سائنس)
۱۵۷: ایم رفیع انور بی اے فلیٹ ۳ سٹینڈرڈ بنک لمیٹڈ لاہور۔ چھاؤنی بازار
۱۵۸: اے رشید تبسم ایم اے ۱۰۳ سی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور رجسٹرار کوآپریٹو ہاؤسنگ

سوسائٹی لاہور۔ ایڈیٹر رسالہ۔ انقلاب ماؤ)

۱۵۹: ایم عرفان گوہر (ایگسٹر یکل انجنیئرنگ) لیکچرار الیکٹریکل انجنیئرنگ انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور

۱۶۰: میاں عبدالحمید بی اے ایل ایل بی ۱۸۴ ڈسٹرکٹ کورٹ لائل پور۔

۱۶۱: ایم یعقوب بی ایس سی (ایگریکلچر) فارم مینیجر کے۔ ایس سی فارم جوہر آباد تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا

۱۶۲: ڈاکٹر نصیر الدین پی ایچ ڈی سائل سائنس مکان ۱۰۰ گلی نمبر ۶ فتح آباد (جدید) لائل پور شہر لیکچرار سائل سائنس ویسٹ پاکستان ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور

۱۶۳: ڈاکٹر انعام الحق پی ایچ ڈی پروفیسر سائل سائنس زراعتی یونیورسٹی لائل پور۔

۱۶۴: عبدالغفور بی اے ۹۰ پیپلز کالونی لائل پور انسپکٹر انکم ٹیکس اے سرکل لائل پور

۱۶۵: چوہدری اے غفور اسلم بی کام ۵۸۴ بی پیپلز کالونی لائل پور (انکم ٹیکس پریکٹیشنر)

۱۶۶: چوہدری غلام محمد ایف اے ۱۶۶۸ اے پیپلز کالونی لائل پور (جنرل مینیجر لوکل بس سروس لائل پور۔

۱۶۷: میاں ایم منظور ایف اے فضل نائیلون ملز نشاط آباد لائل پور

۱۶۸: نذیر احمد ایم بی بی ایس (پنجاب) ڈی پی ایچ (پنجاب) ڈی ٹی سی ڈی (ویلز) ۳۰۰ ڈی پیپلز کالونی لائل پور۔

۱۶۹: ایم منیر بی اے ایل ایل بی ۱۳۹ بی گلبرگ کالونی لائل پور۔

۱۷۰: صلاح الدین بی اے ڈی آئی آئی اے سٹریٹ نمبر ۶ مکان نمبر ۱۰۰ فتح آباد (ایم ایس سوفر سٹار انڈسٹریز نشاط آباد لائل پور)

۱۷۱: حسین علی اوورسیر (اوورسیر کینال ریسٹ ہاؤس بچوآنہ تحصیل و ضلع لائل پور۔

۱۷۲: میاں عبداللطیف ایم اے اکنامکس لیکچرار اکنامکس گورنمنٹ کالج جڑانوالہ

۱۷۳: چوہدری عبدالستار میٹرک اکوٹنٹ سیکشن باٹا شو کمپنی باٹا پور لاہور۔

۱۷۴: ڈاکٹر اصغر علی ایم بی بی ایس اسسٹنٹ میڈیکل افسر انچارج جی پی ڈسپنسری چک نمبر ۶۳

۱۷۵: عبدالمجید بی ایس سی (ایگریکلچر) پنجاب۔ ڈی آر ای (انہار) اسسٹنٹ لینڈ ریکلمیشن آفیسر ڈانگی سب ڈویژن جڑانوالہ۔

۱۷۶: ایم امان اللہ سند یافتہ سول انجنیئرنگ جڑانوالہ ڈرینیج کالونی

۱۷۷: ڈاکٹر عبدالعزیز ایل ۔ ایس ایم ایف ڈاکٹر کیپٹن عبدالعزیز محمد علی پارک جڑانوالہ لائل پور

۱۷۸: میاں غلام دستگیر بی اے باری ہاؤس جڑانوالہ ضلع لائل پور

۱۷۹: عبدالرؤف بی ایس سی ، ایل ایل بی چک نمبر ۱۲۲ گوگیرہ برانچ تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور ایڈووکیٹ

۱۸۰: مبارک علی بڑا ہور کر چک نمبر ۵۷ گوگیرہ برانچ تحصیل جڑانوالہ

۱۸۱: چوہدری مشتاق علی ڈپلوما ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی (یو کے) ملز مینجر کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز جھنگ روڈ لائل پور

۱۸۲: چوہدری محمد علی ایف اے ۲۶ جی نیو سول لائنز لائل پور حصہ دار شیر برادرز ٹرانسپورٹ

۱۸۳: چوہدری ایم بشیر بی اے (سی او ایم پی) ۲۶ جی نیو سول لائنز لائل پور ۔

۱۸۴: ایم شمیم جہانگیر گریجوایٹ ۱۴ سی سٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا ۔

۱۸۵: عبدالرؤف ایم ایس سی (ایگریکلچر اکنامکس) لیکچرار محکمہ ایگریکلچر اکنامکس ویسٹ پاکستان یونیورسٹی آف ایگریکلچر لائل پور

۱۸۶: ڈاکٹر ممتاز احمد ایم بی بی ایس میڈیکل آفیسر سول ہسپتال جڑانوالہ

۱۸۷: ڈاکٹر ایم حسین پی ایچ ڈی لیکچرار ڈیپارٹمنٹ آف ہارٹیکلچر ویسٹ پاکستان ایگریکلچر یونیورسٹی لائلپور

۱۸۸: ایم افضل میاں بی اے ایم افضل اینڈ سنز ایسوایجنٹ ۱۱۲ لیاقت مارکیٹ سرگودہا

۱۸۹: چوہدری صادق علی بی اے (ڈی ایف سی ریٹائرڈ) ۵۷ پی ریلوے روڈ لائل پور

۱۹۰: میاں ایم ادریس بی اے ایل ایل بی ۱۷/۱۵۶ حویلی مولویاں میانہ پورہ سیالکوٹ شہر

۱۹۱: افتخار احمد چشتی ایم اے (اسلامیات) پروفیسر گورنمنٹ کالج لائل پور جامعہ چشتیہ سرگودہا روڈ لائل پور

۱۹۲: برکت دارا پوری ۲۴۲ بی سٹریٹ ۹ ڈگلس پورہ لائل پور

۱۹۳: میاں اعجاز محمود گریجوایٹ سرگرام وجیٹیبل گھی ملز عبداللہ پور لائل پور مرید کے

۱۹۴: انور طارق ایم ایس سی (پنجاب) ایم ایس (امریکہ) ۱۹۴ ڈی پیپلز کالونی لائل پور

۱۹۵: چوہدری جہانگیر علی (ممبر قومی اسمبلی) لاگریجوایٹ ۱۳ سی سٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا

۱۹۶: بشیر احمد چوہدری بی ایس سی ۱۳۲ اے سٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا

۱۹۷: محمد یوسف بی ایس سی (پنجاب) بی (ای ای) ایم اے ٹو ایکس ای این (ای ا)
ڈویژن سرگودھا۔ (تعمیرات)

۱۹۸: محمد شریف ڈی ای ٹیلیفون ۱۸۶ اے سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا۔

۱۹۹: ڈاکٹر منظور احمد ایم بی بی ایس (ڈی او ایم ایس ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال سرگودھا

۲۰۰: محمد فیروز بی اے ایل ایل بی ڈسٹرکٹ کورٹس سرگودھا۔

۲۰۱: ڈاکٹر ایم بی آر ایس ایم بی سی ایچ بی۔ڈی پی ایچ ہیلتھ افسر ایم۔سی سرگودھا

۲۰۲: ڈاکٹر مشتاق احمد ایم ڈی ایس ڈینٹل سرجن ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال سرگودھا۔

۲۰۳: ڈاکٹر عبدالحمید ضیغم ایم بی بی ایس ایف آر سی ایس سول ہسپتال سرگودھا۔

۲۰۴: خوشی محمد بی ای سول ایکس ای این ہائی وے سرگودھا۔

۲۰۵: میاں محمد شفیق بی اے (آنرز) ایل ایل بی ایڈووکیٹ ڈسٹرکٹ کورٹ سرگودھا۔

۲۰۶: حاجی مبارک علی بی اے سرگودھا کنٹریکٹرز ۲۸ غلہ منڈی سرگودھا۔

۲۰۷: چوہدری علی حسن ایف اے فاضل پرشئین گورنمنٹ ٹھیکیدار سرگودھا

۲۰۸: محمود علی بی ایس سی انجنیئرنگ سپروائزر ٹی اینڈ ٹی سرگودھا۔

۲۰۹: ایم ایس ندیم بی اے ایم ایس ندیم اینڈ کمپنی کنٹریکٹرز ۱۴ اے سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

۲۱۰: عبدالحمید اختر انجنیئرنگ ڈیپارٹمنٹ ایس ڈی او پبلک ہیلتھ انجنیئرنگ سرگودھا

۲۱۱: محمد اسلم چوہدری بی اے (آنرز) ایم اے انجنیئرنگ سپروائزر (فون) سرگودھا۔

۲۱۲: محمد اقبال ۔ سب ڈویژن آفیسر ریونیو سروے سب ڈویژن سرگودھا۔

۲۱۳: چوہدری غلام مصطفےٰ ایم ایس سی لیکچرار فزکس گورنمنٹ کالج سرگودھا۔

۲۱۴: عبدالمجید ایس ڈی او اریگیشن سرگودھا

۲۱۵: احمد رضا مختار بی ایس سی (پنجاب) ایم اے انکم ٹیکس (مکان نمبر ۶/۴ ۱۵ اپی۔ بالمقابل یتیم خانہ
خالقیہ سرگودھا۔

۲۱۶: نویدالاسلام بی اے ماڈرن پولٹری فارم سرگودھا

۲۱۷: چوہدری محمد حنیف بی اے سٹوڈنٹ آف ایل ایل بی لا کالج لاہور۔

۲۱۸: میاں محمد شریف — ارائیں کارپوریشن گرین مارکیٹ سرگودہا۔

۲۱۹: میاں محمد شریف — حبیب احمد محمد شریف ریل بازار سرگودہا۔

۲۲۰: چوہدری رحمت اللہ — شاہین میڈیکل ہال گول چوک سرگودہا۔

۲۲۱: میاں محمد رفیق — ٹرک اڈہ نیو۔ نیو سول لائین سرگودہا۔

۲۲۲: میاں محمد عرفان انور۔ بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ڈسٹرکٹ کورٹ سرگودہا۔

۲۲۳: ایم شفیع نیاز بی لٹ آکسن ایف اے او ریپریزنٹیٹو اینڈ چیف ایگریکلچر ایڈوائزر
پوسٹ بکس نمبر ۱۵۵۵ تہران ایران۔

۲۲۴: ڈاکٹر محمد عبداللہ ایم ایس سی (ایگریکلچر) ایم۔ ایس۔ پی ایچ ڈی (امریکہ) ایگریکلچر ڈویلپمنٹ
کمشنر منسٹری آف ایگریکلچر جی او پی اسلام آباد۔

۲۲۵: میاں انور علی بی ایس سی بی — ایل ایل بی گرین ووڈ سٹریٹ سیالکوٹ شہر

۲۲۶: چوہدری ولی محمد پی ایس ایس پوسٹ ماسٹر سیالکوٹ۔

۲۲۷: ڈاکٹر اصغر علی ہومیوپیتھک ایم بی ایچ ایس پیلس روڈ طارق آباد لائل پور۔

۲۲۸: منظور حسین بی اے پاکستان ملز سٹور ریلوے روڈ لائل پور۔

۲۲۹: چوہدری محمد دین ایم اے فیملی پلاننگ افسر لائل پور۔

۲۳۰: میاں ایم اسلم محبوب بی ای (سی) ایس ڈی (او) اپر جھانہ سب ڈویژن لائل پور۔

۲۳۱: چوہدری فضل الدین انسپکٹر پولیس (ریٹائرڈ) مکان ۲۲۵ پی سٹریٹ نمبر ۲ گوبند پورہ لائل پور

۲۳۲: محمد اسلم بدر ایم اے (اکنامکس) فیملی پلاننگ آفیسر سرکل نمبر ۴ لائل پور۔

۲۳۳: محمد اسلم حبیب ۔ ایگزیکٹو ممبر انجمن ارائیاں لائل پور۔

۲۳۴: محمد نسیم ارشد۔ بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ۶۴ ڈسٹرکٹ کورٹ لائل پور۔

۲۳۵: محمد انور میاں ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ۱۵۵ ڈسٹرکٹ کورٹ لائل پور۔

۲۳۶: افتخار احمد بی کام (آنرز) ۱۰ احمد مینشن دی مال لاہور۔

۲۳۷: چوہدری محمد شفیق اے ایم ای مکینیکل گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ لائل پور

۲۳۸: چوہدری محمد صدیق صادق ایم ایس سی (آنرز) ایگریکلچر انسٹی ٹیوٹ جینٹکس میوٹیشن بریڈنگ
ڈویژن اینڈ ریڈی ایشن جھنگ روڈ لائل پور

۲۳۹: ڈاکٹر محمد شریف ایم ایس سی (پنجاب) پی ایچ ڈی ریڈی ایشن جنیٹکس انسٹی ٹیوٹ لائلپور

۲۴۰: عبداللطیف چوہدری ایم ایس سی (آنرز) ایگریکلچر سوئیل سائنس ڈویژن ریڈی جنیٹکس انسٹیٹیوٹ لائل پور۔

۲۴۱: احمد سرور خلیق بی اے بی ای ڈی ایم آر اے ایس ہیڈ ماسٹر اسلامیہ سیکنڈری سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور۔

۲۴۲: ایم اسلم چوہدری بی ایس سی ایم ای ڈی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول جڑانوالہ لائلپور

۲۴۳: چوہدری محمد انور ڈپلوما ان انجنیئرنگ شاہ منزل سٹریٹ ۸ نزد ذیل گھر کچہری بازار لائلپور

۲۴۴: وحید اختر میاں ایم اے سیکرٹری پریمیئر کلاتھ ملز لائل پور۔

۲۴۵: چوہدری محمد اسلم ۔ سینٹری انسپکٹر میونسپل کمیٹی لائل پور۔

۲۴۶: چوہدری اسرار محمد " " " " " "

۲۴۷: چوہدری غلام حیدر " " " " " "

۲۴۸: محمد اصغر راہی چوہدری ڈپلومہ الیکٹرک انجنیئرنگ لائن سپرنٹنڈنٹ الیکٹری سٹی لائل پور

۲۴۹: محمد اسلم چوہدری سینٹری انسپکٹر میونسپل کمیٹی لائل پور۔

۲۵۰: حاجی محمد سلیم گفٹس یو بی ایل سپر مارکیٹ لائل پور۔

۲۵۱: محمد شفیق بی ای (سی) ایگزیکٹو انجنیئر پبلک ہیلتھ انجنیئرنگ ڈویژن سرگودہا۔

۲۵۲: میاں اختر جلیل بی ایس سی، ڈی ایل سی، جی ایم آئی سی ای ڈائریکٹر مفنل نائیلون ملز لائل پور۔

۲۵۳: غلام احمد بشیر ایم اے راحت منزل عطا والی بستی جھنگ صدر۔

۲۵۴: ایم مصطفےٰ سلیمی بی ایس سی (ایگریکلچر) بیرون گرین مارکیٹ جھنگ صدر۔

۲۵۵: محمد صابر صابر میڈیکل سٹور ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

۲۵۶: نور محمد چوہدری ایم اے لیکچرار انگلش، ایم سی ڈگری کالج ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائلپور

۲۵۷: چوہدری محمد اکرم بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ اے سی کورٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائلپور

۲۵۸: میاں آمین الدین میاں برادرز سٹینرز نگ سیلرز جھڑہ منڈی ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

۲۵۹: ڈاکٹر فاروق احمد بی ڈی۔ ایس طالب بازار ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور۔

۲۶۰: شاہ محمد بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور۔

۲۶۱: منظور احمد ناز کریسنٹ کمرشل کالج ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

۲۶۲: ڈاکٹر نصیر احمد ایل ایس ایم ایف نصیر کلینک اینڈ ہسپتال ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور۔

۲۶۳: ڈاکٹر یٰسین سلیم ایم بی بی ایس سلیم ہسپتال سمندری۔

۲۶۴: سردار محمد چوہدری ۔ چوہدری برادرز کچہری روڈ لائل پور۔

۲۶۵: خوشی محمد بی اے حبیب بنک زونل آفس لائل پور۔

۲۶۶: شاہ محمد منیض بی اے بی ایڈ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲ سرگودہا۔

۲۶۷: محمد بشیر، دفتر انسپکٹر آف سکولز سرگودہا

۲۶۸: عبد الغنی چوہدری ایم اے لیکچرار اکنامکس گورنمنٹ کالج سرگودہا۔

۲۶۹: چوہدری محمد اسحاق داروغہ والا تحصیل و ضلع لاہور۔

۲۷۰: چوہدری محمد بشیر پی سی ایس مجسٹریٹ با اختیار دفعہ ۳۰ بہاول نگر۔

۲۷۱: میاں ظفر احسن محمود ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ بیگم روڈ لاہور۔

۲۷۲: میاں ضیاء الاسلام ایم اے مکان نمبر ۴ اسٹریٹ ۳۵ مہر و پارک سنت نگر لاہور۔

۲۷۳: ڈاکٹر خادم حسین ایم بی بی۔ ایس میڈیکل آفیسر انچارج گورنمنٹ ٹی بی کلینک جھنگ

۲۷۴: ایم یٰسین ظفر ایم اے۔ ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سرگودھا

۲۷۵: محمد اشرف قمر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ سرگودھا ۶ نئی سول لائن

۲۷۶: چوہدری سلطان محمود بی کام، مینجنگ ڈائرکٹر سرگودھا ٹریکٹر اینڈ ایکوپمنٹ کمپنی میانوالی روڈ سرگودھا

۲۷۷: ایم۔ اے۔ اختر بی۔ سی۔ ایس الیکٹرک انجنیئر ڈائریکٹر جھنگ کولڈ سٹوریج اینڈ آئل ملز جھنگ

۲۷۸: محمد بشیر ملک ایم۔ ای II اوورسیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی ورکشاپ سرگودھا

۲۷۹: ڈاکٹر نعیم احمد ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ایم۔ آر۔ سی۔ پی (گلاسگو) ایم۔ آر۔ سی۔ پی ایڈنبرا ڈی۔ ایچ۔ کیو ہسپتال سرگودھا

۲۸۰: مسٹر محمد اسلام ایم۔ اے۔ ایم۔ ایس۔ ڈبلیو ۳ بی سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

۲۸۱: مسٹر عبدالکریم ایف۔ اے۔ ایم۔ بی۔ ایچ۔ ایس انسپکٹر آف انجم ڈیپارٹمنٹ

۲۸۲: مسٹر بشیر احمد ایف۔ ایس۔ سی چک نمبر ۲۰۱ آر۔ بی۔ پی۔ او تحصیل وضلع لائل پور

۲۸۳: مسٹر محمد افضل حسین بی۔ ایس سی ایگریکلچر ضلعدار زونل چیف انجنیئر اریگیشن "

۲۸۴: مسٹر فتح محمد بی۔ ایس سی۔ ایگریکلچر کینال کلکٹر اریگیشن آفس آف چیف انجنیئر اریگیشن، لائل پور

۲۸۵: میاں بشیر احمد ڈبل ایم۔ اے پنجاب، لیکچرار اسلامیہ کالج وہاڑی

۲۸۶: محمد شفیع صدیق ایم۔ اے ڈی۔ ایل سائنس لائبریرین گورنمنٹ کالج جڑانوالہ

۲۸۷: محمد شفیع بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سیدوالا ضلع شیخوپورہ

۲۸۸: ڈاکٹر محمد علی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈی۔ پی۔ ایچ ۷۰ جناح کالونی لائل پور

۲۸۹: مسٹر عبدالشکور، اوورسیر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی B/۳۶۶ پیپلز کالونی "

۲۹۰: چوہدری عبدالرشید بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ایڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول ۷۲ جی بی ضلع لائل پور

۲۹۱: میاں محمد اصغر بی۔ اے۔ دی مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ ریجنل آفس بنک سکوائر پی او بکس نمبر ۱۷۵ لائل پور

۲۹۲: چودھری محمد صادق بی۔ اے۔ چک نمبر ۱۹۸ آر۔ بی تحصیل وضلع لائل پور

۲۹۳: عظمت رشید ایم۔ ایس۔ سی (آنرز) ایگریکلچر ریسرچ اسسٹنٹ آئل سیڈ سیکشن پنجاب ایگریکلچر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لائل پور

۲۹۴: خالد سعید اختر ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ منشی چیمبر لیک روڈ، لاہور

۲۹۵: چوہدری شوکت علی انجنیئر پروونشل بلڈنگ سب ڈویژن ۳ گوجرانوالہ

۲۹۶: عظمت شفیع بی۔ اے معرفت آر۔ آئی قلات

۲۹۷: مسٹر محمد شفیع بی۔ اے، پولیس انسپکٹر ریزرو انسپکٹر آف پولیس قلات

۲۹۸: محمد شفیق بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ 5/A فرید ٹاؤن ساہیوال

۲۹۹: میاں طارق سعید ظفر بی-اے۔ بشیر پور ضلع ساہیوال

۳۰۰: محمد اسلام چوہدری ایم-ایس-سی آنرز سوشل سائنس ایگریکلچر ۱۶۶۸ اے۔ پیپلز کالونی لائل پور

۳۰۱: چوہدری عزیز الحق ایل-ایم-ای-اے-ایم-ای ریٹائرڈ- ایس-ٹی نمبر ۵ سنت پورہ لائل پور

۳۰۲: چوہدری عبدالستار سبحانی بی-اے مکان نمبر ۵۴۳/P گلی نمبر ۵ سنت پورہ، لائل پور

۳۰۳: میاں احمد علی بی-اے-ایل-ایل-بی- ایڈووکیٹ دیپال پور ضلع ساہیوال

۳۰۴: مسٹر خوشی محمد، ولد چوہدری غیاث محمد ارائیں محلہ راج پورہ ساہیوال

۳۰۵: مسٹر خان محمد میاں ایم-اے-ایل-ایل-بی وکیل ساہیوال

۳۰۶: محمد اکرم قوی میٹرک ۸/۷ گرین مارکیٹ اوکاڑہ

۳۰۷: چوہدری علیم اللہ، ہیڈ ماسٹر (ریٹائرڈ) مکان نمبر ۱۴۰ محلہ پرنامی ساہیوال

۳۰۸: سردار عبدالعلیم بی-اے سجے-ڈی ایڈووکیٹ سول لائنز- ساہیوال

۳۰۹: سردار سلیم حیدر، چک نظام الدین ڈاکخانہ دیپال پور ضلع ساہیوال

۳۱۰: محسن کمال فرخ، کمال کارپٹس چمن پورہ گوجرانوالہ

۳۱۱: محمد انور نسیم، ایم-اے پولٹیکل سائنس- ایل-ایل-بی ایڈووکیٹ ۲۵۲ اد بلاک فرید ٹاؤن ساہیوال

۳۱۲: ڈاکٹر ایم-اے سلیمی، ایم-بی-بی-ایس میڈیکل آفیسر ڈی-ایچ-کیو ہسپتال ساہیوال

۳۱۳: مسٹر فقیر محمد، محلہ پراچہ بستی دیپال پور شہر ضلع ساہیوال

۳۱۴: چوہدری محمد اسلم چک نمبر ۱۳۵- ۹ ایل ڈاکخانہ ۹۷/۴۴ ۱۲ ساہیوال

۳۱۵: خالد پرویز چوہدری بی-اے ۳/۴/۴۴۲ فرید ٹاؤن ساہیوال

۳۱۶: چوہدری عبدالحنیف مکان نمبر ۵۳۷-بی-I بلوت گنج ساہیوال

۳۱۷: عبدالرشید بی-اے-ایل-ایل-بی ایڈووکیٹ ساہیوال

۳۱۸: سعید احمد، رحمت ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ ریلوے روڈ ساہیوال

۳۱۹: امانت علی بشیر پور تحصیل دیپال پور ڈسٹرکٹ ״

۳۲۰: میاں محمد حنیف ״ ״ ״ ״

۳۲۱: لیاقت علی، بی۔ اے۔ لا سٹوڈنٹ، معرفت محمد رمضان کمیشن ایجنٹ حویلی

۳۲۲: افتخار احمد چوہدری، ایم۔ اے ہسٹری پولیٹیکل سائنس 156C ماڈل ٹاؤن لاہور

۳۲۳: میاں ظفر علی، سی۔ اے (سکاٹ) ۲۴ گارٹرک سٹریٹ گلاسگو۔ ایس زیڈ
سکاٹ لینڈ

۳۲۴: ڈاکٹر محمد جمیل، پی ایچ ڈی۔ اٹامک انرجی منرلز سنٹر لاہور

۳۲۵: میاں افتخار احمد، بی۔ ایس۔ سی سول انجینئر۔ ایم۔ ای سینیٹری انجینئر ایران

۳۲۶: حاجی سردار محمد، علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

۳۲۷: محمد بشیر میاں، بی اے۔ ۲۱۔ اے فتح شیر روڈ باغ گل بیگم لاہور

۳۲۸: لیفٹیننٹ کمانڈر چوہدری نور محمد (ریٹائرڈ)، ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ این۔ وی۔ آر
پرنسپل زمیندار سائنس کالج گجرات

۳۲۹: مسٹر محمد اشرف، ایم۔ اے۔ اکنامکس۔ ۱۴۹۔ ایف/3/6 اسلام آباد، ریسرچ آفیسر
ایگریکلچر سیکشن پلاننگ کمیشن

۳۳۰: میاں مقبول احمد، اے۔ سی۔ آئی۔ ایس (لنڈن)، بی۔ اے آنرز۔ ایم۔ اے، ایل ایل بی
سیکرٹری لاہور چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری اا ریس کورس روڈ لاہور

۳۳۱: سردار محمد شفیع، عثمان والا تحصیل قصور ضلع لاہور

۳۳۲: ایم۔ ایچ۔ مصدق، ایم۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ فل۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا

۳۳۳: محمد اسلم، ایڈووکیٹ، لاہور سرگودھا روڈ شیخوپورہ

۳۳۴: بشیر احمد چوہدری، بی۔ اے آنرز۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ۔ پرنسپل گورنمنٹ ٹیچر ٹریننگ
سنٹر کوٹ لکھپت، لاہور

۳۳۵: چوہدری ایم۔ ڈی۔ صدیق، بی۔ اے۔ آنرز ان پرشین، بی۔ ۱۱۔ ۵ لنک کنال
کالونی چوہڑکانہ، ضلع شیخوپورہ

۳۳۶: سردار محمد گوہیر۔ بی۔ اے سول لائنز شیخوپورہ

۳۳۷: چوہدری عبدالستار محلہ مسلم گنج "

۳۳۸: عظمت یزدانی۔ بی۔ اے " "

۳۳۹: غلام نبی، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، ایڈووکیٹ "

۳۴۰: خادم حسین، ڈپٹی ایسوسی ایٹ، ان مکینکل ٹیوب ویل آپریشن سب ڈویژن، شادماں شیخوپورہ (سکارپ I)

۳۴۱: چوہدری محمد حسین، سبزی منڈی شیخوپورہ

۳۴۲: نثار احمد، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ شیخوپورہ

۳۴۳: عبدالحق چوہدری، ایس۔ ڈی۔ او۔ ایری گیشن۔ کینال آفس، شیخوپورہ

۳۴۴: افتخار علی ظفر، بی۔ اے معرفت صوبائی ڈائرکیٹریٹ لوکل فنڈ آڈٹ پنجاب ۶۹۔ ریواز گارڈن لاہور

۳۴۵: احمد حسن، ایم۔ اے ایجوکیشن ہیڈماسٹر مڈل اسکول عبداللہ پور کولار

۳۴۶: نسیم احمد چودھری، نیشنل بنک آف پاکستان شیخوپورہ

۳۴۷: عبدالستار " " " "

۳۴۸: محمد شریف مینجر " " "

۳۴۹: شفیق الرحمٰن، بی کام مکان 398/1 نور پورہ خادم علی روڈ، سیالکوٹ

۳۵۰: میاں محمد اسلم، بی ایس سی (الیکٹرک انجنیئرنگ)، پنجاب ایکس، ای، این، این سی ڈویژن واپڈا اسٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

۳۵۱: ایم ایوب میاں۔ ایچ، ڈی۔ ایم۔ این۔ سی ڈویژن واپڈا اسٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

۳۵۲: پرویز بشیر، بی۔ اے چک نمبر ۲۶۷/ ر ب تحصیل وضلع لائل پور

۳۵۳: ڈاکٹر محمد ابراہیم چوہدری، ایم۔ بی۔ ایچ۔ ایس (آنرز)، کلینک۔ گاؤں وڈاکخانہ ڈجکوٹ ضلع لائل پور

۳۵۴: ڈاکٹر محمد شفیق، ایم بی بی ایس، ڈی ٹی ایم اینڈ ایچ حریمالہ ہسپتال ریاض سعودی عرب

۳۵۵: خالد منصور چوہدری، ایم۔بی۔بی ایس بار یٹ ہسپتال، پیر محل

۳۵۶: عبدالرزاق، ایم۔اے۔بی ایڈ، ایس ای ٹی گورنمنٹ ہائی اسکول، پیر محل

۳۵۷: چوہدری محمد رمضان، بی۔اے، آفیسر فیملی پلاننگ غلہ منڈی۔ پیر محل

۳۵۸: میاں احمد رشید، ایم ایس سی (ایگریکلچر) ہارٹیکلچر، بی ایس سی آنرز) فارسٹ ڈی، ایف، او نیلی بار۔ ساہیوال

۳۵۹: میاں محمود عالم، بی اے (فائنل ایر لاء) و ایم۔ اے (جرنلزم) ۱۵/۴ عوامی قائدِ اعظم ہوسٹل، کراچی یونیورسٹی

۳۶۰: چوہدری محمد اشرف، بی۔اے چک ۲۸۴ گ۔ب براستہ رجانہ ضلع لائل پور

۳۶۱: محمد رشید، ایم اے۔بی۔ایڈ۔ ایس ای ٹی گورنمنٹ ہائی سکول پیر محل

۳۶۲: محمد مشتاق تاج بی ایس سی بی ایڈ " " " "

۳۶۳: شیر محمد بی۔ایس سی۔بی ایڈ " " " "

۳۶۴: میاں محمد امین عارف ایم۔اے۔بی۔ایڈ " " " "

۳۶۵: چوہدری نذیر احمد بی۔اے۔بی۔ایڈ " " " "

۳۶۶: ایم۔ اکرام الرحمٰن بی۔اے۔ ۳۴۴ جناح کالونی لائل پور

۳۶۷: محمد اسماعیل چوہدری ایم۔اے مینجر یونائیٹڈ بنک تاندلیانوالہ

۳۶۸: محمد احسان الرحمٰن، بی۔ایس سی (الیکٹرک انجنیئرنگ) ایس۔ڈی۔او (بجلی) تاندلیانوالہ

۳۶۹: میاں رفیق چوہدری۔ بی کام (آنرز) یو۔بی۔ایل لمیٹڈ تاندلیانوالہ

۳۷۰: شاہد نسیم ایم۔ایس سی (متعلم) 63/D پیپلز کالونی لائل پور

۳۷۱: زاہد نسیم " " " " " "

۳۷۲: ایم۔ایس نصراللہ، بی۔اے۔ سنٹرل ایکسائز اینڈ لینڈ کسٹم

۳۷۳: محمد اشرف، بی۔ایس۔سی۔ انسپکٹر سنٹرل ایکسائز اینڈ لینڈ کسٹم

۳۷۴: غلام نبی چوہدری بی۔اے آفیسر آسٹریلیشیا بنک لمیٹڈ گوجرہ

۳۷۵: لال حسین چوہدری اکاؤنٹنٹ انچارج " " " "

۳۷۶: ڈاکٹر میاں عبدالحفیظ، ایم۔بی۔بی۔ایس۔ڈی۔او۔آر۔سی۔ایس (انگلینڈ)
ڈی۔او۔آر۔سی۔پی (لندن) میاں ہسپتال گوجرہ

۳۷۷: چوہدری چراغ دین ایم۔اے (اکنامکس) مینجر آسٹریلیشیا بنک لمیٹڈ گوجرہ

۳۷۸: محمد گلزار اختر، بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی معرفت حبیب بنک لمیٹڈ گوجرہ

۳۷۹: محمود الحسن ناز بی۔کام (آنرز) دکان نمبر پی ۴ ۲۸ بی III غلہ منڈی گوجرہ

۳۸۰: چوہدری عبدالرحمٰن ارشد، بی۔اے۔بی۔ایڈ، اے۔ڈی۔آئی سکولز گوجرہ

۳۸۱: چوہدری رفیق احمد اعظم 5/7 شیلڈریر سٹریٹ کرکچوایک۔ رشاؤ۔ یو۔کے

۳۸۲: بشیر احمد، بی۔ایس۔سی۔ایم۔ایڈ، کچا گوجرہ چک نمبر ۳۶۵

۳۸۳: عبدالوحید، ایم۔اے (شماریات) ڈپلوما صحافت سرٹیفکیٹ ان سی۔ڈی (اے۔
ڈی۔ بیروت) ایڈمنسٹریٹر میونسپل کارپوریشن، لائلپور

۳۸۴: محمد اشرف چوہدری، سپننگ ماسٹر سرگودھا ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ سرگودھا

۳۸۵: محمد اصغر، ٹی فورمین " " " " "

۳۸۶: محمد ابراہیم " " " " " "

۳۸۷: علی محمد ولد محمد ابراہیم " " " " "

۳۸۸: علی محمد ولد فضل محمد " " " " "

۳۸۹: محمد اکرم رازی بی۔ایس۔سی (انجینئرنگ) " " " "

۳۹۰: سراج دین ٹیکنیشن " " " "

۳۹۱: عبدالغفور اقبال، ایم کام، سرگودھا ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ سرگودھا

۳۹۲: عبدالحمید، اے ڈبلیو ایم " " " "

۳۹۳: فیض رسول، ٹی شفٹ انچارج " " "

۳۹۴: محمد عبداللہ، بی ایس سی (ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی) " "

۳۹۵: فضل الٰہی، ڈی شفٹ انچارج 〃 〃

۳۹۶: ظہور احمد، ٹیکنیکل مینجر 〃 〃 〃

۳۹۷: نور احمد، بی اے۔ بی ای او، گورنمنٹ ہائی سکول۔ ستلانوالی۔ سرگودھا

۳۹۸: ڈاکٹر مختار احمد واحد، ایم ایس سی (پنجاب)، ایم ایس سی، پی ایچ۔ ڈی (مانچسٹر) پی سی۔ ایس۔ آئی آر لیبارٹری کلب روڈ، کراچی

۳۹۹: فضل حسین ایم اے (فارسی) سٹیٹ بنک آف پاکستان اسلام آباد

۴۰۰: امجد مسعود، بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ۲۰ راجگڑھ روڈ۔ لاہور

۴۰۱: ایم عبدالجبار، آئی سی ایس ۱۹۵۶ء، ڈیوننگ ماسٹر۔ ایم۔ ایف ایم۔ ای انڈسٹریز۔ منگھوپیر روڈ۔ کراچی

۴۰۲: ڈاکٹر ایم ایم ظفر ایم ایس۔ سی (پنجاب)، پی۔ اے۔ ڈی (ڈیوک) کراچی لیبارٹریز پی سی ایس آئی آر کراچی ۳۹

۴۰۳: شمشاد احمد۔ نسکو الیکٹرانکس۔ سرمد روڈ۔ ریگل صدر۔ بالمقابل نیشنل سٹی ہوٹل کراچی

۴۰۴: شبیر حسین، بی کام II. A. 2. 2/4 ناظم آباد، کراچی

۴۰۵: میاں مہربان علی۔ بی کام۔ ایل۔ ایل۔ بی ڈپٹی اسسٹنٹ کنٹرولر۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کراچی

۴۰۶: محمد شفیع چودھری ایم بی بی ایس۔ رازی ہال۔ این۔ ایم۔ سی۔ ملتان

۴۰۷: سعادت علی حجازی ایم بی بی ایس 〃 〃 〃 〃

۴۰۸: محمد رفیع انور ایم۔ اے پرنسپل گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ۔ ملتان

۴۰۹: میاں محمد بشیر ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ملتان

۴۱۰: محمد صدیق ارائیں ایم ایس۔ سی۔ ایسو پاکستان فرٹیلائزر کمپنی لمیٹڈ پوسٹ بکس ۳ ملتان

۴۱۱: چودھری محمد صدیق ارائیں، بی ایس سی (انجینئرنگ)، ایکس ای این، ایس ایس اینڈ ٹی قاسم پور ملتان

۴۱۲: عبدالخالق عزمی۔ ایم۔ اے (اردو پرشین) لیکچرار گورنمنٹ کالج سول لائنز۔ ملتان

۴۱۳: چوہدری محمد رفیق ایم۔ایس۔سی (ایگری کلچر) ای۔اے۔ڈی۔اے ملتان

۴۱۴: نذیر مسلم میاں، بی۔اے (آنرز)، ایل ایل بی ۱/۴۲ طارق روڈ "

۴۱۵: سردار محمد چوہدری۔ بی۔ایس۔سی (سول انجینئرنگ)، چیف انجینئر، میونسپلٹی "

۴۱۶: عبدالستار بی۔ایس۔سی ایل۔ایل۔بی۔ کورٹ چیمبرز "

۴۱۷: خالد لطیف بی۔اے۔ ۶۔ لائرز کالونی ملتان

۴۱۸: محمد اسلم گوہیر۔ اے۔اے۔ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری "

۴۱۹: مقبول حسین۔ ایم۔ایس۔سی ایگریکلچر اسسٹنٹ کنٹرولر ڈیو بنک آف پاکستان

۴۲۰: محمد اشرف چوہدری ایم۔ایس۔سی ایگریکلچر، مینجر I ایگریکلچر ڈویژن بنک آف پاکستان ملتان

۴۲۱: الطاف احمد میاں ایم۔اے۔ایل ایل۔بی۔ ۲۔۴، کچہری روڈ ملتان

۴۲۲: عبداللطیف۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ ۶ لائرز کالونی ملتان

۴۲۳: محمود احمد۔ ایم۔ایس۔سی۔ ۱۳۸۸ اکبر روڈ ملتان

۴۲۴: ڈاکٹر غلام رسول چوہدری۔ ایم۔ایس۔سی۔ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ۔ ملتان

۴۲۵: مقبول احمد خاور۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ چوہدری آئل اینڈ سیلی کیٹ انڈسٹری
سراج کنڈر روڈ ملتان

۴۲۶: محمد صالح۔ بی۔ای۔ الیکٹرک۔ اسسٹنٹ انڈسٹریل انجینئر این۔جی۔پی۔ایس "

۴۲۷: محمد شریف میاں ایم۔اے (ریاضی) لیکچرار گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان

۴۲۸: محمد اصغر۔ بی۔ای (سول)، ۶۱ سی واپڈا کالونی پیراں غائب ملتان

۴۲۹: چوہدری الطاف حسین۔ ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ ایڈووکیٹ ڈسٹرکٹ کورٹ ملتان

۴۳۰: محمد امین بی۔اے (اکیڈمک) ۲ سی واپڈا ہاؤسنگ کالونی ملتان

۴۳۱: خالد امین۔ بی۔اے۔ کامرس بنک لمیٹڈ۔ ایچ۔اے روڈ۔ ملتان

۴۳۲: محمد مختار میاں۔ بی۔ایس۔سی (آنرز ایگری کلچر) ایم ایس۔سی (آنرز ایگری کلچر)
پوسٹ بکس ۱۹۳ ملتان

۴۳۳: محمد اصغر چوہدری۔ ایم۔ایس۔سی (کیمسٹری) لیکچرار گورنمنٹ کالج بوسن روڈ۔ ملتان

۴۳۴: چوہدری رشید احمد۔ بی۔اے۔ 126 حسن پروانہ کالونی ملتان
۴۳۵: " محمد شفیع۔ ایم۔ایس۔سی۔ اورینٹ گلاس انڈسٹریز خانیوال روڈ "
۴۳۶: مشتاق احمد میاں۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ ۴۰۲، کچہری روڈ ملتان کینٹ
۴۳۷: میاں عبداللہ ارائیں (عوامی شخصیت) ۳۵ ٹیپو سلطان روڈ "
۴۳۸: جاوید عبداللہ میاں۔ بی۔اے۔ " " " "
۴۳۹: اے ڈی۔اختر۔ بی۔ایس۔سی (انجینئرنگ) ۸-۹ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور
۴۴۰: عبدالستار میاں۔ مینیجنگ ڈائریکٹر الہلال گھی آئل لمیٹڈ۔ سلطان حضر۔ ملتان
۴۴۱: میاں جمال محمد، بی اے ایل ایل۔بی۔ ۲۲۲ ڈسٹرکٹ کورٹ "
۴۴۲: میاں رشید احمد۔ ایڈووکیٹ " "
۴۴۳: عبدالمجید میاں۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ تحصیل کورٹ وہاڑی
۴۴۴: چوہدری حبیب الرحمن۔ بی۔ایس۔سی۔ الہلال ویجی ٹیبل گھی ملز۔ ملتان
۴۴۵: محمد صفدر یٰسین۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ ڈسٹرکٹ کورٹ۔ ملتان
۴۴۶: چودھری محمد رشید دہرہ بی ایس سی انجینئرنگ سول ڈائریکٹر ہاؤسنگ نیو مسلم ٹاؤن لاہور
۴۴۷: چودھری اختر احسن سی۔ایس۔ایس ایم۔اے۔ایل ایل۔بی۔ڈی۔آئی۔اے۔ موضع
کٹار ضلع شیخوپورہ
۴۴۸: چوہدری محمد حنیف سلیمی۔ بی۔اے۔بی۔ایڈ۔ گورنمنٹ ہائی سکول خانکی ہیڈ۔ گوجرانوالہ
۴۴۹: چوہدری جاوید رسول ایم۔اے آئی۔ٹی آئی شفیع منزل گلی ارائیاں والی۔ راجگڑھ لاہور
۴۵۰: " محمد اشرف سلیمی۔ بی۔اے۔ شیرو سٹریٹ۔ وزیر آباد
۴۵۱: " محمد یوسف ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل، بی۔ایڈ گورنمنٹ ہائی سکول خانکی ہیڈ گوجرانوالہ
۴۵۲: " بشیر احمد بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی، ایڈووکیٹ حافظ آباد
۴۵۳: " اصغر علی۔ بی۔ایس سی۔بی۔ٹی۔ B-۶۸ سٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور
۴۵۴: " محمد شریف۔ بی۔اے۔بی۔ایڈ۔ پبلک سائنٹیفک سٹور۔ 605 جناح کالونی لائلپور
۴۵۵: میاں زاہد سرفراز ایم۔اے ۱/۵ گورو نانک پورہ۔ لائل پور
۴۵۶: چوہدری سیف الرحمن۔ ایم۔اے۔ لیکچرار گورنمنٹ کالج۔ بوسن روڈ۔ ملتان
۴۵۷: " مبشر احمد۔ بی۔اے B/250، گلگشت کالونی۔ ملتان

۴۵۹ ،، محمد نسیم ایم۔ایس سی ایگریکلچر ریڈ انالسٹ۔549 ریلوے ہسپتال ملتان

۴۶۰ ،، شفقت علی حجازی۔بی۔ایس۔سی آنرز۔ایم۔ایس۔سی۔ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔بہاول پور

۴۶۱ میاں فاروق احمد بی۔اے انسپکٹر سنٹرل ایکسائز اینڈ کسٹمز۔سرکل III لائل پور

۴۶۲ میاں آفتاب احمد بی۔ایس۔سی،ایل۔ایل۔بی ایڈوکیٹ۔لاہور سرگودھا روڈ شیخوپورہ

۴۶۳ چوہدری عبدالستار یزدانی۔کلرک ریگل لوسپٹ آفس۔لاہور

۴۶۴ ،، قمر دین۔ڈپلوما ان سول ٹیکنالوجی۔میونسپل کمیٹی شیخوپورہ

۴۶۵ ،، محمد اسلم اوورسیر سٹور اینڈ ورکشاپ ڈویژن۔شیخوپورہ۔اریگیشن اینڈ پاور

۴۶۶ چوہدری عبدالسلام فروٹ کمیشن ایجنٹس۔سبزی منڈی قلعہ شیخوپورہ

۴۶۷ چوہدری محمد انور راحت بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ڈسٹرکٹ کورٹ شیخوپورہ

۴۶۸ ،، اکرام الحق۔بی ایس سی (انجنیئرنگ۔ایم آئی ای ای (نیویارک) ایگزیکٹو انجنیئر الیکٹرسٹی۔شیخوپورہ

۴۶۹ ،، عبدالوحید بی۔اے۔ایل،ایل بی۔ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ بنک،شیخوپورہ

۴۷۰ ،، محمد لطیف ،، ،، انسپکٹر مارکیٹ کمیٹی۔چوہڑکانہ منڈی۔ ،،

۴۷۱ ،، محمد عبداللہ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ چک رحمان پورہ۔مرزا وکرم روڈ۔شیخوپورہ

۴۷۲ ،، محمد یونس بی۔اے سینئر کلرک الیکٹرسٹی ڈویژن۔واپڈا ،،

۴۷۳ ،، محمد حنیف ،، ،، بی۔ایڈ۔انگلش ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول چوہڑکانہ

۴۷۴ ،، محمد نسیم اختر اوورسیئر۔لنک کینال کالونی۔چوہڑکانہ

۴۷۵ ،، نذیر احمد کمیشن ایجنٹ سبزی منڈی۔شیخوپورہ

۴۷۶ ،، محمد امین رضوانی سکواڈرن لیڈر (ریٹائرڈ) ۲۶۸۔کمال روڈ راولپنڈی کینٹ

۴۷۷: 〃 محمد اقبال اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفون ، ٹی ایم I ٹی اینڈ ٹی کالونی
ہلال روڈ ۔ راولپنڈی

۴۷۸: 〃 فضل حسین سیکشن آفیسر ۔ کیبنٹ ڈویژن ۔ راولپنڈی

۴۷۹: میاں عبدالحکیم ڈپٹی ڈائریکٹر (ایف ۔ ایم) 215 G 6/3 ۔ ابیبیے روڈ اسلام آباد

۴۸۰: چوہدری محمد عبداللہ اسسٹنٹ چیف ایگریکلچر اینڈ فوڈ سیکشن ۔ پلاننگ ڈویژن
اسلام آباد

۴۸۱: میاں محمد حنیف ۔ ۱۶۸ اسفولک ہاؤس ۔ سرور روڈ ، راولپنڈی کینٹ

۴۸۲: چوہدری سعید احمد اسسٹنٹ چیف ایگریکلچر اینڈ فوڈ سیکشن ، پلاننگ ڈویژن
اسلام آباد

۴۸۳: چوہدری غلام رسول لیکچرار ۔ گورنمنٹ ڈگری کالج ۔ راولپنڈی (651 - B سٹلائٹ
ٹاؤن ۔ راولپنڈی

۴۸۴: 〃 محمد امین اسسٹنٹ ایگرانومسٹ ۔ ایگریکلچرل فارم ۔ راولپنڈی

۴۸۵: 〃 بشیر احمد سینئر سائل کنسرویشنسٹ ۔ واپڈا ۔ ۱۶۸ سرور روڈ ، 〃

۴۸۶: میاں محمد شفیق ۔ مینجر نیشنل ٹائر اینڈ ربڑ کمپنی ۔ ۴۸ آدم جی روڈ راولپنڈی کنٹونمنٹ

۴۸۷: چوہدری فتح محمد سیکشن آفیسر ریٹائرڈ ۔ ۸۳۳ - D سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

حزب ارائیاں ، راولپنڈی

فہرست منتظمہ سال ۱۹۷۲ء

سرپرست : چوہدری عبدالرشید صاحب سابق ممبر قومی اسمبلی
۲۹ - ای سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی فون نمبر ۴۳۸۲۷

صدر : میاں محمد امین رضوانی سکواڈرن لیڈر (ریٹائرڈ)
۲۶۸ - کمال روڈ ۔ صدر

سینئر نائب صدر: بابو محمد دین فروٹ کمیشن ایجنٹس گنج منڈی

نائب صدر: ڈاکٹر ولی محمد میڈیکل پریکٹیشنر (ہومیو) میلاد چوک صدر

جنرل سیکرٹری: چوہدری محمد عبداللہ ۲۱۱ - بی سٹلائٹ ٹاؤن

نائب سیکرٹری: میاں نیاز احمد، بی ۴۰/ ۷۴ شالیمار ۶-۱ - اسلام آباد

جائنٹ سیکرٹری: چوہدری فتح محمد ۳۳۳ - ڈی سٹلائٹ ٹاؤن

خزانچی: ریٹائرڈ کیپٹن قاضی محمد حسن، پی ۸ ۱۰۷ ، اصغر مال روڈ

سیکرٹری نشر و اشاعت: چوہدری وزیر علی - اے ۱۸ کوہ نور ملز پشاور روڈ، راولپنڈی

چند ارکان

۱- چوہدری محمد دین ۷۰۲ - بی سٹلائٹ ٹاؤن

۲- چوہدری محمد رمضان اے ایف ایم - ۱۶ - ای وائی / ۱۳۷ واہ چھاؤنی

۳- " منیر احمد ۲۲/الف - ۲۶۶ واہ چھاؤنی

۴- حاجی محمد ابراہیم محمد بہ کمشن شاپ گنج منڈی راولپنڈی

۵- حاجی عبدالحمید اے - ۲۲۵ گلی ۱/۲ نانک پورہ "

۶- چوہدری نذیر احمد ۴۶۸۴ / بی - انند پورہ گوالمنڈی "

۷- میاں شوکت علی اسسٹنٹ انجنیئر ٹیلیفون ۲۸۸/۲۲ - سی - جی - ۶-۲ اسلام آباد

۸- پروفیسر محمد رضا اللہ، پی ۷۵ ۱/۱۴ اے ہری پورہ - راولپنڈی

۹- میاں امتیاز احمد پروفیسر گورنمنٹ پولی ٹیکنک کالج پشاور روڈ - راولپنڈی

چیدہ چیدہ ممبران

چوہدری عبدالشکور - اسسٹنٹ ڈائریکٹر لیبر ویلفیئر - مکان نمبر ۱ - ایچ ۸ آریہ محلہ راولپنڈی

میاں محمد حنیف - ریٹائرڈ ڈپٹی سی اے او " " ۹ " " "

" طارق مسعود - ایس - آر - او - ڈیفنس لیبارٹری " " ۹ " " "

" ڈاکٹر اے - آئی - محی الدین - کامن ویلتھ لیبارٹری " ۲۷ آفندی کالونی "

" محمد صدیق قمر اسسٹنٹ انجینئر ٹیلیفونز " پی ۱۰۵۶ اصغر مال روڈ راولپنڈی

چوہدری ڈاکٹر محمد شریف شاہد ۔ ایس ۔ او پنسٹک نیلور ۲۵ اصغر مال سکیم "

میاں شبیر احمد ۔ سویلین آفیسر الف ۔ ڈبلیو او چک لالہ ۔ اے ۔ اے ۱۰۹۶ اکال گڑھ "

چوہدری محمد اصغر ۔ جنرل سٹیشنری مارٹ " ۱۲۱۰ " "

" عبد العزیز ۔ سویلین گزیٹڈ آفیسر ۔ جی ۔ ایچ ۔ کیو " ۱۲۲۲ " "

" نیاز محمد " " " " ۱۲۲۳ " "

" منظور احمد سپرنٹنڈنٹ ایڈیشنل سیٹلمنٹ آفس " ۱۲۴۱ " "

" محمد اشرف پروفیسر انگلش ۔ سی ۔ بی سرسید کالج ایم ۱۰۵۸ امر پورہ "

" محمد عبد اللطیف اسسٹنٹ انجینئر ٹیلیفونز ۔ جی ۔ ایچ ۔ کیو ۔ کیو ۹۵۹ ٹیل شاہ نذر "

میاں محمد اشرف طاہر ۔ انسٹرکٹر پولی ٹیکنک کالج مکان نمبر سی ۸ پولی ٹیکنک کیمپس "

" امتیاز احمد جاوید پروفیسر " " " ڈی ۱۰ " " "

چوہدری محمد نسیم انسٹرکٹر " " " ۱۱ " " "

میاں اکرام الحق پروفیسر " " " ۱۲ " " "

ملک محمد اسلم انسٹرکٹر " " " ای ۱۵ " " "

فقیر محمد سلیم چوہدری " " " " ۱۹ " " "

چوہدری محمد اسرار نسیم " " " " " "

" ڈاکٹر محمد سلیم ۔ پی ۔ اے ۔ ایف ۔ ۴۰ ۔ ای بیس آفیسر زمیس چک لالہ

چوہدری ایم ۔ نیاز ربانی ۔ پاک آرمی ۔ ۵ ۔ ۱ ۔ اے سٹلائٹ ٹاؤن ۔ راولپنڈی

" خورشید احمد ۔ خورشید جیولر بازار صرافاں ۹۔۴۔اے

میاں مقبول احمد ۔ سیکشن آفیسر ۔ وزارت دفاع ۔ ریٹائرڈ ۔ ۱۱۱ بی "

چوہدری بشیر احمد ۔ سنئر سائل کنزرویشنسٹ واپڈا ۱۲/۷ " " " "

" سعید احمد ۔ اسسٹنٹ چیف پلاننگ ۴۴/۷ " " " "

" انور علی ۔ سائنٹیفک آفیسر ۔ پنسٹک نیلور ۴۶/۷ " " " "

،، فتح محمد نذر ٹیکنیکل آفیسر سائل کنزرویشن ۱۰۲۳ ایسٹ لائٹ ٹاؤن راولپنڈی

،، بی۔ اے۔ تبسم۔ پبلک ریلیشنز آفیسر وزارتِ اطلاعات ایف ۷۹۹ ،، ،، ،،

،، سردار علی۔ صنعت کار بی ۷۶۹ ،، ،، ،،

میاں عبدالخالق جیلانی۔ ڈپٹی ڈائریکٹر اکاؤنٹس ایم اے جی آفس ای ۲ ،، ،، ،،

،، ڈاکٹر محمد طاہر سینئر ریسرچ آفیسر۔ ڈیفنس لیبارٹری چک لالہ ،، ،، ،، ،،

چوہدری ڈاکٹر محمد عبداللہ۔ زرعی سنس کمشنر ڈی ۹۵ ،، ،، ،،

کرنل شاہ محمد ،، ۲۴۴ ،، ،، ،،

ڈاکٹر اشرف چوہدری۔ بائیالوجیکل کنٹرول کامن ویلتھ لیبارٹری ایف ۳۱۳ ،، ،، ،،

میاں عبدالرحیم۔ ڈپٹی ڈائریکٹر۔ سی۔ ڈی۔ اے۔ ،، ۷۵۴ ،، ،، ،،

،، خلیل الرحمن۔ پروجیکٹ ڈائریکٹر اسلام آباد یونیورسٹی ،، ۸۸۱ ،، ،، ،،

چوہدری یوسف علی۔ شعبہ شماریات گورنمنٹ ڈگری۔ کالج ،، ۹۹۹ ،، ،،

،، محمد دین۔ سنیئر ریسرچ آفیسر۔ آئی۔ ٹی۔ ڈی۔ سی اے۔ ۲۱۴ ،، ،،

،، نذیر احمد۔ سٹیٹ بنک اسلام آباد۔ این اے ۲۱۶ ،، ،،

،، عبدالمجید۔ ایڈمن آفیسر محکمہ زراعت ایس اے ۲۰۱ صادق آباد ،،

،، محمد رفیق۔ ایکس۔ ای۔ این۔ ایم۔ ای۔ ایس۔ ۸ ابکیری روڈ۔ صدر راولپنڈی

،، ایم۔ وائی۔ جاوید۔ پریذیڈنٹ باڈی گارڈ ۲۸ پریڈ روڈ۔ ،، ،،

،، کیپٹن محمد اسماعیل۔ کوارٹر ماسٹر ملٹری ہسپتال ۳۲ ،، ،، ،، ،،

چوہدری محمد بشیر۔ ڈی۔ ایف۔ او۔ نارتھ فون نمبر ۶۳۱۳۹ جیل روڈ اولڈ فارسٹ بلڈنگ

صدر۔ راولپنڈی

میاں محمد امین رضوانی۔ سکواڈرن لیڈر (ریٹائرڈ) ۲۶۸ کمال روڈ۔ صدر بازار ،،

،، الیاس نصر۔ ویونگ ماسٹر کوہ نور ملز۔ بنگلہ نمبر ۴۔ کوہ نور کالونی ،،

حاجی محمد بشیر۔ اسسٹنٹ ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل۔ ۵۰۵۔ ۴۔ گوالمنڈی ،،

چوہدری عبدالقیوم ولد بابو عبداللہ پروفیسر شعبہ ریاضی گورنمنٹ ڈگری کالج ۵۴ انانک پورہ (خالد آباد)

" عبدالرؤف " " پروفیسر شعبہ ریاضی گورنمنٹ ڈگری کالج صدر راولپنڈی

چوہدری محمد اقبال۔ ڈپٹی ڈائرکٹر امپورٹ و ایکسپورٹ "

" عبداللطیف چیف اکاؤنٹس آفیسر وزارت خارجہ۔ پی ۱۴۰۴۔ محلہ ہری پورہ "

" عبدالغفور۔ شعبہ کیمیا گورنمنٹ ڈگری کالج " ۱۴۷۳ " " "

محمد رضاء اللہ چوہدری شعبہ نباتات " " ۱۴۷۵ اے " " "

چوہدری بشیر احمد۔ سویلین گزیٹڈ آفیسر جی۔ایچ۔کیو " " "

" بشیر احمد۔ یونیورسٹی آف اسلام آباد۔ ۱۲۹ اے اسلام آباد

" غلام علی۔ وزارتِ مالیات اسلام آباد ۱۴۵۔ بی " "

" محمد رشید یونیورسٹی اسلام آباد ۴۰۲۔ بی " "

" رستم علی سٹیٹ بنک " " آب پارہ " "

" عبدالمجید۔ وزارت تعلیم اسلام آباد۔ ۱۸۴ بی اسلام آباد

میاں محمد صدیق۔ وزارت تعلیم اسلام آباد ۲۲۰ ڈی " "

چوہدری شرافت احمد۔ سٹیٹ بنک اسلام آباد

" محمد دین۔ ریسرچ آفیسر وزارت مالیات اسلام آباد

ایم۔ڈی۔ شمس چوہدری۔ ریڈیو اسٹیشن روات

چوہدری محمد سعید اختر۔ وزارت صحت اسلام آباد

ڈاکٹر جاوید اقبال۔ آئی۔ ایس۔ آئی ڈائرکٹوریٹ اسلام آباد

چوہدری غلام یزدانی۔ سیکشن آفیسر انڈسٹری ڈویژن اسلام آباد

" ایس۔ ایم۔ فیض " " وزارتِ مالیات "

میاں محمد بشیر۔ وزارت تعلیم "

چوہدری اکرام الحق۔ سیکشن آفیسر وزارتِ خارجہ "

میاں احسان الحق۔ ڈپٹی سیکرٹری نیشنل پے کمیشن "

" نذیر احمد۔ اسسٹنٹ چیف پلاننگ "

" عبدالحمید۔ سیکشن آفیسر کامرس اسلام آباد
" نصیر احمد " قدرتی وسائل "
چوہدری محمد اشرف۔ پراجیکٹ ڈائرکٹوریٹ یونیورسٹی "
" سلطان محمد۔ قومی اسمبلی "
" محمد اخلاق۔ وزارتِ قانون "
" محمد انور۔ ریڈیو اسٹیشن روات "
" محمد سلیم اختر۔ ہوم آفیسر ڈویژن۔ بلاک۔ آر "
" امداد احمد میاں۔ اسسٹنٹ انفارمیشن "
میاں ایس ایم۔ رضوانی۔ سیکرٹریٹ نمبر ۱۷ "
چوہدری عبدالرفیق۔ یونیورسٹی اسلام آباد "
" خالد رشید شہبانہ۔ سینٹرل گورنمنٹ کالج "
عزیز میاں۔ مینٹینس ڈائریکٹوریٹ سی۔ ڈی۔ اے "
چوہدری انعام الحق۔ ڈائرکٹر اسٹیبلشمنٹ ڈویژن "
ایم۔ نسیم چوہدری۔ ڈپٹی ڈائرکٹر سی۔ ڈی۔ اے "
چوہدری عبدالمجید انور۔ اسسٹنٹ ایٹی مولوجسٹ سی آئی بی "
" علی احمد۔ سیکشن آفیسر وزارتِ مالیات "
ڈاکٹر اے کریم۔ اکونومکس اینلیسٹ "
ڈاکٹر ولی محمد ذکی۔ ڈپٹی سیکرٹری ایجوکیشن۔ اسلام آباد
چوہدری محمد اقبال۔ ڈپٹی کنسلٹنگ انجنیئر وزارتِ مواصلات "
" اے آر جاوید " " " "
" محمد حسین۔ ڈپٹی چیف پلاننگ ڈویژن "
" محمد دین۔ سیکشن آفیسر " "
" غلام مصطفےٰ۔ اسسٹنٹ سیکرٹری نشنل پے کمیشن "

میاں محمود احمد آفتاب ۔ آفیسر ۔ یو ۔ بی ۔ ایل ۔ سٹی ״ اسلام آباد

چوہدری محمد شریف ۔ چیف آف ورکس واہ چھاؤنی

״ عبد اللطیف ۔ سپرنٹنڈنٹ سول ״ ״

״ جعفر علی ۔ اسسٹنٹ فائنیشل ایڈوائزر ״ ״

״ عبدالرزاق ۔ سپرنٹنڈنٹ میڈیم آرٹلری ایمونیشن ״ ״

میاں بشیر احمد ۔ ورکس مینجر الیکٹریکل ״ ״

״ انوار الحق ״ ״ فائر فائٹنگ ״ ״

چوہدری غلام نبی ۔ اسسٹنٹ فنینشل ایڈوائزر ״ ״

״ عطاء الحق ۔ ڈپٹی ״ ״ ״ ״

میاں امیر احمد ۔ سپرنٹنڈنٹ پراجیکٹ ״ ״

چوہدری عبد الحمید ۔ اسسٹنٹ ورکس مینجر ڈبلیو ۔ آئی ۔ ایس اے ״

״ نعمت علی ۔ اسسٹنٹ ورکس مینجر پاور ہاؤس ״

خورشید عالم چوہدری ۔ ورکس مینجر ایس ۔ اے ۔ اے ״

چوہدری عبد الرحمن ۔ چارج مین ۔ انوار چوک ״

״ محمد علی ۔ اکاؤنٹنٹ ملٹری اکاؤنٹس ״ ״

ڈاکٹر عثمان شوکت ۔ میڈیکل آفیسر ۔ پی ۔ او ۔ ایف ہسپتال ״ ״

״ اسلم ارشد ۔ سول ہسپتال ۔ گوجر خاں

چوہدری بشیر پنوار ۔ ملز مینجر ۔ گوجر خان

میاں حامد بشیر ۔ ایس ۔ ڈی ۔ او ۔ ڈرینج ویلز ۔ منگلا

״ اصغر ״ ״ ״ پاور کنسٹرکشن ״

״ محمد رشید ایس ۔ ڈی ۔ او ۔ پاور ہاؤس ۔ منگلا کالونی

چوہدری نور عالم ۔ صدر انجمن راعیاں ریکسنہ سہر ۔ تحصیل کہوٹہ

انجمن ارائیاں ضلع گوجرانوالہ

صدر :- حاجی امان اللہ مالک فضل فروٹ مارکیٹ گوجرانوالہ

نائب صدر :- چوہدری احمد حسن ایڈووکیٹ (صدر بار ایسوسی ایشن گوجرانوالہ) سول لائن گوجرانوالہ

سیکرٹری : چوہدری عبدالباری صاحب سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

خزانچی : غلام نبی مجاہد صاحب (انڈسٹریلیسٹ) مجاہد پورہ گوجرانوالہ

چیدہ چیدہ ممبران برادری

حاجی فضل کریم صاحب۔

میاں محمد منیر صاحب۔

چوہدری محمد اسماعیل رئیس گرباکھ۔

میاں عبدالستار

چوہدری غلام صادق، ہیڈماسٹر اقبال ہائی سکول گوجرانوالہ

چوہدری محمد اسلم صاحب

میاں محمد نصیر صاحب ڈھلہ

چوہدری محمد نذیر صاحب

میاں محمد افضل صاحب۔

چوہدری محمد شفیع صاحب

چوہدری عطا محمد صاحب

چوہدری چراغ دین صاحب

چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ریٹائرڈ سیشن جج صاحب گوجرانوالہ

مزید ممبران 'اوج' پاکستان

۴۸۸: چوہدری خورشید احمد، بی۔اے۔ایل ایل بی۔پی۔ڈی۔ایس۔پی۔ لاہور

۴۸۹: ڈاکٹر محمد آصف، ایم۔بی۔بی۔ایس۔ ۱۷۔اے۔ایف۔سی۔سی۔گلبرگ۔ لاہور

۴۹۰: میاں محمد اویس۔سراج الدین نرسری، ۵۷ لارنس روڈ لاہور۔ ۱۱۔اے ایف۔سی۔سی گلبرگ لاہور

۴۹۱: سلیم احمد ملک۔بی۔ایس۔سی۔نعیم اینڈ کمپنی، نیلا گنبد۔لاہور۔ ۲۰ شاہ جمال روڈ۔لاہور

۴۹۲: ڈاکٹر فاروق ارشد۔ ایم۔بی۔بی۔ایس، چوک مور والا، ساہیوال۔دارالسلام منزل، پرانی
سول لائن۔ ساہیوال

۴۹۳: ڈاکٹر عثمان امجد۔ایم۔بی۔بی۔ایس۔غلہ منڈی ساہیوال۔دارالسلام، پرانی سول لائن ساہیوال

۴۹۴: رضا محمد ارائیں۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔عیسٰی خیل۔ضلع میانوالی۔

۴۹۵: تسنیم قادر۔بی۔اے۔بی۔ایڈ (پنجاب)۔ایم۔ایس۔سی (یو۔ایس۔اے)، نیسپا ۱۸۸۔
سٹارچ کارنر، اپر مال۔لاہور۔

۴۹۶: اظہر ارشاد چوہدری۔بی۔ای (سول)، اے۔ایم۔آئی۔ای (پاک)، ایگزیکٹو انجنیئر فورتھ پراونشل
بلڈنگز ڈویژن۔ لاہور

۴۹۷: چوہدری محمد اصغر۔ایم۔ایس۔سی۔اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر (کیمیکلز)، ریکلیمیشن ڈائریکٹریٹ
لاہور۔ C-3/4 ۔وحدت کالونی۔ لاہور

۴۹۸: چوہدری امتیاز الحق۔ڈپلومارن انجنیئرنگ رسول۔ڈویژنل ہیڈ ڈرافسمین بلڈنگ ڈیپارٹمنٹ
فورتھ پراونشل بلڈنگ ڈویژن۔لاہور۔

۴۹۹: خان بہادر میاں عبدالرب۔بی۔اے ایل ایل۔بی۔ B-30 ۔وارث روڈ۔لاہور

اعلان از ارائیں ویلفیئر سوسائٹی راولپنڈی

اس سوسائٹی کے مقاصد پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔ برادری کے احباب سے التماس کی جاتی ہے کہ برادری کے مسائل کو اجتماعی طور پر حل کرنے کیلئے ارائیں ویلفیئر سوسائٹی پوسٹ بکس نمبر ۲۹۱ صدر راولپنڈی سے رابطہ قائم کریں۔

(سیکریٹری)

قابلِ مطالعہ کتابیں

۱۔ **حکمتِ اقبالؒ**: از ڈاکٹر محمد رفیع الدین؁ ایم۔اے، پی ایچ ڈی؁
ڈی لٹ (مرحوم)

کلامِ اقبالؒ کی روشنی میں اقبال کی روشنی میں اقبال کے فلسفۂ خودی کی مفصل اور منظم تشریح۔ اس کے مطالعہ سے اقبالؒ کے اُن اشعار کا مطلب بھی نہایت واضح اور روشن ہو جاتا ہے جو اب تک مشکل سمجھے جاتے تھے۔ (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ۔ کتابت اعلیٰ۔ کاغذ سفید۔ چھپائی آفسٹ (ونڈاٹک) قیمت ۔/۱۲ روپے

۲۔ **شانِ غزل**: دیوانِ غالب مع ہم طرح غالب از حضرت مولینا مولوی عبد الغفور اویسی۔ تعارف از پروفیسر وقار عظیم صاحب۔ دیوان غالب کی ہر نظم کے بالمقابل سلیمان اویسی صاحب (مرحوم) کی ہم طرح غزل۔ دو استادوں کی ہم طرح غزلوں کا لطف آپ یکجا اُٹھائیں گے۔ (مولینا سلیمان اویسی کا مختصر تعارف گڑھا و ہند کا مولوی خاندان میں موجود ہے) (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۔/۶ روپے

۳۔ **مدرس عربی**: از پروفیسر میاں منظور احمد ایم۔اے (گولڈ میڈلسٹ عربی و اسلامیات) فاضل دیوبند؁ عربی صرف و نحو، ترجمہ، کمپوزیشن و عروض و کافیہ پہ مکمل کتاب۔ زبان آسان۔ مثالیں جدید عربی یا قرآن حدیث سے۔ ترکیب نحوی مضمون نویسی کہانی لکھنا، مکالمات وغیرہ سب شامل ہیں۔ میٹرک، انٹرمیڈیٹ۔ بی۔اے، ایم اے، مولوی فاضل وغیرہ سب کے لیے بہت مفید کتاب (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ)
قیمت: حصہ اول ۲/۷۵ روپے۔ حصہ دوم ۔/۶ روپے

۴۔ **تفسیر بیضاوی سورہ آل عمران مع اردو ترجمہ** (برائے ایم۔اے عربی)
ہدیہ: ۳/۵۰ روپے

۵۔ **تحریکِ قیامِ پاکستان** از پروفیسر محمد رفیع انور پرنسپل گورنمنٹ کالج (ایمرسن) ملتان و پروفیسر حسن عسکری رضوی ایم۔ اے (پنجاب یونیورسٹی) تحریک پاکستان پر عمدہ کتاب قیمت ۔/۱۸ روپے

۶۔ **تحریکِ آزادی و دستورِ پاکستان** از پروفیسر فاروق اختر نجیب گورنمنٹ کالج میانوالی۔ قیمت ۱۲/۵۰ روپے

۷۔ **پاکستان کے مسائلِ آبادی**، از چوہدری محمد لطیف ایم۔ اے و چوہدری محمد حسن ایم۔ اے۔ اردو میں اس مضمون پر پہلی اور جامع کتاب۔ تمام پہلوؤں کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ کتابت، چھپائی کاغذ اعلیٰ (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۷/۵۰ روپے

۸۔ **پاکستانی معاشرہ اور جرائم**؛ از چوہدری عبداللطیف ایم۔ اے و چوہدری احمد حسن ایم۔ اے۔ یہ کتاب اُردو میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ موضوع کے تمام پہلوؤں پر عمدہ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ پولیس اور وکلاء کے لیے بڑی مفید ہے اور عام قاری کے لیے بھی بڑی دلچسپی کی چیز ہے۔ جرائم کی روک تھام کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت: ۱۰/۵۰ روپے

۹۔ **پاکستانی معاشرہ**؛ از پروفیسر غلام مُرتضیٰ شاکر ترک ایم۔ اے یہ کتاب بی۔ اے کے سلیبس کے بھی عین مطابق ہے لیکن عام قارئین کے لیے بھی دلچسپی کی حامل ہے۔ اُردو میں بلند پایہ کتاب ہے۔ قیمت ۔/۱۰ روپے

۱۰۔ **تفاسیر**؛ از پروفیسر میاں منظور احمد صاحب ایم۔ اے (اسلامیات و عربی، گولڈ میڈلسٹ) فاضل دیوبند۔ یہ تفاسیر ایم۔ اے اسلامیات کی ضروریات اور نصاب کے مطابق لکھی گئی ہیں، لیکن عام قارئین کے لیے بھی اتنی ہی مفید ہیں کیونکہ ان میں مندرجہ ذیل تفاسیر کے اقتباسات ہر آیت کے متعلق آجاتے ہیں۔ بنیاد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر کو بنایا گیا ہے۔

(۱) تفسیر ابن کثیرؒ (۲) تفسیر حقانی (۳) تفسیر المنار (سید رشید رضا مصری) (۴)

تفسیر المراغی (۵) تفسیر فی ظلال القرآن (سید قطب مصری)، (۶) تفسیر مولینا عبدالماجد دریابادی (۷) ترجمان القرآن (سید ابوالاعلیٰ مودودی)

(۱) تفسیر سورۂ نساء ہدیہ ۸/- روپے (۲) تفسیر سورۂ مائدہ ہدیہ ۶/- روپے
(۳) تفسیر سورۂ انعام ہدیہ ۶/- روپے (۴) تفسیر سورۂ اعراف ہدیہ ۹/- روپے
(۵) تفسیر سورۂ انفال ہدیہ ۶/- روپے (۶) تفسیر سورۂ توبہ ہدیہ ۶/- روپے

۱۱۔ خزینۂ معارف: تصوّف کی مشہور عربی کتاب ابریز کا سلیس اُردو ترجمہ، از ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔اے پی۔ایچ۔ڈی (ریٹائرڈ پرنسپل)
یہ کتاب علم لدُنی کا شاہکار ہے۔ اس میں قرآن کی مشکل آیات اور حروفِ مقطعات اور بعض ایسی احادیث جن کے مطالب بڑے بڑے علماء کے لیے بھی ایک معمہ کی حیثیت رکھتے تھے، بہت عمدہ اور صاف تشریحات کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں نہ صرف علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں بلکہ تصوّف کے بعض پیچیدہ مسائل کا عمدہ، آسان اور قابلِ قبول حل پیش کیا گیا ہے جو اس سے پہلے شاید پیش نہیں کیا گیا۔ زیارتِ رسول ؐ۔ اولیاء اللہ کی مجالس۔ باطنی امور، فتح نورانی اور فتح ظلمانی میں فرق، نبی، فرشتہ اور ولی میں فرق، مجذوب اور سالک میں امتیاز۔ پیدائشِ آدم، جنت اور دوزخ کے متعلق کشفی معلومات۔ روح، خواب اور تعبیر کے متعلق بے نظیر حقائق قلم بند کیے گئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب حقائق ایک اُمّی ولی اللہ کی زبان سے نکلے ہیں (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ)
مجلد ہدیہ ۱۵/- روپے

۱۲۔ قرآن، حدیث، فقہ کے مباحث پر تفصیلی بحث: از پروفیسر چوہدری غلام رسول ایم۔اے۔ اس میں تاریخ القرآن، تاریخ التفسیر، مباحث علوم القرآن، اصول التفسیر از فوز الکبیر (شاہ ولی اللہؒ) کے علاوہ حدیث اور فقہ کے عمومی مباحث بھی شامل ہیں۔ طلبہ ایم۔اے اسلامیات کی ضروریات پورا کرتی ہے۔ عام شائقین کے لیے بھی دلچسپ کتاب ہے (لائبریریوں کے لیے

منظور شدہ)

ہدیہ ۱۰/۰ روپے

۱۳۔ آثار التنزیل: از ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ فاضل دیوبند۔ قرآن مجید کے متعلق مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں:۔
ضرورت القرآن، نزول القرآن، تدوین القرآن، ترتیب القرآن، امثال القرآن، ارض القرآن، تفسیر القرآن، تاثیر القرآن وغیرہ عمومی مباحث شامل ہیں۔ دلچسپ کتاب ہے۔

ہدیہ ۶/۷۵ روپے

۱۴۔ اسلامی نظامِ حیات: از شیخ محمد اقبال ایم۔ اے صدر شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج لاہور۔ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر قرآن اور حدیث کی رو سے روشنی ڈالی گئی ہے جس سے آپ یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔ انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں شامل ہے۔ ہدیہ ۵/۰ روپے

۱۵۔ داستانِ اسلام (مستند تاریخ اسلام) از شیخ محمد اقبال ایم۔ اے تاریخ اسلام کے اصل ماخذوں سے اخذ شدہ (۱) سیرۃ النبی ۲/۷۵ روپے خلافتِ راشدہ ۲/۵۰ روپے (۳) بنو امیہ ۲/۵۰ روپے بنو عباس ۲/۷۵ روپے

۱۶۔ تاریخ ایران: از محمد حیات ایم۔ اے۔ ایم۔ اے کے نصاب کے علاوہ عام دلچسپی کی حامل ہے۔ قیمت ۱۲/۰ روپے

۱۷۔ تاریخ ہسپانیہ: (۷۱۲ء تا ۱۴۹۲ء) از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۱۰/۰ روپے

۱۸۔ تاریخ ترکیہ (حصہ اول) از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۵/۰ روپے

۱۹۔ اسلام اور سرمایہ داری کا معرکہ: از سید قطب مصری رح۔ ترجمہ از پروفیسر میاں منظور احمد۔ اسلامی نظام کی سوشلسٹ نظام پر برتری نہایت مؤثر انداز سے واضح کی گئی ہے۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۲/۲۵ روپے

۲۰۔ **شہری دفاع**: از میاں عبدالرشید ارشد۔ اس موضوع پر مفصل کتاب، لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت نیوز پرنٹ ایڈیشن قیمت ۶/۰ روپے (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ)

۲۱۔ **ابتدائی طبّی امداد**: از میاں عبدالرشید ارشد (زیرِ طبع)

۲۲۔ **فوٹو گرافی**: از میاں عبدالرشید ارشد (زیرِ طبع)

۲۳۔ **علمی اُردو لغت کلاں** از وارث سرہندی ایم۔اے۔ جامعیت کے اعتبار سے اس سے بہتر لغت اُردو زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ کوشش کی گئی ہے کہ تمام مستعملہ الفاظ اس میں مل جائیں، معانی مکمل اور صحیح۔ تلفظ دیا گیا ہے، پیش لفظ از ...... لکھائی۔ چھپائی آفسٹ وِنڈاٹک۔ کاغذ سفید حجم (۱۰" × ۷½) کے قریباً ۱۴۰۰ صفحات (زیرِ طبع) اُمید ہے ماہ دسمبر ۱۹۷۳ء کے آخر تک مارکیٹ میں آجائے گی۔

۲۴۔ **علمی اُردو لغت متوسط** از وارث سرہندی (زیرِ طبع)

۲۵۔ **رہنمائے کالج**: از پروفیسر غلام مرتضیٰ شاکر ترک ایم۔اے۔ کالج میں داخلہ لینے والے یا داخلہ کے بعد ہر طالب کے لیے بے حد ضروری اور مفید کتاب۔ کالج کی تعلیم اور آئندہ پیشہ کا انتخاب کے متعلق مکمل رہنمائی کرتی ہے۔ (لائبریریوں کے لیے منظور شدہ) قیمت ۲/- روپے

ایم۔ اے اسلامیات

۱۔ پہلا پرچہ (۱) سُورۂ نساء تفسیر و ترجمہ از پروفیسر میاں منظور احمد (تمام بڑی تفسیروں کے خلاصے شامل ہیں) ہدیہ ۸/- روپے

(۲) سُورۂ مائدہ " " " " " ہدیہ ۶/- "

(۳) تاریخ ادب تفسیر و اصول تفسیر " " " " ہدیہ ۲/۰ "

۲۔ دُوسرا پرچہ حدیث (۱) کتاب الصلوٰۃ از مشکوٰۃ المصابیح (ہر فصل کی پہلی حدیث صرف) مع ترجمہ و تشریح از پروفیسر میاں منظور احمد ہدیہ ۱۰/۰ روپے

(۲) کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم از مشکوٰۃ المصابیح (ہر فصل کی پہلی حدیث صرف) مع ترجمہ و تشریح از پروفیسر میاں منظور احمد ہدیہ ۷/۰ روپے

(۳) تاریخ و اصول حدیث۔ از پروفیسر میاں منظور احمد ہدیہ ۲/۰ روپے

۳۔ تیسرا پرچہ فقہ (۱) تاریخ فقہ مع عائلی قوانین و علم الفرائض، از پروفیسر میاں منظور احمد ہدیہ ۱۲ روپے

(۲) رہنمائے فقہ و اصول فقہ (ہدایہ و اصول اشاشی کا ملخص " " ہدیہ۔ ۵/۱ روپے

۴۔ چوتھا پرچہ تاریخ اسلام (۱) تاریخ مسلمانان عالم از پروفیسر محمد رضا خاں (ریٹائرڈ پرنسپل) ۲۰/۰ روپے

۵۔ پانچواں پرچہ: مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ: از پروفیسر چوہدری غلام رسول ایم اے۔ ہدیہ ۱۵/۰ روپے

۶۔ چھٹا پرچہ: اسلام کا معاشرتی، سیاسی و معاشی نظام: " " ہدیہ ۱۸/۰ روپے

۷۔ ساتواں پرچہ: (۱) اسلام اور سائنس از افتخار احمد طارق ایم۔اے ہدیہ ۱۲/۰ روپے

(۲) اسلام اور فلسفہ از خان محمد ایم۔اے ہدیہ ۹/۰ روپے

۸۔ آٹھواں پرچہ: مقالات علوم اسلامیہ، از پروفیسر میاں منظور احمد ہدیہ ۸/۰ روپے

نوٹ:۔ مندرجہ بالا کتابیں تجربہ کار، قابل اور محنتی پروفیسر صاحبان نے لکھی ہیں اور کورس کو مکمل طور پر پورا کرتی ہیں۔

ایم۔ اے اُردو

ایم۔اے اُردو کے پرچوں کی تیاری میں گذشتہ دس سال کے پرچوں کو پیش نظر رکھ کر نصاب میں شامل موضوعات کو مفصل لیکن جامع انداز میں اس طرح پیش کیا ہے کہ یونیورسٹی کے امتحان میں متوقع سوالات اس میں آجاتے ہیں۔ ہر موضوع پر اظہارِ خیال واضح، عام فہم اور معیاری تنقیدی انداز سے کیا گیا ہے۔

دوسرا ۸/۰، تیسرا ۱۵/۰، پانچواں ۱۵/۰، چھٹا ۱۱/۲۵ اور ساتواں ۶/۵۰ پرچے تیار ہیں، پہلے پرچے کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے اور چوتھا پرچہ زیر طبع ہے۔